مراثی انیس

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور

مراثی انیسؔ

مکمل

جلد چہارم

تیس (۳۰) مرثیے

نیز

۲۲ رباعیات اور دو سلام شامل ہیں

یہ مراثی ہمارے ادب کا بلند ترین شاہکار ہیں۔
نیز اصنافِ سخن میں ایک نئی جگہ کے مالک ہیں

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

کتاب منزل لاہور

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز و پبلشرز، کشمیری بازار لاہور، بندر روڈ کراچی (پوسٹ بکس ۵۲۸ لاہور)

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۲۷

تصنیف ... ... میر ببر علی انیس
مقدمہ ... ... سید احتشام حسین
ترتیب ... ... تائب حسین نقوی
طابع ... ... شیخ نیاز احمد
مطبع ... ... علمی پرنٹنگ پریس لاہور
تعداد اشاعت ... ... ۱۰۰۰ سیٹ
مقام اشاعت ... ... کتاب منزل کشمیری بازار لاہور
سال اشاعت ۱۹۵۹ء
قیمت مکمل بلا جلد چاروں حصے ... بتیس روپے -/۳۲ روپے
قیمت مکمل مجلد چاروں جلدیں... ... چھتیس روپے -/۳۶ روپے

کتاب منزل لاہور

خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو   لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار

مراثی انیسؔ

جلد چہارم

تئیس (۲۳) مرثیے

نیز

۲۲ رباعیات اور دو سلام شامل ہیں

یہ مراثی ہمارے ادب کا بلند ترین شاہکار ہیں۔
نیز اصنافِ سخن میں ایک نئی جگہ کے مالک ہیں

ترتیب

نائب حسین نقوی امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز (کتاب منزل) کشمیری بازار، لاہور

سلسلہ مطبوعات ۳۲۷

شیخ نیاز احمد پرنٹر و پبلشر نے علمی پرنٹنگ پریس لاہور سے طبع کرا کر
"شیخ غلام علی اینڈ سنز" کشمیری بازار لاہور سے شائع کی

ترتیب کتاب

زیرِ نظر جلد اٹھائیس ۲۸ مراثی بائیس ۲۲ رباعیات۔ اور دو سلاموں پر مشتمل ہے۔

میں نے انتہائی کوشش کی ہے ـــــ کہ سابقہ جلدوں سے اس کو متوازن کر دوں۔ اب نہیں کہہ سکتا۔ کہ اپنی اس محنت میں کہاں تک کامیاب ہو سکا ہوں؟

موجودہ جلد میں بھی "مذہبی اعتبار کے علاوہ" شائقین ادب اور اردو کے دلدادہ۔ نیز وہ طلبا، جو "تاریخ ادب" کے لئے "مرثیے" سے مدد لینا چاہیں۔ اور اُن کو صرف "جلد چہارم" ہی دستیاب ہو سکے۔ تو!۔ ان کے لیے بھی یہ جلد پوری پوری معاونت کر سکے۔

زیرِ نظر جلد میں "رزم" "بزم"۔ جنگ۔ گھوڑے کی تعریف۔ تلوار کی تعریف۔ صبح کا سماں۔ مناظر فطرت گرمی اور دھوپ کی شدّت۔ رات کی بھیانک تاریکیاں۔ نیز دوسرے تمام اصناف سخن مل سکتے ہیں۔

اس جلد میں خصوصاً۔ مراثی نمبر ۱-۳-۴-۸-۹-۱۰-۱۱-۱۷-۲۰-۲۲- کے مطالعے سے "حسب منشا" کلام اور صنائع بدائع نیز دیگر خصوصیات شاعری مل سکتے ہیں۔ فقط ـــــ زیادہ حد ادب۔

مرتّب
نائب نقوی

فہرست مراثی

جلد چہارم

فہرست رباعیات

جلد چہارم

فہرست سلام

جلد چہارم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

بند ۱۸۱

کنعانِ محمدؐ کے حسینوں کا سفر ہے
خورشید لقا زہرہ جبینوں کا سفر ہے
چھٹتا ہے وطن گوشہ نشینوں کا سفر ہے
اک دن کا نہیں کوچ مہینوں کا سفر ہے
گل رو چمنِ دہر سے جانے کو چلے ہیں
گھر چھوڑ کے جنگل کے بسانے کو چلے ہیں

دشمن کو بھی اللہ چھڑائے نہ وطن سے
جانے وہی بلبل جو بچھڑ جائے چمن سے
واقف ہے مسافر کا دل اس رنج و محن سے
چھٹتا نہیں گھر جان نکل جاتی ہے تن سے
آرام کی صورت نہیں مسکن سے بچھڑ کر
طائر بھی پھڑکتا ہے نشیمن سے بچھڑ کر

گردش ہے اور اب فاطمہ زہراؑ کا قمر ہے
ایک ایک قدم راہ میں لٹ جانے کا ڈر ہے
بستی ہے نہ رستے میں کسی جا نہ شجر ہے
درپیش ہے سختی کہ پہاڑوں کا سفر ہے
گرمی میں گرفتار محن ہوتے ہیں شبیرؑ
بچے لیے آوارہ وطن ہوتے ہیں شبیرؑ

دنیا کی مذمت میں ہے ارشادِ پیمبرؐ
ہیں تین مصائب کہ نہیں اس سے فزوں تر
اوّل تو سوال اُن میں ہے والد سے بھی ہو گر
اور دوسرے جس شخص کی ہو ایک بھی دختر
دونوں کے لیے رنج و الم شام و سحر ہے
باقی رہی اب ایک مصیبت وہ سفر ہے

غربت کی بھی ہوتی ہے عجب صبح عجب شام
کرتا ہے سفر قافلۂ راحت و آرام
وہ دشت نوردی وہ غم و صدمۂ آلام
منزل پہ بھی ممکن نہیں راحت کا سرانجام
نیند آتی ہے کب لاکھ جو پٹکے وہ سر اپنا
یاد آتا ہے منزل پہ مسافر کو گھر اپنا

اُس فصل میں ہے رخصتِ فرزندِ پیمبرؐ
جن روزوں پکھیرو بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
اندھیر ہے خاک اڑتی ہے یوں جلتی ہے دن بھر
جھیلوں سے پرندے بھی نکلتے نہیں باہر
یہ دھوپ میں حدت ہے کہ سب گوشہ نشیں ہیں
سایہ کہاں پتے بھی درختوں میں نہیں ہیں

وہ لوٗ وہ تپش اور وہ گرمی کا مہینا
سردی میں ہو ذکر اس کا تو آجائے پسینا
دشوار ہے اس دھوپ میں معصوموں کا جینا
ویرانہ ہے بستی میں اجڑتا ہے مدینہ
حضرت بھی گھلے جاتے ہیں تشویشِ سفر سے
ہیں ساتھ وہ بچے کہ جو نکلے نہیں گھر سے

برپا ہے مدینے میں تلاطم کئی دن سے
ہے راحت و آرام و طرب گم کئی دن سے
ہر گھر میں ہے اک شور و تظلم کئی دن سے
منھ ڈھانپے ہوئے روتے ہیں مردم کئی دن سے
وہ غم ہے کہ آرام کا جویا نہیں کوئی
راتیں کئی گزری ہیں کہ سویا نہیں کوئی

یثرب کے زن و مرد ہیں سب بے خور و بے آب
شبیرؑ کی فرقت کی کسی دل کو نہیں تاب
ہمسایوں میں اک غل ہے بکا کرتے ہیں احباب
غل ہے کہ مدینے میں خوشی اب ہوئی نایاب
اس شاہ میں خو بو ہے شہِ عقدہ کشا کی
اب کون خبر راتوں کو لے گا فقرا کی

کہتا ہے کوئی کیا ہوا یہ بیٹھے بٹھائے
کیا جانئے خط کوفے سے کس طرح کے آئے
روضے پہ نبیؐ کے شہِ دیں رہنے نہ پائے
کچھ ایسا ہو یارب کہ یہ مظلوم نہ جائے
کوفے میں محبت نہ مروت نہ حیا ہے
خط مکر کے لکھے ہیں بلانے میں دغا ہے

جب سے ہیں تردد میں سفر کے شہِ ابرار
گھوڑے بھی کسے جاتے ہیں محمل بھی ہیں تیار
اسباب سفر باندھتے ہیں یاور و انصار
عباسؑ نکلواتے ہیں صندوقوں سے ہتھیار
ہر فرد پہ الطاف و کرم کرتے ہیں شبیرؑ
ہمراہیوں کے نام رقم کرتے ہیں شبیرؑ

خلقت کا ہے مجمع درِ دولت پہ سحر سے
جو آتا ہے روتا ہوا آتا ہے وہ گھر سے
سب کہتے ہیں برسا کے لہو دیدۂ تر سے
چھپ جائے گا اب فاطمہؑ کا چاند نظر سے
اندھیر ہے گر یہ شہِ والا نہ رہے گا
اب شہر کی گلیوں میں اجالا نہ رہے گا

اعدا نے شہِ یثرب و بطحا کو ستایا
بیکس کو نبیؐ زادے کو تنہا کو ستایا
یاں بیٹھے بٹھائے شہِ والا کو ستایا
افسوس عجب تارکِ دنیا کو ستایا
اس گوشہ نشیں پر یہ تعدی نہ روا تھی
کیا قبرِ پیمبرؐ کے مجاور کی خطا تھی

کہتے ہیں جوانانِ مدینہ یہی رو کر
اب ہم سے بچھڑ جائیں گے ہائے علی اکبرؑ
بیتاب ہیں احباب علمدارؑ دلاور
روتا ہوا گرتا ہے کوئی آکے قدم پر
ہر مرتبہ اشک آنکھوں میں بھر لاتے ہیں عباسؑ
چھاتی سے ہر اک دوست کو لپٹاتے ہیں عباسؑ

قاسمؑ کے جو ہم سن ہیں وہ سب کرتے ہیں زاری
کہتے ہیں کہ اب تلخ ہوئی زیست ہماری
جب آئیں گے یاں نالہ و فریاد کریں گے
ہمجولیوں کا عونؑ و محمدؑ کے یہ ہے حال
ایک ایک سے فرماتے ہیں وہ صاحب اقبال
عزت ہے اطاعت میں امامؑ دوسرا کی
در پر کوئی روتا ہے کوئی راہ گزر میں
ہیں جمع محلے کی جو سب عورتیں گھر میں
سب مل کے بکا کرتے ہیں جب آتا ہے کوئی
سب کہتے ہیں زینبؑ سے کہ اے شاہ کی شیدا
پانی کی کمی گرمی کے دن خوف کا رستا
کیا سوچ کے اس فصل میں شبیرؑ چلے ہیں
سنتے ہیں یہ ہر وارد و صادر کی زبانی
اس فصل میں ہوتی ہے بہت تشنہ دہانی
تونسا ہوا بچہ کبھی جاں بر نہیں ہوتا
ہے ہے پہ نہلنے کے بھی بچے کا سفر ہے
غربت میں جوانوں کے تلف ہونے کا ڈر ہے
اصغرؑ کو جدا دکھ ہو قلق ماں کو جدا ہو
فرماتی ہیں زینبؑ نہیں بہنوں کوئی چارا
گھر چھوڑ کے جانا ہے کسی کو بھی گوارا
ایام مصیبت کے ہیں تنہائی کے دن ہیں
جس دن سے ہوئی احمدؐ مرسل سے جدائی
ماں باپ چھٹے پہلی مصیبت وہ اٹھائی
راحت سے کسی رات کو سوئے نہیں شبیرؑ

ایک ایک پہ اندوہ و غم و رنج ہے طاری
کیا ہوگا چلی جائے گی جس وقت سواری
سب روئیں گے جب خلق حسنؑ یاد کریں گے
بیتاب ہیں سب روتے ہیں اس درد سے اطفال
بس بھائیو بس رونے سے آنکھیں نہ کرو لال
پھر آئیں گے گر زیست نے اس سال وفا کی
تاریک ہے دنیا کسی غمگیں کی نظر میں
اک حشر ہے ناموس شہ جنّ و بشر میں
یوں روتے ہیں جس طرح کہ مر جاتا ہے کوئی
کس طرح کے خط آئے یکایک یہ ہوا کیا
وہ دھوپ پہاڑوں کی وہ لوں اور وہ صحرا
بچوں پہ کرو رحم کہ نازوں کے پلے ہیں
جھیلوں میں بھی نہروں میں بھی سب خشک ہے پانی
کس طرح جئیں گے اسداللہ کے جانی
جب خشک ہوا پھول تو پھر تر نہیں ہوتا
کچھ تم کو پہاڑوں کی بھی گرمی کی خبر ہے
رحم اس پہ ہے لازم کہ یہ بچہ گل تر ہے
گرمی کے سبب دودھ جو گھٹ جائے تو کیا ہو
قسمت میں تباہی ہے تو کیا زور ہمارا
مجبور ہے مضطر ہے یداللہ کا پیارا
غربت کی شبیں بادیہ پیمائی کے دن ہیں
دم بھر مرے ماں جائے نے راحت نہیں پائی
تنہا ہوئے جب زہر سے بے جاں ہوئے بھائی
دن کون سا تھا ایسا کہ روئے نہیں شبیرؑ

قبروں کی زیارت سے بہلتا تھا دلِ زار
رو آتے تھے ہر صبح کو جا کر شہِ ابرار
شہروں سے زیارت کو یہاں آتے تھے زوار
رہنے نہیں دیتے ہمیں یثرب میں جفاکار
تھی کون سی تکلیف حسینؑ ابنِ علیؑ سے
مظلوم نواسے کو چھڑاتے ہیں نبی سے

باتیں یہ ابھی تھیں کہ شہِ بحر و بر آئے
دیکھا رُخِ ہمشیر کو اور اشک بہائے
یاں بیٹھی تھی صغراؑ کو جو چھاتی سے لگائے
روتے ہوئے تشریف شہِ دیں وہیں لائے
بیٹی شہِ ذیجاہ کی تعظیم کو اُٹھی
بستر سے عصا تھام کے تسلیم کو اُٹھی

جلد اس کے قریب آ گئے یہ کہنے لگے حضرت
بیٹھو کہ ابھی اُٹھنے کی تم میں نہیں طاقت
اک ضعف کی تصویر ہو ایسی ہے نقاہت
کیوں رات کو کیسی رہی بی بی کی طبیعت
تپ میں جو کراہی تھیں تو گھبرائے تھے صغراؑ
بیہوش تھیں تم شب کو بھی ہم آئے تھے صغراؑ

صحت تمھیں دے حق یہی بابا کی دعا ہے
اولاد کو راحت ہو تو جینے کا مزا ہے
اب بادیہ پیمائی ہے ایذا ہے بلا ہے
کیا جانیے شبیرؑ کی تقدیر میں کیا ہے
دل جلتا ہے جب تپ میں تمھیں پاتا ہوں صغراؑ
اس رنج سے میں اندر گھلا جاتا ہوں صغراؑ

ایسا سفرِ صعب اور اس طرح کا بیمار
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائے کہیں راہ میں آزار
کیا نرگسی آنکھوں سے نقاہت ہے نمودار
سب زرد ہے ازبانِ حرارت سے تنِ زار
چہرے پہ کسی روز بحالی نہیں پاتا
سرعت سے کبھی نبض کو خالی نہیں پاتا

دم چڑھتا ہے بستر سے اٹھاتی ہو اگر سر
بی بی کہو محمل میں چڑھا جائے گا کیونکر
گھر میں تمھیں پانی کی بھڑک رہتی ہے دن بھر
پھر کیا ہو کسی دن جو نہ پانی ہو میسّر
تم جانے کے قابل نہیں میں رہ نہیں سکتا
شب سے ہے وہ تشویش کہ کچھ کہہ نہیں سکتا

گھر میں تمھیں چھوڑوں یہ نہیں دل کو گوارا
لے جاؤں تو بچنا نہیں ممکن ہے تمھارا
بچوں میں کوئی تم سے زیادہ نہیں پیارا
مجبور ہوں بے ہجر نہیں اب کوئی چارا
فرقت میں صدا نالہ و فریاد کروں گا
اتروں گا جو منزل پہ تمھیں یاد کروں گا

صغراؑ نے کہا آپ کی الفت کے میں قرباں
پھر کس کو ہو گر آپ کو لونڈی کا نہ ہو دھیان
صدقے گئی صحت کا بھی ہو جائے گا ساماں
مولا کی توجہ ہے ہر اک درد کا درماں
جس پر نظرِ لطفِ مسیحِ دوسرا ہو
برسوں کا ہو بیمار تو اک دم میں شفا

قربان گئی اب تو بہت کم ہے نقاہت
تپ کی بھی ہے شدت میں کمی روز ہے خفت
بستر سے میں اب اٹھ کے ٹہلتی بھی ہوں حضرت
پانی کی بھی خواہش ہے غذا کی بھی ہے رغبت
حضرت کی دعا سے مجھے صحت کا یقیں ہے
اب تو مرے منہ کا بھی مزا تلخ نہیں ہے

کیوں روتے ہو بابا یہ تردد کی نہیں جا
سب سہل ہے کچھ مجھ کو نہیں جینے کی ایذا
پہلے سے کہے دیتی ہوں لے سیّد والا
میں خانۂ ویراں میں نہیں رہنے کی تنہا
اب روح مرے جسم میں گھبراتی ہے بابا
ان باتوں سے کچھ بوئے فراق آتی ہے بابا

مرجاؤں گی بچھڑی جو مسیح دوسرا سے
صحت مجھے ہو جائے گی حضرت کی دعا سے
کٹ جائے گا اندوہ سفر فضل خدا سے
بیماری میں جان آئے گی جنگل کی ہوا سے
سب ساتھ ہیں روؤں گی نہ غم کھاؤں گی بابا
لیٹی ہوئی محمل میں چلی جاؤں گی بابا

شہ نے کہا تم حال سے میرے نہیں آگاہ
مجبور نکلتا ہوں میں اس شہر سے واللہ
آفت کا ہے بی بی یہ سفر خوف کی ہے راہ
بیمار ہو کس طرح سے لے جاؤں تمھیں آہ
آزار رسیدہ ہوں گرفتار بلا ہوں
گھر چھوڑ کے جلادوں کی سرحد میں چلا ہوں

وہ صعب پہاڑوں کا سفر اور وہ کڑے کوس
دن رات مسافر پہ کبھی دھوپ کبھی اوس
ایک ایک قدم رنج و الم حسرت و افسوس
ہوتا نہیں جز خار کوئی آکے قدمبوس
آرام کہیں راہ میں جانی نہیں ملتا
جنگل ہیں وہ ہول کہ پانی نہیں ملتا

تھوڑے ہی دنوں ہوئے گی کنبے سے جدائی
پردیس سے آکر تمھیں لے جائیں گے بھائی
کی مجھ سے نہ گر کوفے کی خلقت نے برائی
ممکن ہے کہ میں اور نہ کروں وعدہ وفائی
خوش ہوں گا تم اب دل پہ اگر جبر کرو گی
مر جاؤں گا جب میں تو نہ کیا صبر کرو گی

ثابت ہوا صغرا پہ کہ اب ہم رہے گھر میں
بس پھر گئی تنہائی کی تصویر نظر میں
اک جوش ہوا آنسوؤں کا دیدۂ تر میں
صدمے سے کھٹک درد کی پیدا ہوئی سر میں
شکل اپنی شب ہجر جو دکھلا گئی اُس کو
کانپا یہ تن زار کہ تپ آگئی اُس کو

تھراتی ہوئی آکے گری شہ کے قدم پر
کی عرض کہ مر جاؤں گی یا سبط پیمبر
تنہائی میں بابا مرا دل بہلے گا کیونکر
سب بیٹیاں ہیں کیا نہیں میں آپ کی دختر
بے آپ کے اس گھر میں نہ یا شاہ رہوں گی
اچھا میں کنیزوں ہی کے ہمراہ چلوں گی

سب رونے لگے سن کے یہ بیمار کی تقریر
چلائی سکینہؑ کہ میں صدقے مری ہمشیر
گھبرا کے یہ فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
تم بیٹی کو سمجھاؤ کچھ اے بانوئے دلگیر!
کم سن ہے مسافر ہے مجھے تشویش بڑی ہے
دن چڑھتا ہے اور آج کی منزل بھی کڑی ہے

یہ سنتے ہی بس ماں کی تو چھاتی امنڈ آئی
چلائی وہ ناشاد کہ ہے ہے مری جائی
زینبؑ نے کہا گھر سے نکلتا ہے یہ بھائی
مرجانے سے کچھ کم نہیں صغرا کی جدائی
گھر لٹتا ہے کس طرح قیامت نہ بپا ہو
پہلا ہے یہ غم آگے خدا جانئے کیا ہو

آغاز سفر میں تو یہ ماتم ہے یہ کہرام
کیا دیکھیں دکھاتا ہے اس آغاز کا انجام
جنگل ہو کہ بستی ہو کہاں راحت و آرام
ماں روئے گی بیٹی سے بچھڑ کر سحر و شام
بستی بھی ہے جنگل جو کلیجہ نہ ہو بر میں
بھولے گی وہ، چھوڑیں گے، اکیلا جسے گھر میں

صغراؑ نے کہا آپ کی باتوں کے میں قرباں
تم جان بچا لو کہ میں لونڈی ہوں پھوپی جان
بیٹی ہو علیؑ کی مری مشکل کرو آساں
جیتی رہی صغراؑ تو نہ بھولے گی یہ احساں
کچھ بات بجز گریہ و زاری نہیں کرتیں
اماں تو سفارش بھی ہماری نہیں کرتیں

پیاری ہیں جو دو بیٹیاں وہ جائیں گی ہمراہ
کیا اُنس کہ میں گور کنارے بھی تو ہوں آہ
بابا کو نہ اماں کو نہ بہنوں کو مری چاہ
سب جیتے رہیں خیر ہمارا بھی ہے اللہ
بھولے سے نہ اب خاطر ناشاد کریں گے
میں قبر میں جب ہوں گی تو سب یاد کریں گے

کیا خلق میں لوگو کوئی ہوتا نہیں بیمار
ہے کون سی تقصیر کہ سب ہو گئے بیزار
زندہ ہوں پہ مردے کی طرح ہو گئی دشوار
کیوں بھاگتے ہیں سب مجھے ہو کون سا آزار
حیرت میں ہوں باعث مجھے کھلتا نہیں اس کا
وہ آنکھ چرا لیتا ہے منہ تکتی ہوں جس کا

تپ کیا مجھے آئی کہ پیام اجل آیا
ہے ہے مری راحت کی بنا میں خلل آیا
چھوڑا مجھے سب نے جو سفر کا محل آیا
کیا خوب مرے نخل تمنا میں پھل آیا
دل سخت کیا ماں نے مجھے غم ہے اسی کا
سچ ہے کہ زمانے میں نہیں کوئی کسی کا

وہ چاہنے والا ہے مصیبت میں جو کام آئے
میں سب کی ہوئی اور کوئی میرا نہ ہوئے
اس راہ میں ہمراہ کنیزیں تو ہوں اے وائے
کہنے کی جو ہو چاہنے والی وہی رہ جائے
بیماری مزمن میں دوا خوب ہوئی ہے
تجویز مرے واسطے کیا خوب ہوئی ہے

تنہائی میں رونے سے اُتر جائے گی یہ تپ
تڑپوں گی تو جائے گی یہ اعضا شکنی سب
کم ہوگی حرارت الم و رنج و محن میں
کھوئے گا یبوست کو بھی راتوں کا نہ سونا
تسکین ہے بالیں پہ عزیزوں کا نہ رہنا
راحت سے شب و روز علاقہ مجھے ہوگا
تنہائی میں شدت بھی نہ ہوگی خفقاں کی
تڑپوں گی نہ فرقت میں امامِ دوجہاں کی
فرقت میں مری طرح جگر کس سے سنبھلتا
سب چاہنے والے ہیں کروں کس کی شکایت
چھوڑا ہمیں بس دیکھ لی اماں کی محبت
فرقت کا الم میرے کلیجے کو چھری ہے
عاشق مرے مشہور ہیں بھیا کے میں واری
قاسم کو غرض کیا جو سُنیں گریہ وزاری
اللہ تو ہے گر کوئی غم خوار نہیں ہے
اُس وقت محبت مری ہو جائے گی خالی
لو مرگئی کُنبے کی جو تھی چاہنے والی
قسمت نے سُنائی خبر مرگ سفر میں
پھر ہم نہیں ملنے کے کوئی لاکھ ہو جویا
عالم سے وہ بیگانہ ہے جو قبر میں سویا
پُرسے کے لئے لوگ ہوئے جمع تو پھر کیا
یاں ذکر یہ تھا آئے جو روتے ہوئے اکبرؑ
چلائی بہن، بھائی کی چھاتی سے لپٹ کر
فریاد ہے بے موت بہن مرتی ہے بھائی

ہاں درد بھی سر میں مرے ہووے گا بہت کم
بہتر یہی ترکیب ہے نُسخہ یہی انسب
غم کھانے سے آجائے گی طاقت مرے تن میں
تفریح مجھے بخشے گا مُنہ اشکوں سے دھونا
تنقیہ کامل ہے مرے واسطے رونا
فاقہ جو کروں گی تو افاقہ مجھے ہوگا
بیمار کا دل بہلے گا وحشت سے مکاں کی
شفقت مجھے یاد آئے گی بہنوں کی نہ ماں کی
میں گھر میں نہ ہوتی تو یہ گھر کس سے سنبھلتا
بابا کی یہ تقریر ہے بہنوں کی یہ صورت
بولیں نہ پھوپی جان بھی کچھ واہ ری قسمت
سب اچھے ہیں لوگو مری تقدیر بُری ہے
دو دن سے خبر بھی نہیں لی آکے ہماری
میں کون سکینہ ہے چچا جان کو پیاری
مٹی مری کچھ قبر کو دُشوار نہیں ہے
جب راہ میں خط پڑھ کے کہیں گے شہ عالی
آباد جو حُجرہ تھا وہ اب ہو گیا خالی
وہ قبر میں سوئی جسے چھوڑ آیا تھا گھر میں
سب رو کے کہیں گے کہ اُسے ہاتھ سے کھویا
کیا نفع اُسے کوئی کڑھا یا کوئی رویا
پردیس میں کُنبے نے رکھا سوگ تو پھر کیا
سُرخ آنکھیں تھیں اور زرد تھا غم سے رُخ انور
اس سینے کے ان ہاتھوں کے قربان یہ خواہر
تقدیر ہمیں تم سے جُدا کرتی ہے بھائی

بھیا مری تنہائی پہ آنسو نہ بہاؤ
وہ دن ہو کہ پھر خیر سے اس شہر میں آؤ
ہر چند یہ مشکل ہے کہ جیتا ہمیں پاؤ
صدقے گئی پھر آنے کا وعدہ کئے جاؤ
عرصہ ہو تو خط لکھ کے طلب کیجیو بھائی
اب بیاہ میں مجھ کو نہ بھلا دیجیو بھائی

وہ دن ہو کہ بوٹا سی تمہاری دولھن آئے
جلدی کہیں یا حضرت باری دولھن آئے
سب پھول کے گہنے میں سنواری دولھن آئے
تم جیسے ہو ویسی ہی پیاری دولھن آئے
ہمشیر کو تربت میں نہ ترسائیو بھائی
بھابی کو مری قبر پہ لے آئیو بھائی

رونے کا ادھر غل تھا کہ فضہ یہ پکاری
تیار ہے ناموس محمدؐ کی سواری
دروازے کے نزدیک ہے زینبؑ کی عماری
کیا دیر ہے اب آئے ید اللہ کی پیاری
ہر بار قناتوں کے قریب آتے ہیں عباسؑ
اب جلد سواری ہو یہ فرماتے ہیں عباسؑ

شبیرؑ نے رو کر کہا لو جاتے ہیں صغراؑ
جلد آتے ہیں یا خود تمہیں بلواتے ہیں صغراؑ
ہم سب تری تنہائی کا غم کھاتے ہیں صغراؑ
جاں اپنی نہ کھونا تمہیں سمجھاتے ہیں صغراؑ
قربان پدر آب و غذا ترک نہ کرنا
بڑھ جائے گا آزار دوا ترک نہ کرنا

بیٹی سے یہ فرما کے چلے قبلۂ عالم
ناموس محمدؐ بھی چلے ساتھ بصد غم
صغراؑ بھی چلی جاتی تھی روتی ہوئی باہم
ہمسائیاں باندھے ہوئے تھیں حلقۂ ماتم
راحت ابھی جو سب کو شہ ذی جاہ کے دم سے
اک بیٹھتی تھی ایک لپٹتی تھی قدم سے

غل تھا شہ ابرار خدا حافظ و ناصر
رانڈوں کے مددگار خدا حافظ و ناصر
اے خلق کے سردار خدا حافظ و ناصر
محتاجوں کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
دکھ فاقوں کے غربت کے الم کس سے کہیں گے
مشکل کوئی اب ہوگی تو ہم کس سے کہیں گے

شہ کہتے تھے اللہ۔ دگار ہے سب کا
انسان کی کیا آس بھروسا تو ہے رب کا
ساماں ہے کبھی غم کا کبھی عیش و طرب کا
مضطر نہیں فرزند شہنشاہ عرب کا
مانگو یہ دعا خیر سے وہ وقت بسر ہو
جس روز کہ شبیرؑ کا دنیا سے سفر ہو

یہ کہہ کے برآمد ہوا وہ خلق کا والی
ناقوں پہ چڑھے سب حرم سید والی
احباب تڑپتے تھے بلکتے تھے موالی
غل تھا کہ محمدؐ کا بھرا گھر ہوا خالی
یوں روتے تھے سب گرد حسینؑ ابن علیؑ کے
جس طرح کہ ماتم تھا جنازے پہ نبیؐ کے

صغرا کو نقاہت سے نہ تھی طاقتِ رفتار
جب ناقے پہ تھی بانوئے ناشاد دل افگار
قربان گئی آخری دیدار دکھا دو
مضطر ہوئی سن کر یہ سخن بانوئے بے پر
بیٹی سے کہا دستِ پسر ماتھے پہ رکھ کر
منھ زرد ہے رخساروں پہ آنسو بھی بہے ہیں
تھراتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر وہ پکاری
آخر کوئی دن میں ہے بس اب موت ہماری
جب آ کے پھر اس جھونپڑے کو آباد کرو گے
عباسؑ سے شہؑ نے کہا اے ثانیِ حیدرؑ
جمالوں سے کہہ دو کہ بڑھیں اونٹوں کو لے کر
احباب جو روتے ہیں تو غم کھاتے ہیں ہم بھی
یہ سنتے ہی ناقے تو روانہ ہوئے یکبار
گھر میں اسے پہونچا کے چلے سیدِ ابرار
روتے تھے مجاور جو نواسے کو نبیؐ کے
آتی تھی صدا اے مری تربت کے مجاور
اے فاتحہ کش اے منزلِ اوّل کے مسافر
دشمن کو بھی اس طرح اذیت نہیں دیتے
دو چیزوں کو میں چھوڑ کے آیا ہوں امانت
ان دونوں کو یوں بھول گئے اہلِ شقاوت
الفت کو مروت کو محبت کو بھی بھولے
منھ پھیر لیا سب نے مرے دفن و کفن سے
زہرا تو ستم سہہ کے گئی دارِ محن سے
کنبہ مرا دنیا میں گرفتارِ بلا ہے

اٹھی کئی بار اور گری در پہ کئی بار
اس ناقے کے پاس آ کے یہ چلائی وہ بیمار
اماں مجھے اصغر کو پھر اک بار دکھا دو
پردے سے جگر بند کا منھ کر دیا باہر
لو آخری تسلیم بجا لاتے ہیں اصغرؑ
یہ نرگسی آنکھوں سے تمھیں دیکھ رہے ہیں
اس ہاتھ کے اس چاند سے ماتھے کے میں واری
بھیا نہیں جینے کی میں فرقت میں تمھاری
تم بھی مری گودی کو بہت یاد کرو گے
مر جائے گی اب فاطمہ صغرا مری دختر
اسواریوں کے ساتھ رہیں قاسمؑ و اکبرؑ
سب شہر کے ناکے پہ تمھیں آتے ہیں ہم بھی
غش کھا کے گری خاک پہ صغرا جگر افگار
غل شہر میں تھا ہائے دو عالم کے مددگار
اک حشر تھا روضے پہ رسولِ عربی کے
صدقے تری مظلومی کے اے صابر و شاکر
ہے ہے مری امت نے ستایا تجھے آخر
ظالم مجھے مرنے پہ بھی راحت نہیں دیتے
اک مصحفِ معبود ہے اور اک مری عترت
عترت کا یہ نقشہ ہوا قرآں کی وہ صورت
سب ایک طرف امرِ رسالت کو بھی بھولے
باندھا مرے داماد کی گردن کو رسن سے
کی رسم محبت میں دغا سب نے حسنؑ سے
باقی تھا حسینؑ ایک سو مرنے کو چلا ہے

آتی تھی صدا تربتِ زہرا سے یہ اُس آن
فوجیں ہیں نہ لشکر نہ دغا کا کوئی سامان
کیا ہوگا ہوا ظلم کی جب آہ چلے گی
جس باغ کو زہرا نے ریاضت سے لگایا
ان باغیوں نے قبر میں بھی مجھ کو ستایا
داغوں کے چمن سینے میں کھل جائیں گے ہے ہے
سنتے ہوئے مادر کی غم انگیز یہ تقریر
یاران وطن گرد تھے افسردہ و دلگیر
کیوں پیٹتے ہو غم ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کے
دنیا ہے سرائے غم واندوہ و مصیبت
احباب کا ہے وصل کبھی اور کبھی فرقت
غم آج تو یہ ہے کہ بچھڑتے ہیں وطن سے
لاکھوں ہیں مسافر کہ نہ پھر آئے سفر سے
رک جاتی ہے شمشیر کی ضربت تو سپر سے
کہتے ہیں مسافر کہ تہِ خاک نہاں ہیں
فرما کے یہ رخصت ہوئے یارانِ وطن سے
نکلا وہ نایاب نبوت کے عدن سے
رستے کی وہ سختی وہ سفر رنج و بلا کا
کٹتی تھی جو مر مر کے جبل کی وہ کڑی راہ
ہر کوہ کے طے کرنے میں تھی محنتِ جانکاہ
ہاتف کی صدا تھی کہ بہت بعد نہیں ہے
اُس دھوپ میں بستانِ محمدؐ کا یہ تھا حال
چہرے پہ کوئی دھوپ میں ڈھکے ہوئے تھا رومال
وہ بھی کہ شجر جل گئے تھے دشتِ بلا میں

تم جاتے ہو جنگل کے بسانے کو مری جاں
شبیرؑ یہ مادر تری تنہائی کے قرباں
مادر بھی سپرد ہونے کو ہمراہ چلے گی
جب فصلِ بہار آئی تو پھل آہ نہ پایا
ہے ہے مری بستی کو کسی نے نہ بسایا
اب پھول مرے خاک میں مل جائیں گے ہے ہے
روتے ہوئے گھوڑے پہ چلے جاتے تھے شبیرؑ
فرماتا تھا ایک ایک سے وہ صاحبِ توقیر
اب تم بھی کرو صبر نواسے کو نبیؐ کے
ہم کیا ہیں پیمبرؐ نے تو پائی نہیں راحت
برہم نہ ہوئی ہو کوئی ایسی نہیں صحبت
اٹھ جائیں گے اک روز یونہی دار محن سے
جنگل میں عزیزوں کو اجل لے گئی گھر سے
ساعت وہ اجل کی ہے کہ ٹلتی نہیں سر سے
قبریں تو ہیں ویرانے میں بستی میں مکاں ہے
ایام بہاری نے کیا کوچ چمن سے
طے منزلیں ہوتی تھیں رنج و محن سے
سچ کہتے ہیں سودا ہے کڑا راہِ خدا کا
عمر میں بھی عزیزوں کی ہوئی جاتی تھیں کوتاہ
تھا شور کہ چشمہ نہ کہیں ہے نہ کہیں چاہ
گھر دور ہیں اور منزلِ مقصود قریں ہے
سنولائے ہوئے رنگ تھے لالے کی طرح لال
رکھتا تھا بھگو کر کوئی رخساروں پہ رومال
معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے آگ ہوا میں

ناموس محمدؐ تھے جو آفت میں گرفتار
افسردہ و مغموم و حزیں تھے شہِ ابرار
بچوں کی مصیبت کا بیاں کرتے تھے ہر بار
دنیا کی مذمت میں کبھی پڑھتے تھے اشعار
فرماتے تھے اے دہر گرفتارِ بلا ہوں
میں وہ ہوں جو آغوشِ محمدؐ میں پلا ہوں

رستے میں سنی جب خبرِ مسلمؑ و ہانی
منہ ڈھانپ کے رویا اسد اللہ کا جانی
صدمے سے مسافر کا لہو ہو گیا پانی
فرماتے تھے افسوس برادر کی جوانی
آج ان پہ جو گزری وہ ہمارے لیے کل ہے
مسلمؑ کی شہادت نہیں پیغامِ اجل ہے

عباسؑ سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
فراشوں سے کہہ دو یہیں خیمے کریں برپا
مظلوم کی بیوہ کو ابھی دینا ہے پُرسا
آفت ہے صغیروں کے لیے داغِ پدر کا
سر پیٹیں گے رو دیں گے دمِ سرد بھریں گے
فرصت ہوئی ماتم سے تو کل کوچ کریں گے

برپا ہوا خیمہ وہیں اترے شہِ عالم
تا صبح رہا بھی شہِ والا کا ماتم
سیدانیاں خیمے میں بکا کرتی تھیں باہم
مسلمؑ کے پسر پیٹتے تھے چھاتیاں ہر دم
ہلتی تھی زمیں ہائے مسافر کی صدا سے
سویا نہ کوئی زوجۂ مسلمؑ کی بکا سے

فارغ ہوئے حضرت جو فریضے سے سحر کے
ارشاد کیا بھائی سے اشک آنکھوں میں بھر کے
ٹکڑے ہیں غمِ مسلمِ بیکس میں جگر کے
تھمنے کے نہیں اشک مرے دیدۂ تر کے
پُرسے کے لیے خیمے میں جایا نہیں جاتا
منہ زوجۂ مسلم کو دکھایا نہیں جاتا

عباسؑ نے کی عرض کہ ارشاد بجا ہے
خادم کا بچھڑنا سببِ آہ و بکا ہے
کوفے میں تو مولا نہ مروت نہ وفا ہے
بے دین ہیں آل ان کی محبت کا دغا ہے
بدعہد ہیں طامع ہیں بے درد ہیں ظالم
مظلوم کو بے پیر کیا نامرد ہیں ظالم

یہ ذکر ابھی کرتے تھے عباسؑ خوش اطوار
جو آئے وہاں مسلمِ مظلوم کے دلدار
سب ساتھ تھی اولادِ عقیلِ جگر افگار
دیکھا جو انھیں رونے لگے سیدِ ابرار
دل ہل گیا بچوں کے لیے پیر و جواں کا
دربار میں اک شور ہوا آہ و فغاں کا

پاس آ کے وہ قدموں پہ جھکانے جو لگے سر
شبیرؑ نے چھاتی سے لگایا انھیں اٹھ کر
پیشانی کے بوسے لیے منہ رکھ دیا منہ پر
بٹھلا لیا مسند پہ انھیں اپنے برابر
فرماتے تھے یہ راحتِ جاں لختِ جگر ہیں
پہلے تو بھتیجے تھے یہ اب میرے پسر ہیں

دونوں نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو یہ اس آں
ہے فخر غلامی ہمیں اے فاطمہؑ کی جاں
بیٹوں کو نہ کیوں فخر و مباحات کی جا ہو
حضرت نے کہا بھائی کا غم ہے غم جانکاہ
درپیش ہمیں بھی کوئی دن میں ہے یہی راہ
آفت ہے غم بے پدری دار محن میں
کافی ہے تمھارے لیے مسلم کی شہادت
لوٹاں کو بھی ہمراہ مجانے میں بہ عزت
مسلمؑ کی نشانی ہو مرے نور نگہہ! ہو
یہ سن کے سر ان دونوں نے پہلے تو جھکائے
وہ جائیں کہاں اے اسد اللہ کے جائے
جائیں گے جدھر آپ اُدھر جائیں گے مولا
اس وقت میں آقا کی رفاقت سے کنارا
فرمایئے یثرب میں ہے اب کون ہمارا
مشتاق جناں طالب فردوس بریں ہیں
منہ کس کو دکھائیں جو پھریں راہِ رضا سے
مارا ہے لعینوں نے مسافر کو دغا سے
مرجائیں گے یا جنگ کو سر کرکے پھریں گے
اب دھیان ہے مادر کا نہ بہنوں کا نہ گھر کا
مرہم ہے یتیمی میں یہی زخم جگر کا
دل میں بھی پھپھولے ہیں کلیجہ بھی جلا ہے
دو بھائی تو ہمراہِ پدر جان گنوائیں
اس راہ سے پھر جائیں تو منہ کس کو دکھائیں
مرجائیں گے قدموں پہ شہِ جن و بشر کے

اس لطف پہ بیٹے بھی فدا باپ بھی قرباں
کام آئے جو بابا تو خوشا بخت زہے شاں
آزاد وہ بندہ ہے جو آقا پہ فدا ہو
کیا کیا نہ ستم سہہ کے وہ دنیا سے گیا آہ
اس غم میں تمھیں صبر عنایت کرے اللہ
اب تم کو مناسب ہے کہ پھر جاؤ وطن میں
واللہ میں تم کو بخوشی کرتا ہوں رخصت
ہے مصلحتِ وقت گوارا کرو فرقت
اب تو مجھے تم اکبرؑ و اصغرؑ کی جگہ ہو
پھر جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
جو اپنا وطن چھوڑ کے مرجانے کو آئے
گھر قبر ہے مرجائیں تو گھر جائیں گے مولا
یہ امر غلاموں کو نہ ہوئے گا گوارا
اک باپ تھا سر پر سو وہ دنیا سے سدھارا
جینے پہ جو مرتے ہیں غلام ان میں نہیں ہیں
ہم اپنی اجل کے ہیں طلبگار خدا سے
لیں گے عوضِ خونِ پدر اہل جفا سے
کوفے کی زمیں خون سے تر کرکے پھریں گے
دعویٰ ہے لعینوں سے ہمیں خونِ پدر کا
دم لیں گے لہو دیکھ کے اس بانیٔ شر کا
اب تیغ ہے اور حاکمِ کوفہ کا گلا ہے
ہم باپ کے مرقد کی زیارت کو نہ جائیں
حسرت ہے کہ جو باپ کا درجہ ہے وہ پائیں
قبریں بھی جو اب ہوں گی تو پہلو میں پدر کے

جس وقت سُنی شہ نے یتیموں کی یہ گفتار
اٹھ جائیں زمانے سے جب اس طرح کے غمخوار
اب دمِ شمشیر کے مشتاق گلے ہیں

فرماکے یہ اس بن سے چلا فاطمہؑ کا لال
منزل یہ زبالہ کی جو پہونچا وہ خوش اقبال
وہ صدمۂ تازہ ہوئے اک جانِ حزیں پر

اکھڑے جو وہاں سے بھی خیامِ شہِ عالم
بچوں کی ہمیں فکر ہے اپنا نہیں کچھ غم
شربت جو ہیں سیراب انھیں اونٹوں پہ دھر لو

یہ سن کے ہر اک ظرف میں سقوں نے بھرا آب
گرمی تھی یہ اس دن کہ کسی دل کو نہ تھی تاب
لو چل رہی تھی رنگ بھی سونلائے ہوئے تھے

حضرت بھی چلے جاتے تھے افسردہ و دلگیر
اس شخص سے فرمانے لگے حضرت شبیرؑ
کی عرض قریب آکے شہِ جنّ و بشر کے

اوروں نے یہ کی عرض کہ اے دلبرِ زہراؑ
عباسؑ علمدار نے جب غور سے دیکھا
کیا جانیے انبوہ ہے یا چند نفس ہیں

شبیرؑ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو بھائی
ماتم میں کسی روز سے راحت نہیں پائی
سرکش ہیں ارادہ نہ کریں بے ادبی کا

یہ کہہ کے بڑھے دہنی طرف سبطِ پیمبرؐ
پہونچے تھے حرم خیمے میں ناقوں سے اتر کر
سر تا قدم آہن میں ستمگار نہاں تھے

فرمایا کہ سچ کہتے ہو تم دونوں وفادار
پھر خلق میں کچھ زیست کی لذت نہیں زنہار
بہتر ہے چلو ہم بھی تو مرنے کو چلے ہیں

تھے زرد مگر صدمۂ مسلم سے رُخ آل
عبد اللہ یقطر کی شہادت کا سنا حال
وہ رات بھی اندوہ میں گزری شہِ دیں پر

خدام سے ارشاد کیا آپ نے اس دم
اس منزلِ پُر ہول میں پانی ہے بہت کم
جو مشکیں کہ خالی ہیں وہ سب پانی سے بھر لو

راہی ہوا اس بن سے حسنؑ کا گل شاداب
تھا شعلہ فشاں دشت میں خورشیدِ جہاں تاب
جنگل میں گلِ فاطمہؑ مرجھائے ہوئے تھے

جو ایک دلاور نے کہی گھوڑے پہ تکبیر
تبلا سبب اس ذکر کا اے صاحبِ توقیر
وہ نخل نظر آتے ہیں کوفے کی زمیں کے

فرمائیے یہاں نخل اتو دیکھے نہیں اصلا
کی عرض شہِ دیں سے کہ فوج آتی ہے مولا
تو کہیں یہ سنانوں کی ہیں یا گوشِ فرس ہیں

یہ فوج ہمارے لیے کوفے سے ہے آئی
کیا دور ہے گر ہو اسی جنگل میں لڑائی
خیمہ کہیں برپا کرو ناموسِ نبیؐ کا

برپا کیا نزدیک جبل خیمۂ اطہر
جو آگیا نزدیک ستمگاروں کا لشکر
سب ایک ہزار ان میں زرہ پوش جواں تھے

آنے لگے حضرت کی طرف جب وہ جفا کار
برپا ہے یہاں خیمۂ شاہنشہ ابرار
کچھ عرض جو کرنی ہے تو کر بھیجو ٹھہر کر
بے خوف چلے آتے ہو باگوں کو اٹھائے
پیغام ہے کچھ یا ہو عریضہ کوئی لائے
گر بے ادب آؤ گے تو جانا نہ ملے گا

نے عرض نہ معروض نہ تسلیم نہ پیغام
کیا فوج یہاں کوفے کی اور کیا یہ شام
جنگل میں وہ اترا ہے جو مختارِ زمیں ہے
گھر سمجھے ہو دربار شہنشاہ عرب کا
ہر چند کرم عام ہے اُس خاصۂ رب کا
ڈالو گے اگر رنگ لڑائی کی بنا کا

جنگل میں جو گونجا اسدِ بیشۂ حیدر
کس پیار سے شبیرؑ پکارے کہ برادر
آئے ہیں ملاقات کو یا قصدِ وغا ہے
یہ سن کے پکارا اسد اللہ کا ضرغام
خود حُرؑ کے ہاتھوں کو یہ بولا وہ خوش انجام
دعوائے غلامی ہے مجھے آلِ نبیؐ سے

حاکم کا یہ جنگی ہے رسالہ مرے ہمراہ
بس غیظ نہ فرمایئے بہرِ شہ ذیجاہ
ہے عفو و ترحم کا رواج آپ کے گھر سے
جب حُرؑ کے بصد عجز یہ تقریر سُنائی
جس وقت اجازت حُرِ دیندار نے پائی
دیکھا جو شہنشاہ کے اقبال و حشم کو

عباسؑ نے فرمایا کہ بڑھیو نہ خبردار
آئینِ ادب سے تمھیں بہرہ نہیں زنہار
سردار جو آئے بھی تو گھوڑے سے اُتر کر
کیا ہو جو اُدھر سے بھی کوئی آنکھ دکھائے
تم سب میں جو فہمیدہ و عاقل ہو وہ آئے
ہتھیار بھی باندھے ہوئے آنا نہ ملے گا

ٹھہرو وہیں بس بد ہے اس آغاز کا انجام
گیتی کو الٹ دیں جو بڑھیں تول کے صمصام
شیروں کا یہ بیشہ ہے خبر تم کو نہیں ہے
نے پاس جلالت کا نہ کچھ پاس ادب کا
غصہ بھی نمونہ ہے مگر حق کے غضب کا
صحرا ابھی بن جائے گا بازارِ فنا کا

دل ہلنے لگے سینوں میں سب تھم گئے خود سر
پوچھو تو ذرا کون ہے سرکردۂ لشکر
مجھ پر بھی تو ظاہر ہو کہ منظور انھیں کیا ہے
تم لوگوں میں سردار ہے کون اے سپہ شام
سردار ہوں اس فوج کا میں حُر ہے مرا نام
اب عفو ہو مجبوب ہوں اس بے ادبی سے

نے داب سے واقف ہیں نہ آداب سے آگاہ
اب غیر اجازت نہ بڑھے گا کوئی واللہ
تقصیر بھی ہو جاتی ہے دنیا میں بشر سے
شہ بولے مرے سر کی قسم آنے دو بھائی
خود بھی بہ ادب آگے بڑھا فوج بھی آئی
مُجرا کیا صف باندھ کے سلطانِ اُمم کو

منہ دیکھ کے فرمانے لگے شاہ خوش اقبال
تب عرض یہ کی حُر نے کہ اے فاطمہ کے لال
آہوں کا دھواں اُٹھتا ہے پیاسوں کے جگر سے
کوسوں گئے پانی کے تجسس میں ہوا خواہ
دس سو ہیں سوار ان عراقی مرے ہمراہ
اب جان نہ گھوڑوں میں نہ اسواروں میں دم ہے

یہ سنتے ہی بیتاب ہوئے سبطِ پیمبر
فرمایا کہ یہ لوگ ہیں سب پیاس سے مضطر
بھیا کمر اب کھولو پیاس ان کی بجھا کے
عباسؑ نے کی عرض کہ اے کل کے مددگار
پر مصلحۃً عرض یہ کرتا ہے نمک خوار
مولا کئی فرسخ ابھی جانا ہے یہاں سے

فرمایا مرے سر کی قسم کچھ نہ کہو اب
انسان کا انساں سے روا ہوتا ہے مطلب
میں مالک کوثر ہوں تردد تمہیں کیا ہے
یہ سنتے ہی سقوں کو علمدار پکارے
سقے تھے جو سرکار کے حاضر ہوئے سارے
ہاتھوں میں کٹورے رفقائے شہ کے لیے تھے

معروف ہوا خود پسرِ ساقیِ کوثر
تقسیم ادھر کرتے تھے عباسؑ دلاور
ہر لب پہ سخائے شہِ والا کا بیاں تھا
چلاتے تھے سقے یہ کٹوروں کو بجا کر
یخ ہو گیا ہے آب ہوا دشت کی کھا کر
مشک ہر ایک چشمۂ شیریں سے بھری ہے

کیا وجہ جو تم لوگ ہو سب مضطرب الحال
بیتاب ہیں سب ماہیِ بے آب کی تمثال
قطرہ نہیں پانی کا ملا تین پہر سے
جز خاک نہ چشمہ کہیں دیکھا نہ کہیں چاہ
بے موت مرے جاتے ہیں سب یا شہ ذیجاہ
اے ساقیِ کوثر کے پسر وقت مدد ہے

دیکھا رخ عباسؑ کو اشک آنکھوں میں بھر کر
جو ساتھ ہے پانی ابھی منگواؤ برادر!
میں کانپ رہا ہوں کہ یہ بندے ہیں خدا کے
کیا طاقت و قدرت جو کروں حکم میں تکرار
اطفال ہیں ساتھ آپ کے یا سیدِ ابرار!
مانگیں گے وہ پانی تو پھر آئے گا کہاں سے

میری یہی مرضی ہے کہ سیراب ہوں یہ سب
مر جائیں مسلمان یہ گوارا ہے مجھے کب
پیاس ان کی بجھاؤ مرے بچوں کا خدا ہے
جو پانی ہوے آؤ وہ سب پاس ہمارے
لشکر سے بھی ناقوں سے بہ تعجیل اتارے
سقوں نے پکھالوں کے دہن کھول دیے تھے

پیاسوں کو عطا ہونے لگے پانی کے ساغر
پیاسوں کو ادھر دیتے تھے پانی علی اکبرؑ
دریائے کرم ساقیِ کوثر کا رواں تھا
جو فوج میں پیاسا ہو وہ پانی پیے آکر
گرمی میں جگر سرد کرو پیاس بجھا کر
کوثر کا جو مالک ہے سبیل اس نے دھری ہے

سب ہو چکی سیراب جو فوجِ حرِ سردار
عباسؑ سے فرمانے لگے سیدِ ابرار
مضطر ہیں زبانوں کو نکالے ہوئے رہوار
ہاں ان کو بھی سیراب کرو اے مرے غمخوار
حیوانوں کا بھی قافلہ محروم نہ رہ جائے
یہ گھر ہے سخی کا کوئی محروم نہ رہ جائے

سقوں کو لیے ساتھ بڑھے حضرت عباسؑ
ہاتھوں میں لگن کوئی لیے تھا کوئی آب
اسواروں کو جن گھوڑوں کے بچنے کی نہ تھی آس
جان آگئی ان تازیوں کی جبکہ بجھی پیاس
حیوانوں کا یہ پاس تھا جس شاہِ اُمم کو
پانی نہ ملا تین دن اس بحرِ کرم کو

پیاسا نہ رہا جب کوئی راکب کوئی رہوار
تب حر سے یہ فرمانے لگے سیدِ ابرار
اب اپنے ادھر آنے کا احوال کر اظہار
کیا قصد ہے کیا عزم ہے اے مردِ وفادار
نامہ کوئی حاکم کا جو لایا ہو تو کہہ دے
لڑنے کے ارادے سے یہ جو آیا ہو تو کہہ دے

تب حر نے یہ کی عرض اے خاصۂ داور
بھیجا ہے مجھے حاکمِ کوفہ نے یہ کہہ کر
رستے میں جہاں تجھ کو ملیں سبطِ پیمبر
تو ساتھ سے الگ نہ جدا ہو جیو دم بھر
یثرب تو کجا سوئے نجف جانے نہ دینا
کوفے کے سوا اور طرف جانے نہ دینا

حضرت نے کہا پھر تجھے کیا اس میں ہے منظور
کی عرض کہ حاکم کے ہیں ہوں حکم سے مجبور
بس سرخ ہوا غیظ سے شہ کا رخِ پرنور
فرمایا کہ دیکھے مجھے کس کا ہے یہ مقدور
کیا ہوتا ہے دم بھر میں ذرا ٹوک تو ہم کو
لے ہم ابھی جاتے ہیں ذرا روک تو ہم کو

خط بھیج کے منت سے سماجت سے بلانا
جب آئے تو یہ مکر یہ کید اور یہ بہانا
کیا سہل ہے اس فوج میں گھر کر مرا جانا
تلوار جو کھینچوں تو الٹ جائے زمانا
رگ رگ میں مرے زور ہے خالق کے ولی کا
میں اور نہیں ہوں کوئی بیٹا ہوں علیؑ کا

وہ کون ہے میں جانے نہ جانے کا ہوں محتاج
کیا سمجھا ہے قیدی مجھے وہ ظالمِ غدار
جب تک کہ سلامت ہے یہ ہاتھ اور یہ تلوار
دبنے کا نہیں بخت دلِ حیدرِ کرار
بیکس ہوں مسافر ہوں پریشان و حزیں ہوں
کچھ حاکمِ کوفہ کا گنہگار نہیں ہوں

مکار ہے بے دیں ہے جفا جو ہے وہ بے پیر
ہر امر میں ہے کید ہر اک بات میں تزویر
تھی مسلمِ بیکس کی بھلا کون سی تقصیر
مارا گیا کس ظلم سے وہ صاحبِ توقیر
کوٹھے سے گرا کر تنِ صد پاش کو کھینچا
پھر پاؤں میں باندھی رسن اور لاش کو کھینچا

بے تو بھی تو ہے ایلچیِ حاکمِ خود سر
لیکن یہ نہیں شیوۂ اولادِ پیمبر
کینے کو دلِ صاف میں ہم جا نہیں دیتے
ہم قتلِ عدو کا بھی اشارا نہیں کرتے
عزت کی جگہ جان کو پیارا نہیں کرتے
غربت ہے تو ہو جنگ سے معذور نہیں ہیں
پھرتے ہیں یہیں سے کوئی روکے تو بھلا راہ
کیا اس سے علاقہ جو ہے سادات کا بدخواہ
کیا شہروں میں کوفے ہی کی آباد زمیں ہے
یہ کہہ کے فرس کو جو پھرانے لگے سرور
عباس بڑھے غیظ میں تھرا گئے اکبر
ڈر ہے مجھے اس کا کہ نہ تو قتل کہیں ہو
جب مادرِ حُر کا شہِ والا نے لیا نام
تھاما تھا مگر چھوڑ دیا قبضۂ صمصام
دین جاتا ہے غصے کو نہ گر ضبط کروں میں
نام اور کوئی شخص جو لیتا مری ماں کا
ہیں آپ کی ماں نورِ خدا اے شہِ والا
خادم ہیں ملک بنتِ رسولِ دوسرا کے
چپکے سے بن قیس نے کی عرض یہ اس دم
انبوہ کچھ ایسا نہیں لشکر ہے بہت کم
یہ درپئے آزار ہیں راحت تو نہ دیجئے
دانتوں میں زباں داب کے حضرت نے کہا ہا!
تھوڑوں کو اگر قتل کیا ہم نے تو پھر کیا!
بولیں گے نہ پھر تن پہ اگر تیر پڑیں گے

کیا ہو جو تجھے قتل کرے سب مرا لشکر
ہم لوگ ہیں دشمن کی مدارات کے خوگر
جو اپنے گھر آئے اُسے ایذا نہیں دیتے
کافر ہو [illegible] سبقت [illegible] ہمارا نہیں کرتے
مرجاتے ہیں پر ننگ گوارا نہیں کرتے
مختار کے فرزند ہیں مجبور نہیں ہیں
اقلیمِ ستمگار سے خود ہے ہمیں اکراہ
جائیں گے جدھر اب ہمیں لے جائے گا اللہ
وسعت ہے بہت ملکِ خدا تنگ نہیں ہے
بس ڈال دیا حُر نے بھی ہاتھ اپنا عناں پر
روکا انھیں اور بولے یہ حُر سے شہِ صفدر
جا ماں تری ماتم میں ترے سوگ نشیں ہو
اس صاحبِ عزت کا لگا کانپنے اندام
کی عرض بس اے قبلۂ دیں شاہِ خوش انجام
دہشت مجھے اُس کی ہے کہ کافر نہ مروں میں
خادم بھی جواب اس کو اسی طرح کا دیتا
حوا کا نہ یہ اوج نہ مریم کا یہ رتبا
جل جاؤں کہوں کچھ جو سوا اصلِ علی کے
بہتر ہے کہ اس فوج سے لڑ لیویں ابھی ہم
پھر آئیں گی فوجیں ادھر اے قبلۂ عالم
پانی تو دیا اب انھیں مہلت تو نہ دیجئے
ہم حجتِ حق ہیں ہمیں سبقت نہیں زیبا
جب آئیں گی فوجیں تو سمجھ لیویں گے اچھا
ایسا ہی ستائے گی جو امت تو لڑیں گے

فرما کے یہ اس دشت میں ٹھہرے شہِ صفدر
اک تیر کے پلّے سے حُر آیا معِ لشکر
شب نصف گئی پر اُسے نیند آئی نہ دم بھر
سب سو رہے جس دم تو اٹھا حُرِ دلاور
دم بھرتا ہوا عشقِ امامِ ازلی کے
داخل ہوا لشکر میں حسینؑ ابنِ علیؑ کے

سوتے تھے ادھر بھی شہِ مضطر کے انصار
پر جاگتے تھے حضرتِ عباسؑ خوش اطوار
پھرتے تھے کبھی گردِ خیامِ شہِ ابرار
ڈیوڑھی پہ کبھی آتے تھے باندھے ہوئے ہتھیار
یوں رات بسر ہوتی تھی اُس عاشقِ رب کو
جس طرح سے جنگل میں اسد پھرتا ہے شب کو

نعرہ کیا ابنِ اسد اللہ نے بڑھ کر
کون آتا ہے بتلا نہیں موت آتی ہے سر پر
تھرا کے بڑھا ہاتھوں کو جوڑے وہ دلاور
کی عرض کہ میں حُر ہوں غلامِ شہِ صفدر
کر دیجیے خبر ابنِ شہنشاہِ عرب کو
کچھ عرض ضروری ہے کہ میں آیا ہوں شب کو

فرمایا کہ یہ آنے کا ہے کون سا ہنگام
آرام میں ہے فاطمہؑ زہراؑ کا دل آرام
کی عرض کہ یا حضرتِ عباسؑ خوش انجام
لے دیجیے جا کر درِ دولت پہ مرا نام
قسمت ہے جو یاور تو شرف پائے گا خادم
آقا نہ بلائیں گے تو پھر جائے گا خادم

تھا پاسِ ادب خود کہ ہے دربارِ شہنشاہ
ہتھیار بھی ہیں باندھ کے آیا نہیں واللہ
اک مردِ سپاہی ہوں دغا سے نہیں آگاہ
کام آئے مرا سر تو ہے نذرِ شہِ ذی جاہ
خاک اس پہ کہ سیّد سے جو دل صاف نہیں ہے
محسن کی بدی شیوۂ اشراف نہیں ہے

عباسؑ اسے ساتھ لیے ڈیوڑھی پہ آئے
خیمے میں گئے اور سخن لب پہ یہ لائے
حر آیا ہے اے حیدرِ کرارؑ کے جائے
ارشاد اگر ہو تو رضا آنے کی پائے
فرمایا کہ بے مکر و شر آیا ہے بلا لو
گمراہ تھا اب راہ پہ آیا ہے بلا لو

خود آ کے اُسے لے گئے عباسؑ دلاور
مجرا کیا حُر نے سرِ تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگائے قدمِ سبطِ پیمبرؐ
کی عرض کہ بیتاب ہوں اے خاصۂ داور
فوجیں لیے تا ماریہ شمر و عمر آئے
کیوں اپنا وطن چھوڑ کے حضرت ادھر آئے

ہوتی ہے مہینوں سے وہاں قتل کی تدبیر
تلواریں ہیں یا برچھیاں ہیں یا تبر و تیر
ہر وقت چلی جاتی ہے تحریر پہ تحریر
شہروں سے ہے فوجوں کی طلب باشۂ دلگیر
بدکار ہیں لاکھوں اگر اک نیک ہے مولا
فوجوں کے سبب کوفہ و شام ایک ہے مولا

اُترے ہیں پہاڑوں میں قشونِ عربِ شوم
ہے چار طرف قتلِ بنی فاطمہؑ کی دھوم
راہیں بھی ہیں سب بند مجھے خوب ہے معلوم
سرکردۂ افواجِ ستم ہے عمرِ شوم
ایسا نہ ہو جلا دوں میں گھر جائیے مولا
میں پاؤں پہ سر رکھتا ہوں پھر جائیے مولا

سب سوتا ہے لشکر بھی مرا آیا شہ ابرار
بہتر ہے اسی وقت اگر ہو جئے اسوار
فرمایا کدھر جاؤں میں اے حُرِّ وفادار
جو ہوئے سو ہو اب تو ہیں آفت میں گرفتار
منظور جسے ہو مرا سر کاٹ لے تن سے
مرنے کے ارادے پہ تو آیا ہوں وطن سے

تقدیر سے کچھ زور نہ کچھ موت سے چارا
مرنا تو ہے غربت میں تو کیا زور ہمارا
کی عرض یہ حُر نے کہ بجا ہے یہ اشارا
مولا مگر آفت سے مناسب ہے کنارا
گو فوج نہ تھوڑی ہے نہ غمخوار ہی کم ہیں
میں اس لیے کہتا ہوں کہ ساتھ اہلِ حرم ہیں

کچھ سوچ کے فرمانے لگے سبطِ پیمبرؐ
اے دوست یہی رائے ہے تیری تو ہے بہتر
جائیں گے جدھر ساتھ اجل ہوگی مقرر
دیکھیں زیرِ شبِ تار بسر ہوتی ہے کیونکر
کس کو خبر اس کی ہے کہاں قبر بنے گی
پر ہوگی وہیں صبح جہاں قبر بنے گی

روتا ہوا رخصت کو اٹھا حُرِّ دل افگار
چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ ابرار
بے بھول نہ جانا ہمیں اے یارِ وفادار
جیتے ہیں تو ہوئے گی ملاقات پھر اک بار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
پھر تا بہ قیامت نہ جدا ہوئیں گے بھائی

اللہ تجھے فوجِ ضلالت سے نکالے
ربِّ دو جہاں نور کو ظلمت سے نکالے
دیندار کو اشرار کی صحبت سے نکالے
معبود زمانے کی صعوبت سے نکالے
مسکن ہو وہاں خلق میں جو نیک جگہ ہو
تو اور حسینؑ ابنِ علیؑ ایک جگہ ہو

اس وقت جو میں نے لیا مادر کا تری نام
وہ حق میں دعا تھی ترے اے مردِ خوش انجام
نفریں کرے ابنِ علیؑ کا یہ نہیں کام
ہم کرتے ہیں امت کی دعائیں سحر و شام
اس امر کو کیا تو ابھی جانے کہ وہ کیا تھا
ہے عفو کر اب اس کو جو کچھ ہم نے کہا تھا

حُر نے کہا ارشاد یہ کیا کرتے ہیں سرور؟
میں بندۂ ناچیز ہوں یا سبطِ پیمبرؐ
حضرت کے غلاموں کی ہے لونڈی مری مادر
نام اس کا اور آئے شہِ والا کی زباں پر
ہر شخص مجھے خادمِ درگاہ کہے گا
تا حشر مری قوم میں فخر اس کا رہے گا

رونتا ہوا شہ سے ہوا رخصت حُرِ دیندار
راہی ہوئے عجلت میں وہاں سے شہِ ابرار
وہ دشت پُر آشوب کی وحشت وہ شبِ تار
بیہڑ کہیں بن ہیں کہیں پتھر تو کہیں خار
صورت نہ بشر کی نظر آتی تھی بشر کو
معلوم نہ ہوتا تھا کہ جاتے ہیں کدھر کو

جنگل سے جو آتی تھیں درندوں کی صدائیں
دم کرتی تھیں سیدانیاں بچوں پہ دعائیں
کہتی تھی سکینہؑ کہ یہیں لیتی ہوں بلائیں
کہہ دو علی اکبرؑ سے کہ صورت تو دکھائیں
عباسؑ بھی آواز سُناتے نہیں مجھ کو
اماںؑ کہیں بابا نظر آتے نہیں مجھ کو

حیران و پریشان تھا وہ سب لشکرِ شاہی
اسواروں پہ آفت تھی پیادوں پہ تباہی
ملتی تھی نہ بستی نہ نظر آتا تھا راہی
گویا شبِ ظلمات تھی جنگل کی سیاہی
گھڑیاں شہ ذی جاہ پہ یوں راہ میں گزریں
جس طرح کہ یوسفؑ پہ شبیں چاہ میں گزریں

یوں دشت میں پھرتے تھے وہ اللہ کے پیارے
جس طرح کریں سیر شبِ تار میں تارے
ماندے ہوئے رہوار بھی سب اونٹ بھی سارے
سادات نے وہ دو پہر آفت میں گزارے
گردش میں کٹی رات ولی ابنِ ولی کو
مقتل پہ ہوئی صبح حسینؑ ابنِ علیؑ کو

لکھا ہے فرس آپ نے بدلے کئی یک بار
اس دشت سے لیکن نہ بڑھا ایک بھی رہوار
گھبرا کے یہ کہنے لگے عباسؑ علمدار
یہ تو فرسِ خاص ہے یا سیدِ ابرار
اڑتے اسے دیکھا ہے یہ جمتے نہیں دیکھا
سو کوس کے دھاوے میں بھی تھمتے نہیں دیکھا

اس ہاتھ سے شہ نے لیا اس ہاتھ میں کوڑا
غیرت سے عرق آگیا تھرا گیا گھوڑا
منہ شہ کی طرف اسپ وفادار نے موڑا
کی عرض کہ خود میں نے یہ رستا نہیں چھوڑا
مانا ہے سدا حکمِ شہنشاہِ عرب کو
ناچار ہوں مولا کوئی تھامے ہے قدم کو

یہ سنتے ہی رہوار سے اترے شہِ ابرار
فرمایا کہ بس کھول دو اونٹوں کے یہیں بار
طالب تھا یہیں کا پسرِ حیدرِ کرار
عباسؑ سے فرمایا کہ اُترو مرے غمخوار
ہوئے گا مقام اب یہیں زہرا کے پسر کا
تو شکر کرو خاتمہ ہے آج سفر کا

کیا وادی دلچسپ ہے کیا آب و ہوا ہے
رنگینی فردوس ہے جنّت کی فضا ہے
سبزہ ہے کہ اک فرش زمرد کا بچھا ہے
گھر چھوڑ کے رہنے کی اگر ہے تو یہ جا ہے
دیکھے جو اسے پھر نہ کرے سیر چمن کی
ہر پھول سے یاں آتی ہے بو باس دولھن کی

یہ کہہ کے لبِ نہر شہِ بحر و بر آئے
عباسؑ علمدار بھی باندھے کمر آئے
کیوں تم کو جگہ کون سی مطلوب ہے بھائی
بہتر ہے کہ خیمے بھی یہیں کیجیے برپا
دور اترے تو ہوئے گی بہت پانی کی ایذا
پھر بولے کہ مانع کوئی غدار نہ ہوئے

آئے ہیں یہاں جس لیے مطلوب ہے وہ کام
خس خانے میں یا دھوپ میں ہو صبح سے تا شام
اندازۂ خالق ہیں ہمیں بھاتی ہے بھائی
سات آٹھ دن اس دشت میں رہنا ہے برادر
اُترے ہیں یہیں شاید ستم ایجادوں کا لشکر
ہے پاس نبیؐ ہاتھ نہ قبضے پہ دھریں گے

عباسؑ نے کی عرض یہ کہئے نہ خدارا
اس نہر کا مختار ہے مختار کا پیارا
حق دار جو تھے حق سے وہ محروم رہے ہیں
عبرت کی جگہ ہے رسن اور گردنِ حیدرؑ
بابا کو جو گھر سے لیے جاتے تھے ستمگر
دکھ سہ کے زمانے سے مسافر ہوئیں اماں

ہیں دشمنِ اولادِ علیؑ ظلم کے بانی
سب کوفے میں اور شام میں ہیں دشمنِ جانی
غربت نہ کسی کو فلکِ پیر دکھائے
یہ کہہ کے پھرے اشک بھرے آنکھوں میں سرور
محمل سے پکاری شہِ مظلوم کی خواہر
سنتی ہوں جدھر گریہ و زاری کی صدا ہے

دریا کی طرف دیکھتے ہی اشک بھر آئے
شبیرؑ یہ کہتے ہوئے نزدیک تر آئے
کی عرض ترائی تو بہت خوب ہے بھائی
یوں چلتی ہے گرمی ہے بہت یا شہِ والا
بھر کر نفسِ سرد کہا آپ نے اچھا
وہ کیجیے جس امر میں تکرار نہ ہوئے

دونوں ہیں برابر ہمیں ایذا ہو کہ آرام
ہر طرح بسر کرتے ہیں مردانِ خوش انجام
یوں ہیں بھی غریبوں کی گزر جاتی ہے بھائی
دسویں کو چلے جائیں گے اس بن سے مقرر
خیر اپنی طرف سے ہمیں منظور نہیں شر
اُمت جو ستائے بھی تو ہم صبر کریں گے

خادم نہ کرے گا کبھی دریا سے کنارا
فرمایا کہ تھا باغِ فدک بھی تو ہمارا
امت کے ستم سارے بزرگوں نے سہے ہیں
دروازہ گرایا مری مادر کے شکم پر
سر کھولے ہوئے گھر سے نکل آئیں تھیں مادر
جھگڑے میں اسی باغ کے آخر ہوئیں اماں

کیا دور ہے گر بند کریں نہر کا پانی
حاکم وہ ہے جو غاصبِ اوّل کا ہے ثانی
دیکھیں گے یہاں جو ہمیں تقدیر دکھائے
آئے حرمِ پاک کے اونٹوں کے برابر
کیا آج اسی دشت میں رہنے گا برادر
بھیا مجھے بتلاؤ تو یہ کون سی جا ہے

آواز کسی بی بی کی آتی ہے یہ ہر آں
اے دشت یہ بیکس ہے ترا آج سے مہماں
یہ وہ ہے نبی چومتے تھے جس کے گلے کو
آگے کوئی بستی نہیں کیا اے شہِ عادل
صدقے گئی سینے میں اچھلتا ہے مرا دل
پہلو سے ذرا ماں کے جو اٹھتی ہے سکینہؑ

حضرت نے کہا خیر ہے گھبراؤ نہ خواہر
چھوڑا ہے اسی ارضِ مقدس کے لیے گھر
یہ بن ہو تو اں خلد وہ ایجاد کریں گے
فراشوں سے حضرت نے کیا پھر یہ اشارا
جمالوں نے اونٹوں سے قناتوں کو اتارا
منظور نظر تھی جو وہ جا سرورِ دیں کو

برپا جو ہوا خیمۂ زنگاریِ شبیرؑ
تکتا تھا بہ حسرت سوئے مقتل فلکِ پیر
مثلِ شجرِ طور کلس نور فشاں تھا
خود کہتا تھا خیمہ مری رفعت پہ کرو غور
شمسے ہیں مرے طورِ تجلی کے ہیں سب طور
کرسی ہو کہ گردوں کوئی پائے میں ہیں میرے

اللہ رے شرفِ خیمۂ افلاک حشم کا
گھر آلِ محمدؐ کا محل شاہِ امم کا
ڈیوڑھی نہ کہو رحمتِ معبود کا گھر تھا
فراش جو باہر گئے فرش اس میں بچھا کر
ہودج سے اترنے لگیں جب دخترِ حیدرؑ
رایت لیے عباسؑ فلک جاہ کھڑے تھے

اے وادیِ غربت کے مسافر ترے قرباں
آباد ہے تو اور ہے بستی مری ویراں
بے چین نہ کیجیو مرے نازوں کے پلے کو
یہ دشت کسی طرح نہیں رہنے کے قابل
بچے بھی ہیں سہمے ہوئے کیسی ہے یہ منزل
ایک ایک سے ڈر ڈر کے لپٹتی ہے سکینہؑ

یہ پاک زمیں ساری زمینوں سے ہے بہتر
مسکن ہو یہاں جس کا خوشا اس کا مقدر
اب دیکھو تم ہم اسے آباد کریں گے
برپا کرو خیمہ اسی جنگل میں ہمارا
میداں کو ادھر بادِ بہاری نے بہارا
چھڑکاؤ سے تر کر دیا سقوں نے زمیں کو

اس ارضِ مقدس کی دوبالا ہوئی توقیر
وہ شمسۂ زرریز کا اوج اور وہ تنویر
خورشید سپہر کوہِ زمرد پہ عیاں تھا
کیوں آج جہاں میں مرا ثانی ہے کوئی اور
یہ اوج زمانے میں کسی کا ہے نہ یہ دور
جو عرش کے تارے ہیں وہ سائے میں ہیں میرے

سائر کی قناتیں کہ احاطہ تھا کرم کا
جو گرد پھرا طوف کیا اس نے حرم کا
کعبے میں جو پیدا ہوا اس شاہ کا گھر تھا
کس شان سے داخل ہوئے ناموسِ پیمبر
پردے کو سنبھالے ہوئے تھے قاسمؑ و اکبرؑ
خود اپنی عبا روکے ہوئے شاہ کھڑے تھے

محمل سے اُتر آئیں جو نہوڑائے ہوئے سر
نعلین رکھی زوجۂ عباسؑ نے بڑھ کر
اک ہاتھ کو تھامے ہوئے تھی بانوئے بے پرد
سجاد اٹھائے تھے لٹکتی ہوئی چادر
اک دخترِ شبیرؑ اِدھر ایک اُدھر تھی
سر بلوے میں کھل جائے گا اس کی نہ خبر تھی

اک دن تو مہیا تھا یہ سامانِ سواری
اک روز وہ تھا گرد تھے نیزے لیے ناری
ہودج تھا نہ محمل نہ کجاوہ نہ عماری
بے پردہ تھی خاتونِ محمدؐ کی وہ پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہرے پہ اور ہاتھ بندھے تھے

ہاں حیدریہ مرثیہ اب ہوتا ہے آخر
پُرسا دو کہ ہیں فاطمہؑ اس بزم میں حاضر
ہے ہے شہِ آوارہ وطن ہائے مسافر
مذبوحِ قفا تشنہ دہن صابر و شاکر
زلفیں وہ تری خاک میں سب اَٹ گئیں آقا
ہے ہے تری گردن کی رگیں کٹ گئیں آقا

مولا ترے عمامۂ گلگوں کے تصدق
آقا ترے پیراہنِ پُرخوں کے تصدق
ان زخموں کے قرباں دلِ محزوں کے تصدق
ریتی پہ تڑپتے قدِ موزوں کے تصدق
خنجر کے تلے سجدۂ رب کرنے کے صدقے
آقا ترے پانی کے طلب کرنے کے صدقے

زخمی ہوئے تلواروں سے ہے ہے ترے پہلو
ہے ہے ستم ایجاد نے پکڑے ترے گیسو
ہے ہے ترے سینے پہ رکھا شمر نے زانو
ہے ہے تری پوشاک بھی سب لے گئے بدخو
کاندھے پہ عبا بر میں قبا رہنے نہ پائی
ہے ہے ترے لاشے پہ ردا رہنے نہ پائی

وہ اوس وہ دھوپ آٹھ پہر ہائے حسیناؑ
لی آکے کسی نے نہ خبر ہائے حسیناؑ
نیزے کی اَنی اور ترا سر ہائے حسیناؑ
کیوں پھٹ نہیں جاتا یہ جگر ہائے حسیناؑ
کچھ فرق نہ اس نار میں اور نور میں رکھا
خولی نے سرِ پاک کو تنور میں رکھا

مصروفِ بکا بزم میں ہیں شاہ کے غم خوار
ہر شخص کے بر لائیں مطالب شہِ ابرار
خالق سے انیسؔ اب یہ دعا کر بہ دلِ زار
یارب اسی ماتم سے رہے مجھ کو سروکار
ہر دم پسرِ فاطمہؑ کی یاد میں گزرے
دن رونے میں شب نالہ و فریاد میں گزرے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ

بند ۵۳

سبطِ نبی سے منزلِ مقصد قریب ہے
آرام گاہِ جانِ محمدؐ قریب ہے
مولد تو دور رہ گیا مشہد قریب ہے
جس جا لحد بنے گی وہ سرحد قریب ہے
جاتے ہیں آپ خلق کی مشکل کشائی کو
آئی ہے کربلا سے اجل پیشوائی کو

ہے شور آمدِ شاہِ فلک سریر پر
فوجوں کی ہر طرف سے چلی آتی ہے بھیر
دعوت کے واسطے ہیں سنانیں لیے شریر
حضرت کی پیشکش کو کمانیں ہیں اور تیر
پانی پہ چوکیاں ستم آرا بٹھاتے ہیں
دریا کے گھاٹ برچھیوں سے روکے جاتے ہیں

ٹھُکے گئے ہیں شام کے حاکم کے جابجا
ہر پرگنے سے ہے طلبِ لشکرِ جفا
آکر اُترتی جاتی ہیں فوجیں جدا جدا
لیتا ہے جائزہ عمرِ سعدِ بے حیا
غل ہے کریں گے قتل جو زہرا کے ماہ کو
انعام ہیں ملے گا دونا ہر سپاہ کو

تیغیں سلاح خانہ سے نکلی ہیں بے شمار
ہے جابجا درستیِ اسبابِ کارزار
ہوتے ہیں لیس تیروں کے دستے کئی ہزار
خنجر ہوئے ہیں ذبح کو پیاسوں کے آبدار
نوکیں نکالی جاتی ہیں تیروں کی سان پر
پھل برچھیوں پہ چڑھتے ہیں پرچم نشان پر

وہ سالکِ طریقِ ہدایت ہے شاد شاد
ہے آرزو کہ جلد ملے گوہرِ مراد
بہتے ہیں اشک جوش پہ ہے بحرِ اتحاد
لب پر اسی کا ذکر ہے دل میں اسی کی یاد
معشوق کے سوا کوئی پیشِ نظر نہیں
یہ شوقِ وصل ہے کہ کسی کو خبر نہیں

وہ گرمیوں کے دن وہ پہاڑوں کی راہِ سخت
پانی نہ منزلوں نہ کہیں سایۂ درخت
ڈوبے ہوئے پسینوں میں ہیں غازیوں کے رخت
سنولا گئے ہیں رنگِ جوانانِ نیک بخت
راکب عبائیں چاند سے چہروں پہ ڈالے ہیں
تونسے ہوئے سمند زبانیں نکالے ہیں

چلتی ہے لوں حرارتِ خورشید ہے دوچند
جھیلوں میں ہیں درند درختوں پہ ہیں پرند
غربت میں بیکسی ہے شہِ دیں پناہ پر
وہ دن ہیں جن دنوں کوئی کرتا نہیں سفر
رنجِ مسافرت میں ہیں سلطانِ بحر و بر
آتی ہے خاک اڑ کے یمین و یسار سے

اہلِ حرم ہیں محمل و ہودج میں بے قرار
بانوؑ پکارتی ہے کہ یا شاہِ نامدار
کیونکر یہ دکھ اٹھے چھ مہینے کی جان سے
چلاتی ہے سکینہؑ کہ اچھے مرے چچا
بابا سے کہہ دو اب کریں خیمہ کہیں بپا
سایہ کسی جگہ ہے نہ چشمہ نہ چاہ ہے

جب طے ہوئی وہ منزلِ آفت قریبِ شام
اکبرؑ نے آن کر کیا پردے کا اہتمام
ڈوبے ہوئے عرق میں سبھوں کے لباس تھے
اُترے رفیقِ خاص قریبِ خیامِ شاہ
نکلا حرم سے حضرتِ خیر النسا کا ماہ
ہر نخل غیرتِ شجرِ طور ہو گیا

اس دن بہت اداس تھا زہراؑ کا یادگار
صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی
یہ کہہ کے رو رہے تھے شہِ دیں کہ ناگہاں
عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ دوجہاں
تشویش ہے رسولؐ خدا کے حبیب کو

مرجھا گئے ہیں نخل ہوا میں ہے یہ گزند
ہے دھوپ میں رسولؐ کا فرزند ارجمند
سایہ ہے آفتاب کا زہراؑ کے ماہ پر
صحرا کے جانور بھی نہیں چھوڑتے ہیں گھر
لب برگِ گل سے خشک ہیں چہرہ عرق میں تر
گیسوئے مشک بار اٹے ہیں غبار سے

معصوم پانی مانگتے ہیں رو رو کے بار بار
گرمی سے جاں بلب ہے مرا طفلِ شیرخوار
گرمی ہے یا برستی ہے آگ آسمان سے
محمل میں گھٹ گئی مجھے گودی میں لو ذرا
ٹھنڈی ہوا میں لے کے چلو تم پہ میں فدا
تم تو ہوا میں ہو مری حالت تباہ ہے

اس روز ثعلبیہ میں شہ کا ہوا مقام
ناقوں سے اُترے آلِ نبیؐ با صد احترام
دل رند گئے تھے چاند سے چہرے اداس تھے
کچھ فاصلے سے گردِ فروکش ہوئی سیاہ
کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرشِ بارگاہ
صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا

زردی تھی رخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی
ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
تم جلد اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں
کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکم شہ انام
پاس اُن کے جا کے آپ نے کی سبقت سلام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام
عباس نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے ادھر ہم بھی جاتے ہیں
اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

دیکھا جو رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
دست ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال
عباس نے کہا کہ رسولؐ خدا کا لال
نور نگاہ فاتح بدر و حنین ہے
آقا کا میرے اسم مبارک حسینؑ ہے

یہ سن کے اشک آنکھوں سے اس شخص نے بہائے
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سید والا وطن سے آئے
آفت سے نور چشم علیؑ کو خدا بچائے
سب اہل شہر ہیں کوفیوں کو ان سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانب یثرب تو خیر ہے

گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباس باوفا
فرمایا اے عرب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلمؑ نے بھی یہ حال تو خط میں نہیں لکھا
اس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہ خاص و عام سے
کہنا ہے جو کہوں گا مفصل امام سے

پہونچا وہ جب قریب شہنشاہ سرفراز
تسلیم کر کے پاؤں پہ رکھا سر نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اُٹھے شہ حجاز
بولا کنارے جا کے وہ امت کا کارساز
گر نیک ہو سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے

کی عرض اُس نے اے پسر سید البشر
کوفے کے شہر شوم سے آتا ہوں میں ادھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر
رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر
شہ بولے وجہ کیا جو ترا غیر حال ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے

گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہ نامدار
گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر چلیے اب وطن کی طرف بہر کردگار
کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار
آل رسول پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علیؑ سے وفا نہ کی

ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے
بہر علیؑ و احمدؐ و زہراؑ نہ جائیے
اس جا دغا ہے سید والا نہ جائیے
آقا نہ جائیے مرے مولا نہ جائیے
کیا دور ہے جو آ کے عدو سد راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آل محمدؐ تباہ ہو

بچوں پہ رحم کیجئے یا شاہِ انس و جاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سا نوجواں
پھولا پھلا رسولؐ خدا کا چمن رہے

یہ فکر ہے کہ آپ کو لکھے ہیں سب نے خط
مضموں بھی سب غلط ہیں عبارت بھی سب غلط
حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کروں

کوفی تمام مایۂ جور و فساد ہیں
تربت میں فاطمہؑ کے رلانے پہ شاد ہیں
بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا

پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن
نیزے پہ سر ہے جسم ہے بے گور و بے کفن
تربت نہیں نصیب تنِ پاش پاش کو

باقی جو تھا حضور کا غمخوار و خیر خواہ
کوڑے لگے پہ منہ سے نہ کی اس جری نے آہ
صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں

شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا
جو مسلمؑ غریب پہ ہونا تھا ہو چکا
خواہانِ مرگ اب سبطِ رسالتؐ مآب ہے

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ نامدار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یارِ غمگسار
میں جانتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے

دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب
تکتے تھے مجھ کو یاس سے منہ پھیر پھیر کے

پہونچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں
رکھے خدا جہاں میں یداللہ کا نشاں
روشن سدا چراغِ مزارِ حسنؑ رہے

مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آئیں کسی کے خط
یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کروں

مفسد ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں
تیغیں ادھر ہیں دل ہوئے ابنِ زیاد ہیں
کیونکر کہوں کہ مسلمِ بیکس سے کیا کیا

آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو

مسلمؑ نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
مسلمؑ کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
دونوں کے سر روا ہوئے ہیں دمشق میں

فرمایا بازگشت ہو سب کی سوئے خدا
باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
ان کا جہاں سے کوچ مرا یا تراب ہے

وا مسلما کہا کئی باری بہ حالِ زار
بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے

مارے گئے وہاں کوئی جس جا نہ تھا حبیب
کیا سفر تھا ہائے مرے قاصدِ غریب
کوفے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

کوفی بدی کریں گے یہ مجھ کو نہ تھی خبر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر
رتبے بڑے ہیں کشتۂ اوّل کے واسطے
اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوش خصال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کیے
آتا تھا شہر کوفہ سے جب دم میں نوحہ گر
آنکھیں کھلی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
ہاتھوں سے آشکار انشانِ سجود تھے
فریاد کر کے کہنے لگے سرورِ عرب
بندوں کا اختیار ہے کیا جو رضائے رب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی
رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا
کی عرض کچھ نہ پوچھیے اے ابنِ مرتضےٰ
یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت بچشمِ نم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ امم
منھ کو سنانِ و تیغ سے موڑا نہ جائے گا
رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا
کلثومؑ سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس
تکتی تھی منھ کو شہ کے سکینہؑ بہ چشم یاس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری

شرمندہ ہے حسینؑ تمھیں پہلے بھیج کر
اب ہم بھی آن پہونچے ہیں واں تم گئے جدھر
سبقت تو ہے ضرور ہراول کے واسطے
مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عجب حال
حارث کے ہاتھ آگئے وہ دونوں نونہال
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کیے
حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
رخ پر پڑی لٹکتی تھیں زلفیں ادھر ادھر
بے رحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے
خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے ہے غضب
ماں ان کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی
وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا
خندق میں لاش باپ کی بیٹے فرات میں
کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ اپنے ہم
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا
نہوڑائے سر کو گھر میں گئے شاہِ دو جہاں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بی بیاں
زینبؑ زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا
قاسمؑ کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
سب سے زیادہ زوجۂ مسلمؑ کو تھا ہراس
چہرے سے رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری

رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسؑ باوفا
پوچھو تو حال کیوں شہِ والا کا غیر ہے
گھبرا کے پکارتی تھی کہ صغرا کی خیر ہو
مسلم کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لٹ گئے نہ ہوں
کہتی کبھی سکینہؑ سے رو کر وہ بے قرار
وجہِ بکا تو پوچھو بہن تم پہ میں نثار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
اتنے میں بڑھ کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
مسلم سے کوفیوں نے بڑی بے وفائی کی
پیٹو کہ رانڈ ہو گئی عباسؑ کی بہن
مارا گیا مرے لیے ہے ہے وہ صف شکن
آپہونچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر
پُرسے کو آئی زوجۂ عباسؑ نامور
رانڈ سالہ بی بیاں اُسے جس دم بٹھائیں گی
کہہ دو سکینہؑ دخترِ مسلمؑ کے پاس جائے
گبرا برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے
یہ سن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
مارا گیا سفر میں غلامِ شہِ امم
صدمے اجل کے تین دموں پر گزر گئے

سینوں میں دل دھڑکنے سے لرزاں تھے دست و پا
باہر سے یاں انھیں تو بلا دے کوئی ذرا
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے
یارب مریض بیکس و تنہا کی خیر ہو
غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خیر ہو
بھائی مرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں
ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمہارا پیار
حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابنِ عم مرا
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی
رانڈ سالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
زینب یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی
بانو نے ساتھ زوجۂ مسلم کے کھولا سر
بیکس تھا وہ شریکِ عزا ہو تمام گھر
اماں نکل کے قبر سے پُرسے کو آئیں گی
چھاتی کو جب وہ پیٹتے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اُسے لگائے
ایک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے دیں گے
چلائی رو کے زوجۂ مسلمؑ کہ ہے ستم
فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی ہیں اسیرِ غم
وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے

غل سُن کے آئے خیمے میں عباسِ نامور
دل غم سے ٹکڑے ہوگیا رُئے جھکا کے سر
سمجھیں گے اُن سے قاتلِ مسلمؑ نظر میں ہیں
وابستہ جس کے دم سے ہو اس کا ہے خیال
ہم سب غلام جن کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
لازم ہے تم کو صبر کہ دنیا میں نام ہو
مسلم ہوئے ہراولِ فوجِ شہِ انام
کیا نیک کوچ تھا کہ ہوا خلد میں مقام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
شوہر تمھارا صاحبِ عزت تھا اے بہن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خلد کا چمن
راضی علیؑ ہوں شادِ خدا کا حبیبؐ ہو
مسلمؑ کا خوں جو راہِ خدا میں ہوا سبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رتبہ ہوا جلیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسِ نامور
مسلمؑ کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
شور و بکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات
تڑپا کیے امامِ دو عالم تمام رات
بس اے انیسؔ اب نہیں لکھنے کی تاب ہے

دیکھا بہن تڑپتی ہے سر ننگے خاک پر
بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر
پیٹو نہ سر کہ سیدِ والا سفر میں ہیں
لازم نہیں تمھیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
مانگو دعا جہاں میں رہے فاطمہ کا لال
اس کا زہے شرف کہ نثارِ امام ہو
دنیا میں تا قیامِ قیامت رہے گا نام
مخدومۂ جہاں انھیں روئیں گی صبح شام
بچے تمھارے فاطمہ زہراؑ کے پاس ہیں
حلّے ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
ہمسایۂ رسولؐ ملا گو چھٹا وطن
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو
پہونچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیلؑ
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مر گیا
روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
اب آتشِ الم سے کلیجہ کباب ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ نمبر ۲۴۵

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا
دشت بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حسنِ حسینؑ حسیں ہوا
پایا فروغ نیرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

زہرا کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
غازی جہاں چلے وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارضِ پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبہ نے اس کے طواف کا

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب نواں بہشت ہے بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِّ نجف ملے

یہ دشتِ ہولناک کہاں یہ چمن کہاں
جنگل کہاں بتولؑ کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبیؐ کا یہ دارِ محن کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوئے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
باغی جو چین دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
آیا گلِ ریاضِ محمدؐ خوشا نصیب
فخر اُس زمیں کا جس پہ شہ انس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

خوشبو سے ان گلوں کی ہوا دشت باغ باغ
غنچے کھلے ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہونچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے دماغ
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

جنگل ہیں بن گیا شجر طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختار تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
لو آج خاک کا بھی ستارا چمک گیا

کہتی تھی آسماں سے زمین فلک حشم
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم
مجھ پر رہیں وہ جو مُہر نبوت پہ تھے قدم
ذرے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم
اب تو یہ خاکسار بھی کیوان اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

پھیلی جو نکہت چمن شاہ بحر و بر
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سر بسر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر
آیا ترے کچھار میں مختار خشک و تر
جب تک وہ بحر فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم لوے کہ تری آبرو بڑھے

ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امام دہر
دریا دلی کا ہو گا تری شور شہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
سر کو قدم کئے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
آمد سُنی جو سبط رسالت مآب کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

بولے فرس کو روک کے شاہ فلک وقار
منزل پہ ہم پہونچ گئے احسان کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں ہے جس کے لئے دل تھا بے قرار
قربان اس مکان سعادت نشان کے
پایا دُر مراد بڑی خاک چھان کے

اترو مسافرو کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ اب نہ ہو گا حشر تلک ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے یہی مشہد امام
اونٹوں سے بار اُتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے اس ارض پاک پر
چھڑکا ہوا ہے آب بقا یاں کی خاک پر

مثل زمین خلد مُصفّا ہے یہ زمیں
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
روئے زمیں پہ عرش معلّیٰ ہے یہ زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشہ ہے یہ زمیں
اس کے مکیں نہ ہوں گے پراگندہ نشر میں
بے سر اسی زمیں سے ہم اٹھیں گے حشر میں

مرغوب طبع ہے یہ زمین فلک جناب
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزند بوتراب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سر نوشت میں
جائے گا ہاتھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے
بطحا یہ ہے مدینۂ ارباب دیں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولان پاک کو

ذرّوں میں اس کے اشرفی مہر زرد ہے
کردے سقر کی آگ کو پانی وہ سرد ہے
زندے الم سے بچتے ہیں مُردے فشار سے

خاک اس کے دل میں ہو جسے اس خاک سے غبار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اس کی ایک بار
یوں دور ہوں گناہ سب اس نیک بخت سے

کام آئے گی لحد میں یہ ہنگام درد و یاس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس
فرمائیں گے ملک ارم اس کا مقام ہے

دیں گے جو اس کی خاک سے لکھا ہوا کفن
ڈھانپے گا اس کو چادر رحمت سے ذوالمنن
پھولوں میں خاکِ پاک کفن کو بسائے گی

توشہ مسافروں کا یہی اور یہی ہے زاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مرد خوش نہاد
دیکھے گا اس میں کرم کارساز کو

اترا یہ کہہ کے کشتی امت کا ناخدا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
اکبرؑ شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر

بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہ سربلند
کی مسکرا کے عرض کہ یا شاہ ارجمند
شبیر اب یہیں رہیں گے عنایت جو رب کی ہے

جس پر کھدا ہے نقش شفا وہ نگیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے نجف یہ ہے خلد بریں یہ ہے
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

مٹی طلا ہے نسخۂ اکسیر گرد ہے
کحل بصر ہے داروئے اندوہ و درد ہے
آنکھوں میں نور آتا ہے اس کے غبار سے

مجرم بھی اس کے فیض سے اٹھے گا رستگار
سایہ سے اس کے آتش دوزخ کرے فرار
پتے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

اس خاک سے بنے گا کفن نور کا لباس
سو سو طرح کی پائے گا راحت وہ حق شناس
سوئے گا چین سے یہ مطیع امام ہے

میّت پہ پھر نہ ہوگا کوئی صدمہ و محن
خوشبو سے ہوگا کنج لحد خلد کا چمن
حوروں سے نکہت گل فردوس آئے گی

یہ خاک آب خضر سے رتبے میں ہے زیاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُر مراد
تھامے گا دست موج سے دریا جہاز کو

جتنے سوار تھے وہ ہوئے سب پیادہ پا
دیکھو تو کیا ترائی ہے کیا نہر کیا فضا
عباسؑ جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

کیوں یہ مقام ہے تمہیں شاید بہت پسند؟
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
ہیں کیا کہوں حضور ترائی غضب کی ہے

گرمی میں ایسی سرد ہوا پا شہِ انام
ہے لیٹنے کی جا یہ زمینِ فلک مقام
مشہور غاضریہ ہے شاید اسی کا نام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اسی جگہ

روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمیں کی سیر کو اُترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدرؑ کے لالہ فام
شکلیں وہ نور کی وہ تجمل وہ احتشام
زلفیں ہوا سے اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

تکنے لگے پہاڑوں کو مسلمؑ کے دونوں لال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینبؑ کے نونہال
سبزے سے واں کے ابنِ حسنؑ خوش ہوئے کمال
کی عرض اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسروِ زمیں یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں عطرِ عروس کی

صحرا سے آئے پھر سوئے دریا شہِ اُمم
دریا سے شاد ہو کے پکارے زہے حشم
ابھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے حباب آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حُسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رو
دھویا کسی نے رخ کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے پیاس بجھانے کنارِ جو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبیرِ نیک خو
کھینچی اک آہ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ نامور
خیمہ کہاں بپا کریں یا شاہِ بحر و بر
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیت پر
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں کے ہیں پردے چھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رکے ہوئے

کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینبؑ جہاں کہیں وہاں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عباسؑ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینبؑ یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امامِ غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضور کا

بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ہیں نثار
خشکی ہو یا ترائی چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اترو وہاں جہاں مرے بھائی کو چین ہو

عاقل ہو تم تو نام خدا اے علیؑ کے لال
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے یہاں کا حال
داری کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں، نہ فضا ہو، نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

آرام کو ترس گئے جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں چار مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں یہ گرمی کے ایام یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہ جبل میں پہاڑ تھا

آج اس زمین پہ ہمیں لایا ہے آسماں
اب دیکھئے دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دُعا مانگو بھائی جاں
یارب مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
دشمن بہت ہیں بادشہ خوش خصال کے
بھائی بہن نثار ذرا دیکھ بھال کے

بھائی سے اس زمیں کی سُنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو مُسن ہیں اُن سے بھی لازم ہے مصلحت
صدقے گئی حبیب سے بھی کر لو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیا مجھے یہ ڈر ہے کہ ردّ و بدل نہ ہو

دستِ ادب کو جوڑ کے اس شبر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجئے اے بنتِ مرتضےٰ
ہر چند مصلحت مری کیا اور عقل کیا
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ فاطمہؑ میں ہے یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قُرب نہر کا آبِ حیات ہے

جس سرزمیں پہ دلبرِ زہراؑ عمل کرے
زہرہ کسی کا کیا ہے جو ردّ و بدل کرے
مانع وہ ہو جو دینِ نبیؐ میں خلل کرے
کافر ہے جو حسینؑ سے ردّ و بدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے نہ سلطان شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

حضرت کے حکم کا مترصد ہے جان نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبرؐ وہ ذی وقار
کی عرض خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اتریں یہیں یہ مرضیِ آلِ رسولؐ ہے
بولا وہ بحرِ فیض کہ اچھا قبول ہے

یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
فراش آ کے جلد مصفا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش محل دیر کا نہیں
یاں ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہ دیں
جلد ان کو بھیجو لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اشتروں سے قناتیں اُتار کے

بولے زہیرؓ و قین کہ حاضر ہیں سب غلام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
پرتو فگن تھا نورِ رسالت مآب کا
تھا فکر میں خموش دو عالم کا تاجدار

ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
مڑ کر کہا حبیبؓ نے کچھ رنگ اور ہے
یکجا ہوئے یہ سن کے جوانانِ صف شکن
آئے ہیں ملک غیر میں ہم چھوڑ کر وطن
اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں

کہنے لگے پکار کے عباسؑ حق شناس
دل میں نہ خوف ہو نہ زباں پر کلامِ یاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
کیا ڈر فشونِ روم ہے یہ یا جنودِ شام
جو مرد ہیں ہراس کیے کرتے نہیں کلام
سر سبز ہیں وہی جو علیؑ کے نشان ہیں

یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
ایک ایک پیل زورِ تہمتن شکوہ تھا
بولے ملازموں سے یہ عباسؑ باوفا
آتے ہی سرکشی یہ طریقہ ہے کون سا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے

کرسی نشیں ہے بختِ ولِ سیّد البشر
آتی ہے اڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد ادھر
پھیلے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
بڑھ کر حبیبؓ بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

کھلوا رہے تھے خیموں کو عباسؑ ذی وقار
رایت سیاہ سرخ نظر آئے تین چار
بولا کوئی یہ شام کے لشکر کا طور ہے
نکلا ہر اک ولی کی زباں سے یہی سخن
تو سب کی خیر کیجیو اے ربِّ ذوالمنن
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

ہاں ناصرانِ قبلۂ کونین باحواس
جیتے ہو تو حسینؑ سے ہو قدرداں کے پاس
دونوں طرف مآل تمہارا بخیر ہے
ہم اپنے کام میں ہیں ہمیں کیا کسی سے کام
ہونے دو گرد ہیں سرخ علم یا سیاہ فام
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہمان ہیں

ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
جنگی سیاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
ابنِ رکابِ سبز قدم سرگروہ تھا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
کہہ دو کہ اہلِ بیتؑ کے خیمے کی ہے یہ جا
اتریں الگ کہیں یہ ادب کا مقام ہے

آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں مگر
کیا ہے جو رکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں نہ کوہسار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب
رستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
کیجئے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ہم گھاٹ روکنے کے لئے آئے ہیں ادھر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر
کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے
غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
بپھریں جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
دریا ہے کیا یہ شیر ہٹیں جس کو چھوڑ کے
تم کون ہو حسینؑ ہے مختار خشک و تر
دیکھو فساد ہوگا بڑھو گے اگر ادھر
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے تم ہو کون
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے تم ہو کون
ہیہات غضب حق سے پھرے آج تک نہیں

حکم امیر ہے یہیں اُترے سپاہ شام
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجئے خیام
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا
گردے ہیں بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
اس ارض پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے
ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جدال میں
ہے سب طرح کا زور محمدؐ کی آل میں
جب پل بنا دیا در خیبر کو توڑ کے
اُن کے سوا ہے کون شہنشاہ بحر و بر
شیروں کا یاں عمل ہے تمہیں کیا نہیں خبر
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں
اس کا محق رسولؐ کا پیارا ہے تم ہو کون
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے تم ہو کون
منزل مسافروں کی یہ ہے کچھ فدک نہیں

کیا ابن سعد شوم کی فوج اور کیا حشم — سر لوٹتے پھریں گے بڑھایا اگر قدم
اُترے ہیں آ کے فخر سلیماں کے ساتھ ہم — کیا ان کے مورچے کہ جو ہوں چونٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں جو لاکھ اگر بدخصال ہیں — ہم بھی کنندۂ در خیبر کے لال ہیں
کیا سر پہ موت آئی ہے بس سامنے سے جاؤ — فوجوں کا ذکر کر کے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر تو آؤ — بیٹا رحیم کا ہوں مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار ادھر کھنچی کہ ادھر کھیت پڑ گیا — پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا
ہم شیر ہیں قسم اسد کردگار کی — رکھتے ہیں ناخنوں میں بُرش ذوالفقار کی
عنقا کی نہ اصل یاں نہ حقیقت ہزار کی — ٹوکے یہ کیا مجال کسی نابکار کی؛
گرجیں ابھی تو رعد ہیں برسیں تو ابر ہیں — اِک مینہ نہیں بہت ابھی ایسے ہزار ہیں
چھوڑیں نہ زمیں جو گرے سر پہ آسماں — بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشاں
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان — رہتی یہ ہم بپا کریں خیمے خدا کی شاں
مرجائیں وہ جو ساتھ کئی شیر خوار ہیں؛ — فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیر وار ہیں؛
ہم پہلے آئے ہیں کہ تم آئے ہو تابہ نہر؟ — کیوں غاصبو! یہ نہر نہیں فاطمہؑ کا مہر؟
چھوڑ آئے ہیں تمہارے بلانے پہ اپنا شہر — کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر؟
اُترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی؛ — وعدے وہ کیا ہوئے وہ محبت کدھر گئی؛
شیر اس قدر زمیں پہ تمہارے سروں پہ خاک — مٹی ہوئے لکھے تھے عریضوں میں جو تپاک
ہے بوترابیوں کی جگہ یہ زمین پاک — ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں گر ہوئے ہلاک
تم ہو گے کس طرح یہ جگہ ہم کو بھائی ہے — مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے
سوچو تمھیں دلوں میں کہ حق دار کون ہے — عالم میں بر و بحر کا مختار کون ہے
ہادی ہے کون سید ابرار کون ہے — ہے بے قصور کون گنہگار کون ہے
لازم ہے تم کو پاس کلام مجید کا — کلمہ نبیؐ کا پڑھتے ہو تم یا یزید کا
یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمہیں — صدقہ ہے کس ولی کا جو عزت ملی تمہیں
خوان کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمھیں — ہادی ہوئے جو ہم تو ہدایت ملی تمھیں
پھلتا نہیں نہال حسد پھولتا نہیں؛ — محسن کو اس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

ہم تو تمھیں سمجھتے ہیں سیدؑ کا خیر خواہ
کیا خوب میہمانوں کی دعوت ہے واہ واہ
اُلفت نہ دل میں وہ ہی نہ تعارف نہ رسم و راہ
معصوم سے وہ کون سا ایسا ہوا گناہ
چشمے پہ جنگ فاطمہؑ کے نور عین سے
نا منصفو بھراتے ہو آنکھیں حسینؑ سے

ہر چند خاکسار ہیں فرزند بوترابؑ
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کھینچ تنگ آستیں کو جو اٹھیں دم عتاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرص آفتاب
آجائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ زمیں آسمان پہ

ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
جو سرکشی کرے اُسے پسپا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خون کا دریا کریں ابھی
ساحل تک آئے جو اُسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اُس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کئے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
اک شور تھا کہ چھین لو دریا کو شیر سے

بگڑے ابوثمامہ و سعد فلک سریر
تولی زہیرؑ قین نے شمشیر بے نظیر
جوڑا کماں میں ابن مظاہر نے ایک تیر
بولے اسدؑ کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عباسؑ کو غیظ لشکر بد خو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کی ابرو پہ آگیا

بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بس اب سزا یہی ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شبیبؑ ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں کیا بے شعور ہیں

الٹی جناب قاسمؑ ذیشان نے آستیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرؑ حسیں
بولے پکڑ کے پیچھے زینبؑ کے مہ جبیں
شیروں سے کیا لڑائی کو لیں گے یہ اہل کیں
کہئے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

آگے تھے سب کے حضرت عباسؑ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بدم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانی ستم
کہتے تھے سر نہ ہوگا بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیر جری دس ہزار کو

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیر نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے ادھر اور کوئی ادھر
تیغیں جو کھچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلبیت شہنشاہ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہؑ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

چلائی رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سبب کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہ خوش نہاد
ہمشیر کو نثار امام امم کرو
لوگو دعائیں اکبرؑ مہرو پہ دم کرو

محمل سے منہ نکال کے فضہ نے یہ کہا
بلوہ کنارِ نہر ہے اے بنت مرتضیٰؑ
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عباسؑ باوفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصہ ہے شیر کو

زینبؑ پکاریں پیٹ کے زانو بصد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسد کبریا کے لال
غربت پہ ابن فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصے کو تھام لو

لڑنے کو تیغ میان سے کھینچو گے تم اگر
محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
عباسؑ تم تو ساقی کوثر کے ہو پسر
یہ نہر کیا ہے جس کے لئے رنج اس قدر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے گزری ترائی سے

دریا کو روکتے ہیں اگر بانیٔ ستم
جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیئے اللہ کا کرم
پھر آؤ بس سکینہؑ کے سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہر امام
عباسؑ ادھر غضب میں بڑھے سوئے فوج شام
کرسی سے جلد اٹھ کے پکارے شہ انام
بھیا ہمارے سر کی قسم روک لو حسام
یکساں ہے بر و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

ہر چند اس میں کوئی تمہارا نہیں قصور
ناحق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
خیر امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
جانے دو جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور؟
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا
بس خامشی جواب ہے ان کے کلام کا

لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے یہ نابکار
جرأت میں تم ہو ایک نہ یہ اہلِ کیں ہزار
بے آب تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابلِ سزا
جنگل ہو یا ترائی ہو ہے ہر جگہ خدا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
یہ کیا ہیں تم تو سدِّ سکندر کو توڑ دو
بھیا پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال
بلوہ تھا بعدِ رحلتِ محبوبؐ ذوالجلال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا

توڑا تھا ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
تھرائیں جس کی ضرب سے روح الامیں کے پر
کمزور دستِ بازوئے خیبر کشا نہ تھا
ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سید الانام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و سپر سے کام
اپنا امام ہم کو بھی جانو اسی طرح

لازم ہے ان پہ رحم یہ امت ہے بے نوا
ان کے لئے حسنؑ نے کیا جبر اختیار
ہو نوجواں مزاج میں غصہ ہے آپ کو
آؤ تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہ قلعہ گیر کی
کیا دشت کم ہے صابر و شاکر کے واسطے

کس پر یہ خشم اے شہ مرداں کے یادگار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
گر منھ سے اُف کرو تو یہ ناری ہلاک ہوں
پر تم پسر رحیم کے ہو بخش دو خطا
مظلوم کو غریب کو غصے سے کام کیا
ہم کو نبیؐ کی روحِ مطہرؐ کا پاس ہے

یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
جعفرؑ ہو دبدبے میں شجاعت میں بوترابؑ
تم ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا حال
یاں تک کہ باندھ لے گئے رسّی سے بدخصال
گردن جھکی ہوئی تھی گلا ریسماں میں تھا

پھونکیں گھر اس کا اور کہے یوں وہ درگزر
رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر
سب قدرتیں وہی تھیں پر حکمِ خدا نہ تھا
باندھے رہا اسی پہ کمر وہ فلک مقام
مظلوم ہو گئے تھے اطاعت ہے اس کا نام
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

کرتے تھے مصطفےٰ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
دشمن پہ بھی رہا کرم شیر کردگار
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے

(۹۲)

تھوڑے سے بستروں کی ہے در کار ہم کو جا
ہے عمر بے ثبات زمانہ ہے بے وفا
اب وہ کہاں ہیں شہر جنھوں نے بسائے ہیں
آقا نے دی جو اپنے سر پاک کی قسم
پر تھی شکن جبیں پہ ہوتا تھا غیظ کم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نامور
حکم خدا ہے حکم شہنشاہ بحر و بر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
اُترے گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی نہ چاہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
لو اب اُٹھا لو تیغ و سپر تم پہ میں فدا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمھیں
قُرب خدائے عزّ و جل چاہیے تمھیں
بھائی جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں
ہے منکشف امام پہ احوالِ بحر و بر
صدمہ ہے دل پہ کیا میں کہوں تم سے یہ خبر
دولت لُٹے گی یاں اسد کردگار کی
ہوتا ہے کیا مزار کہیں ساکنانِ شام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آ کے صبح و شام
دیندار گردِ قبر کے بستی بسائیں گے

جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
آرام کا محل نہیں یہ عاریت سرا
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحب کرم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہ اُمم
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے
کہہ دیجئے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
اب کچھ کہوں زبان سے کیا تاب کیا جگر
آقا مجھے خیال تھا بابا کے نام کا
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ روسیاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
پر عین مصلحت ہے جو حکم جناب ہے
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی یہ کیا کیا
دریا کو تم تو بے چکے اے میرے مہ لقا
دیکھو کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں
غصہ نہ برہمی نہ جدل چاہیے تمھیں
جو ہم کہیں اُسی پہ عمل چاہیے تمھیں
جو ہوگا اس زمیں پہ وہ سب جانتا ہوں میں
حق نے کیا ہے واقف اسرار خشک و تر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
بھیّا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی
بخشا ہے تم کو خالق اکبر نے یہ مقام
یاں ہوگی قبر حضرت عباسؑ نیک نام
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے یہ جگہ
پیارے ہمارے بھائی کو بھائی ہے یہ جگہ
ٹھنڈی ہوا میں سونے کو پانی ہے کیا جگہ
کیا سبزہ کیا نفیس ترائی ہے کیا جگہ
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قربِ نہرِ بہشتی کے واسطے

آؤ اب اپنی قبر کی جا ہم تمہیں دکھائیں
مقتل میں نخل بھی نہیں سایہ کہاں سے لائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ مقتل کی دھوپ کھائیں
چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
میداں ہو اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو نہ ترائی قریب ہو

عباسؑ آب دیدہ ہوئے سُن کے یہ کلام
بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
فرمایا واں پہونچ کے جو تھا قتل کا مقام
دیکھو حسینؑ ہو گا یہیں قتل تشنہ کام
بھائی مقام خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے تربت کی جا ہے وہ

رونے لگے پکار کے عباسؑ نامدار
شہ نے کہا کہ ضبط کرو تم پہ میں نثار
سُن پائے گی جو زینبؑ بیکس یہ حالِ زار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سُنے اپنے بھائی کا

قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
ارشاد یہ تو کیجئے اے قبلۂ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ باوفا غلام؟
رو کر کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لا کلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
رو دو گے تم نہ ہم کو ہمیں تم کو روئیں گے

مژدہ یہ سُن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم
برپا ہوئے خیام شہِ آسماں حشم
ذرے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اُترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

کھنچا فلک پہ خیمۂ زنگار گوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلی سے دشت و در
تارِ شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
پردا حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمے کی شان سے
پلہ زمیں کا اُٹھ کے ملا آسمان سے

تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
ارکانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بغور
شمسے کا اوج اوج تھا خیمے کا دور دور
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اُتر گیا ورقِ آفتاب کا

خیمے میں جا چکے جو حرم با صد احترام
کمریں ادھر کھلیں اُدھر اتری سپاہ شام
اُمڈا اتھا دل سبطِ نبیؐ کی جدائی سے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن
تھے دس ہزار مستعدِ جنگ تیغ زن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
لے کربلا میں کہنے لگی وہ جگر فگار
محمل میں میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
پیارا رہے اُنھیں جنھیں پانی عزیز ہے
منھ دیکھ کے منھ پہ بالی سکینہؑ نے یہ کہا
روتی تھی میں سُنی بھی نہ تم نے مری صدا
اس بیکسی میں دلبرِ زہراؑ کا کون تھا
کہنے لگی یہ زوجۂ عباس خوش بیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
فرمایا شہ نے بھائی سے اب کھولئے کمر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبرؑ نے دی خبر
مجمع عضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم
کیا شمار حصر نہ تھا انتہا نہ تھی
آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدتِ تعب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا

ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عباسؑ نیک نام
بھائی کو لے کے خیمے میں داخل ہوئے امام
زینبؑ لپٹ کے رونے لگیں چھوٹے بھائی سے
صدقہ اُتار دو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن!
جیتا میں زخمی ہوتے جو عباسؑ صف شکن
دیکھو ابھی تلک نہیں اُبرو سے بل گیا
کیا جی میں آ گئی تھی یہ بھیا بہن نثار
صدقے کروں وہ نہر لڑیں جس پہ نابکار
بھیا ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا
بس اب کہیں نہ جائیو اچھے مرے چچا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا
غصے میں ان کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان
یہ تو فقط حسینؑ کے صدقے میں جیتے ہیں
زینبؑ نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
فوج اور آئی شام سے یا شاہِ بحر و بر!
شہ نے کہا کہ ہوئے تمھیں کیا ہراس ہے
آ پہونچا لے کے فوجِ گراں ابنِ سعد شوم
آفت کی ہے بھیڑ قیامت کا ہے ہجوم
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی
نرغے میں آ گیا پسرِ سیدِ العرب
پانی مسافروں پہ ہوا بند ہے غضب
شورِ آٹھویں سے ہونے لگا آب آب کا

غش تھے ستم کو پیاس سے اطفال شاہ دیں
تھا دودھ خشک پیٹتی تھی بانوئے حزیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی

رونے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
شب تھی مسافروں کے لئے موت کا پیام
ال نو جناب فاطمہؑ کے نور عین سے

لکھوں سیاہی شب عاشور کا جو حال
چھایا ہوا تھا ابر غم و حسرت و ملال
پیاسوں سے پوچھو رات وہ کیونکر بسر ہوئی

گردوں پہ جب بیاض سحر کا ورق کھلا
بزم جہاں میں دفتر نظم و نسق کھلا
پہونچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا

ہونے لگے چراغ نجوم آسماں پہ گل
برپا چھنیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پہ

سجدے میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
دو چار تیر آکے گرے جب قریب در
کی عرض سرکشی پہ یہ سب فوج شام ہے

پھر بیٹھے جا نماز پہ شاہ فلک وقار
سر پر رکھا عمامۂ محبوب کردگار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے

رخصت کو اہل بیت نبیؐ میں گئے امام
وہ شور الفراق کا وہ یاس کے کلام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے

جز آب اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغرؑ سا نازنیں
باقرؑ تڑپ رہا تھا سکینہؑ بلکتی تھی

آئی سیہ بلا کی طرح شام تیرہ فام
غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسینؑ سے

دفتر سیاہ ہوں شب دیجور کی مثال
کھولے تھے اہلبیتؑ محمدؐ سروں کے بال
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مطلع دوم

لینے کتاب ذکر خدا کا سبق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی در باغ شفق کھلا
موج ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

قرنا پھکی سپاہ عدو میں بجا دہل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہ جز و کل
نعرے نمازیوں کے گئے آسمان پر

فوج ستم میں ہوگئیں صف بندیاں ادھر
حضرت پہ آکے روک لی عباسؑ نے سپر
فرمایا آپ نے یہ اجل کا پیام ہے

شانہ کیا محاسن اقدس میں چند بار
پہنی قبائے خسرو عالم بہ افتخار
باندھی کمر شفاعت امت کے واسطے

قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینبؑ کے بین سے

(۷۶)
روتے تھے ماں کے پہلو میں زینبؑ کے نونہال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوش خصال

قربان جاؤں منھ نہ پھرانا لڑائی سے

قاسمؑ سے کوئی کہتی تھی اے میرے نوجوان
اک سو تھا مادرِ علی اکبرؑ کا یہ بیان
رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے

دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوش خصال
جھک کر سلام غازیوں نے باادب کیا

آیا عجب شکوہ سے شبدیز تیز گام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
چھوٹی قدم سے میں یہ ہوا غم زمین کو

حاصل ہوا جو فیضِ قدم بوسیِ جناب
روشن تھے بدر سے سُمِ اسپِ صبا شتاب
انساں تو کیا ہیں دیدۂ انجم بھی بند ہیں

کس اوج سے خدیوِ زمین و زماں چلا
لے کر نشاں علیؑ ولی کا نشاں چلا
اخترِ نثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے

سادات کے وہ چہروں کی ضو وہ علم کی شان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان
وار ان کے معرکے میں ہزاروں پہ چل گئے

پہونچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا

پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیر النسا کا لال
ہشیار رہیو بہرِ خدا میرے بھائی سے

چھپ جائے گی اب آنکھوں سے یہ حسن کی شان
اٹھارھویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اُتار کے

بس الوداع کہہ کے چلا فاطمہؑ کا لال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلح پئے جدال
گھوڑا اسوارِ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا

طاؤس و کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
عباسؑ نے رکاب کو تھاما باحترام
جبریلؑ جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

اللہ رے ضیا مہِ نو بن گئی رکاب
ثابت تھا صدرِ زیں سے کہ ہے برجِ آفتاب
تارِ شعاع موئے ایالِ سمند ہیں

رہوار کیا زمیں پہ چلا آسماں چلا
دامن بھرے ہوئے علمِ زر فشاں چلا
ذرّے نہ تھے زمین پہ سونے کے پھول تھے

تکتا تھا اس زمین کے چہرے کو آسمان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
قبضے چھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

گاڑا سپاہِ کفر کے آگے نشانِ دین
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

جلوں میں جوڑنے لگے واں تیر آہِ شر ۱۴
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
مطلق نہ تھی تمیز خطا و صواب میں
عباسؑ نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ شیر ہوں

بولے حبیب رحم کی بھی انتہا ہے اب
گزرے ہیں سات روز کہ ہر روح پر تعب
کٹ جائیں پیاسے حلق اُدھر سے دغن ہو
فرمایا واں کثیر ہے لشکر یہاں قلیل
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
یاں اشتیاق خنجر قاتل ہمیں بھی ہے

یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
کس آبرو سے فدیۂ راہ خدا ہوئے
نصف النہار تک تھا یہی شورِ کارزار
رخصت اُسے کیا تو اُسے روئے زار زار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی

لینے لگی علیؑ کی بضاعت دمِ زوال
زینبؑ کے نورِ عین بھی جب کر چکے جدال
ستر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجوم یاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
اُٹھتا تھا دردِ دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے

سینے حسینیوں نے ادھر کر دئیے سپر
حجت تمام کی پہ نہ سمجھے وہ بد گہر
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں
مولا کہاں کلامِ نصیحت کہاں وہ تیر
موقع بس اب ہے جنگ کا اے آسماں سریر
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

دیجئے رضا جہاد کی یا شاہِ تشنہ لب
بچوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
اب سلسبیل پر کہیں پہونچیں تو چین ہو
اچھا لڑو کہ خالقِ کونین ہے کفیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

رخصت انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
میداں سے اُٹھ گئے قدمِ لشکرِ عناد
سر دے کے سب امام کے حق سے ادا ہوئے
مرنے کو یہ چلا وہ تڑپ کر ہوا نثار
جاتے تھے آپ لاشے اُٹھانے کو بار بار
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسولؐ کی

کام آئے رن میں جعفرؑ و مسلمؑ کے نونہال
حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسنؑ کا لال
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں
ڈھلنا وہ دوپہر کا وہ آندھی وہ لو وہ پیاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
فرما کے یا علیؑ دلی بیٹھ جاتے تھے

ہل من مبارز کی جو اعدا میں تھی پکار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہ نامدار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہ بحر و بر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عباسؑ نامور
تلخ ان کو زیست تھی انھیں سر بار دوش تھا
بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبرؑ یہ دم بدم
فرماتے تھے اشارے میں عباسؑ ذی حشم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
یہ کہہ کے رکھ دیا قدم شاہ پہ جو سر
صدمے سے قلب ہل گیا تھرا گیا جگر
کیا سنبھلے جب یہ ظلم کا یوں آسماں گرے
بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
گزرے ہیں تین دن یونہی اس خوش صفات پر
بولے بہا کے اشک امام فلک جناب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزند بوتراب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
کیا اختیار خیر دعا دیجئے ہمیں
ملے گا اب کہاں یہ بتا دیجئے ہمیں
بھائی کی زیست قوت بازو کے ہاتھ ہے
یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبیرؑ نوحہ گر
رخصت کی اہل بیتؑ کو بھی ہوگئی خبر
چلائی عمو جان ادھر آ کے جائیے

بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
دوڑو چلی جہاں سے سکینہؑ جگر فگار
قطرہ نہیں ہے پانی کا منھ میں چوانے کو
لب برگ گل سے خشک تھے رخ آنسوؤں سے تر
پانی تھا غم سے اکبرؑ ذی جاہ کا جگر
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا زور تھا
رخصت کو عرض کرتے ہیں اب شاہ دیں سے ہم
کہتے تو یہ کچھ تمھیں سر شبیرؑ کی قسم
مرنے پہ جاں نثار تو پھر اختیار ہے
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
طاقت نے تن سے کوچ کیا جھک گئی کمر
دل تھام کر زمیں پہ امام زماں گرے
بتلاؤ کیا ارادہ ہے اے میرے مہ لقا
پیاسی سکینہؑ مرتی ہے یا شاہ کربلا
گر اذن ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر
یہ موت کا پیام ہے بچوں کا اضطراب
اچھا یہ ہے صلاح تو کیجے تلاش آب
پانی کہاں کا سب یہ بہانے اجل کے ہیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجئے ہمیں
رو لیں لپٹ کے اتنی رضا دیجئے ہمیں
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے
روئے جواں پسر کے لئے جس طرح پدر
گھبرا کے آئی بالی سکینہؑ قریب در
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عباسؑ حق شناس
آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بدرد و یاس
قربان عمو جان بجھا دو ہماری پیاس
پھکتا ہے دل عطش سے کلیجہ کباب ہے
سقائی کیجیے کہ یہ کارِ ثواب ہے

عباسؑ نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
بی بی تمھارے باپ کا ادنیٰ ہے یہ غلام
دی تم نے آبرو مجھے اے دخترِ امامؑ
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کوثر میں سمجھوں دوش پہ گر مشکِ آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

کہہ کر یہ بات باگ اٹھائی سمند کی
صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
چھل بل ہرن کی تیز پری تھی پرند کی
سُرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اڑا کہ چکارا تڑپ گیا

مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
اڑتا تھا پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے
راکب وہ ہے جو فرقِ دو عالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

وہ تھوتھنی وہ ابلی ہوئی انکھڑیاں وہ بال
گویا کھلے تھے حور کے گیسو پری کے بال
وہ جلد وہ دماغ وہ سینہ وہ سُم وہ چال
دم میں کبھی ہما کبھی ضیغم کبھی غزال
وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا براق تھا

گھوڑے کی یہ شکوہ وہ شوکت سوار کی
تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
وہ نور وہ چمک علمِ زرنگار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا نشان ثریا مآب کا
تھا فرقِ جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بدم
افزوں ترا جلال ہو بالا ترا حشم
نصرت پکارتی تھی جلو میں قدم قدم
جب تک ہے آفتابِ درخشاں رہے علم
مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں
یارب ترے حسینؑ کے بازو قوی رہیں

اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی
دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
ذرّوں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

پہونچا جو اس جلال سے وہ آفتابِ دیں
دیکھا سپاہ کو صفتِ شیرِ خشمگیں
گاڑا جو دبدبے سے علم ہل گئی زمیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہلِ کیں
غازی ہے صف شکن ہے جری ہے دلیر ہے
ہٹتا نہ تھا ترائی سے جو وہ یہ شیر ہے

گردے کے اپنے سر کی قسم ہے نہ جانے شاہ
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ؟
گویا کھڑے تھے تیغ بکف ضیغمِ الٰہ
کیا قہر کی نگاہ تھی اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے کلیجے فگار تھے
جنبش بھوؤں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

خوداب تو دی ہے شہ نے اسے رخصتِ جدال
دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
اس کا جلال حیدرِ صفدر کا ہے جلال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اُس معرکے میں بس نہ چلا اس کا بھائی سے
دیکھو یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

یہ سن کے تہلکہ صفِ اعدا میں پڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ وہ رسالہ بگڑ گیا
ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا
جو رہ گیا نشان وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چلّے نکل گئے
اس صف کے تیر سہم کے اس صف پہ چل گئے

تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جو اہلِ شر
کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
تلواریاں پڑی تھی کسی کی تو واں سپر
برچھی تھی اس شقی کی تو اس نحس کا جگر
یہ جنگ تھی کہ حشر کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

گھبرا کے ابنِ سعد نے لشکر کو دی صدا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعو یہ کیا کیا
اتنا ہراس نامورو ننگ کی ہے جا
وہ کون تھے علیؑ سے لڑے جو دمِ وغا
سب ہل کے رکتے نہیں اس تشنہ کام کو
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو

قاتل تمہارے جد و پدر کا تھا جو دلیر
ہاں غازیو اسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
دشمن کو پا کے واہ یہ کم جرأتی یہ دیر
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ جو مرد ہو

یہ سن کے سب کو جوشِ حمیت کا آگیا
ابلیس آ کے راہ ضلالت بتا گیا
پھر ابرِ فوجِ شام لبِ نہر چھا گیا
شورِ دہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھل گئے نیزے علم ہوئے

پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
دریائے قہر خالقِ جنّ و بشر بڑھا
تڑپا جو رخش برق نگاہوں سے گر گئی
کانپے طبق زمیں کے ہلا چرخ لاجورد
اُٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد
گرمی سے رن کی ہوش اُڑے وحش و طیر کے
نکلی اُدھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز
چمکے شرر بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
آیا خدا کا قہر ہر اک روسیاہ پر
چمکی گری تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
دعویٰ تھا خونِ قاسمِ یوسف جمال کا
کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
جس غول پر گری نہ رُکی نہ تھمی کہیں
چمکی کہیں کسی پہ کسی جا دمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
جل جل کے آبِ تیغ سے کفّار مر گئے
نامی تھے جتنے سب وہ نمودار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے
جب وار چل گیا سپر آہنیں کٹی
مغفر کٹا دو نیم ہوا سر جبیں کٹی
چورنگ تھا فرس تو دو پارا سوار تھا

گویا شکار کھیلنے کو شیر نر بڑھا
ہر بندر دما لکِ فتح و ظفر بڑھا
آمد خدا کے شیر کی نظروں میں پھر گئی
مانند کہربا ہوا مٹی کا رنگ زرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے لڑ
شبیر اس طرف اُتر گئے دریا کو پیر کے
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زباں تیز
گھیرا اجل نے بند ہوئے کوچۂ گریز
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر
جو تھے ہوا پہ خاک میں ان کو ملا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
یوں تیغ نے عوض لیا شبیرؑ کے لال کا
ٹھہری نہ بے لہو پیئے دم بھر لڑائی میں
پہلے انھیں کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
یہ اُٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے
اک دم بھی کی نہ اس کی پرش نے کمی کہیں
فوجوں میں ابتری تھی کہیں برہمی کہیں
ہر جا تھے ضربِ تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے
پس پس کے بھاگنے میں جفا کار مر گئے
دو ہاتھ جب اِدھر سے چلے چار مر گئے
کہتا تھا شیر ہاں یہ مدد پنجتنؑ کی ہے
دستانہ کٹ کے ہاتھ کٹا آستیں کٹی
سینے کو لے کے زیں سے جو اُتری زمیں کٹی
اللہ رے مُنھ کہ تیغ نے جانا خیار تھا

آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی
بے جاں تھا جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی
آنچ اس کی قہر تھی کوئی کیوں کر الگ نہ جائے
بے سر تھا جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی
چار آئینے پہ ضربتِ قہرِ خدا لگی
برپا تھا شور چار طرف بھاگ بھاگ کا
پلٹی اُدھر سے جب تو ادھر کا پرا نہ تھا
چھٹکا ہوا تھا سنم بدن اس کا ہرا نہ تھا
سیل فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا
گورا وہ ہاتھ اور وہ تلوار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی دھار کی چمک
اک شور تھا کہ آگ لگی کائنات میں
بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سو
تیغ آئی جس پہ اس کا بھی وار اُس پہ چل گیا
ثابت ہو جس پہ زہ کوئی ایسی کماں نہ تھی
گر میان تھا تو تیغ دم امتحاں نہ تھی
جرّار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
جب ضرب کی زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کھل کے رہ گئے
برہم مزاجِ لختِ دلِ بوتراب تھا
ممکن نہ تھا کہ ایک کو تیغوں میں اماں ملے
جو نامور بڑے تھے نہ ان کے نشاں ملے
کیوں معرکے میں تیغ دو دم سرخرو نہ ہو

خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل پر ڈری ہوئی
چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگ نہ جائے
اک آگ تھی کہ چنبرِ گردن میں جا لگی
کڑیاں کھلیں زرہ کی جب اُس کی ہوا لگی
پانی اثر دکھاتا تھا لوہے کو آگ کا
کاٹے تھے سر پہ فرق برش میں ذرا نہ تھا
خوں سب کا پی گئی تھی مگر دم بھرا نہ تھا
دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں سب ذوالفقار کا
تھی صاف تیغ حیدرِ کرّار کی چمک
اُس پار تک پہونچتی تھی اس پار کی چمک
خشکی میں زلزلہ تھا تلاطم فرات میں
کشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سو
پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سو
وہ سر گرا گئی تو یہ لاشہ کچل گیا
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
یہ طرفہ بات تھی کہ دہن تھا زباں نہ تھی
سرکش خموش تھے لب سوفار کی طرح
سر اُڑ گئے گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمل کے رہ گئے
لاشے الٹ گئے یہ نیا انقلاب تھا
مارا انھیں چھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
ریتی پہ گر ملے بھی تو لاشے تپاں ملے
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

زہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے کسی کا دل
آفت تھی قہر تھی برشِ تیغ جاں گسل
ٹکڑے تھے منھ سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ڈوبے لہو میں گھاٹ ستمگار روک کے
جب بھاگتا سپر کو سیہ کار روک کے
ٹھہرا جہاں لیا وہیں گھوڑے کو پھیر کے

وہ تیغ شعلہ زا کی چمک وہ فرس کی جست
بجلی گری پھرا جو ذرا دستِ حق پرست
افسرے فوج سے افسر چھٹے ہوئے
ہر اک علم کی چوب ضلالت نشاں کٹی
ترکش کٹے قلم ہوئے نیزے سناں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے نہ رہ جیں تنوں کے ساتھ

ناری صفوں میں جل گئے جب شعلہ زن ہوئی
شب کو چمن کھلا جو سپر خوں سے تر ہوئی
چلائی موت صدقے تری کج ادائی کے
جب سن سے فوج کفر پہ وہ جنگ جو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے یوں تند خو چلی
غل تھا برش ہے قہر کی جوہر بلا کے ہیں

جس کے گلے سے مل کے چلی مر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
دو پتلیاں بھی محوِ تماشا تُلی رہیں
کہنی سے دونوں ہاتھ جدا تن سے سر جدا
اس ہاتھ سے جو تیغ تو اُس سے سپر جدا
وہ تہلکے بھی ہول قیامت سے کم نہ تھے

بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا بھائی کے متصل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولیٰ سے منفعل
ہئیت بدل گئی تھی ہر اک بد سرشت کی
دم بھر نہ رک سکا کوئی اک وار روک کے
عباسؑ مسکراتے تھے تلوار روک کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجے سے شیر کے

رستے کھلے ہوئے نہ صفیں وہ نہ بند و بست
غارت وہ مورچہ ادھر آفت اُدھر شکست
سب چھاونی اُجاڑ تھی محلّے لٹے ہوئے
منھ تیغ کا کٹا تو سناں کی زباں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ کمر پہلوان کٹی
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے گردنوں کے ساتھ

چمکی ادھر یہ تیغ تجلی اُدھر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا تو جسد کو خبر ہوئی
بولی نکل کے روح نثار اس صفائی کے
گویا سموم قہر خدا اچار سو چلی
ٹکڑے اُڑا کے ذبح کیا سر خمرو چلی
دم بھر میں فیصلہ یہ کرشمے قضا کے ہیں

بسمل بھی تیغ تیز کا دم بھر کے رہ گیا
سکتے میں کوئی منھ پہ نظر کر کے رہ گیا
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں
ہر نخل قد کی شاخ جدا اور ثمر جدا
بھائی سے بھائی اور پسر سے پدر جدا
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی

برچھیت کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ہاتھ بدلنے نہ دیتی تھی

جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا نہ سپر تھی نہ ہاتھ تھا

اٹھی چلی سپاہ میں آئی جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا تو کلائی جدا ہوئی

صف کی جدا پرے کی صفائی جدا ہوئی
پیری جگر میں خوں میں نہائی جدا ہوئی

دم توڑے یا مرے کوئی پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے پھر آشنا ہوئی

چھپتی تھی برق اُس کی چمک دیکھ دیکھ کے
رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے

تھرا رہا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے

جوہر میں پیچ و تاب تھا زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی چم خم ہلال کا

تنتی تھی سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
کرتی تھی ناز حشر بپا دیکھ دیکھ کے

بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے

رکھتی تھی تیغ گو کہ نبردی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے میں تیرے ساتھ ہوں

سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع راہ
اس صف کے ہاتھ پاؤں قلم وہ پرا تباہ

خط جا بجا تھے خاک پہ مابین رزم گاہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں اللہ کی پناہ

کترا کے دو بھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

گھبرا جو یک بیک غضب کردگار نے
گھوڑے بھگائے فوج ضلالت شعار نے

کھینچا سر آسماں پہ زمیں کے غبار نے
سر پر اڑائی خاک سیہ روزگار نے

دن چھپ گیا یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹی کا پھل بندھا تھا محیط سپہر پر

اللہ رے زلزلے کہ لرزتے تھے دشت و در
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور

جنات کانپ کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا میں خاک اڑتی ہو اب جائیں ہم کدھر

اندھیر ہے اٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
ساحل تک آئے حضرت عباسؑ نیک نام

نعرہ کیا ترائی تو شیروں کا ہے مقام
وہ زور شور کیا ہوا اے ساکنان شام

تم سب کی کیا بساط ہے دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو

وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
لاکھوں میں اب تو شے کوئی اس تیغ کا جواب
انسوس ابن سعد ستمگار ٹل گیا

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
چمکا جو عکس روئے علمدار ارجمند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی

جلوے جو نہر میں علم سبز نے دکھائے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
ہر سنگ ریزہ نور سے دُرِ خوش آب تھا

چھاتی تک اُس نے پانی کو دیکھا جو ایک بار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوئے سوار
تو پی لے اے فرس کہ بہت تشنہ کام ہے
گردن ہلا کے کہنے لگا اسپ تیز گام
اس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام

مطلب یہ ہے کہ ذکر وفا چار سو رہے
ہر چند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
ناموس مصطفٰےؐ میں تلاطم ہے رات سے

بچوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیر غم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھا بچشم نم
بڑھتے ہی بحر ظلم کی موجوں میں گھر گیا

ہاں راہ روک لو یہ ہوئی چار سو پکار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اُٹھا ابر کوہسار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے

ریتی پہ کیا سپاہ کی مٹی ہوئی خراب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزند بو تراب
پر خیر کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپ سربلند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

اک شور تھا کہ خضر علیہ السلام آئے
پھر آنکھ میں حباب کی کیا آسماں سمائے
لہروں پہ جو عکس کرن تو بھنور آفتاب تھا

گھوڑے کا دل ہوا صفت موج بے قرار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عباسؑ نامدار
ہم پر تو بے حسینؑ یہ پانی حرام ہے
بے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی ہے یہ حرام
آقا ابھی حسینؑ کے بچے ہیں تشنہ کام
ترخشک لب نہوں تو نہ ہوں آبرو رہے

پیتا یہ خانہ زاد بھی پیتے اگر حضور
جانیں بچیں صغیروں کی فکر اس کی ہے ضرور
اب جلد مشک بھر کے نکلئے فرات سے

روئے لہو کے اشکوں سے عباسؑ باکرم
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیز خوش قدم
سقائے نبیؐ کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

برچھے اُٹھا اُٹھا کے بڑھے سینکڑوں سوار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھی آہنی حصار
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

کہتا تھا گرز توں کے ایک ایک پہلواں
رکھ دو یہ مشک اے اسد اللہ کے نشاں
بڑھ کر جواب دیتے تھے عباسؑ نوجواں
چہرہ بگاڑ دوں گا سنبھالے رہو زباں
کیا منھ جو مشک لے کوئی جب تک یہ ہاتھ ہے
اے بے حمیتو مری جاں اس کے ساتھ ہے

طفلی سے تھی ہمیں انھیں عہدوں کی آرزو
دونوں امانتیں ہیں یہ اے فوج کینہ جو
اک مشک اک نشان شہنشاہ نیک خو
اس سے جہاں میں نام ہوا اس سے آبرو
گر مر گئے تو مشک و علم لے کے جائیں گے
مختار ان کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

جھپٹے یہ کہہ کے تیغ دو دستی علم کئے
دونوں طرف کے نیزۂ خطی قلم کئے
حملے صفوں پہ صورت شیر دژم کئے
تیغ دو دم سے بند لعینوں کے دم کئے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کھریں جو کٹ گئیں
آدھی صفیں تو بچھ گئیں آدھی الٹ گئیں

بوچھار یک بیک ہوئی تیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
مشکل دو جہاں کے امیروں کی ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

زخمی تھے پر فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
قوت عطا کر دے مجھے یا شیر کردگار
دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا شاہ ذوالفقار
بیٹا ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

واحسرتا وہ فوج کا بلوہ وہ ایک جاں
فاقہ وہ تین دن کا وہ سوکھی ہوئی زباں
لڑنے کی فکر مشک کا دھڑکا علم کا دھیاں
جی سن سے ہو گیا کہیں کڑکی اگر کماں
چھلکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم
مضطر تھا مشک کے لئے وہ صاحب کرم
بہتا تھا خوں رکابوں سے تھمتے نہ تھے قدم
قوت کو ضعف ضعف کو قوت تھی دم بہ دم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

تلوار ہاتھ میں علمِ شاہ دوش پر
اک تیغ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا
شانے سے یوں اُبل کے گرا خون الاماں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ

دہنا تھا ہاتھ تیغ اسی میں تھی ہے ستم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم
کس سے ہٹائیں فوج کو کس سے وغا کریں
ڈسے قریں تو آ نہ سکا کوئی نابکار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار
ہے ہے سکینہ کہہ کے فلک پر نگاہ کی

گرزِ ستم سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
فرمایا ہائے دیں گے سکینہؑ کو کیا جواب
تڑپے اٹھے، کراہ کے خاموش ہو گئے
ان کا تو یاں ہے کوچ سنو واں کی اب خبر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے عباسؑ کا پسر
زینبؑ کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ اور دل پہ ہاتھ ہے

زینبؑ سے عرض کرتی ہے رو رو کے وہ دل فگار
کچھ دم اکھڑ رہا ہے نہیں قلب کو قرار
خیر اب نہیں ہے خیر کے انداز اور ہیں
کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
ماتم ہیں نوجواں کے دل اندوہ ناک تھا

ہرنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
تلوار کیا پہاڑ گرا آ کے دوش پر
دیکھا جو پھر کے دستِ مبارک زمیں پہ تھا
تیورا کے جھومنے لگے عباسؑ نوجواں
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزۂ علم
الجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
بتلاؤ اب کہ حضرت عباسؑ کیا کریں
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
پانی کے ساتھ سینے سے چھوٹی لہو کی دھار
ہرنے پہ سر ٹیک کے بہشتی نے آہ کی

تھرائے ہونٹ چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
روتی ہے سر جھکائے سکینہؑ قریبِ در
بکھرائے بال زوجۂ عباسؑ ساتھ ہے

ہے ہے یہ شور نہر پہ کیسا ہے میں نثار
گرتی ہے کانپتے میں ردا سر سے بار بار
بی بی یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں
پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہِ بحر و بر
تلوار ہاتھ میں تھی گریبان چاک تھا

رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہ اُمم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہرا کو لے چلو
اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت ہے سدِ راہ
چلتے رہے تو ٹھوکریں کھانے کو آہ آہ
شق ہو جگر جو صبر اُدھر سے عطا نہ ہو
ٹھہرو کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر
سینہ لہو ہے دل ہے تپاں چاک ہے جگر
لو اتنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
اس شکل سے ترائی میں پہونچے جو شاہِ دیں
بابا یہی ہے لاشِ علمدارِ مہ جبیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ پیار دیکھئے
حضرت پکارے جان بھی ہے جسمِ زار میں
کی عرض دم تو ہے جسدِ زخم دار میں
کیجئے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
چلّائے گر کے لاش پہ شبیرؑ نام دار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار
شاید زباں ہے بند جو اب کھولتے نہیں
مر جائے گا حسینؑ برادر جواب دو
اب جاں بلب ہے سبطِ پیمبرؐ جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے تشنہ کام ہیں
سُن لو تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام
جنبش ہوئی لبوں کو بھتیجی کا سُن کے نام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا

اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بیٹا چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو
عباس کیا بچھڑ گئے گھر ہو گیا تباہ
وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
یارب کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو
تم ہاتھ تھامتے ہو جھکی جاتی ہے کمر
اکبر بتاؤ ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا
رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرِ حزیں
گھوڑا کہیں ہے تیغ کہیں ہے علم کہیں
شانے کٹے ہیں شانِ علمدار دیکھئے
یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
منہ سے بولتے نہیں کچھ احتضار میں
آنکھیں کھلی ہیں دیکھ رہے ہیں حضور کو
بھیا تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈھتے ہو ہم کو بار بار
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں
اے میرے نوجوان مرے صفدر جواب دو
اے نورِ چشم ساقیٔ کوثر جواب دو
بھیا تمھارے سر کی قسم ہم تمام ہیں
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آئے وہ تشنہ کام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

منھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال — کیوں چپ ہوئے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
ان سوکھے سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علیؑ کے لال — بھیا مدد کو آئے ہیں اب شیرِ ذوالجلال
رُخ کیوں ہے زرد کون سی ایذا گزرتی ہے — کیوں دم بدم کراہتے ہو کیا گزرتی ہے

گودی میں ہے مری دمِ آخر تمھارا سر — اور پائینتی جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
گزرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر — سینے پہ ہوگا تیغ لیے شمرِ بدگہر
شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح — دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

یہ بات سن کے نزع میں عباسؑ تھرتھرائے — قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ آئے
دوبارہ سر پٹک کے پکارے کہ ہائے ہائے — گر خوں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا — سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

اکبرؑ نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے — جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کدھر گئے
منھ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے — وا حسرتا حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ — دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

اے میرے شیر صف شکن اے میرے نوجواں — پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیرِ خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں — ہم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں
تینوں میں اب پسر نہیں بھائی کی ہوتے ہو — بازو کٹائے نہر سے دریا پہ سوتے ہو

آتے ہی بھاگئی تھی ترائی کی جا تمھیں — اللہ کیا پسند تھی یہاں کی ہوا تمھیں
بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمھیں — آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمھیں
اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے — بھیا ہوائے سرد میں اب سوؤ چین سے

قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم — کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے ہے ستم
کیا خوب ہو اگر یہیں نکلے ہمارا دم — الفت یہ چاہتی تھی کہ قبریں بھی ہوں بہم
روئیں سرہانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں — ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

آئی صدائے حضرت خاتونِ روزگار — ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار
اے میرے لال تیرے تڑپنے کے میں نثار — میرا پسر ہے آج سے عباسؑ نامدار
بیٹا بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں — پُرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

واری تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر
چلّائے تب یہ رو کے شہنشاہِ بحر و بر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گزر گیا
اکبرؑ سے پھر کہا کہ علم خاک سے اُٹھاؤ
بیوہ ہوئی چچی اُسے پُرسا دو خاک اُڑاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے
اکبرؑ یہ شہ سے سُن کے جو روئے بصد بکا
ناگاہ آئی در سے سکینہؑ کی یہ صدا
روتے ہیں آپ کیوں مرے عمّو کدھر گئے
فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہِ انس و جاں
پہونچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں؛
اندھیر ہے جہان مجھے اب سوجھتا نہیں
ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمّو کدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گزر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
غل پڑ گیا کہ شہ کے علمدار ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہؑ کے مددگار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
پوچھو ہمارے دل سے مُصیبت جُدائی کی
بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا؛
ایسا نہ ہو نکل پڑے زینبؑ برہنہ سر
امّاں کمر تو ٹوٹ گئی جائیں اب کدھر
بازو ہمارا تھا مِنے؛ الا تو مر گیا
پُرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے جاؤ
بیٹا چچا کے بچّوں کو جا کر گلے لگاؤ
کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے
تڑپے اک آہ بھر کے شہنشاہِ کربلا
بابا میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گزر گئے
رو کر علم سے باندھ دی وہ مشکِ خوں چکاں
سر پیٹ کے سکینہؑ نے تب یہ کیا بیاں
ہے ہے علم تو آیا ہے میرا چچا نہیں؛
مجھ کو بتا دیا نہ وہاں کا جدھر گئے
پانی پیا نہ تشنہ دہن کوچ کر گئے
وہ کیا کریں ہماری ہی قسمت اُلٹ گئی
اے نورِ چشمِ حیدرِ کرّار ہائے ہائے
اے فوجِ شہ کے جعفرِ طیّار ہائے ہائے
دے مارا سر کو بالی سکینہؑ نے خاک پر
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہِ باکرم
جس سے جُدا نہ ہوتے تھے کھوئے اُن کو ہم
بھائی ہی جانتا ہے محبّت کو بھائی کی
چھوڑا نہ پھل نہ پھول نہ بوٹا ہزار حیف
اُمّت نے میرے باغ کو لوٹا ہزار حیف
تیغوں سے سروِ باغِ علیؑ کو قلم کیا

زیر علم تھا زوجۂ عباسؑ کا یہ حال ماتھا بھرا تھا خاک سے بکھرے ہوئے تھے بال
چلاتی تھی یتیم ہوئے میرے دونوں لال دنیا سے کھو گئے مجھے عباسِ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھٹ گیا میں رانڈ ہو گئی مرا اقبال لٹ گیا

ناگہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو! زانو پہ تھا مرے سرِ عباسؑ نیک خو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہرا کشادہ مو بی بی بس اب حسینؑ کو رو رو کے رُلا نہ تو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے اب صبر کر کہ صبر خدا کو پسند ہے

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے تم میں شریک روحِ رسولِ انام ہے
اب رخصتِ حسینؑ علیہ السلام ہے چہلم کی مجلسوں کا بھی اب اختتام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا جو سال بھر جئے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباسؑ باوفا پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا زہراؑ ابھی ننگے سر ہے قیامت کر دیا
سمجھو شریک بزمِ شہِ مشرقین کو دو نوجوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

یہ کہہ کے ہائے حضرتِ عباسؑ خاک اُڑاؤ پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشکِ خوں بہاؤ
ہے ہے حسینؑ کہہ کے زمیں پر پچھاڑیں کھاؤ پُرسا پسر کا فاطمہ زہراؑ کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو رخصت کرو حسینؑ علیہ السلام کو

اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع اے بنتِ مصطفیٰؐ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے جب تک جئیں گے آپ کی غربت پہ روئیں گے

مولا ضریحِ پاک پہ بلوائیے شتاب اب ہجر کی انیسؔ کے دل کو نہیں ہے تاب
رہ جائے گی ہوس جو دیا زیست نے جواب خاکِ شفا ملے مجھے یا ابن بوتراب!
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

۴

مرثیہ

بند ۱۲۱

یہ مرثیہ نول کشور بک ڈپو کے مطبوعہ سلسلوں میں شامل نہیں ہے۔ لیکن طباطبائی صاحب نے میر انیس کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی جلدوں میں شامل کیا ہے۔

طرزِ کلام سے بھی یہ مرثیہ میر صاحب ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا میں نے بھی اس ترتیب میں شامل کر دیا واللہ اعلم ——— نائب نقوی۔

رن میں جب دمِ حُرِ ذیشاں نے شہادت پائی
قتل ہوا شاہ کے مہماں نے شہادت پائی
اسدِ بیشۂ ایماں نے شہادت پائی
یاورِ شاہِ شہیداں نے شہادت پائی
کبھی اس طرح نہ مہرِ فلک آرا چمکا
جس طرح حرِ دلاور کا ستارا چمکا

شرفِ زاہد و عبّاد ہوا واہ رے حُر!
زینتِ گلشنِ ایجاد ہوا واہ رے حُر!
ثانیِ بوذر و مقداد ہوا واہ رے حُر!
شاہ کا بندۂ آزاد ہوا واہ رے حُر!
خاکساری ہو تو سر عرش سے جا ملتا ہے
یوں ہی آقا کی غلامی کا صلا ملتا ہے

وہی عاقل ہے جو عقبیٰ کا نہ جادہ چھوڑے
مال مصرف میں کفن سے زیادہ چھوڑے
نفسِ امّارۂ بدخو کا ارادہ چھوڑے
ورقِ نیکیِ اعمال نہ سادہ چھوڑے
کھائے کچھ، گو وہ کہ پھر منہ کا نوالا ہو گا
قبر میں فوج نہ ہو گی نہ رسالا ہو گا

خوب سمجھا وہ کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے
جو نہ مرتے ہوئے دے ساتھ وہ دولت کیا ہے
چار دن گر ہے حشمت، تو وہ حشمت کیا ہے
گر ہے دانا تو زمیں کیا ہے زراعت کیا ہے
قبر مل جاتی ہے یا خاک میں تن ملتا ہے
مال دنیا سے ملا بھی تو کفن ملتا ہے

کیوں نہ حیرت ہو رفیقانِ شہِ والا کو
حُسنِ تقدیر نے اعلیٰ کیا یوں ادنیٰ کو
چاہیئے جانبِ انجام نظر دانا کو
بڑھ کے اک قطرے نے شرمندہ کیا دریا کو
کس جگہ لطفِ شہِ صابر و شاکر سے گیا
پہلے جنت میں حبیب ابنِ مظاہر سے گیا

واہ کیا رتبۂ حُر ذی شاں کو ملا
آبِ کوثر شہِ مظلوم کے مہماں کو ملا

جس کا جویا تھا "وہ فردوس کے خواہاں کو ملا
وہ ملا جو کہ نہ ہرگز کسی انساں کو ملا

باغِ جنت میں بھی ہمسایۂ حیدر پایا
گھر بھی حضرت کے رفیقوں کے برابر پایا

پسرِ سعد نے شیطاں کی طرح بہکایا
دامِ تزویر میں لیکن نہ وہ دانا آیا

نہ تھا فوج میں جنت کا جو رستا پایا
شہِ والا کی حضوری میں مقدر پایا

شاد حیدر تو خوشی حضرت شبیرؑ ہوئے
دوستِ اللہ کے اُٹھ اُٹھ کے بغل گیر ہوئے

کیوں نہ ہو ابنِ یداللہ کا عاشق تھا حُر
جو ملا اوج اُسی اوج کے لائق تھا حُر

گو بظاہر تھا منافق پہ موافق تھا حُر
جو کہا تھا وہ کیا قول کا صادق تھا حُر

اس کی مظلومی پہ کیوں کر نہ محب سب روئیں
جس کو بھائی کی طرح حضرتِ زینبؑ روئیں

نہ رہا چند نفر کا جو رسالا نہ رہا
کون سا چاند کا نقصاں ہے جو ہالا نہ رہا

مُنھ تو خولی کی طرح حشر میں کالا نہ رہا
کون سے رتبے میں لاکھوں سے وہ بالا نہ رہا

یوں بھی دنیا میں مُسافر کوئی کم نکلا ہے
زانوئے حضرتِ شبیرؑ پہ دم نکلا ہے

اے خوشا حال کہ خاکِ درِ شبیرؑ ملی
نیک صحبت کو بشر سمجھے کہ اکسیر ملی

نار سے نور ہوا عزت و توقیر ملی
شرطِ انصاف ہے ایسی کسے تقدیر ملی

صحبتِ بادشہِ کون و مکاں میں پہونچا
پاؤں دوزخ سے بڑھاتے ہی جناں میں پہونچا

مل کے آنکھوں کو جو چومے قدمِ شاہِ زماں
تیرگی رُخ کی سمٹ کر ہوئی سجدے میں نہاں

ہاتھ باندھے ہوئے آیا تو کُھلے بابِ جناں
حُر کہاں زانوئے فرزندِ یداللہ کہاں

لاکھ مردود جو بہکائیں تو کیا ہوتا ہے
بگڑی بن جاتی ہے جب فضلِ خدا ہوتا ہے

اک غلامی میں شہنشاہ کی کیا کیا پایا
کس نے پایا ہے زمانے میں یہ اعلےٰ پایا

حُر کو حوریں بھی ملیں قصرِ معلّےٰ پایا
وہم میں بھی جو نہ آتا تھا وہ پایا پایا

بارک اللہ" کی گردوں سے صدائیں آئیں
راہ میں تھا کہ بہشتوں کی ہوائیں آئیں

جیٹھ، بیساکھ، میں دنیا سے کیا تھا جو سفر
آبِ کوثر جو ملا سرد ہوئے قلب و جگر

گلِ شبنم کی طرح جسم عرق میں تھا جو تر
ہر طرف سے تھا اسی سمت ہواؤں کا گزر

کبھی ماتھا کبھی چہرہ کبھی سینہ پونچھا
اپنے رومالوں سے حوروں نے پسینہ پونچھا

آگے رکھتا تھا طبق میووں کے رضواں لا کر
کوئی ہاتھوں میں لیے آتا تھا جامِ کوثر
شوق میں جب کہ لپٹ جاتی تھیں حوریں آ کر
حُرِ ذی جاہ جھکا لیتا تھا سر شرما کر
مسکرا دینے نے حوروں کے بھی دل مل ڈالے
ڈالیاں پھولوں کی تھیں چہروں پہ آنچل ڈالے

ڈالیاں سامنے ہیں پھولوں کی جس طرح دلھن
لہلہاتے ہیں نئے رنگ سے جنت کے چمن
بلبلیں شاخِ گلِ تازہ پہ تھیں چہچہہ زن
مسکرانے میں کھلے جاتے تھے غنچوں کے دہن
خوانِ نعمت کہیں ساغر تھا کہیں پانی کا
شور تھا شاہ کے مہماں کی مہمانی کا

نظر آتے تھے جو کوثر کے چھلکتے ہوئے جام
منھ لگاتا تھا نہ پانی کو حُرِ نیک انجام
کہتا تھا کچھ نہیں پانی سے زباں کو اب کام
دشتِ غربت میں کئی روز سے پیاسے ہیں امام
تیسرا دن ہے کہ پانی جو نہیں پاتے ہیں
بچے گھبرا کے قناتوں سے نکل آتے ہیں

حُر کا ماتم تھا کہ لڑنے گئے میداں میں برادر
لڑ کے لاکھوں سے ہوا خاتمہ اُن کا بالخیر
باغِ جنت کی دکھائی انھیں تقدیر نے سیر
پہلے مقتل میں عزیزوں سے فدا ہو گئے غیر
صبح سے کرتے تھے دونوں جو دعا مرنے کی
پائی مسلم کے یتیموں نے رضا مرنے کی

گھر میں بن باپ کے بچوں کی جو لاشیں آئیں
اُٹھ کے ماں نے صفِ ماتم پہ پچھاڑیں کھائیں
عزتیں دونوں یتیموں نے برابر پائیں
بنتِ زہراؑ کبھی روئیں تو کبھی چلائیں
آہ و زاری سے کبھی سوئے نجف دیکھتی ہیں
کبھی منھ پھیر کے لاشوں کی طرف دیکھتی ہیں

دونوں بیٹوں سے اشارا تھا کہ رخصت مانگو
سرخرو مجھ کو کرو اذنِ شہادت مانگو
جلد اللہ سے مرجانے کی ہمت مانگو
منھ میں خالق نے زباں دی ہے اجازت مانگو
ننھے ہاتھوں سے چھوڑ دو سپروں کو رکھ دو
قدمِ شاہ پہ جھک جھک کے سروں کو رکھ دو

رات کو کہتے تھے جو کچھ وہ سخن بھول گئے
حسنِ تقریر میں اندازِ حسنؑ بھول گئے
دار و گیرِ اسدِ قلعہ شکن بھول گئے
کیسے پوتے ہو کہ دادا کا چلن بھول گئے
بچے شیروں کے بگڑ جاتے ہیں رن پڑتے ہیں
دیکھو لاشوں کو جو غازی ہیں وہ یوں لڑتے ہیں

وہ دل کہنے میں آقا سے حیا واہ ری شرم
چپ بھی رہتے ہیں طلبگارِ رضا واہ ری شرم
ایک مطلب نہ ہوا تم سے ادا واہ ری شرم
سب کے پیچھے تمھیں رہ جاؤ گے کیا واہ ری شرم
شہ کو صدقے گئی ماموں نہ کہو باپ کہو
میں نہ بولوں گی جو کہنا ہو وہ تم آپ کہو

اس خموشی کا سبب کیا ہے خدا خیر کرے
مجھ کو تو اور ہی دھڑکا ہے خدا خیر کرے
اب تو چُپ رہنے کا چرچا ہے خدا خیر کرے
عقلیں ایسی نہ سِن ایسا ہے خدا خیر کرے
کام آجائے جو اولاد وہی کام کی ہے
ہائے تشویش بزرگوں کے مجھے نام کی ہے

قفل مطلب کی ہے مفتاح زباں کی تیزی
وقت پر چاہیے بلبل کی طرح گُل ریزی
طبع رنگیں ہو تو مشکل نہیں رنگ آمیزی
بات میں لُطف ہو تقریر میں مطلب خیزی
شرم کس بات کی مطلب کے ادا کرنے میں
زندگی موت ہے عرصہ نہ کرو مرنے میں

ماں کے پاس آکے یہ کہنے لگے وہ گُل اندام
ابھی روتے ہیں برادر کے یتیموں کو امام
جب مناسب ہو تو کرتے ہیں بزرگوں سے کلام
آپ گھبرائیں نہ لیتے ہیں رضا رن کی غلام
ساتھ والوں کے سوئے خُلد پرے جاتے ہیں
کیا ہم ایسے ہیں کہ مرنے سے ڈرے جاتے ہیں

شہ نے رخصت نہ ہمیں دی کہ رضا ہم نے نہ لی
کیا سبب تھا کہ رہِ ملک بقا ہم نے نہ لی
شاہ مانع تھے کہ فردوس کی جا ہم نے نہ لی
کون کہتا ہے کہ دردوں کی دوا ہم نے نہ لی
اِذن ملتا تو پرے توڑ کے مارے جاتے
سب سے پہلے ہمیں کوثر کے کنارے جاتے

جا کے دم بھر میں اُلٹ دیتے یہ لشکر کیا ہے
پسرِ سعد ہے کیا، شمرِ بد اختر کیا ہے
کوئی ہم سے بھی جگر داری میں برتر کیا ہے
لاکھ سر ماموں پہ صدقے ہیں یہ اک سر کیا ہے
چھین کر نیزوں کو تنکوں کی طرح توڑیں گے
منھ نہ پھر دیکھیے گا آپ جو منھ موڑیں گے

فوج کیا آگ کا دریا ہو تو جھیلیں اُس کو
نہ رکیں ہاتھ ہزیمت جو نہ دے لیں اُن کو
کوفہ و شام کے طالب ہوں تو لے لیں اُس کو
کوہ بھی سامنے آجائے تو ریلیں اُس کو
اپنے زوروں کو شجاعانِ عرب مانتے ہیں
ہم بھی حیدر کے نواسے ہیں یہ سب جانتے ہیں

شہ سے ضد کر کے اگر اذنِ وغا لیتے ہم
عہدۂ شیرِ خدا بھی بہ خدا لیتے ہم
مشک ہوتی تو ابھی نہر کو جا لیتے ہم
عَلَمِ فوج بھی ملتا تو اُٹھا لیتے ہم
شام تک فتح کے نقاروں کا غل کر دیتے
توڑ کر کوفے کا در نہر پہ پل کر دیتے

کہا زینب نے کہ سچ کہتے ہو تم ہاں واری
یوں ہی آقا کی مدد چاہیے اماں واری
کیا کروں ہیں مری خاطر ہی پریشاں واری
لاکھ تشویشیں ہیں اور ایک مری جاں داری
سب لُٹیں فاطمہ زہرا کی کمائی بچ جائے
چاہتی ہوں کسی صورت مرا بھائی بچ جائے

ذکر یہ تھا کہ اُدھر طبل بجا لشکر میں ؛ ہو گیا رانڈوں کے رونے سے تلاطم گھر میں
اُٹھ کے پہنی جو زرہ ابن حسنؑ نے بر میں ؛ تھرتھری پڑ گئی زینبؑ کے تن لاغر میں
کچھ بھتیجے سے جو کہنا نہ مناسب دیکھا ؛ شہ کی ہمشیر نے پھر بیٹوں کی جانب دیکھا

ہاتھ جوڑے گئے حضرت کے قریب وہ دلبر ؛ شاہ نے چھاتی سے لپٹا لیے ان دونوں کے سر
عرض کی اے شہ ذی جاہ! سلیماںؑ افسر ؛ آرزو ہے کہ ہم اب صدقے ہوں ان قدموں پر
ہم کو جب تک کہ سرافرازی کا خلعت نہ ملے ؛ قاسمؑ و اکبرؑ و عباسؑ کو رخصت نہ ملے

شہ نے فرمایا کہ کیا کہتے ہو اے دلدارو ؛ منتیں کر کے کلیجے پہ نہ چھریاں مارو
لشکر شام میں کیوں کر تمھیں بھیجوں پیارو ؛ تیرہ ہو گا یہ گھر اے عرش خدا کے تارو
دل کو خوں کرتا ہے آوارہ وطن کا رونا ؛ مجھ سے دیکھا نہیں جائے گا بہن کا رونا

اُٹھ کے زینبؑ نے کہا آپ یہ فرماتے ہیں کیا ؛ میں بھی صدقے مرے ماں باپ بھی حضرت پہ فدا
میری خاطر سے انھیں دیجیے اب رن کی رضا ؛ مجھ کو ہے فخر کنیزی پہ علیؑ و زہراؑ
نہ ستم دیدہ نہ آوارہ وطن کہتے ہیں ؛ آپ آقا ہیں کہ لونڈی کو بہن کہتے ہیں

باپ ان دونوں کا ہو کون غلام آپ کا ہو ؛ صورت ابر کرم خلق میں عام آپ کا ہے
آج لڑ بھڑ کے یہ مر جائیں تو نام آپ کا ہو ؛ صبر اب کیجیے دونوں کو یہ کام آپ کا ہے
سج لیں ہتھیار ذرا بیٹھ کے دم لے لیجیے ؛ میں اگر روؤں تو رونے کی قسم لے لیجیے

شہ نے فرمایا بہت خوب! بہت خوب بہن ؛ خیر بہتر ہے جو کچھ ہے تمھیں مطلوب بہن
مجھ سے چھٹتے ہیں یہ دونوں مرے محبوب بہن ؛ اب مری زیست نہ ہو گی کسی اسلوب بہن
نہیں رُکتے چمن دہر سے جانے والے ؛ پہلے اُٹھتے ہیں مری لاش اُٹھانے والے

ماں نے لا کے جو پوشاک انھیں پہنائی ؛ شان بھائی کی لگا دیکھنے ہنس کر بھائی
ننھی چھوٹی سی جو ہتھیار کی کشتی لائی ؛ واہ رے صبر کہ خود ماں نے کمر بندھوائی
گھر لُٹے اور نہ زباں پر بھی صدا آہ کی ہو ؛ یہ اُسی سے ہو جو بیٹی اسد اللہ کی ہو

سج چکے جسم پہ زیور کی طرح جب ہتھیار ؛ کر کے تسلیم چلے خیمے سے وہ گل رخسار
دل کو زینبؑ کے نہ آتا تھا کسی طرح قرار ؛ رو دی تھی عونؑ و محمدؑ سے لپٹ کر ہر بار
آگے آگے تو وہ ہیں نیچوں کو تولے ہوئے ؛ صحن میں بیٹھی ہیں بیبیاں سر کھولے ہوئے

گھر میں غل تھا کہ خدا حافظ و ناصر بچو!
کہتی تھی ماں کہ مرے صابر و شاکر بچو!
میں نہیں روتی ہوں آنسو نہ بہاتے جاؤ
خیر تھمنے کا نہیں وقت سدھارو جاؤ
کام بگڑے ہوئے امت کے سنوارو جاؤ
منزلیں قبر کی نزدیک ہیں گھر دور رہے

دولھنیں بن کے جو شہزادوں کے رہوار آئے
چڑھ کے گھوڑوں پہ جو میدان میں وہ جرار آئے
مینہ سروں کا کوئی دم میں لب جو برسے گا

کیا کلیجے ہیں صغیروں کے شجاعت دیکھو
آیتیں مصحف ناطق کی ہیں صورت دیکھو
قرۃ العین محمد سے شہنشاہ کے ہیں

ماں نے پہنائی ہے دولھا سی بنا کر پوشاک
نور کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہیں سیدِ پاک
ان کے جوہر اسد اللہ کی شمشیر کے ہیں

کس کے پوتے ہیں یہ جرار نواسے کس کے
عرب و روم کے سردار ہیں شاہد اس کے
اڑ کے جاتے ہیں جدھر صید کی بو ہوتی ہے

فاطمہ ان کی ہے نانی تو علی نانا ہے
شیر کے بچے ہیں تم نے انھیں کیا جانا ہے
خود بھی کٹتے ہیں سپر کٹتی ہے سر کٹتے ہیں

یہ تہور یہ بزرگی یہ شرف اس سن پر
آنکھ وہ جان فدا کرتی ہیں پریاں جن پر
واں یہ گل رہ ہوں جہاں رات گھنیری ہووے

ہائے اے گلشن ہستی کے مسافر بچو!
تم نے چھوڑا مجھے پردیس میں آخر بچو!
واری اماں مجھے صورت تو دکھاتے جاؤ
میرے بچو! مرے شیرو! مرے پیارو جاؤ!
جاؤ اے عرش معلیٰ کے ستارو جاؤ!
اتنا کہتی ہوں کہ دریا سے نظر دور رہے

تھامنے بازوؤں کو سید ابرار آئے
غل ہوا لخت دل حیدر کرار آئے
آج ان چھوٹی سی تیغوں سے لہو برسے گا

جنگ کے شوق میں چہروں کی بشاشت دیکھو
نرگسی آنکھوں کی طفلی میں جلالت دیکھو
آنکھیں آہو کی ہیں تیور اسد اللہ کے ہیں

آستینوں کے ہیں کس حسن سے الٹے ہوئے چاک
نہ لڑائی سے انھیں خوف نہ مر جانے سے باک
بھول کر منھ پہ نہ جانا یہ پسر شیر کے ہیں

ضرب اسے کہتے ہیں سکے ہیں دلوں پر جس کے
مر گئے ٹاپوں سے دلدل کی جو اس پاس کے
شیر کے بچوں میں بھی شیر کی خو ہوتی ہے

ضرب کرار کو کروبیوں نے مانا ہے
بھاگتے ہیں وہ جنھوں نے انھیں پہچانا ہے
ضربت ایسی ہو تو جبریل کے پر کٹتے ہیں

زلفیں چہروں پہ ہیں یا رات کا سایا دن پر
ہے غضب پیاس میں دو روز کی یہ دھوپ ان پر
عمر بھر گر انھیں دیکھے تو نہ سیری ہووے

چین پیشانیاں شمشیر علیؑ کی نا ہیں
حشر برپا ہو جو گھوڑوں کو یہ غازی ڈاہیں
کون سنتا ہے نسیم سحری کی آواز
نرگسی آنکھوں پہ ابرو نہیں حرّار دنکے
دیکھو آنکھوں کے ادھر رنگ کو رخسار دنکے
لب لعل ایسے کہ پریوں کا بھی دل شیدا ہے

پسر سعد لعیں فوج سے نکلا ناگاہ
ہر طرف ڈھالوں کا چھایا ہوا تھا ابر سیاہ
شام کی فوج نے ہر سمت نشاں کھولے تھے
چوب پڑنے لگی نقارۂ رزمی پہ اُدھر
بڑھ کے فرمایا کہ اے سعد کے منحوس پسر
ڈر سے گر تو نہیں بڑھتا تو ہمیں آتے ہیں

او لعیں! جعفرؑ طیار کے پیارے ہم ہیں
مالک صبر ہیں گو پیاس کے مارے ہم ہیں
لب ہلا دیں تو ملک بہر سلام آتے ہیں
چھوٹے بھائی نے صدا دی "کہ حضور آپ بڑھیں
اپنے لشکر پہ ہے ظالم کو غرور آپ بڑھیں
توڑیے بڑھ کے صفیں فوج کی بربادی ہو

سن کے یہ عونؑ نے فرمایا کہ بہتر چلیے
مصلحت خوب ہے یہ پہلے اسی پر چلیے
اپنے گھوڑے بھی وہیں ہوں گے جہاں جائے گا
کہہ کے یہ دونوں دلیروں نے دبائے گھوڑے
منھ سے ہاں کہنے کی بھی تاب نہ لائے گھوڑے
گر گئے خود ہی جفا کار یہ جھجکے ڈر سے

خم ابرو حرم کعبہ کی ہیں محرابیں
دونوں بن بن کے دہانوں کو نہ کیونکر چابیں
ہنہنانے کی صدا ہے کہ پری کی آواز
ہیں غزال ختنی سائے میں تلواروں کے
پھول رکھے ہوئے ہیں سامنے بیماروں کے
صاف دانتوں سے نثاروں کی چمک پیدا ہے

دوڑے ہر صف کے جمانے کو نقیبان سپاہ
کہیں تلواروں کی کثرت سے نہ تھی جائے پناہ
تیر اندازوں نے ترکش کے دہاں کھولے تھے
غیظ میں آئے ادھر راحت جان حیدرؑ
سامنے شیروں کے آ جنگ کا دعویٰ ہو اگر
دیکھ کیوں کر ترا سر کاٹ کے لے جاتے ہیں

جن سے ہے عرش کی رونق وہ ستارے ہم ہیں
ہمتیں دیکھ کہ دریا کے کنارے ہم ہیں
ابھی کوثر کے چھلکتے ہوئے جام آتے ہیں
صید دب دب کے ہٹا جاتا ہے دور آپ بڑھیں
پھر نہ ہاتھ آئے گا غدّار ضرور آپ بڑھیں
اس کا سر لائیں تو اُن کو بڑی شادی ہو

چلیے اے قوت بازوئے برادر چلیے
کیجیے رہواروں کو مہمیز برابر چلیے
بچ کے اب شیروں کے پنجے سے کہاں جائے گا
بن گئے اُڑ کے پری زادوں کے سائے گھوڑے
قلب لشکر میں صفیں ندتے آئے گھوڑے
مل گئے نعل کی کیلوں کے ستارے سر سے

کثرت فوج میں دونوں کے جو رہوار پھرے
جنگ کو بڑھ کے سواران جفا کار پھرے
تنگ کاوے میں بھی اس طرح وہ جاندار پھرے
جس طرح صفحۂ قرطاس پہ پرکار پھرے
یکہ تازی نہ فقط عہد شکن بھول گئے
چوکڑی آہوئے صحرائے ختن بھول گئے

کیا لکھے وصف کمیت قلم تیز قسم
نہیں تھمتے کوئی ساعت، کوئی لمحہ، کوئی دم
وہ سبک رو ہیں کہ غنچوں پہ جو رکھ دیتے قدم
کھلتی کلیوں کا تبسم نہ زیادہ ہو نہ کم
لاکھ بن بن کے چلے کبک تو کیا چلتی ہے
گھوڑے چلتے ہیں کہ گلشن میں صبا چلتی ہے

نظر آجائے لہو تن کا وہ جلدیں باریک
کہیئے ابریشم چینی تو ہے تشبیہ رکیک
تازیانہ ہے نسیم سحری کی تحریک
سُرعتیں خون کے ہمراہ ہیں رگ رگ میں شریک
برچھوں اڑ جانے کا جس دم محل آجاتا تھا
اعتقاد حکما میں خلل آجاتا تھا

منکے گردن کے مہ نو سے کشادہ سینے
جن سے شرمندہ تھا مہتاب تجلل آئینے
سینے کیا صبر کی دولت کے وہ تھے گنجینے
پاس دریا تھا نہ لیکن گئے پانی پینے
تیسرے فاقے میں مرنے کو جئے تھے دونوں
ساتھ حیدر کے نواسوں کا دیئے تھے دونوں

شہسواری کا وہ انداز وہ رانیں وہ باگیں
ران پٹری کا وہ جمنا وہ عناں کی لاگیں
وہ سبک رو کہ کریں صید جو آہو بھاگیں
سوتی آنکھوں میں جو دوڑیں تو نہ مردم جاگیں
لاکھ دو لاکھ پہ بھاری ہیں جو چار ایسے ہوں
گھوڑے چالاک ہوں ایسے تو سوار ایسے ہوں

شور تھا جھوم کے ان دونوں کا آنا دیکھو
تیر کی طرح کمانداروں پہ جانا دیکھو
غیظ میں تھوتھنیاں سینوں پہ لانا دیکھو
تھم کے غصے میں دہانے کا چبانا دیکھو
جسم دونوں کے گل تر سے کہیں خوشبو ہیں
چوٹیاں بال کی ہیں حور کے یا گیسو ہیں

دیکھو ان کو تو نہ طاؤس کا چلنا دیکھو
جھوم کر تیغوں کے نیچے سے نکلنا دیکھو
کالی آنکھوں کا شجاعت سے ابلنا دیکھو
دیکھو غصے میں کنوتی کا بدلنا دیکھو
بگڑی جاتی ہے ہوا جسم کو گر لگتی ہے
ایسی آنکھیں ہوں تو دریا کی نظر لگتی ہے

پڑ گئی فوج میں ہلچل جدھر آئے دونوں
لٹ گیا نیزوں کا جنگل جدھر آئے دونوں
پھٹ گئے ڈھالوں کے بادل جدھر آئے دونوں
پس گئے سینکڑوں پیدل جدھر آئے دونوں
بجلیاں کوند رہی تھیں سپہ دشمن میں
سر برستے تھے کہ ساون کی جھڑی تھی رن میں

آستینوں کو جو اُلٹے ہوئے ہیں وہ کہنیوں تک
یاد آتی ہے جو تیغِ شہِ مرداں کی چمک
یاد ہے دن پر جبریل کے کٹ جانے کا
سر اُٹھے تھے نہ ابھی خاک سے پامالوں کے
چاک سینے ہوئے ہر صف میں زرہ والوں کے
نیچے آ کے جدھر سن سے نکل جاتے تھے
ہاتھ دونوں کے وہ چھوٹے سے وہ پیاری تیغیں
دھار مُنھ پر جو پڑی ہوگئیں عاری تیغیں
نہ پرے تھے نہ صفیں لشکرِ کفّار کی تھیں
اُن کے بڑھنے کو ہموار جواں مانتے تھے
دوش تک جس کے وہ پہونچے کہ جدا شانے تھے
خاک میں برچھیوں والوں کے بھی دل ہلتے تھے
نہ کسی سنگ پہ وہ رکتی تھی نہ آہن پر
کبھی چار آئینوں پر تھی تو کبھی توسن پر
بند ہو جاتی ہیں آنکھیں وہ چمک دھاروں میں
گھاٹ وہ اُن کے وہ باڑھ اور وہ ان کی خم
چھپ کے چار آئینوں میں صورتِ حرفِ مُدغم
سایہ پڑ جاتا تھا جس پر اُسے تپ آتی تھی
نیچے دونوں مہِ نو سے وہ جوہر اُن کے
کس کا منھ تھا کوئی آ جائے جو منھ پر اُنکے
تیغیں بڑھ کر صفِ ہیجا سے جو پھر پڑتی تھیں
غول زہر ہوئے جس دل میں در آئے وہ دلیر
الاماں کا ہوا اک غل جدھر آئے وہ دلیر
شیر سینوں کو سپر کرتے تھے تلواروں میں

زلزلہ دشت میں برپا تھا لرزتے تھے فلک
پر سمیٹے ہوئے گردوں پہ یہ کہتے ہیں ملک
آج پھر خوف ہے گیتی کے اُلٹ جانے کا
نیچے بڑھ کے چلے ابر اُٹھے ڈھالوں کے
زخم کیا کھل گئے منھ زخموں کے پرنالوں کے
خوں کا کیا ذکر ہے دم تن سے نکل جاتے تھے
ڈر کے ہاتھوں سے پٹک دیتے تھے ناری تیغیں
نیچے تھے کہ چمکتی تھیں دو دھاری تیغیں
تیزیاں سب اسد اللہ کی تلوار کی تھیں ::
ڈھالیں صد چاک تھیں تلواروں میں دندانے تھے
انگلیاں تھیں نہ کلائی تھی نہ دستانے تھے
باغِ زہرا کے قلم کرنے کے پھل ملتے تھے
نیچے سر پہ کبھی تھے تو کبھی گردن پر
کبھی سینے پہ وہ چمکی تو کبھی جوشن پر
صاف آوازِ انا البرق تھی تلواروں میں
چھوڑتی تھی نہ زرہ بر میں نہ چہرے پہ جھلم
یوں نکلتے کہ پھڑک جاتا تھا دشمن کا بھی دم
تابش ایسی تھی کہ بجلی بھی تڑپ جاتی تھی
جو تھے سرہنگ کہیں تن تھے کہیں سر ان کے
وار چلتے تھے ہر اک صف میں برابر ان کے
ایک اسوار پہ دو بجلیاں گر پڑتی تھیں
کبھی اس پر کبھی اس فوج پر آئے وہ دلیر
آئے تلواروں میں جب بے سپر آئے وہ دلیر
منھ چھپانا بھی بڑا عیب ہے جرّاروں میں

سن سے چل جاتے تھے جب فوج پہ تلوار کے ہاتھ
ہاتھ آئے تھے انھیں حیدرِ کرار کے ہاتھ
یوں سواروں کو اُٹھا کر وہ پٹک دیتے ہیں
ترکش اعدا کے مع تیر و کماں چھین لئے
پہلوانوں سے کئی گرز گراں چھین لئے
اوجِ لشکر کا ہوا پست پرے ٹوٹ گئے
بھاگ جانے پہ جو دل فوجِ گراں نے باندھا
پشت پر تیروں کو ہر ایک کماں نے باندھا
کون سے لوہے کی دیوار نہیں سر کی تھی
کیا جگر تھا جو نکل کر کوئی میداں پکڑے
پاؤں گھوڑے کے زمیں نے دمِ جولاں پکڑے
بیڑے ڈوبیں کہ بچیں موت کہاں تھمتی ہے
پسرِ سعد کے خیمے پہ چلے تھے اک بار
تول کر نیزوں کو ہاتھوں میں پکارے غدّار
بجلیاں تیغیں ہیں نعروں کی صدا رعد کی ہے
گرد خیمے ہیں زرہ پوشوں کے سنگیں پہرے
خوف سے شیروں کے ہو جاتے ہیں پانی زہرے
برچھیاں ہیں تبر و تیر ہیں تلواریں ہیں
بڑھ کے نعرہ کیا چھوٹے نے کہ ہٹتے بھی ہیں شیر
رعد کیا روحِ امیں مانے ہیں ہم ہیں وہ دلیر
خیر کی حق سے دُعا پیر و جواں مانگتے ہیں
برچھیاں کیا یہ تبر کیا ہیں یہ تلواریں کیا
شرم کی بات ہے روباہوں کو للکاریں کیا
بھبکیاں سُن کے کہیں شیر بھی تھم جاتے ہیں

چھرے کٹ جاتے تھے دس بیس کے دو چار کے ہاتھ
ایسے تیار تھے کب جعفرِ طیّار کے ہاتھ
جس طرح گرد کو دامن سے جھٹک دیتے ہیں
ڈانڈ نیزوں کی قلم کر کے سناں چھین لئے
زور دادا کا دکھایا تو نشاں چھین لئے
بھاگے سردار علمداروں کے جی چھوٹ گئے
کس کے کمروں کو ہر اک پیر و جواں نے باندھا
امن نے کوچ کیا رخت، اماں نے باندھا
خوف سے پاؤں کے نیچے کی زمیں سرکی تھی
سر نہ ہو تیغ اگر رستمِ دستاں پکڑے
موت نے بھاگنے والوں کے گریباں پکڑے
پاؤں جب اُٹھ گئے پھر فوج کہاں تھمتی ہے
پہلواں سامنے دو آ گئے باندھے ہتھیار
کدھر آتے ہو بس اب آگے نہ بڑھیو زنہار
ہم نگہباں ہیں یہ ڈیوڑھی پسرِ سعد کی ہے
جن کی تلواروں کے ہیں زخم سناں سے گہرے
جان کیا ہے جو ادھر آ کے پرندہ ٹھہرے
یہ قنا تیں نہیں فولاد کی دیواریں ہیں
برق چھپ جاتی ہے چمکے جو ہماری شمشیر
کون سا ہے وہ زبردست جو ہم سے نہیں زیر
جن انھیں تیغوں سے جانوں کی اماں مانگتے ہیں
درِ خیبر سے بھی ہیں سخت یہ دیواریں کیا
تم تو پہلے ہی سے ڈرو ہو تمھیں ہم ماریں کیا
پسرِ سعد کا سر لینے کو ہم جاتے ہیں

عونؑ نے بھائی سے فرمایا کہ بس ہیں انھیں ہم
چار ہو جائیں گے اک ضرب میں دونوں ظالم
کب سے تم لڑتے ہو دم لے لو ٹھہر کر کوئی دم
عرض کی اس نے یہ ممکن نہیں خالق کی قسم
روکتے ہیں مجھے لڑنے سے یہ پیار آپ کا ہے
دو میں اک صید مرا ایک شکار آپ کا ہے

والدہ دیر سے استادہ ہیں پردے کے ادھر
چھوٹے ماموں سے وہ پوچھیں گی لڑائی کی خبر
جب سنیں گی کہ لڑا دو سے فقط ایک پسر
کیا تعجب ہے مجھے دودھ بھی بخشیں نہ اگر
کہیں گی بھائی کی بھائی نے نہ ہمراہی کی
چھوٹے بیٹے نے بڑی جنگ میں کوتاہی کی

کہہ کے یہ دونوں بڑھے کاندھوں پہ رکھے بھالے
معرکے میں کہیں رکتے بھی ہیں مرنے والے
گو وہ گرگِ کہن سال، یہ بھولے بھالے
جنگ بھالوں کی بھی گویا ہیں یہ دیکھے بھالے
ان میں جو کچھ کہ ہنر ہیں وہ خداداد ہیں سب
جتنی چوٹیں ہیں علیؑ کی وہ انھیں یاد ہیں سب

نہیں ان دونوں کو تعلیم کی حاجت زنہار
شیر کے بچوں کو بھی کوئی سکھاتا ہے شکار
نیزہ بازی تو ہے کھیل ان کا یہ ہیں وہ جرار
جن کو اللہ نے خود عرش سے بھیجی تلوار
کیا عجب چھین کے نیزے کو جو صفدر توڑیں
جن کے نانا اسدِ حق درِ خیبر توڑیں

دونوں سفاک ہلانے لگے بھالے بڑھ کر
دل بڑھانے لگے سب برچھیوں والے بڑھ کر
آ گئے گرد سواروں کے رسالے بڑھ کر
نیزے زینبؑ کے بھی پیاروں نے سنبھالے بڑھ کر
غل تھا خوں اڑنے سے گردوں پہ شفق پھولے گی
جو جئے گا یہ لڑائی نہ اسے بھولے گی

چوٹیں رد ہونے لگیں کھلنے لگے نیزوں کے بند
آسماں نے کیا دونوں پہ ستاروں کو سپند
بجلیاں کوندتی تھیں پھرتے تھے اس طرح سمند
بڑھنے دیتے نہ تھے دونوں کو علیؑ کے فرزند
ہوش گم ہو گئے تھے بن گئی تھی جانوں پر
ڈانڈیں پڑتی تھیں کبھی سر پہ کبھی شانوں پر

پہلوانوں نے بہت وار کئے ہٹ ہٹ کے
دونوں شیر دل نے جواب ان کو دیئے ڈٹ ڈٹ کے
تھام کر بھالوں کی نوکیں جو دیئے دو جھٹکے
چھین کر خاک پہ ان دونوں نے نیزے پٹکے
پست ناری ہوئے یہ خاک سے آواز آئی
احسن اللہ کی افلاک سے آواز آئی

نظر آئیں جو سنانیں کہیں اور ڈانڈ کہیں
ہٹ گئے قبضوں میں کمانیں ستم ایجادوں نے لیں
جوڑ کر تیروں کو چلوں میں پکارے وہ لعیں
ہیں یہ پیغامِ قضا اے دلِ جانِ شہِ دیں
خیر نیزے تو گئے ہاتھ سے جاں بازی میں
کوئی ہمسر نہیں اپنا قدر اندازی میں

چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی نے دیکھا ہنس کر
کھینچے لے کے ادھر آپ کھڑے ہوں ہم اُدھر
دم میں ہونٹوں پہ ستمگاروں کی جانیں ہوں گی
جانبِ عون جو سرکش نے کیا تیر کو سر
کیا چھوٹے کی طرف تیر نے جس وقت گزر
تیر کٹ کٹ کے ادھر اور اُدھر گرتے تھے

دونوں ترکش ہوئے خالی تو پکارے وہ ماہ
ان کمانوں کی خطا کیا یہ تمھارا ہے گناہ
نیمچے وہ ہیں کہ فولاد کو کھا جاتے ہیں
یہ گماں تھا کہ ہے دو ٹانگ کی اک ایک کماں
دو ہیں لاکھوں پہ غلامانِ شہنشاہِ زماں
گر خدا چاہے تو ہر جنگ بھی سر ہوتی ہے

ہم جگر گوشۂ حیدر ہیں غیور ابن غیور
تم ہو بدکیش و خطاکار جہاں میں مشہور
تم سے لڑ لیں تو پھر اس فوج پہ جانا ہے ہمیں
سن کے یہ دونوں شریروں نے علم کیں تیغیں
کبھی سیدھا اُنھیں دیکھا کبھی خم کیں تیغیں
یاں سے دو تین شب و روز کے پیاسے بھی بڑھے

اے زباں جوہرِ تیغِ شہِ مرداں دکھلا
اے قلم غازیوں کے حرب کا میداں دکھلا
تھم کے چلتی نہیں تلوار جہاں چلتی ہے
سن سے تلواروں کے چلنے کی صدا آ جائے
سامنے معرکۂ دشتِ بلا آ جائے
ابر ڈھالوں کا وہ کالا - وہ چمک دھاروں کی

عرض کی اس نے اجل بولی یہی ہے سر پر
تیر جو آئے قلم کیجئے بے خوف و خطر
تیر پھر ہوں گے نہ چلّے نہ کمانیں ہوں گی
چھوٹے بھائی نے قلم کر دیا اس کو بڑھ کر
عونؑ کی تیغ سے تھا نصف ادھر نصف اُدھر
گھوڑے شہزادوں کے بجلی کی طرح پھرتے تھے

نیزہ بازی تو وہ "اور یہ قدر اندازی واہ
انھیں تنکوں پہ تمھیں ناز تھا سبحان اللہ
تیر ان آنکھوں سے آنکھوں کو چرا جاتے ہیں
نہیں ملنے کی انھیں تیر سے پہلو سے اماں
کریں اک وار تو دو ہو کے گریں پیل دماں
زیست جب تک ہے یونہی موت سپر ہوتی ہے

سہم گئیں کیوں ہو کمانوں سے نہ ہے فہم و شعور
کھینچو تیغیں کہ شجاعوں کا یہی ہے دستور
سرِ سرکردۂ لشکر ابھی لانا ہے ہمیں
برق شرما گئی یوں دھوپ میں چمکی تیغیں
آنکھ خورشید نے جھپکائی یہ دمکی تیغیں
نیمچے تول کے حیدر کے نواسے بھی بڑھے

جنگِ خیبر میں جو گزرا ہے وہ ساماں دکھلا
جلد دشمن کو فراقِ حیدرِ جاں دکھلا
غل ہو مجلس میں کہ تیغِ دوزباں چلتی ہے
جس سے سر اُڑتے ہیں تن سے وہ ہوا آ جائے
جو بہادر ہیں انھیں جوششِ وغا آ جائے
بجلیاں آنکھوں میں بھرنے لگیں تلواروں کی

یا علیؑ! اور طبیعت کو روانی دیجے
دم اوصافِ زباں سیف زبانی دیجے
دفترِ رزم کو خوں ریز رسالا کر دوں
عمرؔ و عنترؔ ہیں اُدھر جعفرؔ و حیدرؔ ہیں اِدھر
خارِ سر کھینچی ہیں اس سمت گل تر ہیں اِدھر
رعب یہ ہیں کہ لہو جسم کے گھٹ جاتے ہیں
طبلِ رومی پہ لگی چوب کھلے سرخ نشاں
بڑھ کے کر کیت صدا دیتے ہیں ہاں شیر زباں
دونوں ہیں شیر درندہ نہ لپٹ کر لڑنا
لو گئے برق سے شہزادوں کے رہوار ادھر
لو گریں بجلیاں دو تیغوں سے اک بار ادھر
کوہ تھرّا رہے ہیں ظلم کا بن ہلتا ہے
کوششیں دونوں طرف ہوتی ہیں کد ہوتی ہے
سچ ہے جرّاروں پہ تائیدِ اُحد ہوتی ہے
سرخ ہے خون سے منھ چھوٹی سی شمشیروں کا
گرد جھرمٹ ہوئے ہیں فوج کے سالاروں کے
ان کے بروار پہ دل ہلتے ہیں جرّاروں کے
گرد سے شام کے آثار نظر آتے ہیں
بھائی سے بھائی یہ کہتا ہے کہ قرباں بھائی
عرض کرتا تھا وہ خالق ہے نگہباں بھائی
دم میں گر پڑتی ہیں لوہے کی جو دیواریں ہیں
بجلیاں گرتی ہیں کس طرح ستمگر روکیں
جن کی ضربت کو نہ جبریل کے شہپر روکیں
رن میں تیغِ شہِ مرداں لے پرے توڑے ہیں

محو دشمن بھی ہوں وہ سحر بیانی دیجے
دستِ مدّاح میں تیغِ صفہانی دیجے
آپ حامی ہوں تو فوجیں تہ و بالا کر دوں
اُس طرف دیوِ سیہ دو دو مانور ہیں ادھر
سامنے گرگ ہیں دو شیرِ دلاور ہیں ادھر
جب یہ بڑھتے ہیں تو وہ کانپ کے ہٹ جاتے ہیں
غل دہل کا تھا کہ اللہ و محمدؐ کی اماں
نام کا دن نہیں گو ہے یہی ہے میداں
اُن کے پنجوں میں نہ آجا یو ہٹ کر لڑنا
لو بس اب گرم ہوا موت کا بازار اُدھر
لو پرے ہٹ گئے چلنے لگی تلوار اُدھر
نعرۂ یا اسد اللہ سے رن ہلتا ہے
جب یہ بڑھتے ہیں تو حیدرؔ کی مدد ہوتی ہے
ضرب جو ڈھالوں پہ پڑتی ہے وہ رد ہوتی ہے
وار خالی نہیں جاتا ہے کبھی شیروں کا
غول ہیں تیروں کے پلّے پہ کمانداروں کے
چار ہالے سے نظر آتے ہیں تلواروں کے
نہ تو اسوار نہ رہوار نظر آتے ہیں ؛
بڑھ کے اک وار سے اک وار چلے ہاں بھائی
لے لیا شاہ کے اقبال سے میداں بھائی
پسرِ سعد ہے اب اور یہ تلواریں ہیں
پڑ رہے ڈھالوں پہ ہیں تیغیں جو سپر پر روکیں
اُن کی تلواروں کو روکیں تو وہ کیونکر روکیں
جو نہ مرحب پہ کھلیں "یہ وہ بند ھے جوڑے ہیں

شیر سے بڑھتے ہیں جب یہ تو سرکتے ہیں وہ سگ
ساتھ والوں کو عجب یاس سے تکتے ہیں وہ سگ
موت گردن پہ ہے کیا ہوگا جو منھ موڑتے ہیں
سینے تانے ہوئے جب بڑھتے ہیں وہ غیرت ماہ
نظر غیظ وہ آفت ہے کہ خالق کی پناہ
غل تھا شق القمر اعجاز و کمال ان کا ہے
ہاں خبردار یہ کہہ کر جو وہ صفدر آئے
نیمچے دونوں کھچے آئے تو برابر آئے
ایک اک ضرب میں طے مرحلۂ جنگ کیا
ئے کے جب تیغ اجل مرگ کا پیغام آئی
نہیں بچتی کبھی مچھلی جو تہہ دام آئی
ڈر کے باگوں کو ادھر فوج ستم نے روکا
کہہ کے تکبیر سوئے فوج جو وہ ماہ بڑھے
لڑکھڑاتے ہوئے مقتل کی طرف شاہ بڑھے
ابر سے شام کے مینھ تیروں کا پڑتے دیکھا
بیٹھی تھیں زینبؑ ناشاد جو پردے کے ادھر
کیا لڑے ہیں سپہ شام سے حضرت کے پسر
تیغیں جب چلتی ہیں سر خاک پہ گر پڑتے ہیں
پہلوان جنگ کو دو نکلے تھے عفریت خصال
دونوں شیروں نے کئے وار جو ہنگام جدال
خوں نے بہہ بہہ کے تلاطم لب جو دکھلایا
یہ سخن سن کے رخ پاک پہ سرخی آئی
صدقے اس شفقت و الطاف پہ اماں جانی
وہ خداوند ہیں آقا ہیں امام ان کے ہیں

تھرتھراتے ہیں لرزتے ہیں دبکتے ہیں وہ سگ
نیمچے ان کے جب آتے ہیں جھجکتے ہیں وہ سگ
صید کو شیر کے بچے بھی کہیں چھوڑتے ہیں
فوج دشمن سے صدا آتی ہے ماشاءاللہ
چشم بدبیں میں سناں بن کے در آتی ہے نگاہ
کور ہو جاتا ہے دشمن وہ جلال ان کا ہے
ملک الموت بھی کھوئے ہوئے شہپر آئے
تن رہے گھوڑوں پہ سر کٹ کے زمیں پر آئے
دوسرے وار میں گھوڑے کو بھی چورنگ کیا
دوست دوڑے نہ مدد کو سپہ شام آئی
ہاتھ دستانوں نے پکڑے نہ زرہ کام آئی
موت کو خود نے نہ روکا نہ جھلم نے روکا
جوش میں آکے علمدار فلک جاہ بڑھے
قاسم ابن حسنؑ آپ کے ہمراہ بڑھے
دونوں بچوں کو زرہ پوشوں سے لڑتے دیکھا
علی اکبرؑ انھیں آ آ کے یہ دیتے تھے خبر
دیکھیے کشتوں کے پشتے ہیں وہ لاشے ہیں وہ سر
شور ہے خیبریوں میں کہ علیؑ لڑتے ہیں
آپ کے پیاروں نے دکھلا دیا حیدر کا جلال
دھڑ سے سر کٹ کے گرے یوں کہ ہلا دشت قتال
نیمچوں پر کہیں دھبہ نہ لہو کا آیا
اشک ٹپکا کے کہا رن میں گئے کیوں بھائی
دھوپ میں پیاس میں تکلیف عبث فرمائی
میں ہوں لونڈی مرے فرزند غلام انکے ہیں

بیبیاں صحن میں روتی تھیں جو کھولے ہوئے سر
ابھی لڑتے ہیں ہزاروں سے مرے نورِ نظر
چاند سے کاندھوں پہ چھوٹے ہوئے شملے دیکھو
جنگ ہے اب پسرِ سعد کے خیمے کے قریب
دل کو تھامے ہوئے دوڑے گئے ہیں غریب
مل گیا گر تو صفیں فوج کی توڑیں گے وہ

سب نے رو رو کے کہا کہنا ہے کیا دونوں کا واہ
جنگ اس عمر میں لاکھوں سے زہے عزت و جاہ
سہرے باندھے ہوئے گھوڑوں پہ وہ ذی شان چڑھیں
سر کو نہوڑا کے کہا حضرت زینبؑ نے کہ ہاں
دونوں معصوم کہاں فوج کا انبوہ کہاں
ہاں صغیروں کو بھی اللہ ظفر دیتا ہے

جب سے وہ لڑتے ہیں ماں کی یہ آتی ہے صدا
گوشۂ قبر کو اب چھوڑیے یا شیرِ خدا
گھر گئے فوج میں دو روز کے پیاسے میرے
ذکر یہ تھا کہ اُدھر بجنے لگا طبلِ ظفر
بڑھ کے میداں سے یہ عباسؑ نے دی شہ کو خبر
ہم جئیں ہائے غضب اور وہ خوش اقبال نہ ہوں

کوٹ کر ہاتھوں سے چھاتی شہِ بے پر دوڑے
تیغ تولے ہوئے عباسؑ دلاور دوڑے
گرد لاشوں کے جو تھے یوں وہ جفا جو بھاگے
شہ نے ریتی پہ تڑپتے ہوئے پائے لاشے
گود میں خیمے کی ڈیوڑھی پہ جو لائے لاشے
نہ ابھی خاکِ عزا بالوں پہ ڈالو لوگو!

بولی یہ ان کی طرف دیکھ کے شہ کی خواہر
شور برپا ہے اماں مانگتے ہیں بانیِ شر
آؤ لوگو مرے فرزندوں کے حملے دیکھو
نہیں معلوم کہاں جا کے چھپا ہے وہ لعیں
پاس ماموں ہیں "مددپر" انھیں درکار نہیں
پسرِ سعد کا سر تن پہ نہ چھوڑیں گے وہ

آپ سی ماں ہوں تو ایسے ہوں پسر غیرتِ ماہ
دن وہ اللہ دکھائے کہ رچے دونوں کا بیاہ
سایۂ شاہِ فلک جاہ میں پروان چڑھیں
یہی شادی ہے کہ بچ جائیں امامِ دو جہاں
بیکس و بے وطن و فاقہ کش و تشنہ دہاں
پر مرا دل مجھے ماتم کی خبر دیتا ہے

پیاری بیٹی کا مرے لُٹتا ہے گھر واویلا
بیکسوں پر یہ تعدّی یہ مصیبت یہ جفا
ہائے معصوم مرے ہائے نواسے میرے
گر پڑی بنتِ علیؑ تھام کے ہاتھوں سے جگر
چلئے گھوڑوں سے گرے حضرتِ زینبؑ کے پسر
فوج اُمنڈ آئی ہے لاشے کہیں پامال نہ ہوں

کہیں بسمل سے گرے اور کہیں اُٹھ کر دوڑے
چھوڑ کر خیمے کا پردہ علی اکبرؑ دوڑے
جس طرح شیر کی بو سونگھ کے آہو دوڑے
بڑھ کے عباسؑ دلاور نے اُٹھائے لاشے
فضّہ چلائی کہ سیدانیو آئے لاشے
مل کے سب حضرت زینبؑ کو سنبھالو لوگو

کہا زینبؑ نے جو سب اُٹھ کے لگے پیٹنے سر
شادیاں ہو چکیں پروان چڑھے میرے پسر
وہ ڈھاوالوں کی صدا زیرِ قنات آتی ہے
ماتمی صف پہ جو لاشوں کو لٹایا جا کر
ہاتھ بانو نے جو سینوں پہ رکھے گھبرا کر
غش تھے جب فوج سے لے کر انھیں ہم نکلے ہیں
موت بچپن میں گلو گیر ہوئی ہائے غضب
ان کے بچنے کی نہ تدبیر ہوئی ہائے غضب
پہلے نیزے پہ سوئے شام مرا سر جاتا
پوچھا بانو نے کہ مرتے ہوئے کی تھی کوئی بات
رو کے فرمانے لگے شاہِ رفیع الدرجات
تیر پہلو سے کلیجوں سے سنانیں نکلیں
متصل ہچکیاں آتی تھیں کہ مشکل تھا کلام
دیجے گا ماں کو یہ ہم دونوں کی جانب سے پیام
تشنگی بھی ہے جراحت بھی ہے کاری اماں
ہم کو درپیش ہے اماں وہ مصیبت کا سفر
نہ خط آتا ہے جہاں سے نہ پہونچتی ہے خبر
دم لحد کی شبِ تاریک میں گھٹ جائے گا
سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھیں جو چپ خواہرِ شاہ
بے قراری میں جو کی بیٹوں کے لاشوں پہ نگاہ
چھید آہوں نے جگر تیر سے پہلو ہو کر
لے کے لاشوں کی بلائیں یہ پکاری زینبؑ
دیکھے کن آنکھوں سے یہ شکل تمہاری زینبؑ
جب یہ چل جائیں یہ چھریاں وہ بھلا کیا سنبھلے

ابھی ہے ہے نہ کرو صاحبو ٹھہرو دم بھر
کوئی دیکھو کہ محافے دلہنوں کے ہیں کدھر
کیسے لاشے مرے بچوں کی برات آتی ہے
حشر برپا کیا بہوؤں نے پچھاڑیں کھا کر
شاہ کہنے لگے آنکھوں سے لہو برسا کر
ابھی دونوں کے مری گود میں دم نکلے ہیں
خانہ بربادیٔ ہمشیر ہوئی ہائے غضب
یوں تلف دولتِ شبیرؑ ہوئی ہائے غضب
بھتیجے یہ کاش حسینؑ ابن علیؑ مر جاتا
ماں کے عاشق تھے یہ دونوں پسرِ نیک صفات
نزع میں بھی یہی کہتے تھے تڑپ کر ہیہات
ہائے اماں کے نہ آغوش میں جانیں نکلیں
جوڑ کر ہاتھ کہا مجھ سے کہ یا شاہِ انام!
آپ کا حکم جو کچھ تھا وہ بجا لائے غلام
دودھ بخشو تو مجھے پیاس ہماری اماں
جس میں ہر گام پہ سو طرح کا ہے خوف و خطر
کس کو معلوم ہے منزل ہے کدھر راہ کدھر
قبر میں بھائیوں کا ساتھ بھی چھٹ جائے گا
شہِ والا کا بیاں سن کے ہوا حال تباہ
منھ سے نکلا یہ غش آنے میں کہ انا للہ
خونِ دل بہنے لگا آنکھوں سے آنسو ہو کر
کیسی غفلت ہے یہ اس نیند کے واری زینبؑ
چونک اٹھو نہ کرے گریہ و زاری زینبؑ
کروٹیں لے لو تو اماں کا کلیجا سنبھلے

بس بہت سو چکے، اے گیسوؤں والو اُٹھو
غش پہ غش آتے ہیں امّاں کو سنبھالو اُٹھو
طبل بجتے ہیں اُدھر فوج کا غل ہوتا ہے
شب کو جب کہتی تھی میں سو رہو دم بھر للّٰلہ
جاگتے ہیں شہِ دیں سو رہیں ہم "اماں واہ
سرد ہیں تن" حرکت میرے حسینوں میں نہیں
للّٰلہ الحمد کہ قربان ہوئے ماموں پر
صدقے ماں دونوں شہیدوں کے رُخِ رنگوں پر
وہی جانے کہ جو ماں بیٹوں سے چھُٹ جاتی ہے
دودھ ماں بخشے یہ ماموں سے کہا تھا یارو!
اب بچھڑ جاؤ گے مادر سے مرے دلدارو!
نخلِ ماتم میں یہ شاخِ تر و تازہ نکلے
موت کی سر سے بلائیں نہ ہوئیں رو دیے ہے
تم کہاں اور وہ تاریکیِ مرقد ہے ہے
گھر سے نکلوں گی جو پہلو میں نہ ہو گے بچّو!
ہائے پہلا یہ سفر خوف کا اور تنہائی
کیا ہوا واں یہ حقیقت نہ کسی نے پائی
قافلے سے جو بھٹک جائے تو لُٹ جاتا ہے
بارک اللہ لڑے خوب عجب کام کیے
طاقتیں گھٹ گئیں فاقے سحر و شام کیے
نیک بیٹے ہوں تو نامِ اب و جد کرتے ہیں
کس مصیبت میں پھنسے اے مرے پیارے بچّو!
دونوں ان لاشوں پہ کوئی مجھے وارے بچّو!
عوضِ غسل یہاں خاک میں تن ملتا ہے

اُٹھو اب اے مرے دکھ درد کے پالو اُٹھو
آنکھیں ہاتھوں سے ملو نیند کو ٹالو اُٹھو
داری امّاں کوئی یوں جنگ کے دن سوتا ہے
تم یہ کہتے تھے کہ آنکھوں میں زمانہ ہو سیاہ
کیسی یہ بے خبری ہے کہ خبر کچھ نہیں آہ
ہے غضب آمد و شد دم کی بھی سینوں میں نہیں
گُل ہیں یہ زخم ہیں یا نخلِ قدِ موزوں پر
ہائے تیروں کے یہ سوراخ تنِ گلگوں پر
خوں کے قطروں سے مرے دودھ کی بو آتی ہے
میں بھی قربان مرا دودھ بھی اے غمخوارو!
ساتھ لے لو مجھے اے صف شکنو! جرّارو!
ساتھ دو بیٹوں کے امّاں کا جنازہ نکلے
خاک پر سو گے اب چھوڑ کے مسند ہے ہے
کیا غضب ہو گیا اے عون و محمدؐ ہے ہے
رات کو کون سی بستی میں رہو گے بچّو!
دھیان رکھنا کہیں چھٹ جائے نہ چھوٹا بھائی
نہ پھرا کوئی مسافر نہ خبر کچھ آئی
راہ میں ساتھ تن و روح کا چھُٹ جاتا ہے
واہ ان چھوٹی سی عمروں میں بڑے نام کیے
بخششِ اُمّتِ عاصی کے سر انجام کیے
ہاں بہادر یونہی آقا کی مدد کرتے ہیں
کیسی غربت ہے میں قربان تمھارے بچّو!
دس برس بعد مرے گھر سے سدھارے بچّو!
قبر ملتی ہے کسی کو نہ کفن ملتا ہے

دھوپ میں جلتے ہیں مُسلم کے تینتوں کے بدن
ریت تربت ہے تو اس دشت کا اماں ہے کفن
لُٹ گیا حیدرؑ و زہراؑ و محمدؐ کا چمن
ہائے درپیش ہے تم کو بھی یہی رنج و محن
کبھی کھیلے بھی تو گھر میں مرے کھیلے ہوں گے
واری ماں رات کو جنگل میں اکیلے ہوں گے

چرخ نے کیا یہ مصیبت مرے سر پڑ ڈالی
موت نے کر دیئے ہے ہے مرے پہلو خالی
ہائے یہ دشت پُر آشوب یہ راتیں کالی
پاس ہوگی نہ یہ ماں پاؤں دبانے والی
مرنے والو تمھیں کاہے کو خبر ہووے گی
پیٹنے رونے میں اماں کی بسر ہووے گی

یوں ہی بن بیاہے وطن میں تم اگر مر جاتے
جو زن و مرد ہیں پُرسے کے لیے سب آتے
تربتیں مرقدِ زہراؑ کے برابر پاتے
سہرے تابوت پہ خود سبطِ نبیؐ بندھواتے
آہ و فریاد سے ہنگامۂ محشر ہوتا
ننگے سر باپ جنازے کے برابر ہوتا

تم نہ روئے مجھے اماں تمھیں رُوئی ہے ہے
یہ چھری کس نے کلیجے میں چبھوئی ہے ہے
تم نہیں جاگتے قسمت مری سوئی ہے ہے
اب ہمارا نہ رہا خلق میں کوئی ہے ہے
کس کے اب ننھے سے ہاتھوں سے کفن پاؤں گی
قبر میں کون اُتارے گا جو مر جاؤں گی

دن کو میں دن کبھی سمجھی نہ کبھی رات کو رات
ان ہی دونوں کی پرستاری میں گزری اوقات
سو رہے ایک بچھونے پہ جو یہ نیک صفات
میں نے منھ ان کی طرف سے نہیں پھیرا ہیہات
دھیان تھا رنج و الم خواب میں ماہین نہ ہوں
کبھی کروٹ نہیں بدلی کہ یہ بے چین نہ ہوں

ارے لوگو مرے عاشق تھے مرے رشکِ قمر
روتے تھے یہ تو میں کرتی تھی خوشامد دن بھر
شب کو منھ پھیرتی تھی ان کی طرف سے میں اگر
ہوتے تھے نیند میں بے چین مرے نورِ نظر
کہتے تھے آنکھ جھپک کر ابھی کھل جائے گی
موںہہ ادھر کر لو تو اماں ہمیں نیند آئے گی

کہہ کے یہ لاشوں سے بیٹھی جو وہ آوارہ وطن
گر پڑے ایک دلِ زار پہ دو کوہِ محن
اُٹھ کے بانو نے یہ کی عرض کہ اے شاہِ زمن
لاشے اُٹھوائیے مر جائے گی ناشاد بہن
ہائے صدمہ ہے یہ اولاد کے مر جانے کا
خوف ہے منھ سے کلیجے کے نکل آنے کا

آئیے لاشوں کے اُٹھانے کو جو شاہِ دوسرا
جوڑ کر ہاتھوں کو یہ حضرتِ زینبؑ نے کہا
میرے سر پر جو پڑی ہے یہ زہراؑ کی ردا
دو کفن اس کے یہ نادار بہن تم پہ فدا
خانہ داروں کو پس از مرگ بھی خرسند کرو
اسی چادر میں انھیں خاک کا پیوند کرو

۵

مرثیہ
۱۲۵ بند

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پر دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں
سنگِ غمِ فرقت دلِ نازک پہ گراں ہے
اندوہ غریب الوطنی کاہشِ جاں ہے

گو راہ میں ہمراہ بھی ہو قافلہ و زاد
جاتی نہیں افسردگیِ خاطرِ ناشاد
جب عالمِ تنہائی میں آتا ہے وطن یاد
ہر گام پہ دل مثلِ جرس کرتا ہے فریاد
اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حامی و ناصر
منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
جب ہو سفر خوف و پریشانیِ خاطر
شب جاگتے ہی جاگتے ہو جاتی ہے آخر
ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے
رہ جائے پسِ قافلہ چھٹ کر تو غضب ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پاؤں کے چھالے
منزل پہ پہونچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
ہاتھوں سے اگر بیٹھ کے کانٹے کو نکالے
ڈر ہے کہ نہ بڑھ جائیں کہیں قافلے والے
درماندوں کے لینے کو بھی آتا نہیں کوئی
تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھاتا نہیں کوئی

ہردم دلِ نازک پہ مسافر کے ہیں یہ غم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پرنم
تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم
ہوتا ہے عجب صاحبِ اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

ہوں ساتھ میں بابا کے تو یاد آتی ہے مادر
مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پہ
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر
اور ان کے تو اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انھیں دشمن سے اماں ہو
جن بچوں کے سر پہ نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

بچّے بھی وہ بچّے جو نہ نکلے کبھی گھر سے
نے راہ سے آگاہ نہ ایذائے سفر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہوتے تھے مسلمؑ
جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر
منھ سے تہِ خنجر یہی نکلا دمِ آخر
روتے تھے علیؑ فاطمہؑ سر ننگے کھڑی تھی

جب قتل ہوا الٰہی سیّد والا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے
پانی تو بھلا منھ میں دمِ مرگ چواتے
کیا جانیے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
مظلوم کی تربت کا پتا اب بھی جو پائیں
تعویذِ مزارِ پدر آنکھوں سے لگائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سُلا کر

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دے کے دُہائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
ہم سا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی مجبور
وارد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں

ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی بر سے
وہ چھٹ گئے کوفے میں پہونچتے ہی پدر سے
بیٹوں کی تباہی کے لئے روتے تھے مسلمؑ
رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
فرزند محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
تھا نیزے پہ سر لاش تہِ بام پڑی تھی

بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
خورشید سے منھ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے
نے بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
تقدیر میں غم کھانا تھا یا اشک بہانا
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

ہم بنتے نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
کاندھوں پہ پسر باپ کے لاشہ کو اٹھاتے
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں
رخصت کے لئے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

اور قتل کی بابا کی خبر ان کو سنائی
بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی!
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا اُن سے کہیں گے
تیجا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
ماں دور پدر دور چچا دور وطن دور
بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

ایک ایک لعیں کوفے میں دشمن ہے ہمارا
اک دوست تھا ہانی سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی سہارا
غربت میں ہمیں باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہِ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو پسر ہیں

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر پدر میں
تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گزر میں
بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں
تبلادے کسی حجرے میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں

معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
دانا وہ ہے جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اس کا لٹے گا
مرجائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

تھرّاتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
تھے شہر کے دروازے سر شام سے معمور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرّم و مسرور
جو دوست تھے حیدر کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھیں گھروں میں
منھ ڈھانپے ہوئے بی بیاں روتی تھیں گھروں میں

کہتی تھی کوئی کیا کریں کیونکر انھیں پائیں
جاسوسوں کا خطرہ ہے کہاں ڈھونڈھنے جائیں
جلّادوں سے چھپ کر وہ اگر یاں چلے آئیں
ہم دل کی طرح ان کو کلیجوں میں چھپائیں
آقا ہیں وہ اس کے جو غلام شہ دیں ہے
ہم لونڈیاں حاضر ہیں جو یاں سر پہ نہیں ہے

کیا روز سیہ چرخ نے بچّوں کو دکھایا
ہے ہے نہ چچا سر پہ نہ ماں باپ کا سایا
سات آٹھ برس کا سن اور دیس پرایا
جائیں نہ بچیں گی کسی دشمن نے جو پایا
کچھ بس نہیں کس طرح کوئی آہ بچائے
بچّو تمھیں پردیس میں اللہ بچائے

شیعوں کے گھروں میں تو یہ تھی گریہ و زاری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفے میں ناری
ناکے پہ لعیں کہہ گئے آ کر کئی باری
ہوشیار خبردار اگر جان ہے پیاری
احکام ہیں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

دو طفلِ حسینؑ بھاگ گئے ہیں کل قاضی کے گھر سے
کر لیجو گرفتار جو آ نکلیں ادھر سے
خورشید سے ماتھے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں جو لپٹے ہوئے سر سے
گوندھی ہوئی زلفیں بسرِ دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

ہے مہر درخشاں سے فزوں حسن کا پرتو — مہتاب سے روشن ہیں یہ رخساروں میں ہے ضو
کوفے سے نکل جانے کی ہے ان کو تگ و دو — پہنے ہوئے ہیں ہنسلیاں مانندِ مہِ نو
گورے ہیں گلے جلوہ نما کرنوں میں تن ہیں — لب پنکھڑیاں گل کی ہیں غنچے سے دہن ہیں

پیشانیاں دونوں کی جو ہیں ماہ منوّر — سجدوں کے چمکتے ہیں نشاں صورتِ اختر
تعویذوں کی دو ہیکلیں ہیں سینوں کے اوپر — ہلتے ہیں ستاروں کی طرح کانوں کے گوہر
بھاگے ہیں بُرا وقت جو دونوں پہ پڑا ہے — اک عمر میں چھوٹا ہے کچھ اور ایک بڑا ہے

ہرنا کے پہ تھا حکم یہ اُن دونوں کی خاطر — دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
اور پھرتے تھے حیران وہ مینے کے مسافر — کوئی نہ مددگار تھا نے حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں — پتّا بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

ناکے تلک آ پہونچے نہ تھے وہ جگر افگار — جو دیکھ لیا اُن کو کسی شخص نے اک بار
چلّایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار — جاتے ہو کہاں بھاگ کے ہم آ پہونچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کو گھبرا گئے دونوں — سر تا بہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں

بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی — اعدا ہمیں لینے نہیں آئے اجل آئی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی — مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر — منّت بھی کریں گے تو نہ مانیں گے ستمگر

یہ کہتے تھے جو آن ہی پہونچے وہ جفا جو — اور باندھ لئے رسّی سے ان دونوں کے بازو
بچوں پہ اُٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بد خو — کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچے ہوئے گیسو
وہ کہتے تھے ہم دامِ بلا میں تو پھنسے ہیں — بازو دیکھو پھر کس لئے رسّی سے بندھے ہیں

جاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے — بازار میں بے تاب تھے سب دیکھنے والے
جلّادوں میں معصوموں کے تھے جان کے لالے — تکتے تھے ہر اک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے
حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو — رسّی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

پہونچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سرِ دربار — خدّام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار
تھا تختِ مرصع پہ مکیں حاکمِ غدّار — دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تنِ زار
بیٹھے ہوئے سب کرسیوں پہ چھوٹے بڑے تھے — رسّی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکم ملعون
صدمے سے ہوا حال یتیموں کا دگرگوں
ہاں قتل ہی کرنے کے سزاوار ہیں ہم بھی
بولا کوئی معصوم ہیں یہ بیکس و دلگیر
یہ پھول سے اندام نہیں لائق تعزیر
طاقت ہے کہاں بھاگ کے جاتے یہ کدھر کو
چپ رہ گیا وہ دشمن دیں سر کو جھکا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے
دیکھو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا
یہ سحر بیاں ہیں کہیں باتوں پہ نہ جانا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجو
اس طرح کے حجرے میں ہوں یہ ماہ لقا بند
دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پابند
سر کو در و دیوار سے ٹیکا کریں دونوں
یہ سُن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہباں
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ ناداں
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
دروازے سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
بچوں کی کسی نے نہ سُنی زاری و فریاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں
تاریک وہ حجرہ تھا مثال شب ظلمات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات
تھی پیش نظر وصل میں تنہائی کی صورت

اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں
تھرا کے وہ یہ کہنے لگے بیکس و محزون
بابا تھے گنہگار، گنہگار ہیں ہم بھی
دہشت کے سبب کانپنے میں رنگ ہے تغیر
ناداں ہیں کم سن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر
بھولے ہیں بہت ڈھونڈھتے ہو دیں گے پدر کو
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
سُنیو نہ جو منت بھی کریں اشک بہا کر
قفل در زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
بازو نہ کھلیں رسی سے جب تک ہیں توانا
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجو
جس حجرے کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں
اک حجرے میں قیدی ہوئے دونوں مہ تاباں
در کھول دو واللہ نہیں تن سے چلی جاں
اک طوق جو ہلکا ہو تو وہ طوق پہنا دو
مادر کو بھی چلائے پدر کو بھی کیا یاد
کب کھولتے ہیں طائر پربند کو صیاد
جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں
معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
سہمے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

دیوار میں نہ چھید نہ دروازوں میں روزن
تھے داغ چراغوں کی طرح سینے میں روشن
وہ صورتیں بھولی وہ غریبی وہ لڑکپن
چپ بیٹھے تھے پہروں وہ جھکائے ہوئے گردن
بوندیں بھی پسینے کی ٹپکتی تھیں زمیں پر
بل کھائی ہوئی زلفیں لٹکتی تھیں زمیں پر

ہر صبح یہ معمول تھا منھ اشکوں سے دھونا
اٹھ اٹھ کے نمازیں کبھی پڑھنا کبھی رونا
دیکھا نہ کبھی خواب میں بھی چین سے سونا
ہر رات کو خاک اوڑھنا اور خاک بچھونا
جز شکر خدا منھ سے نہ کچھ کہتے تھے دونوں
سر خاک پہ نہوڑائے ہوئے رہتے تھے دونوں

فاقے میں بسر کرتے تھے دن بھر وہ گل اندام
جو مالک زنداں تھا وہ آتا تھا ہر شام
جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام
دیتا انھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالم اظلم کے غضب سے
اٹھ اٹھ کے سلام اس کو وہ کرتے تھے ادب سے

کھانا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے
رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے
قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر
جا گہہ نہیں شکوے کی کرو صبر برادر
دیکھو تو نہ سر پر ہے پدر آہ نہ مادر
تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمیں ہوتا ہے میسر
نعمت سے زیادہ ہمیں یہ نان جویں ہے
منھ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے

ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا
پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار و توانا
کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانا
موت آئی تو اس قید میں مرجائیں گے بھائی
جیتے ہیں تو یہ دن بھی گزر جائیں گے بھائی

رزاقی معبود حقیقی پہ کرو غور
اس قید میں تھا رزق پہونچنے کا کوئی طور؟
دینداری سے جو دور ہیں ان لوگوں کا ہے دور
ہم اور مکاں اور زمیں اور ہوا اور
ہیں قید میں جس کی وہی دے جاتا ہے کھانا
ہر طرح خدا بندے کو پہونچاتا ہے کھانا

زنداں میں بھی بھوکا نہ کبھی ہم کو سلایا
دن بھر جو میسر نہ ہوا رات کو کھایا
خاصان خدا نے بھی سدا رنج اٹھایا
دکھ فاقہ کشی کا تو ہے میراث میں آیا
عسرت رہی دنیا میں شہ عقدہ کشا کو
فاقے تو گزر جاتے تھے محبوب خدا کو

یہ قید کے دن شکر الٰہی میں گزارو
جو مرضیٔ معبود ہے دم اس میں نہ مارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو
روٹی جو پھنسے پانی کے گھونٹوں سے اتارو
رزاق دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذت ہے تو نعمت اسے سمجھو

ظاہر ہیں رگیں تن کی بدن زرد ہے سارا
کھا لو کہ عبادت کا رہے جسم میں یارا
کیوں روتے ہو قسمت سے کسی کا نہیں چارا
یہ بھی نہ میسر ہو تو کیا زور ہمارا
دادا نے صدا نان جویں کھائی ہے بھائی
تب فقر کی دولت انھیں ہاتھ آئی ہے بھائی

گھبراتے ہو کیوں روتے ہو کس واسطے ہر بار
خالق ہے اسیروں کا یتیموں کا مددگار
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار
ماہی کے شکم میں رہے کب یونسؑ دیندار
تاریکیٔ زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
یوسفؑ نہ چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے

محبوس ہماری ہی طرح تھے مہ کنعاں
کاہش تھی یہی اور یہی سختیٔ زنداں
زنجیر سوا تھا نہ کوئی سلسلہ جنباں
خالق نے رہائی کا مگر کر دیا ساماں
چھٹ جائیں گے زنداں میں سدا کون رہا ہے
ان کا جو خدا تھا تو ہمارا بھی خدا ہے

جب چاہ سے نکلے تو اٹھائی وہ تباہی
اور بعد تباہی کے ملی مصر کی شاہی
کیا دور ہے ہو جائے اگر فضل الٰہی
بندوں پہ ہے اس کا کرم لامتناہی
دنیا کی امارت ہو تو خواہش ہمیں کب ہے
ہم کو تو فقط اس سے رہائی کی طلب ہے

چھوٹے نے کہا سب ہے بجا آپ کا ارشاد
بھائی بشریت سے یہ ہے نالہ و فریاد
ہم سا تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی ناشاد
چھوٹے بھی تو نہ ہوں گے کبھی رنج سے آزاد
یعقوبؑ نے چھاتی سے لگایا تھا پسر کو
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پاویں گے پدر کو

گزرا جو اسی طرح انھیں قید میں یک سال
تھا دونوں کا افراط نقاہت سے عجب حال
تن خشک ہوئے زرد ہوئے گھٹے سر کے بڑھے بال
خم ہو گئے کاہش سے مہ عید کی تمثال
تن ضعف سے فرسودہ و لاغر ہوئے دونو
رخ زرد مثال ورق زرد ہوئے دونو

بچوں کو لڑکپن میں ضعیفی نے کیا پیر
سر چھاتیوں پہ جھک گئے حالت ہوئی تغیر
تھی تن کو نہ پھروں حرکت صورت تصویر
یہ بڑھ گئیں زلفیں کہ ہوئیں پاؤں کی زنجیر
نق بھی خزاں لے گئی ہستی کے چمن کی
مستر سے نمایاں تھیں رگیں صاف بدن کی

ہم چشمیِ نرگس سے جو آنکھوں کو تھا ننگ
رخساروں کا ان نازوں کے پالوں کے تھا یہ ڈھنگ
جو گورے گلے مثلِ قمر نور فشاں تھے
ناخن تھے مہِ نو سے جو بالائے بناں تھے
اعضا میں عوض خوں کے حرارت ہوئی شامل
بیٹھے تھے جہاں ضعف بٹھا جاتا تھا اُن کو
کاہیدہ تھے مثلِ تنِ بدقوق تنِ زار
رکتا تھا جو دم زیست سے دق تھے وہ گرفتار
باقی تھا فقط تارِ نفس سینے کے اندر
تقلیلِ غذا قید کا دُکھ باپ کا ماتم
چھوٹا یہی کہتا تھا بڑے بھائی سے ہر دم
افسوس یونہی عمر چلی جاتی ہے بھائی
پہونچا دیا اس غم نے ہمیں گور کنارے
جیتے ہیں مگر موت کے آثار ہیں سارے
ہم سا بھی کوئی بیکس و مغموم نہ ہوگا
کیا پہونچی نہ ہوگی خبرِ والدِ ذی جاہ
کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ
کاہے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں موئے ہم
اماں سے تو یہ ہم کو توقع نہ تھی بھائی
جیتے ہیں کہ مرتے ہیں خبر یہ نہ منگائی
منہ چومتی تھیں صدقے کبھی ہوتی تھیں اماں
ہنگامِ سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار
رستے میں خط آیا تو یہ لکھا تھا بہ تکرار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں

جوں مردمِ بیمار نقاہت سے وہ ہیں تنگ
جس طرح عرق کھینچے ہوئے پھولوں کا ہو رنگ
وہ تار سے حلقوں میں گریباں کے عیاں تھے
سو قید میں بڑھ بڑھ کے ہوئے وہ مہِ کامل
تھے ضعف کی تصویر وہ دکھ درد کے حامل
اُٹھنے کے تصور میں غش آجاتا تھا اُن کو
ہر موئے بدن جسم پہ تھا کوہِ گراں بار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ برسوں کے ہیں بیمار
اک بال ہو جس طرح سے آئینے کے اندر
گھُل گھُل کے برس دن میں عجب ہو گیا عالم
فریاد رسی کون کرے کس سے کہیں ہم
نے قید سے چھٹتے ہیں نہ موت آتی ہے بھائی
مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
مرجائیں تو مرقد میں ہمیں کون اُتارے
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہوگا
دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں واہ
اب اوروں کی اُلفت میں ہماری نہیں کچھ چاہ
دو بیٹے تو ہیں پاس ہوئے یا نہ ہوئے ہم
گزرا ہے برس دن کہ ہوئی ہم سے جدائی
یا یہ کہ نہ ہم تک ہوئی قاصد کی رسائی
ہم گھر سے جو نکلے تو بہت روتی تھیں اماں
بے اُن کے مجھے چین نہیں پڑنے کا زنہار
صاحب مرے بچوں سے خبردار! خبردار!
بھجوا دو مرے پاس جو رہتے ہوں سفر میں

کیوں بھائی جو گھر میں ابھی ہم چھوٹ کے جائیں
کیا دوڑ کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر اُن کے جھکائیں
کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دُور ہے بھائی
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی

بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے
ہم شکل نبیؐ بھائیوں کو آ کے چھڑاتے
بپھرے ہوئے عباسِ علیؑ شیر سے آتے
کوفے کو الٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
اللہ رکھے اُن کو یہ دم ہم میں نہیں ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہیں

کس طرح کہیں بھول گئیں ہو دیں گی مادر
سب بیٹوں سے اپنے انھیں الفت ہے برابر
کیا جانے کس آفت میں ہیں فرزند پیمبرؐ
وہ قید سے غیروں کو چھڑا دیتے ہیں اکثر
سنتے تو مدد آن کے بھائی کی نہ کرتے
تدبیر وہ بچّوں کی رہائی کی نہ کرتے

یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفلِ درِ زنداں
اور دینے لگا آب و غذا اُن کو نگہباں
چھوٹے نے کھڑے ہو کے کہا با تنِ لرزاں
ہم تجھ کو دُعا دیتے ہیں اے مردِ مسلماں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال جو سُن تو، تو کہا چاہتے ہیں ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
شکوے کا مگر حرف زباں پر نہیں آیا
واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لیے رات کو بستر نہیں مانگا

گزرا ہے برس روز ہمیں خاک پہ سوتے
پانی نہ ملا اتنا کہ کُرتوں کو تو دھوتے
چلّا کے ترے ڈر سے نہیں رات کو روتے
قیدی چھٹے اکثر یہ رہا ہم نہیں پاتے
ہم سے ترا سردار عبث برسرِ کیں ہے
کچھ جرم نہیں ہے کوئی تقصیر نہیں ہے

تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہیں
وارث کوئی سر پر نہیں پابند بلا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
احساں کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہلِ وفا ہیں
اب قید کی تکلیف اُٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کسی روز سے کھائی نہیں جاتی

رکھتا ہے بڑا اجر اسیروں کو چھڑانا
بھوکوں کو طلب کر کے سخی دیتے ہیں کھانا
رہ جاتا ہے عالم میں کریموں کا فسانا
نیکی جو کرے نیک اُسے کہتا ہے زمانا
محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیویں گے تجھ کو
کام آج جو ہمارے تو دُعا دیویں گے تجھ کو

دونوں نے فصاحت سے سخن جب یہ سنا ہے
ہاتھ اُس کی دُعا کے لیے دونوں نے اٹھائے
کچھ رتبۂ محبوبِ خدا جانتا ہے تو؟
وہ کہنے لگا ان سے میں کیونکر نہیں آگاہ
لڑکوں نے کہا حیدرِ صفدر سے بھی ہو راہ؟
نائب ہے مددگار ہے یاور ہے نبیؐ کا
وہ حق کا ولی ہے وہ امامِ دو جہاں ہے
کعبے کی طرح اس کا شرف سب پہ عیاں ہے
جو اس سے جدا ہے وہ محمدؐ سے جدا ہے
کون ایسا ہے حیدر سے جو آگاہ نہیں ہے
آفاق میں حیدر سا شہنشاہ نہیں ہے
حق سے نہ جدا وہ ہے نہ حق اس سے جدا ہے
یہ سنتے ہی جاں آگئی اُن دونوں کے تن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں
حجرے سے خوشی ہو کے وہ فوراً نکل آئے
بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبر ہے ہمارا
یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مردِ خوش اطوار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
میں تم پہ فدا اے اسد اللہ کے پیارو
بندہ میں تمہارا ہوں مجھے قدموں پہ وارو
شکوہ مرا اللہ و پیمبر سے نہ کیجو

زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ لائے
اے شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہے تو؟
مختارِ جہاں ختمِ رسلؐ سیدِ والا
بولا مری تسبیح ہے نام اسد اللہ
حیدر تو چچا زاد برادر ہے نبیؐ کا
وہ قبلۂ دیں ہے وہ شہِ کون و مکاں ہے
اللہ کا ہاتھ اور محمدؐ کی زباں ہے
دنیا میں علیؑ ایک ہے اور ایک خدا ہے
گمراہ ہے وہ اُن سے جسے راہ نہیں ہے
جو کہیئے وہ سب کچھ ہے پہ اللہ نہیں ہے
آقا تو ہمارا ہے نصیری کا خدا ہے
گم ہو گیا وحشت سے جو لرزا تھا بدن میں
گویا کہ بہار آگئی ہستی کے چمن میں
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے
جھوٹے نہیں دریائے صداقت کے گہر ہیں
واللہ ہمیں مسلمِ بیکس کے پسر ہیں
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
بخشو مجھے میں نے تمہیں گھڑکا تھا کئی بار
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا
کرتے ہیں نئے لاؤں یہ ملبوس اُتارو
لو زادِ سفر مجھ سے جدھر چاہو سدھارو
جنت میں شکایت مری حیدر سے نہ کیجو

قدموں سے اُٹھا گر وہ سخن لب پہ یہ لائے — تو خالق اکبر سے جزا حشر میں پائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے — حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے
واقف نہیں ہم راہ بتا دے تو رواں ہوں — بھائی ترے بچے ترے سایے میں جواں ہوں

دینے لگا روکر وہ انھیں درہم و دینار — شہر یار کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و ناچار
احساں یہ ترا تھوڑا ہے اے مرد خوش اطوار — توشہ ہے توکل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
تبلادے پتہ ہم کو جگر بند نبیؐ کا — لشکر ہے کہاں سبط رسولؐ عربی کا

کعبے سے ادھر بھیجا تھا بابا کو ہمارے — یاں آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
ساتھ اُن کے تھے سب حیدر کرار کے پیارے — تکیے میں ابھی ہیں کہ کہیں دور سدھارے
کے راتیں ہیں کاٹنی ہوویں گی وطن تک — کے روز میں پہونچیں گے شہنشاہ زمن تک

حضرت کی خبر کچھ جو سُنی ہو تو بتا دے — جو راہ کہ نزدیک ہو وہ ہم کو بتا دے
جس سمت چچا ہوں اسی رستے پہ لگا دے — کیا دور ہے خالق ہمیں بچھڑوں سے ملا دے
مطلوب زیارت ہمیں ہے شاہ زمن کی — کعبے کی طرف جائیں کہ لیں راہ وطن کی

چاہا بہت اس نے کہ یہ بچوں سے چھپائے — مظلوم کا جو ذکر تھا آنسو نکل آئے
گھبرا کے وہ معصوم سخن لب پہ یہ لائے — کیوں خیر تو ہے آنکھوں سے کیوں اشک بہائے
وہ کہنے لگا بیکس و مجبور ہیں شبیرؑ — تم جا نہیں سکتے کہ بہت دور ہیں شبیرؑ

جب رونے لگے وہ تو کچھ اس کو نہ بن آیا — سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ بچوں کو سنایا
دنیا میں کہاں ہے اسد اللہ کا جایا — گھر فاطمہؑ کا خاک میں اعدا نے ملایا
شبیرؑ کے لشکر کا جواں کوئی نہیں ہے — عابدؑ کے سوا فاتحہ خواں کوئی نہیں ہے

عاشور کے دن ذبح ہوئے سبط پیمبرؐ — خیمے بھی جلائے گئے تاراج ہوا گھر
رانڈوں کا ستمگاروں نے لوٹا زر و زیور — افسوس کہ زینبؑ کی بھی چھینی گئی چادر
دیکھا حرم شاہ نے دربار شقی کا — کوفے میں سر آیا تھا حسینؑ ابن علیؑ کا

دنیا میں نہ اکبرؑ ہیں نہ عباسؑ نہ شبیرؑ — سب چھوٹے بڑے ہو گئے زیر دم شمشیر
ماں تک کہ ہوئے قتل علی اصغرؑ بے شیر — مٹی میں نہاں ہو گئی ایک ایک کی تصویر
کیوں کر اسد اللہ کے پیاروں سے ملوگے — اب جا کے ملوگے تو مزاروں سے ملوگے

یہ سنتے ہی معصوموں پہ رقت ہوئی طاری
گھبرا کے وہ بولا نہ کرو گریہ و زاری
ظالم ہے وہ حاکم پہ نہیں زور کسی کا ::
وہ کہتے تھے کس طرح کلیجوں کو سنبھالیں
گھر خاک ہوا سر پہ بھی ہم خاک نہ ڈالیں
مشتاق تھے جن کے وہ قضا کر گئے ہے ہے
گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر
جلدی سے اُٹھے واں سے وہ با حالت تغیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جب مسلمؑ بیکس کے پسر قید سے چھوٹے
دکھ سہہ کے عزادار پدر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے کُرتے بھی پھٹے تھے
وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شب تار
ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونوں
پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اُٹھاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے
چڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے ::
لب پر نفس سرد بھرے آنکھوں میں آنسو
تھاما تھا ہیں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونو

تڑپے یہ زمیں پر کہ غش آیا کبھی باری ::
دشمن کوئی سن لیوے نہ آواز تمہاری
یاں ڈھونڈھ کے خوں کرتے ہیں فرزندِ علیؑ کا
اب چھاتیوں کو توڑتی ہیں آہوں کی بھالیں
دم رکتے ہیں کس طرح نہ آواز نکالیں
ہم قید میں جیتے ہیں چچا مر گئے ہے ہے
بہتر ہے اسی شب میں نکل جانے کی تدبیر
باندھیں کمریں اور وہ بچے ہوئے رہ گیر
جس طرح گریزاں ہو قمر چھٹ کے گہن سے
آوارہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
خورشید سے منھ گرد یتیمی سے اَٹے تھے
ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
دل اُن کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تن زار
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علیؑ پڑھتے تھے دونوں
رستہ نہ ملا جانے کا اور نصف شب آئی
اب تو ہمیں نیند آتی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے
سہمے ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے ::
غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گل رو
دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آ کے جفا جو
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونو

اک پیرزن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ
یوں کہنے لگے اُس سے بصد عجز وہ ذی جاہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں
اس بستی میں دیندار نظر آئی ہمیں تو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو
رکھتے ہیں قرابت تو رسول عربی سے
وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمن سادات
لونڈی ہوں میں زہرا کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی
درکار ہے نے فرش نے تکیہ نہ نہالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ نئی ہے
دونوں نے بہ منت جو کہا اس سے یہ رو رو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی کچھ ہو
مہمان ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی
چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
یہ سن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
دربار سے ہر روز تو آتا تھا سر شام
در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
تھی ریش تو الٹی ہوئی مونچھوں کے کھڑے بال
آواز بھی ایسی کہ گزرتی تھی فلک سے

داماد کے آنے کی گھڑی دیکھتی تھی راہ
اک دو پہر اس گھر میں اماں دو ہمیں للہ
مظلوم ہیں سیّد ہیں گنہگار نہیں ہیں
وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گلگرد
کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کہیو نہ کسی سے
پر صاحب خانہ ہے بڑا فاسق و بد ذات
گر دیکھ لیا اُس نے تو بننے کی نہیں بات
گر ہے تو اسی ظالم بد ذات کا ڈر ہے
واقف نہیں ہم راہ سے اور رات ہے کالی
تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ ہو جو خالی
شاید وہ نہ آئے کہ بڑی رات گئی ہے
تھی مومنہ معصوموں پہ رحم آگیا اُس کو
میں صدقے گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
دونوں کو اجل لے گئی جلّاد کے گھر میں
اور سوئے بہم مسلم مظلوم کے جانی
دروازے پہ آ پہنچا ادھر ظلم کا بانی
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آ کر
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام
چلّا کے وہ بولا کہ کہیں تھا تجھے کیا کام
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں لے در کو
پھینکا کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں ڈھال
اور دیدۂ بد بیں تھے جوں ساغر خوں لال
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

پاس آ کے ضعیفہ نے بہت باتوں میں کھولا
تیوری وہ چڑھائے رہا کچھ منھ سے نہ بولا
کھینچا کبھی خنجر کبھی تلوار کو تولا
کہتا تھا کہ دل کا کوئی پھوٹا نہ پھپھولا
ہاتھوں کو کبھی کاٹتا تھا طیش میں آ کر
رہ جاتا تھا غصے سے کبھی ہونٹ چبا کر

اس طیش میں کھانا بھی نہ جلاد نے کھایا
پھر خوابِ اجل نے اسے بستر پہ گرایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش جو آیا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنے کو جگایا
پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک مثالِ دلِ کافر تھا وہ سب گھر
ہر سو صفتِ گرگ لگا ڈھونڈھنے اٹھ کر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر
واں مسلمِ مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک برج میں وہ عرش کے تارے نظر آئے

جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
سوتے تھے دھرے پیار سے رخسار پہ رخسار
تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تنِ زار
باہیں جو گلے میں تھیں تو با دیدۂ خونبار
اک سینے کا تھا عکس جو اک سینے کے اندر
آئینہ نظر آتا تھا آئینے کے اندر

بازو پہ چھوٹے کے پڑا دستِ جفا کار
تو کون ہے کہنے لگا وہ چونک کے اک بار
جھنجھلا کے کہا اس نے کہ میں گھر کا ہوں مختار
تب بھائی کو چونکا کے یہ بولا وہ دل افگار
جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے
کیا سوتے ہو اٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

گھبرایا ہوا خوف سے اٹھا وہ دل آرام
ظالم نے کہا کون ہو تم بیکس و ناکام
وہ بولے اماں دے گا جو بتلائیں تجھے نام
اس نے کہا ہاں دوں گا تو بولے وہ گل اندام
کھینچے ہوئے ہے ہاتھ میں تو تیغِ جفا کو
ڈر لگتا ہے مجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو

مکار لگا کہنے کہ سب ہے مجھے منظور
پیماں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور
ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بیکس و مجبور
اے شخص ہمیں ہیں پسرِ مسلمِ مغفور
تھا قتل کا ڈر اس لیے گھبرا کے چھپے ہیں
کر رحم کہ دامن میں ترے آ کے چھپے ہیں

سنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا
یوں بازوؤں کو زور سے پکڑا کہ نہ چھوڑا
رسی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا
بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا
جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچے
پہ حجرے سے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچے

دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد بچوں پہ یہ دکھ ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
دروازے تلک کھینچتا لایا ستم ایجاد کم زور تھے یہ اور زبردست وہ جلاد
گرتے بھی جھپٹے تو ہیاں بھی گر گئیں سر سے مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو در سے

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفا کار
چلاتی چلی پیچھے ضعیفہ جگر افگار بن باپ کے بچے ہیں یہ ظالم نہ انھیں مار
کیوں فاطمہ زہرا کو رلاتا ہے کفن میں دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

بچوں سے لپٹتی تھی جو کھولے ہوئے سر تلوار کے ہونٹوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر ہے ہے مرے مہمان ہیں یہ بیکس و مضطر
آنکھوں سے قدم ان کے لگانے نہیں پائی کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی

جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کئی باری تلوار اسے جھنجلا کے ستمگار نے ماری
پہلے تو کہا واہیں تصدق ہوئی واری گرتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
دوڑو اکوئی معصوم گرفتار بلا ہیں :: بچوں کو چھڑا دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں

روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہ رو یہ کہہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
کھینچے لئے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو ایک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو
خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ڈرے تھے دہشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے

بچوں کو لئے نہر پہ پہونچا جو وہ بے پیر اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ کے یہ کی دونوں نے تقریر کر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دلگیر
مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے ظالم نے کہا رحم مرے دل میں نہیں ہے

وہ بولے کہ مطلوب ہے گر درہم و دینار راضی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر دربار
وہ جنس نہیں جس کا نہ ہو کوئی خریدار ہم سے کہیں ملتے ہیں غلامان وفادار
یوسف کی طرح موتیوں میں جب کہ تلیں گے ان لعلوں کے عقدے تبھی اس وقت کھلیں گے

گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر بدعت بے جا دل آب ہے دہشت سے لرزتا ہے کلیجا
دربار ستمگار میں جیتا ہمیں لے جا وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہے قتل کو
آلودہ ہو میں رخ انور نہیں دیکھے :: جیتا تمہیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

لڑکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے
کر لیویں نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہے

وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے
جانوں کو بچا لیں یہ نمازیں تو بجا ہے

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سر دینا عبادت میں ہے دستور ہمارا

نامرد نے حملہ کیا تلوار اُٹھا کر
سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر

تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر
جا بیٹھا تہِ تیغ دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

یہ کہتا تھا تلوار بڑے پر نہ علم کر
ڈر قہر خدا سے یہ جفا کر نہ ستم کر

وہ کہتا تھا پہلے مرا تن سے قلم کر
مل لیویں گلے بھائی سے دقیقہ کوئی دم کر

اک وار میں سر دونوں کے تن پر سے اتر جائیں
ہیں ساتھ ہی رسی میں بندھے ساتھ ہی مر جائیں

ناگاہ چلی ظلم کی تلوار بڑے پر
بالائے زمیں کٹ کے ستارا سا گرا سر

دریا میں ستمگار نے پھینکا تن اطہر
چلّا کے یہ چھوٹے نے کہا ہائے برادر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا
چلّانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا

مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا
جلّاد نے تن پر سے سر اس کا بھی اُتارا

دھبّا بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

جب تک کہ تڑپتا رہا اس کا تن لاغر
ٹھہرا رہا پانی پہ بڑے کا تن اطہر

چھوٹے کو بھی جب ڈال دیا نہر کے اندر
جا لپٹا بصد شوق برادر سے برادر

گہہ ڈوبتے تھے گاہ اُبھر آتے تھے دونو
خورشید سے دریا میں نظر آتے تھے دونو

خاموش انیسؔ اب کہ ہے دل پر الم و رنج
یہ مرثیہ تو لیں گے جواہر میں سخن سنج

دنیا کی دو رنگی سے نہ کر دل میں شش و پنج
مومن جو ہیں ان کے لئے یاں رنج ہے دل گنج

مطلب نہ کسی سے نہ علاقہ ہے کسی سے
لیویں گے صلا اس کا حسینؑ ابن علیؑ سے

۶

مرثیہ

بند ۱۳۶

ہے شور آمدِ حُرِ فوجِ شاہ میں
ہر اک جواں خوشی ہے حسینی سپاہ میں
زہرا کی روح منتظرِ حُر ہے راہ میں
زینبؑ دعائیں دے رہی ہیں خیمہ گاہ میں
اللہ رے مرتبے حُرِ قدسی سرشت کے
حوروں نے وا کیے ہیں دریچے بہشت کے

غل قدسیوں میں ہے کہ خوشا حُر ہے شرف
دیکھو تو کس طرف سے یہ آتا ہے کس طرف
حامی ہیں فاطمہؑ تو محمدؐ ہیں شہِ نجف
محبوبِ کبریا کی صدا ہے کہ لاتخف
اب نعمتیں ہیں گلشنِ عنبر سرشت کی
دیتے ہیں خضرؑ حُر کو بشارت بہشت کی

ہاتف کی یہ صدا کہ مبارک ہو وصلِ حور
جنت بہت قریب ہے دوزخ بہت ہے دور
حاضر ہو جلد دیر سے ہیں منتظر حضور
ہے قصرِ خلد اب کہ بحل ہو گئے قصور
قربِ حبیبِ حضرتِ داور نصیب ہو
دستِ علیؑ سے ساغرِ کوثر نصیب ہو

ہیں جس طرف حسینؑ وہ راہِ نجات ہے
ظلمت یہ کفر کی ہے وہ آبِ حیات ہے
ہے پاس دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے
دنیا کو چھوڑ کون بڑی کائنات ہے
ایسا نہ ہو کہ فوجِ عدو میں ہلاک ہو
دریا سے جا کے مل کہ گناہوں سے پاک ہو

ہے جزو کل پہ قبلۂ عالم کا اختیار
مختارِ کارخانۂ حق ہیں وہ نامدار
ہے اُن کے ہاتھ میں قلمِ عفوِ کردگار
بخشائیں وہ جو لاکھ ہوں تجھ سے گناہ گار
اب نورِ عینِ فاطمہؑ تیرا شفیع ہے
ڈرتا ہے کیوں حسینؑ کا دامن وسیع ہے

فیاضِ خلد نام ہے اُس بادشاہ کا
حیدرؑ کا حلم خُلقؐ رسالتؐ پناہ کا
کیا ذکر اُس جناب میں تیرے گناہ کا
مالک ہے وہ جہان کے سفید و سیاہ کا
کس روز صبحِ شامِ غریباں نہ ہو گئی
مشکل پڑی وہ کس پہ کہ آساں نہ ہو گئی

وجہ قبول توبہ آدم ہے اُن کا نام
یہ قید چاہ میں مہ کنعاں کے آئے کام
حامی کلیم کے تھے یہی اس میں کیا کلام
جن پر درود بھیجئے یہ وہ ہیں والسلام
ان کے عدو کو راحتِ دنیا و دیں نہیں
حامی جو یہ نہ ہوں تو ٹھکانا کہیں نہیں

ہمت کی آبرو ہیں مرض کی دوا ہیں یہ
ہادی ہیں یہ امام ہیں یہ مقتدا ہیں یہ
خورشید آسمانِ سخا و عطا ہیں یہ
سب روشنی انھیں کی ہے نورِ خدا ہیں یہ
رنج لحد سے اپنے محب کو بچاتے ہیں
ہفتاد بار قبر میں مومن کی آتے ہیں

یہ خانۂ کرم ہیں یہ رحمت کے باب ہیں
مانندِ خضرؑ ہادیِ راہِ ثواب ہیں
جانِ رسولؐ ہیں خلفِ بوتراب ہیں
ذرّے کو کردیں مہر یہ وہ آفتاب ہیں
مانندِ سبحہ رشتۂ ایماں قوی کرے
دانا وہ ہے امام کی جو پیروی کرے

لازم ہے امر خیر کہ راضی خدا رہے
جس کام میں ہو شر، بشر اُس سے جدا رہے
آئینہ وار صاف رہے بے ریا رہے
دریائے فیضِ حق سے سدا آشنا رہے
ساتھ اُس ولی کا دے کہ خدا جس کے ساتھ ہو
گر ہو تو حق پرست کے دامن کے ہاتھ ہو

جو مرد ہیں جہاں میں وہ مرتے ہیں نام پر
دیندار جان دیتے ہیں عقبیٰ کے کام پر
ہے تین دن سے فوج کا نرغہ امام پر
قربان ہو حسین علیہ السّلام پر
انسان کھو کے وقت کو پاتا نہیں کبھی
جو دم گزر گیا وہ پھر آتا نہیں کبھی

یہ صف کشی یہ وقت یہ ہنگام پھر کہاں
یہ صورتیں یہ لشکرِ اسلام پھر کہاں
گر صاحب نگیں ہو تو یہ نام پھر کہاں
دن ڈھل گیا تو شاہِ خوش انجام پھر کہاں
دنیا میں نورِ چشمِ نبیؐ کو نہ پائے گا
ان میں سے بعد عصر کسی کو نہ پائے گا

فرطِ خوشی سے یاں شہِ دیں کو نہیں قرار
خود چند گام بڑھتے ہیں اٹھتا ہے جب غبار
اکبرؑ سے مسکرا کے یہ کہتے ہیں بار بار
آتا ہے میہماں مرے گھر میرا دوستدار
ایسے کی پیشوائی کو جانا ثواب ہے
لاکھوں بدوں میں نیک جو ہو انتخاب ہے

لکھا ہوا ہے مصحفِ زہراؑ میں اس کا نام
حُر جری شہید جفا ناصر امام
ناجی ہے اس کے جرم بحل ہو گئے تمام
روئیں گے اس جری کی محبت میں خاص و عام
کیونکر رکھوں عزیز نہ اُس خوش خصال کو
جس نے حسینؑ کے لیے چھوڑا عیال کو

یاں کا تو ہے یہ حال سُنو اُس طرف کا رنگ
چلّوں سے ہیں لائے ہوئے اہلِ کمیں خدنگ
فوجیں لئے کمک کو رئیسانِ شام ہیں
حُر اک طرف کھڑا ہے مسلّح مگر خموش
بھائی کا ہے خیال نہ کچھ ہے پسر کا ہوش
انجام کا خیال ہے ایماں کا درد ہے

ٹپکا کے اشک آنکھوں سے کہتا ہے آہ آہ
میرے سبب سے ہائے یہ سیّد ہوا تباہ
محجوب ہوں خجل ہوں شہِ مشرقین سے
بڑھ کر اگر کماں میں کوئی جوڑتا ہے تیر
یہ کیا خطا ہے دور ہو او سرکش و شریر
کیا پاس کچھ نہیں دل و جانِ بتولؑ کا

جب شمر نے سُنے سخنِ حُرِّ حق شناس
کی عرض اے امیر نہایت ہوں بے حواس
وہ فکر کر کہ فوج کا کچھ بند و بست ہو
سادات پر ابھی نہ ستم تھا نہ ظلم و جور
غصہ سے تھرتھراتا ہے تو دیکھ لے بغور
سب ایک دل ہیں قتلِ شہِ مشرقین پر

حُر در پے فساد ہے لشکر میں اے امیر!
ہیں اس کی سرکشی سے کماندار گوشہ گیر
رخ پھر گیا ہے اس کا ہماری سپاہ سے
اس کو نہ تیرا پاس نہ حاکم کا کچھ ہے ڈر
بیٹے سے دم بدم ہے اشارا کہ اے پسر
اب یاں رہیں کہ سوئے شہِ بحر و بر چلیں

فوجِ امیرِ شام ہے سب مستعد بہ جنگ
غُل ہے کہ ہاں لڑائی ہیں اب کچھ نہیں درنگ
پھل برچھیوں کے جانبِ فوجِ امام ہیں
پیچھے ہیں دو ہزار جوانانِ درع پوش
آنکھوں میں اشک دل میں محبّتِ شہ کی جوش
رعشہ تمام جسم میں اور رنگ زرد ہے

کیوں مصطفےٰ کے لال کی روکی تھی میں نے راہ
نفرینِ فاطمہؑ سے بچا مجھ کو یا الٰہ
کیا جانتا تھا میں کہ لڑیں گے حسینؑ سے
کہتا ہے شیر تول کے شمشیرِ بے نظیر
حیدر کا نورِ چشم ہے کونین کا امیر
بے ورد چھد نہ جائے کلیجا رسولؐ کا

گھبرا کے وہ گیا عمرِ بے حیا کے پاس
لشکر میں ہے فساد مجھے فتح سے ہے یاس
آپس میں لڑ مرے تو غضب کی شکست ہو
بے طور کچھ مجھے نظر آتا ہے حُرؑ کا طور
ثابت ہوا مجھے کہ ارادہ ہے اس کا اور
وہ اپنی جان دیتا ہے نامِ حسینؑ پر

کہتا ہے بے خطا ہے شہِ آسماں سریر
چلّے میں جوڑنے نہیں دیتا کسی کو تیر
وہ جا ملے گا سبطِ رسالت پناہ سے
پھر اکھڑا ہوا ہے الگ مثلِ شیرِ نر
ہے جنت النعیم ادھر اور ادھر سقر
عاقل اگر ہے تو تو بتا دے کدھر چلیں

سنتے تھے سب جو بھائی سے اس لئے کیا کلام
غیر از حسینؑ مجھ کو نہیں ہے کسی سے کام
پانی کیا ہے بند امامِ سعید پر

یہ سن کے ابنِ سعدِ لعیں کو ہوا ہراس
آیا عجب شکوہ سے حرِّ خدا شناس
یہ غیظ تھا عمر کی طلب سے دلیر کو
قبضے پہ ہاتھ اور زباں پر علیؑ کا نام
نیزہ لئے برادرِ حُرِّ خجستہ کام
دھڑکا کہ دیکھئے پسرِ سعد کیا کہے

خیمے سے دور تھا ابھی کچھ حُرِّ نامور
بالائے فرقِ نحس چمکتا تھا چترِ زر
نخرہ تھا بے حیا کو ہجومِ سپاہ پر
غل تھا ہٹو بڑھو کا پیادوں میں بار بار
آگے تھے اہتمام میں دس بیس چوبدار
ظالم کے حکم میں سپہِ شام و روم تھی

کہتا تھا شمر سے یہ بہ نخوت وہ خودپرست
کہارے زمیں درست ہو جو ہے بلند و پست
آلِ نبیؐ کو تشنہ دہن ذبح کیجیو
حاکم کے حکم سے کوئی ہو منحرف اگر
مجرم ہے جائے گا جو اِدھر سے کوئی اُدھر
حاکم ہوں میں سزا کا مجھے اختیار ہے

تھرا رہے تھے سن کے یہ تاکید خاص و عام
دیکھا کیا شقی پہ نہ حُر نے کیا سلام
چیں بر جبیں قریب جو وہ شیر نر گیا
کہتا تھا نورِ عینِ علیؑ ہے مرا امام
سچ کہتے ہیں اسی لئے ہے نوکری حرام
دشمن ہے آلِ پاک کا لعنت یزید پر

بولا بلا تو لائے کوئی حر کو میرے پاس
غصے سے رنگ سرخ مگر مجتمع حواس
جس طرح ٹوک دے کوئی غصے میں شیر کو
فرزندِ ارجمند بھی تولے ہوئے حسام
گرزِ گراں اٹھائے ہوئے باوفا غلام
ایسا نہ ہو حسینؑ کو ظالم برا کہے

غل یک بیک ہوا کہ برآمد ہوا عمر
تیغیں علم کئے تھے مصاحب اِدھر اُدھر
سایہ ہزار ڈھال کا تھا روسیاہ پر
پیدل تھے ساتھ گھوڑوں سے اترے ہوئے سوار
تھے پہلوان سلام کو باندھے ہوئے قطار
چاروں طرف سلامی کے باجوں کی دھوم تھی

کھلوا نشاں لڑائی کا ہو جلد بند و بست
دریا پہ جائیں اور جوانانِ تیز دست
گر پاس آبرو ہے تو پانی نہ دیجیو
قطعی یہ حکم ہے کہ جدا کر بدن سے سر
بچے اسیر ہوئیں گے تاراج ہوگا گھر
درّہ ہے بیڑیاں ہیں اسیری ہے دار ہے

چیں بر جبیں قریب گیا حُرِّ نیک نام
کافر سے کیا جھکے وہ خدا سے جسے ہو کام
اللہ رے رعبِ حق پسرِ سعد ڈر گیا

ڈر کر کہا عمر نے کہ اے حُرِّ نامور
کتنے جواں صفوں میں ہیں کتنے ہیں نہر پر
دنیا میں زور اپنا ہے اور اپنا ہاتھ ہے

بولا وہ بے حیا کہ نہ برہم ہو اے جری
حُر نے کہا عزیز نہ سر ہے نہ افسری
کیا اس کا ساتھ جس کی اطاعت گناہ ہو

کہنے لگا یہ حُر سے بہ نرمی وہ حیلہ ساز
سر بر نہ ہوں گے ہم سے کبھی سرورِ حجاز
دیر اس میں کیا جو امر قریب الوقوع ہو

جو اس میں تیری رائے مجھے ہو وہی پسند
تھوڑے بہت ہیں یاورِ سلطانِ ارجمند
لشکر میں یاں چھ لاکھ دلاور جوان ہیں

ان میں بھی چھوٹے چھوٹے ہیں کچھ طفلِ نونہال
کیا جانے دل میں سوچے ہیں کیا شاہِ خوش خصال
فوجوں کے ریلے ہوں گے جو دشتِ نبرد میں

آمادہ قتلِ شاہ پہ ہیں سب جوان و پیر
کیوں برچھیاں حسینؑ پہ پہلے چلیں کہ تیر
انساں کو اختیار ہے خود اپنے کام میں

سوچے اگر تو عاقل و ہشیار ہے بشر
ہر دم خدا کا یوں تو خطا وار ہے بشر
ایماں کا فیض ربِّ علا کی طرف سے ہے

کتنے ہی تشنہ رہتے ہیں حُبِّ علیؑ سے مست
کتنوں کی ہے جو فتح تو کتنوں کی ہے شکست
احوال مختلف ہے شقی و سعید کا

رن میں سوار تیرے رسالے کے ہیں کدھر
حُر نے کہا کہ اس کی مجھے کچھ نہیں خبر
میں ہوں کسی طرف نہ کوئی میرے ساتھ ہے

اچھی نہیں یہ تند مزاجی یہ برہمی
میں وہ کروں گا جس میں ہو ایمان کی بہتری
حاکم ہو یا رئیس ہو یا بادشاہ ہو

مدت سے ہے یزید کو تیری وفا پہ ناز
اب بعدِ فتح اور بھی تو ہو گا سرفراز
تو مصلحت جو دے تو لڑائی شروع ہو

پانی تو تین دن سے ہے پردیسیوں پہ بند
پس جائیں گے اٹھائے سواروں نے جب سمند
واں ایک صف ہے جس میں بہتر جوان ہیں

تلوار جن کے ہاتھ سے اُٹھے گی اور نہ ڈھال
رد کیں گے پہلوانوں کے حربے یہ خورد سال
دب جائیں گے سواروں کے گھوڑوں کی گرد میں

کٹتا ہے اب سرِ سپرِ شاہِ قلعہ گیر
حُر نے کہا کہ مجھ سے نہ یہ پوچھ اے امیر
مجھ کو شریک کرتا ہے قتلِ امام میں

ہے دوزخی جو شر کا طلبگار ہے بشر
شر ہو کہ خیر فاعلِ مختار ہے بشر
شر اس طرف سے خیر خدا کی طرف سے ہے

کتنوں نے دل سے محو کیا وعدۂ الست
کتنے ہوا پرست ہیں کتنے خدا پرست
عاشق کوئی حسینؑ کا کوئی یزید کا

اے رائے نیک یہ ہی تجھے ہے اگر پسند
فرزندِ فاطمہؑ کو نہ پہونچا کوئی گزند
پانی مسافروں پہ بھی کرتا ہے کوئی بند
واللہ بے قصور ہے وہ شاہِ ارجمند
او سُست عقل پاس بھی تجھ کو کسی کا ہے
مجرم بھی ہو اگر تو نواسا نبیؐ کا ہے

نادم ہو دل میں مُنھ کو گریباں میں اپنے ڈال
ایماں کس کے گھر سے ملا یہ نہیں خیال
توبہ کر اے امیرِ گروہِ جفا خصال
محسن کشی یہ کون سے مذہب میں ہے حلال
دنیا میں اک علیؑ کا یہی نورِ عین ہے
جو مصطفےٰ کی جان ہے یہ وہ حسینؑ ہے

حاکم ہے حرمتِ شرفا چاہیے تجھے
روحِ رسولؐ حق سے حیا چاہیے تجھے
پردیسیوں پہ مہر و وفا چاہیے تجھے
امدادِ بندگانِ خدا چاہیے تجھے
جو اپنے گھر میں آئے اُسے گھیرتے نہیں
مہماں کے گلے پہ چھری پھیرتے نہیں

مہماں بھی کون سا کہ رسولؐ خدا کا لال
زہراؑ کی جان لختِ دلِ شیرِ ذوالجلال
نے ملک جس کے پاس نے دولت نہ زر نہ مال
سیّد عیال دار مسافر شکستہ حال
کیا جانے یہ ستم تجھے کیوں کر پسند ہے
سولہ پہر سے آبِ رواں اُس پہ بند ہے

لالچ نہ کر حکومتِ رَے کا خدا سے ڈر
کعبے کو ڈھا کے کوئی بناتا ہے اپنا گھر
اس شے سے آدمی کو سدا چاہیے حذر
جس کی طلب میں دولتِ ایماں کو ہو ضرر
دنیا میں کیا خبر کہ رہے یا نہ تو رہے
وہ کام کر کے جا کہ سدا آبرو رہے

انساں کو پاسِ حرمتِ اسلام چاہیے
عقبیٰ بخیر جس میں ہو وہ کام چاہیے
مُنعم کو مثلِ ابرِ کرم عام چاہیے
گو صاحبِ نگیں نہ ہو پر نام چاہیے
فیضِ محبتِ شہِ نامی نصیب ہو
گر ہو تو پنجتنؑ کی غلامی نصیب ہو

کیا حاکمِ شقی کی محبت کا اعتبار
بدعہد و پُردغا و شریر و شراب خوار
نامرد و بدترینِ جہاں ننگِ روزگار
دنیا پرست و فاسق و بے دین و بدشعار
دن رات اُس کو شغل شراب و غنا کا ہے
شیطان کا مطیع ہے عادی زنا کا ہے

باپ اس کا بھی ہمیشہ رہا برسرِ فساد
بغضِ علیؑ میں بھول گیا تھا خدا کی یاد
برسوں لڑا وصیِ نبی سے بقصدِ عناد
شہ سے بعدِ صلح تھا اظہارِ اتحاد
پہونچائے رنج قبر میں خیر الانام کو
دلوا کے زہر جان سے مارا امامؑ کو

یہ تشنہ لب حبیبِ الٰہی کا ہے حبیب
تو ساتھ اُس امام کا دے تو زہے نصیب
گر یہ نہ ہو سکے تو نجف یاں سے ہے قریب
مُہلت بس اتنی دے کہ نکل جائے یہ غریب
لایا تھا گھیر کر میں شہِ مشرقین کو
پہنچا بھی آؤں قبرِ علیؑ پہ حسینؑ کو

مجرم ہی رہا ہے سدا قاتلِ امام
ہے منتقم بھی کوئی کہ لے گا وہ انتقام
دوزخ ہیں ابنِ ملجمِ ملعون کا ہے مقام
بے لعن و طعن بھی کوئی لیتا ہے اس کا نام
مردود تھا یہ دونوں جہاں میں پکار ہے
آتش کے گرز پڑتے ہیں لعنت کی مار ہے

ملتا ہے گر تو قبلۂ عالم سے جلد مل
ورنہ رہے گا احمدِ مرسلؐ سے منفعل
میں بے تقیہ کہتا ہوں سُن لے بہ گوشِ دل
جاتا ہوں دیکھ جاتا ہوں آقا کے متصل
چھوڑا کنشت صاحبِ مسجد کے ساتھ ہوں
تیرا شریک اب نہیں سیّد کے ساتھ ہوں

یہ سُن کے ہوگیا پسرِ سعدِ شوم دنگ
غصّے سے اور تیز ہوا تیرہ رو کا رنگ
بولا کدھر خیال ہے مجھ سے کرے گا جنگ
ہوتا ہے حاکموں سے یہی گفتگو کا ڈھنگ
نامِ حسینؑ منھ سے نہ بس بار بار لے
کہہ دوں کہ کوئی تن سے ترا سر اُتار لے

کیا جانتا نہیں کہ ہے اس نام سے عناد
دشمن سے کیسی دوستی اور کیا اتحاد
حاکم سے دل پھرا ہوا اوروں سے اعتقاد
ایسی سزا ملے گی کہ برسوں کرے گا یاد
جانے دے جان جائے گی جانے میں کد نہ کر
اچھا یہی ہے گر تو کسی کی مدد نہ کر

لڑ لیں گے ہم حسینؑ سے کیا تیری احتیاج
آلِ نبیؐ کے خون کے دریا بہیں گے آج
نعلینِ پائے شہ کو سمجھتا ہے سر کا تاج
محتاج ہیں وہ آپ کدھر ہے ترا مزاج
زحمت اُٹھا کے زیور و زر لینے آئے ہیں
کوسوں سے یاں حسینؑ کا سر لینے آئے ہیں

بے قتلِ ابنِ فاطمہؑ ہے سودگی محال
لوٹیں گے گھر علیؑ کا ملے گا متاع و مال
دم میں کریں گے باغِ محمدؐ کو پائمال
پیاسا شہید ہوگا رسولؐ خدا کا لال
ہوں گی علیؑ کی بیٹیاں بلوائے عام میں
بندی نبیؐ کی آل کی جائے گی شام میں

فرزندِ فاطمہؑ کی رقابت سے کیا حصول
حُر نے کہا کہ دولتِ خوشنودیٔ رسولؐ
جل جاؤں گا کریں گی اگر بد دعا بتولؑ
تیور بدل کے مجھ کو ڈراتا ہے اے جہول
گر نام نامیٔ اسدِ ذوالجلال لوں
انساں تو کیا ہے شیر کی آنکھیں نکال لوں

بھولا ہے اپنی فوج کی کثرت پہ تندخو
نامرد میرے سر کو اُتارے گا تن سے تو!
کیا تیری اصل کیا ترا منہ او سیاہ رو
جرار بادشاہوں سے کرتے ہیں گفتگو
کیا ڈر مجھے پسند ہو یا ناپسند ہو
میں حق پہ ہوں زباں مری کس طرح بند ہو

کہتا ہے بار بار نہ لے شاہِ دیں کا نام
میں حرزِ جاں سمجھتا ہوں نامِ شہِ انام
تو بندۂ یزید ہے میں خادمِ امام
ہوئے گا نزع میں بھی زباں کو اسی سے کام
نامِ حسینؑ دوست کو پیارا ہے جان سے
اس نام کا مزا کوئی پوچھے زبان سے

لعنت ترے یزید پہ کرتا ہوں برملا
کہہ دے جو ہو کوئی ترے لشکر میں منچلا
آنئوں میں مجھ پہ ہاتھ تو ڈالے کوئی بھلا
کر دوں لہو سے لال بیابانِ کربلا
خالق مدد کرے گا مطیعِ امام ہوں
فوجیں بھگائیں جس نے میں اس کا غلام ہوں

تو کیا لڑے گا لال سے حیدرؑ کے او شریر
جب کچھ کڑی پڑی ہے تو بھاگے ہیں تیرے پیر
وہ شیر ہیں جنھوں نے پیا فاطمہؑ کا شیر
واں کا نہ اک جواں نہ ترا لشکرِ کثیر
چھوڑا ہے سیدوں نے کہیں آن بان کو
الٹیں جو آستیں تو الٹ دیں جہان کو

عقبیٰ خراب ہوتی ہے فوجِ ستم کے ساتھ
ہے سر مرا شہِ دوجہاں کے قدم کے ساتھ
حرمت ہے اب عیال کی اہلِ حرم کے ساتھ
میں حشر میں بھی ہوں گا امامِ اُمم کے ساتھ
چھوٹے گا روح سے بھی نہ مدفن حسینؑ کا
ڈھونڈھے گی میری خاک بھی دامن حسینؑ کا

• ہو قطع یہ زباں تری او دشمنِ امام
لیتا ہے تو اسیریٔ بنتِ علیؑ کا نام
واجب ہے مثلِ کعبہ اسی گھر کا احترام
خاموش بے ادب کہ ادب کا ہے یہ مقام
بلوے میں قید دخترِ شیرِ اِلٰہ ہو
ویران شہرِ شام ہو کوفہ تباہ ہو

نظارہ خوب آگ کا یا لالہ زار کا
بلبل نے ساتھ گل کا دیا ہے کہ خار کا
کیا اتحاد فرق ہو جب نور و نار کا
میں دوست پنجتنؑ کا ہوں تو نابکار کا
سمجھا ہے تو ثواب جسے وہ گناہ ہے
تیری ہے اور راہ مری اور راہ ہے

کیونکر نہ پاس خسروِ حقؑ و نمک کروں
کافر ہوں گر حسینؑ کے رتبے میں شک کروں
کہلاؤں شوربخت جو پاسِ نمک کروں
بیکس کا ساتھ چھوڑ کے تیری کمک کروں
مرتد ہوں منہ کو قبلۂ عالم سے موڑ کر
مسکن بناؤں دیر میں کعبے کو چھوڑ کر

وہ عاشق حسینؑ یہ کہتے ہی بس چلا
روکا کیے بہت پہ کسی کا نہ بس چلا
ل کھل گیا دماغ میں وہ بو سما گئی
ڑھ کر درود کہنے لگا خستہ بنک خو
وہ راہ مل گئی مجھے تھی جس کی آرزو
محسن ملا حسینؑ سا احسان خدا کا ہے
یہ کہہ کے راہواروں سے اُترے وہ خوش سیر
باندھے جو ہاتھ کھل گیا باغِ ارم کا در
ے صاحبو غلام کو آنے کی راہ دو
امداد کا مقام ہے یارو مدد کرو
شیرِ خدا کے شیر کے پیارو مدد کرو
دیں پروروثواب کا ہاتھوں سے کام لو
لازم ہے رہبری کہ میں گم کردہ راہ ہوں
رحمت کے تم محیط ہو میں پُر گناہ ہوں
ڈالا تھا ہاتھ کیوں شہ والا کی باگ میں
دُرّے لگاؤ تن پہ کرو مجھ کو سنگسار
پھکوا دو تن سے کاٹ کے دستِ گناہگار
رسّی بندھی ہو پاؤں میں اور تن پہ سر نہ ہو
میں یوں نہ جاؤں گا مجھے ہمراہ لے چلو
مُجرم کو پیش سیّدِ ذی جاہ لے چلو
ارماں ہے صدقے ہونے کا حسرت نکال دو
روئی یہ استغاثہ حرُّ حسن کے فوجِ شاہ
اکبرؑ نے دی صدا کوئی روکے نہ اس کی راہ
مشتاق ہو کے دلبرِ زہراؑ رواں ہوا

لشکر دعائے فاطمہؑ کا پیش و پس چلا
صرصر بھی پیچھے رہ گئی کچھ یوں فرس چلا
ٹھنڈی ہوا بہشت کے گلشن کی آگئی
صلِ علیٰ یہ ہے چمنِ فاطمہؑ کی بو
گھوڑوں سے اب اُتر کے چلو شہ کے روبرو
ہاتھوں کو باندھو سامنا مشکل کشا کا ہے
گھوڑوں پہ سب نے رکھ دیے ہتھیار کھول کر
بڑھ کر حُرِ جری یہ پکارا بچشم تر
صدقہ محمدؐ عربی کا پناہ دو
مضطر ہوں اے نماز گزارو مدد کرو
اے عرشِ کبریا کے ستارو مدد کرو
عاصی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لو
برسوں ہوئے کہ دشتِ خطا میں تباہ ہوں
کس منہ سے نام عفو کا لوں روسیاہ ہوں
میری یہی سزا ہے کہ جلوا دو آگ میں
راضی ہوں کھینچ دو جو شکنجے میں جسم زار
پامال کردیں لاش کو لشکر کے سب سوار
یہ سب قبول ہے پہ عذابِ سقر نہ ہو
راضی ہوں خواہ قتل کرو خواہ لے چلو
رسّی گلے میں باندھ کے للّٰلہ لے چلو
سر کاٹ کے حسینؑ کے قدموں پہ ڈال دو
غل تھا عجیب صاحبِ ایماں ہو واہ واہ
اُترے فرس سے جلد شہنشاہِ دیں پناہ
قطرے کی پیشوائی کو دریا رواں ہوا

پھیلا کے ہاتھ یاں سے بڑھے شاہِ سرفراز
سر رکھ کے دونوں ہاتھوں پہ بولے شہِ حجاز
تو سہمگیں ہے کس لیے ہیں شرمسار ہوں
دریافت کر لے دیر سے میں دیکھتا تھا راہ
ڈر تھا کہ گھیر لے نہ تجھے شام کی سپاہ
موجود رہبری کو خضرِ وقت پاس تھے
کیوں ہاتھ کس کے باندھے ہیں ہوتا ہوں میں خجل
واللہ تجھ سے صاف ہے ابنِ علیؑ کا دل
کیوں تجھ کو اتنی وحشت ناز رحیم سے ہے
کیسا ہی پُر گناہ ہو عبدِ سیاہ رو
کافی بہانا اشک کا ہے اے خجستہ خو
ناجی ہے اس کی راہ میں جو خاک ہو گیا
اے حُر مقربانِ خدا ہیں ترے کفیل
تو ذی شرف جو ہے شرفا ہیں ترے کفیل
تو ہوئے اور گلشنِ جنت کی سیر ہو
یہ کہہ کے کھولے شاہ نے اس باوفا کے ہاتھ
حُرِ جری نے چوم لیے مقتدا کے ہاتھ
جاری ہے فیض خانۂ ربِّ جلیل میں
جان آئی تن میں حُر نے جو دیکھا یہ شہ کا پیار
ہو آبرو دو چند جو صدقے ہوں لاکھ بار
قربان یا حسینؑ ترے حسنِ پاک کے
ہمراہ لے کے حُر کو چلے سیدِ اُمم
تھامے تھے حُر کے ہاتھ کو اکبرؑ ز ہے کرم
دیکھو رسولِؐ حق کے نواسے کی شان کو

قدموں پہ حُر نے دوڑ کر رکھا سرِ نیاز
بھائی ترے لیے درِ خلدِ بریں ہے باز
اُٹھ کر گلے لگو کہ بہت بے قرار ہوں
میدان سے پھری نہیں اب تک مری نگاہ
میری تجھ ہی میں جان تھی اے میرے خیر خواہ
گو دور تھا حسینؑ علیؑ تیرے پاس تھے
اے بھائی دل کو کھول کے مجھ سے گلے تو مل
جو کچھ ترے قصور تھے سب ہو گئے بحل
بھائی خدا کی ذات غفور الرحیم ہے
توبہ کے بعد اُس کی بر آتی ہے آرزو
ہے رحمتِ خدا سے دو عالم بہانہ جو
دریا سے جو قریب ہوا پاک ہو گیا
حیدرؑ خدا رسولِؐ خدا ہیں ترے کفیل
شاہد ہوں میں کہ سب شہدا ہیں ترے کفیل
میری بھی یہ دعا ہے کہ عقبیٰ بخیر ہو
اور اس کی مغفرت کی دعا کی اُٹھا کے ہاتھ
شہ بولے آبرو ہے تری اب خدا کے ہاتھ
حصّہ ہے تیرا خلد میں اور سلسبیل میں
رو کر کہا غلام اس الطاف کے نثار
تو آفتابِ فیض ہے اے نورِ کردگار
پرتو سے مہر کر دیا ذرّے کو خاک کے
عباسؑ باوفا نے کیا سایۂ علم
قدسی درود پڑھ کے یہ کہتے تھے دم بہ دم
لاتا ہے کس خوشی سے سخی میہمان کو

داخل ہوا جو لشکرِ دیں میں وہ باوفا
تھا ہر زباں پہ نعرۂ تحسین و مرحبا
بھائی! کرم سے حضرتِ شبیرؑ کہتے ہیں
ناگاہ تیر چلنے لگے اُس سپاہ سے
مانگی رضائے حرب رفیقوں نے شاہ سے
مولا ابھی کسی کو نہ اذنِ وغا ملے

شہ نے کہا کہ واہ یہ جلدی یہ شوقِ جنگ
چلنے دے تیر کیوں متغیر ہے تیرا رنگ
دشوار ہے یہ زخم سے برچھی کی نوک کے
جی بھر کے تجھ کو دیکھ تو لیں اے وفا شعار
آنے میں تیرا شوق تھا اے میرے دوست دار
پہلے کا ذکر اب نہیں وہ بات اور تھی

ہنس ہنس کے آپ نے جو کہے حُر سے یہ کلام
کی عرض جانے دیجیے مجھ سوئے فوجِ شام
دل کو یہ آرزو ہے کہ زخموں سے چور ہوں
حوریں بہشت سے مجھے دیتی ہیں یہ صدا
دنیا میں غیر رنج و مصیبت ہے اور کیا
پانی یہاں کا پی کے وہ لذت اُٹھائے گا

دعوت کریں گے آج تری شبیرِ کردگار
حاضر ہیں خوانِ نعمتِ فردوس بے شمار
ہم ہیں نثار کو طبقِ زر لیے ہوئے
فرمایا شاہ نے یہی مرضی ہے گر تو خیر
خالق تجھے نصیب کرے اس چمن کی سیر
تیری مفارقت کا نہایت ملال ہے

لپٹے گلے سے حُر کے جوانانِ مہ لقا
غل تھا زہے نصیب زہے طالعِ رسا
بخت اس کو کہتے ہیں اسے تقدیر کہتے ہیں
وحشت بنر دہل گئی زہراؑ کی آہ سے
کی حُر نے عرض قبلۂ عالم پناہ ہے
پہلے نئے غلام کو رن کی رضا ملے

تیرا فراق شیشۂ دل کے لیے ہے سنگ
جانے میں عجلت اس قدر آنے میں وہ درنگ
جانا یہاں سے سہل نہیں ہم کو روک کے
دنیا میں زندگی کا بھلا کیا ہے اعتبار
اب یاں سے جانے دینے میں ہے ہم کو اختیار
یہ صحبت اور ہے وہ ملاقات اور تھی

پھر جھک گیا قدم پہ وہ جرّارِ نیک نام
آقا اسی میں اب ہے سرفرازیِ غلام
عزت ہو گر ہراولِ فوجِ حضور میں
اے میہمانِ حسینؑ کے جنت میں جلد آ
دیکھ آن کر یہ باغ یہ انہار یہ فضا
دنیا کی نعمتوں کا مزا بھول جائے گا

جلد آ محمدِ عربی کو ہے انتظار
آراستہ ہے قصر ترا اے وفا شعار
زہراؑ کھڑی ہیں ساغرِ کوثر لیے ہوئے
ہے تلخ زندگی کا مزا دوست کے بغیر
بھائی! حسینؑ تجھ کو سمجھتا نہیں ہے غیر
اللہ جانتا ہے جو کچھ دل کا حال ہے

اس خانداں کے فیض سے واقف ہیں خاص و عام
بچے تمام رات تڑپتے ہیں بے طعام
طوفاں میں ہے جہازِ حبابِ اسیر کا
میں کیا کہوں جو کچھ ہے سکینہؑ کو اضطراب
ننھی زباں دکھا کے جو کہتی ہیں آب آب
مضطر ہوں گرچہ سُن کے یہ سب شور و شین کو
یہ کہہ کے لپٹے حُر سے شہِ آسماں وقار
مہماں کے غم میں قاسمؑ و اکبرؑ تھے اشکبار
باہر جو غل تھا رخصتِ مہمانِ شاہ کا
لپٹے ہوئے غلام سے چلّاتے تھے یہ شاہ
اے بیکسوں کے دوست غریبوں کے خیر خواہ
مہماں ہوا حسینؑ کا اس رنج و یاس میں
ناگاہ نکلی خیمے سے فضہؓ بہ اضطراب
کی عرض یا امامِ دو عالم فلک جناب
اُن کا یہی ہے کام جو خوش اعتقاد ہیں
فرمایا ہے کہ اے مرے بھائی کے خیر خواہ
ہے کیا ارادہ پسرِ سعدِ روسیاہ
بستی محمدِؐ عربی کی اُجڑ نہ جائے
حُر نے سُنے یہ حضرتِ فضہؓ کے جب کلام
کی عرض اے کنیزِ بتولؑ فلک مقام
ہے یہ دعا کہ صلح سپاہِ عدو کرے
یہ عرض کر کے شیر نے کھینچا فرس کا تنگ
چہرہ ہوا نورِ شجاعت سے لالہ رنگ
پرتو جو پڑ گیا تھا امامِ غیور کا ::

اور ہم نہ دے سکے تجھے پانی کا ایک جام
اب تجھ سے کیا کہوں علیؑ اصغرؑ ہے تشنہ کام
بے دودھ کنٹھ بیٹھ گیا ہے صغیر کا
معصوم بھوک پیاس کو روکیں کہاں تک اب
ہوتا ہے سوزِ غم سے کلیجہ مرا کباب
ہر سب سے شاق ہے تری فرقت حسینؑ کو
رونے پہ شہ کے روتے تھے سارے رفیق و یار
بیتاب تھے حبیبؓ، علمدار بے قرار
سیدانیوں میں شور تھا فریاد و آہ کا
مارا حسینؑ کو تری فرقت نے آہ! آہ
فرزندِ فاطمہؑ کو نہ بھولے گی تیری چاہ
فاقہ کشوں کا ساتھ دیا بھوک و پیاس میں
چادر قدم تک اور رُخِ پاک پر نقاب
کہتی ہیں میہماں کو دعا بنتِ بوتراب
زہراؑ کی بہویں بیٹیاں سب اُن سے شاد ہیں
چڑھ آئی ہے حسینؑ پہ کیوں شام کی سپاہ
اللہ جانتا ہے کہ سیّد ہے بے گناہ
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ نہ جائے
ڈیوڑھی کی سمت جھک کے ادب سے کیا سلام
پھر جا کے اس گروہ کو سمجھائے گا غلام
آلِ نبیؐ سے مجھ کو خدا سُرخرو کرے
چڑھتے ہی مثلِ برق لگا کوندنے سُرنگ
سینے میں الفتِ شہِ دیں دل میں شوقِ جنگ
جلوہ تھا روئے پاک پہ ایماں کے نور کا

کیا خوش نما تھے دوش پہ شملے کے دو سرے
چتون وہ قہر کی تھی کہ لاکھوں میں گھر گرے
جاتا ہے یوں جہاد کو اہلِ نفاق سے
رہوار کی وہ شان سواری کا وہ سماں
وہ تیغِ تیز دستِ جری میں کہ الاماں
ہم پنجہ کون ہو کہ یداللہ ساتھ ہیں
یوں ہاتھ میں تھا نیزۂ خطی بہ کرّ و فر
سینہ کشادہ اور رگِ گل سی وہ کمر
رخسار تھے کہ پھول ہوں جیسے کھلے ہوئے
پلکوں کے بال تیز و سیاہ و کج و دراز
چہرے پہ رعب دین کی دولت سے سرفراز
سینے میں زنگ کفر جو تھا دور ہو گیا
پہونچا جونہی اڑا کے گھوڑے کو وہ دلیر
زور آورانِ فوج ہوئے اس کے ڈر سے زیر
بجلی گرے گی فوج پہ میری حسام سے
آقا مرا حسینؑ ہے کونین کا امیر
یہ سن کے جوڑے تیر دلوں نے کماں میں تیر
اک صاعقہ گرا کہ صدا تا فلک گئی
غازی ادھر بڑھا کہ ادھر طاقتیں گھٹیں
تلواریں منہ چھپانے لگیں برچھیاں ہٹیں
روپوش مردانِ جہاں دیدہ ہو گئے
غصے میں جس کو شیر نے ڈانٹا وہ مر گیا
آیا کبھی ادھر کبھی لڑتا ادھر گیا
سارے علم زمیں پہ گرے کانپ کانپ کے

دیکھے جو حُر کو حور تو گرد آن کر پھرے
دیکھے جدھر یہ غیظ سے بجلی ادھر گرے
بلبل چمن میں جاتی ہے جس اشتیاق سے
سر پہ تو خود بر میں زرہ دوش پر کماں
بدلے سپر کے ساتھ دعائے شہِ زماں
دستانوں سے عیاں تھا کہ لوہے کے ہاتھ ہیں
اللہ کہے ہو لفظ یہ چوں خنجری زبر
رشکِ غزال چشم مگر شیر سی نظر
پلکوں کی صف بھری ہوئی ابرو ملے ہوئے
ابرو میں سب کماں کا چم و خم پہ راست باز
بگڑے کو یوں بنائے زہے شانِ کارساز
نورِ خدا سے آ کے ملا نور ہو گیا
نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا مثالِ شیر
نعرہ یہ تھا کہ جنگ میں اب کس لئے ہے دیر
بڑھ کر لڑو امامِ اُمم کے غلام سے
میں ابنِ فاطمہؑ کا ہوں اک بندۂ حقیر
کھینچی جری نے میان سے شمشیرِ بے نظیر
ابرِ سیاہِ شام میں بجلی چمک گئی
سطرِ غلط کی طرح صفیں کی صفیں کٹیں
شاخیں نہالِ کفر کی سب یک قلم چھٹیں
ڈھالوں کے پھول برگِ خزاں دیدہ ہو گئے
زوروں پہ جو چڑھا تھا سر اس کا اتر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
تیغیں چھپی تھیں ڈھالوں میں منہ ڈھانپ ڈھانپ کے

شتو کے سر اُڑا دیے ایک ایک وار میں
مارا اُسے جری جسے پایا ہزار میں
پیدل میں تھی نہ جان نہ دم شہسوار میں
ٹوٹی ہوئی صفیں تھیں بھلا کس قطار میں
سرکش سے چھین لے جو نشاں اس میں نام ہے
مُردوں کا مارنا نہیں مَردوں کا کام ہے

لڑتا ہے وہ جو خاص غلام امام ہے
گرتی ہے برق شعلہ فشاں قتل عام ہے
بھاگیں کہاں سوار زرہ تن پہ دام ہے
تازی بھی زخمی ہو گئے ترکی تمام ہے
شعلے اُٹھے ہیں آتشِ شمشیرِ تیز کے
دو رُخ کھلا ہے منہ ہیں کوچے گریز کے

گرتی تھی تیغ حُر جری جب مثالِ برق
پہونچوں سے ہاتھ اُڑتے تھے اور گردنوں سے فرق
کوئی تڑپ رہا تھا کوئی تھا لہو میں غرق
کچھ اُس میں اور برق میں تھا مطلقاً نہ فرق
ہر دم نئی تھی چال جدال و قتال میں
مشرق میں مغربی تھی جنوبی شمال میں

پلٹی اِدھر جگر سے تو سَن سے اُدھر چلی
عقدے کو سر کو کھول کے سوئے کمر چلی
وہ دو ہوا یہ اور طرف خوں میں تر چلی
غوطہ لگا کے ماہیِ بحرِ ظفر چلی
کوندی جو مثلِ برقِ شرر بار ہاتھ میں
دریا لہو کا پیر گئی چار ہاتھ میں

جس دم یہ تیغ حُر دمِ جنگ و جدل گری
اُس غول میں یہ غل ہوا برقِ اجل گری
جس صف پہ جب پڑے یہ گری برمحل گری
اک آن میں زمیں پہ وہ صف منھ کے بھل گری
تھا قہرِ حق کا طور جری کی جدال میں
کشتوں کے پشتے ہو گئے دشتِ قتال میں

خاروں سے کربلا کا چمن صاف کر دیا
جس سے خلش تھی دل کو وہ بن صاف کر دیا
جاروب بن کے تیغ نے رن صاف کر دیا
آئینۂ زمین و زمن صاف کر دیا
کس صف میں کس پرے میں حُر باوفا نہ تھا
کوسوں زمیں پہ فوجِ ستم کا پتہ نہ تھا

مانندِ ابر جب طرف آئی برس گئی
ناگن کی طرح جس پہ گری اس کو ڈس گئی
بجلی سی دم میں راس و چپ و پیش و پس گئی
راکب کے سر پہ آئی تو زیرِ فرس گئی
اُلجھی نہ چوٹیوں میں نہ پاکھر نہ زین میں
وہ خاک پر گرا یہ در آئی زمین میں

قربان تیغ حُر کی تراش و خراش کے
چھوڑا نہ سر بدن پہ کسی بد معاش کے
پھینکے زمیں پہ سینکڑوں نیزے تراش کے
ثابت نہ عضو تھے کسی ظالم کی لاش کے
دستانوں کو اُڑا گئی ڈھالوں کی اوٹ میں
چار آئینے کو چار کیا ایک چوٹ میں

نعرہ تھا ہاں نکل کے کوئی نوجواں لڑے
پسپا نہ ہوں میں آکے جو شیرِ ژیاں لڑے
غیرت جو ہو کسی کو تو پھر کیا درنگ ہے
سرکش بہت ہے شیث خطا پیشہ او شریر
سہما ہوا کدھر ہے جوانوں سے گوشہ گیر
دیکھیں تو کس نے فوج کے سرکش بھگا دیے

بھالا ہلا کے فوج سے اک پہلواں بڑھا
بھالا بڑھا نہ تھا کہ حُرِ نوجواں بڑھا
غازی نے جنگ کا ہنر اس کو دکھا دیا
تیر و کماں کو لے کے بڑھا پھر وہ تیر دست
اللہ رے جری کی لڑائی کا بند و بست
آئی گئی وہ تیغ عجب رنگ ڈھنگ سے

پائی شکست فاش تو خفت کو ٹال کے
دو تین ہاتھ سیف کے حُر نے نکال کے
دشمن پہ گر کے رکتی ہے تیغِ اجل کہیں
گرز گراں اٹھا کے پکارا وہ نابکار
آیا تھا گرز متصل سر کہ ایک بار
بیٹھی جو ضرب تیغ دلاور عمود پر

دو کر کے خود کاسۂ سر تک اتر گئی
تڑپی مثالِ برق جگر تک اُتر گئی
زیں سے رکی نہ تنگ سے نہ زیر بند سے
بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسؑ باوفا
معنی یہ جنگ کے ہیں اسے کہتے ہیں وغا
لاکھوں کو دے شکست کسی کا جگر یہ ہے

منظور جس کو ہووے مرا امتحاں لڑے
بھالوں کے نکلیں ہاتھ سناں سے سناں لڑے
ہاں گو یہی ہے اور یہی میدانِ جنگ ہے
یہ بے رُخی ہے قدر انداز بے نظیر
دو ٹانک کی کمان میں جوڑے تو کوئی تیر
کس نے خدنگ کاٹ کے تودے لگا دیے

مار سیاہ تھا کہ نکالے زباں بڑھا
نعرہ کیا کہ او ستم آرا کہاں بڑھا
مانندِ کلک نیزۂ خطی بڑھا دیا
آواز دی اجل نے کہ ہاں دی اسے شکست
بس ایک ہاتھ میں نہ انگوٹھا رہا نہ شست
چلہ کماں سے اُڑ گیا اور پر خدنگ سے

جھپٹا غضب سے تیغ و سپر کو سنبھال کے
پھل تیغ کا اُڑا دیا اور پھول ڈھال کے
قبضہ کہیں تھا تیغِ ستمگر کا پھل کہیں
اس ضرب کو تو دیکھ تو اے مرد نامدار
رد کر کے اس کا وار کیا حُر نے اپنا وار
مثلِ خیار کاٹ کے صاف آئی خود پر

سر سے گلے کو کاٹ کے بر تک اُتر گئی
بر سے جگر کو صاف کمر تک اتر گئی
بوسہ دیا زمیں پہ اُتر کر سمند سے
اے مرحبا حسینؑ کے غمخوار مرحبا
کرتے ہیں آپ قبلۂ عالم تری ثنا
واللہ فاطمہؑ کی دعا کا اثر یہ ہے

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے وہ صفدر جری
سردار چاہتے ہیں غلاموں کی برتری
مختار کائنات ہو عالم پناہ ہو
بس اتنی دیر تھم جو گئی برق تیز دم
نیزہ تو اُس جری نے کیا تیغ سے قلم
صدمے سے دم اکھڑ کے جو سینے میں رک گیا

جھکنا تھا بس کہ چلنے لگے برچھیوں کے وار
نیزوں کے ساتھ تیر ہوئے پہلوؤں کے پار
خنجر کھنچے ہوئے ہیں اجل سر پہ آئی ہے
خادم جہاں سے جاتا ہے شاہا اب آئیے
دشمن ہیں سب غلام ہے تنہا اب آئیے
زخمی رگیں جو کھنچتی ہیں صدمہ ہے جان پر

دوڑے یہ سُن کے اُس کی طرف شاہِ مشرقین
ابتر یہ حال ہو تو کہاں میرے دل کو چین
آتے ہیں آج حُر کی مَلک پیشوائی کو
آئی صدائے فاطمہ اے میرے نونہال
چلائی در سے خیمے کے زینب بصد ملال
زہرا کی بیٹیاں حُرِ ذی شاں کو روئیں گی

پہونچے جو میہماں کے سرہانے امامِ پاک
مرتے سنی جو شاہ کی آوازِ دردناک
دیکھا جو وہ اٹا ہوا چہرہ غبار سے
پیوست تھا جو حلق میں اک تیر بے ستم
رومالِ فاطمہ جو لئے تھے شہِ اُمم
ایسا کسی شہید کو رتبہ نہیں ملا

کیونکر نہ آفتاب کرے ذرہ پروری
صدقہ حسین کا ہے یہ جرأت یہ صفدری
نعلین جس کے سر پہ رکھو بادشاہ ہو
مارا کسی نے سر پہ اک تبرِ ستم
لیکن جگر کے درد نے لینے دیا نہ دم
بس یا حسین کہہ کے وہ ہرنے پہ جھک گیا

سر پر تبر، کمر پہ لگی تیغ آب دار
گھوڑے سے گر کے شہ کو پکارا وہ جاں نثار
اے دلبرِ علی دمِ مشکل کشائی ہے
وقتِ اخیر ہے شہِ والا اب آئیے
مولا اب آئیے مرے آقا اب آئیے
سختی اجل کی سہل کرو میہمان پر

بھائی نہ مضطرب ہو کہ حاضر ہوا حسین
آئی صدا علی کی کہ اے میرے نورِ عین
کہہ دو کہ ہم بھی آتے ہیں مشکل کشائی کو
ماتم میں حُر کے میں نے بھی کھولے ہیں سر کے بال
ڈیوڑھی پہ لا دو لاشۂ حُر اے علی کے لال
سیدانیاں حضور کے مہماں کو روئیں گی

اک آہ کر کے گر پڑے حضرت بروئے خاک
قدموں پہ آنکھیں مل کے کہا روحنا فداک
زانو پہ سر کو رکھ لیا حضرت نے پیار سے
زخمی گلے سے خون اُبلتا تھا دم بدم
مہماں کے حلق پر اُسے باندھا یہ کرم
مرنے سے پہلے خلعتِ خلد بریں ملا

خوں بند ہو گیا تو یہ بولا وہ نامدار
رو کر کہا حبیب نے اے حُرِّ باوقار
پہونچا دماغ عرش پہ اک مُشتِ خاک کا
حُر نے کہا حبیب سے رو رو کے زار زار
مُنھ رکھ کے منھ پہ کہنے لگے شاہِ نامدار
کچھ ہو سکا نہ فاطمہؑ کے نورِ عین سے

ہچکی یہ کیسی آئی ہے اب کیا ہے دل کا حال
محبوبِ حق اِدھر ہیں اُدھر شیرِ ذوالجلال
یوں رو رہی ہیں میرے تنِ پاش پاش پر
شہ نے کہا وہ بنتِ پیمبرؐ ہیں نوحہ گر
اے حُر ترے لئے مری مادر ہیں نوحہ گر
الفت ہے جن کو مجھ سے وہ آنسو بہاتے ہیں

مُژدہ یہ سُن کے چوم لئے شاہ کے قدم
مولا دعا پڑھو کہ نکلتا ہے میرا دم
یہ کہہ کے آنکھیں پھیر دیں منکا بھی ڈھل گیا
زہرا پکاریں مر گیا ہے ہے حُرِ جواں
عباسؑ نامدار سے پھر یہ کیا بیاں
ماتم کی صف بچھے گی بہادر کے واسطے ؛

لاشہ اُٹھا کے لے چلے عباسؑ نامور
میّت لٹا کے خیمے کے در پہ بچشمِ تر
یاور بس اب ملے گا نہ حُر سا حسینؑ کو
بیکس یہ ہے بہت کہ ہے بیکس کا میہماں
روئے گا اس کے غم میں جو با نالۂ فغاں
سر دے کے عزتیں مرے مہماں نے پائی ہیں

اے نورِ چشمِ فاطمہؑ زہرا ترے نثار
دیکھا جنابِ قبلۂ عالم کا تو نے پیار
رومال ہے یہ فاطمہؑ کے دستِ پاک کا
صدقے کرو غلام کو آقا یہ سات بار
اے ناصرِ نبیؐ و علیؑ ہیں ترے نثار
بھائی تری وفا کوئی پوچھے حسینؑ سے

حُر نے کہا قریب ہے دنیا سے انتقال
اک بی بی پائینتی ہو کھڑی کھولے سر کے بال
ماں جس طرح بلکتی ہے بیٹے کی لاش پر
جعفرؑ ہیں بے قرار تو شبّرؑ ہیں نوحہ گر
خیمے میں اہلبیتؑ کھُلے سر ہیں نوحہ گر
بچے بھی نام لے کے ترا بلبلاتے ہیں

ہچکی جو آئی پھر تو یہ بولا بدردِ غم
رخصت ہے یا حسینؑ چلے اُف جہاں سے ہم
دیکھا رُخِ حسینؑ کو اور دم نکل گیا
سر اپنا پیٹ پیٹ کے روئے شہِ زماں
مہماں کی لاش لے چلو ڈیوڑھی پہ بھائی جاں
پیٹیں گے اہلبیتِ نبیؐ حُر کے واسطے ؛

تھے ساتھ ساتھ سبطِ پیمبرؐ برہنہ سر
آواز دی کہ اے حرمِ سیّدالبشر
دو آکے میہمان کا پُرسا حسینؑ کو ؛
اہل و عیال ہیں نہ بہن ہے نہ اس کی ماں
دے گا جزائے خیر اُسے ربِّ دوجہاں
جنّت سے فاطمہؑ اسے رونے کو آئی ہیں

زاری یہ سن کے سبطِ رسولِ انام کی
صف بچھ گئی ماتمی حرِ عالی مقام کی
سر اپنا پیٹنے لگیں بہنیں امام کی
اور بیٹیاں بھی روئیں شہِ تشنہ کام کی
برپا تھا حشر حر کے تنِ چاک چاک پر
بچے ذرا ذرا سے تڑپتے تھے خاک پر

چلّاتی تھی یہ بانوئے مغموم و دل فگار
اے شہ کے میہماں میں تری لاش کے نثار
یہ نوحہ گر تھی زینبِ غمگین و سوگوار
ماں روئے جیسے بیٹے کے ماتم میں زار زار
بس اے انیس شہ کا فدائی گزر گیا
شبیر کہتے تھے کہ مرا بھائی مر گیا

سلام

مرا رازِ دل آشکارا نہیں
وہ دریا ہوں جس کا کنارا نہیں

وہ گل ہوں جدا سب سے ہے جس کا رنگ
وہ بو ہوں کہ جو آشکارا نہیں

وہ پانی ہوں شیریں نہیں جس میں شور
وہ آتش ہوں جس میں شرارا نہیں

بہت زالِ دنیا نے دیں بازیاں
میں وہ نوجواں ہوں کہ ہارا نہیں

فقیروں کی مجلس ہے سب سے جدا
امیروں کا یاں تک گزارا نہیں

سکندر کے خاطر بھی ہے سدِ باب
جو دارا بھی ہو تو مدارا نہیں

گئے پہنے نعلین واں مصطفیٰ
فرشتے کا جس جا گزارا نہیں

جہنم سے ہم بے قراروں کو کیا
جو آتش پہ ٹھہرے وہ پارا نہیں

پھرے دوست جب ہو گئی قبر بند
کھلا اب کہ کوئی ہمارا نہیں

گرے ڈگمگا کر زمیں پر حسین
فرس سے کسی نے اتارا نہیں

ترے صبر کے میں فدا یا حسین
چھری کے تلے دم بھی مارا نہیں

کسی نے تری طرح سے اے انیس
عروسِ سخن کو سنوارا نہیں

رباعی

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزارِ نجف میں مدح خواں ہوگا انیس
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

مرثیہ
۹۶ بند

کیا مثلِ خدا صاحبِ توقیر ہے زہراؑ
اُمّ الحسنؑ مادرِ شبیرؑ ہے زہراؑ
شوہر کو جو پوچھو تو شہنشاہِ عرب ہے
حقا کہ شرافت میں وہ مریمؑ سے سوا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ محبوبِ خدا ہے
بیٹے ہیں وہ دونوں کہ شفیعِ دو جہاں ہیں
اوصاف میں سب خلق اگر ایک زباں ہو
گر چاہیں کہ عصمت کا کچھ احوال عیاں ہو
جس طرح سے حیراں ہیں بشر حمدِ خدا میں
تشویش یہی طبع کو ہنگامِ رقم ہے
اک نورِ الٰہی کی ثنا بسکہ اہم ہے
توصیف نہ خامے سے ہے ممکن نہ زباں سے
ماں باپ پہ واجب نہیں فرزند کی تکریم
لکھا تھا کہ جب آتی تھیں زہراؑ پئے تسلیم
الطافِ محمدؐ ہو یہ جس بابِ کرم پر
کیا حضرتِ خاتونِ قیامت کا ہے رتبا
کھاتی ہیں محمدؐ کی قسم حضرتِ زہرا
وہ روح سے طاہر ہے تو پاکیزہ ہے جاں سے

خاتونِ جناں مالکِ تطہیر ہے زہراؑ
سر تا بہ قدم نور کی تصویر ہے زہرا
بیٹی ہے نبیؐ کی یہ حسب ہے یہ نسب ہے
زینت کے لئے عرش پہ نام اسکا لکھا ہے
وارث وہ ہے سب خلق کا جو عقدہ کشا ہے
اس طرح کے رتبے کسی بی بی کے کہاں ہیں
زہراؑ کی بزرگی نہ بیاں ہو نہ بیاں ہو
تو شاہدِ مضموں پسِ پردہ ہی نہاں ہو
عاجز ہیں اسی طرح سے زہراؑ کی ثنا میں
تعریف جو کچھ ذہن میں آتی ہے وہ کم ہے
سجادۂ قرطاس پہ سجدے میں قلم ہے
تحریر سے افزوں ہے زیادہ ہے بیاں سے
اس امر میں سب خلق پہ زہراؑ کو ہے تقدیم
خود اُٹھ کے رسولِ عربیؐ کرتے تھے تعظیم
دروازہ گرا دیں اسی بی بی کے شکم پر
وہ زاہدہ ہے فخر محمدؐ کو ہے جس کا
ہے دامنِ پاک اس کا محمدؐ کا مصلا
کوثر سے وضو کرے تو لے نام زباں سے

ہے اس کی ردا ابر کرم آیۂ رحمت
جو گوشہ ہے اس کا وہ ہے اک گوشۂ جنت
وہ حشر میں مومن کو بچالے گی تعب سے
اس چادرِ انور کی بزرگی میں کہوں کیا
تب پاس یہودی کے
گھر ہوگیا پُر نور تو حیراں ہوئے کافر

آفاق میں زہراؑ کا نہیں ہے کوئی ہمسر
حوّا کا شرف نور خدا عرش کا زیور
ثانی کوئی زہراؑ کا نہ ہوگا نہ ہوا ہے
ان کی بھی وہ عزت ہو جو زہراؑ کی ہو توقیر
بخت جگر شیر خدا صاحبِ تطہیر
ممتاز کیا حق نے نواسی کو نبیؐ کی

فاقوں میں شکایت نہ کبھی لب تلک آئی
تھی آسیہ کا فخر ید اللہ کی جائی
جو پاس ہوا صرف کیا راہ خدا میں
بابا ہے ید اللہ تو نانا شہِ لولاک
مادر کا شرف جانتے ہیں صاحبِ ادراک
ذی رتبہ خدیجہؑ ہوئیں زہراؑ کی طرف سے

اک صبح لبِ بام پس از طاعتِ داور
جب تک کہ نہ چہرے پہ لیا گوشۂ چادر
اعدا نے جو تاراج کیا گھر کو نبیؐ کے
ماں باپ نے جو رنج و الم خلق میں پائے
فاقے بھی کئے میوۂ فردوس بھی کھائے
ملتا تھا چلن فاتح خیبر کے چلن سے

ہر تار سے سر رشتۂ ایمان و شریعت
سب اس پہ نظر دوختہ ہیں بہر شفاعت
ہو جائے گی طے راہِ صراط اس کے سبب سے
اک روز ہوا قاسمِ روزی پہ جو فاقا
جو دے کے گرو اس نے رکھی چادرِ زہراؑ
انشی بس اسی وقت مسلماں ہوئے کافر

زوجہ اسد اللہ کی اور بنت پیمبر
قرآں میں جسے یاد کرے خالقِ اکبر
ہاں حضرتِ زینبؑ کو جو کہیئے تو بجا ہے
ساری وہی سیرت وہی صورت وہی تقریر
مخدومۂ عالم شہ کونین کی ہمشیرؑ
عصمت تھی جو زہراؑ کی تو شوکت تھی علیؑ کی

تا شکر کیے نانِ جویں ایک جو کھائی
فضہؑ کے عوض کرتی تھی خود آسیہ سائی
زہراؑ کی طرح ہوتے تھے پیوند ردا میں
جن کے لئے پیدا کئے اللہ نے افلاک
اس رشتے میں ہیں حضرتِ زینبؑ گہر پاک
ہر طرح فضیلت ہے انھیں ماں کی طرف سے

امت کی دعا مانگتی تھیں کھولے ہوئے سر
خورشید فلک شرم سے نکلا نہ فلک پر
سر ننگے پھریں بعد، حسینؑ ابن علیؑ کے
سب زینبِ غمدیدہ کے حصے میں وہ آئے
عزت بھی ملی اور مصائب بھی اٹھائے
بولی نہیں باندھے گئے بازو جو رسن سے

جب خلق سے وقت سفر فاطمہؑ آیا
تب زینبؑ و شبیرؑ کو پاس اپنے بلایا
روئیں بہت اور بیٹے کو چھاتی سے لگایا
زینبؑ کے دیا ہاتھ میں ہاتھ اور یہ سنایا
اے زینبؑ بیکس مری دولت سے خبردار
محبوبؑ الٰہی کی امانت سے خبردار

بیٹی اسے زہراؑ نے بڑے دکھ سے ہے پالا
ہے روح مرے جسم کی یہ گیسوؤں والا
سمجھی اسے آنکھوں کی ضیا گھر کا اجالا
حجرے سے کبھی گرم ہوا میں نہ نکالا
سوئی ہوں تو پہلے اسے سوئی ہوں سُلا کر
چکّی بھی جو ہمکی ہے تو گودی میں لٹا کر

یہ خیر سے جس سال لگے گھٹنوں چلنے
میں چھوٹے سے تلووں سے لگی آنکھوں کو ملنے
جب نام خدا یہ لگے اُٹھ اُٹھ کے سنبھلنے
دی طاقت رفتار بھی خلاق ازل نے
ہر گام پہ سایے کی طرح پیچھے پھری ہوں
ٹھوکر بھی جو کھائی ہے تو میں ساتھ گری ہوں

شانے سے کبھی ٹوٹتا تھا زلف کا گر بال
کرتی تھی پریشانی خاطر مجھے بے حال
اک دن خط ہیکل سے جو گردن ہوئی تھی لال
رُخ زرد تھا تر ہو گیا تھا اشکوں سے رومال
کُرتے کا گریباں جو ذرا تنگ ہوا تھا
دم گھٹ کے مرا یاد ہے کیا حال ہوا تھا

اے لاڈلی اس لال کا دشمن ہے زمانا
شبیرؑ کو میرے نظر بد سے بچانا
تکلیف بھی سہ لیجو ایذا بھی اُٹھانا
صدقے گئی مادر کی وصیت نہ بھلانا
ہر رنج میں اس بھائی کے کام آئیو زینبؑ
جائے یہ جدھر ساتھ چلی جائیو زینبؑ

زہراؑ نے جو ارشاد کیا تھا دم رحلت
بھولی نہ کسی وقت وہ مادر کی وصیت
دن رات یہاں تک رہی سرگرم اطاعت
شاہ شہداؑ بھول گئے ماں کی محبت
شفقت سے نظر کرتے تھے ہر آن بہن پر
وہ ان پہ تصدق تھی یہ قربان بہن پر

تھیں بھائی کے آرام کی ہر وقت طلبگار
سوتے تھے جو شبیرؑ تو رہتی تھی یہ بیدار
جانے کا کہیں قصد جو کرتے شہؑ ابرار
رکھ دیتی تھی خود جھاڑ کے نعلین وہ غمخوار
شہ کہتے تھے ٹکڑے مرا دل کرتی ہو بھینا
کیوں بھائی کو ہر بار خجل کرتی ہو بھینا

کہتی تھی یہ زینبؑ کہ مرا فخر ہے بھائی
کیا ہو گیا بھینا نے جو نعلین اُٹھائی
عزت انھیں قدموں کی بدولت تو ہے پائی
چھوٹی ہوں میں گو ہوں اسد اللہ کی جائی
تم سر پہ بہن کے شہ مرداں کی جگہ ہو
فرماتے تھے شبیرؑ کہ تم ماں کی جگہ ہو

مشہور ہے شیدائے برادر وہ خوش اوقات
فرزندوں پہ طفلی سے یہ تاکید تھی دن رات
صدقے گئی خادم ہیں نمک سبط نبیؐ کے
محبوبِ الٰہی کے برابر انھیں سمجھو
صدقے گئی سب خلق سے بہتر انھیں سمجھو

فرزندوں کو ماں باپ سے کیا ملتا ہے پیارو
سر ماموں کے قدموں پہ جھکانے میں شرف ہے
رومال کھڑے ہو کے ہلانے میں شرف ہے
تسلیم کو جھکنا ہے عبادت کے برابر
آقا ہے حقیقت میں خداوند مجازی

کر سکتے ہیں کیا دشمن سلطان حجازی
کس جنگ میں تلوار چمکتی نہیں ان کی
نامرد بُرے وقت میں ٹل جاتے ہیں پہلے
لڑنے کو پرے سے وہ نکل جاتے ہیں پہلے
سینوں کو سپر کرتے ہیں تلوار کے آگے

بجلی کی چمک گر تھی تیغوں کی چمک سے
کڑکا ہوا میداں میں کمانوں کی کڑک سے
اک دل ہوئے سب قتل شہ تشنہ دہن پر
یاں سے بھی نکلنے لگے مردانِ ذوی القدر
دکھلا دیا انداز وغائے احد و بدر

حملے کئے شیروں کی طرح برچھیاں کھا کر
مارے گئے مولا کے جو انصار و موالی
جس دم وہ چلے رونے لگے سرورِ عالی
تھا غلغلہ دار و بگیر اہل ستم میں

بے مرضی شبیرؑ نہ کرتی تھی کوئی بات
ماموں کی غلامی میں رہو جوڑے ہوئے ہات
تم یہ نہ سمجھیو کہ نواسے ہیں علیؑ کے
ہم مرتبۂ حیدرؑ صفدر انھیں سمجھو
آقا انھیں مالک انھیں سرور انھیں سمجھو

ایسوں ہی کے ملنے سے خدا ملتا ہے پیارو
نعلین کو آنکھوں سے لگانے میں شرف ہے
خادم کی طرح ہاتھ دُھلانے میں شرف ہے
آقا کی اطاعت بھی ہے طاعت کے برابر
پڑتا ہے بُرا وقت تو سر دیتے ہیں غازی

جو مرد ہیں شیروں سے وہ لے جاتے ہیں بازی
لاکھوں سے کبھی آنکھ جھپکتی نہیں ان کی
ہتھیار دلیروں سے ہی چل جاتے ہیں پہلے
آنچ آتی ہے آقا پہ تو جل جاتے ہیں پہلے
پیچھے تو وہ ہوتا ہے جو سردار کے آگے

چنگاریاں اڑتی تھیں سنانوں کی چمک سے
تیر آتے تھے جوں تیر شہاب آئے فلک سے
حملہ کیا دو لاکھ نے ہفتاد و دو تن پر
واں ایک پہ گرتے تھے ہزار آ کے یہ تھا غدر
شمشیر و سناں سے ہوئے مجروح سر و صدر

گر گر پڑے گھوڑوں سے ہزاروں کو گرا کر
تب حضرت مسلمؑ کے یتیموں نے رضا لی
اک حملے میں دونوں نے پرے کر دئے خالی
برپا تھا تلاطم حرمِ شاہِ زمن میں

بیتابی سے تھا حضرت زینب کا عجب حال
رعشہ تھا تنِ زار میں خورشید کے تمثال
لب خشک تھے رُخ زرد پسینہ تھا جبیں پر
پھرتی تھی کبھی صحن میں کرتے ہوئے نالے
تلواریں چمکتی تھیں نظر آتے تھے بھالے
زینب پہ ستم ہو شہِ دلگیر کے بدلے

اتنے میں خبر آکے جو فضّہ نے سُنائی
یہ سنتے ہی زردی سی رُخِ پاک پہ چھائی
میں سمجھی تھی اعدا سے وغا کرتے ہیں دونوں
ماموں پہ یہ آفت ہے اور ان کو نہیں کچھ دھیاں
بن باپ کے بچے تو سدھارے سوئے میداں
شب تک تو وہ مرنے کی قسم کھاتے تھے مجھ سے

وہ کیا تھا جو دونوں یہ کیا کرتے تھے تقریر
اب کیا ہے جو مرجانے میں کرتے ہیں وہ تاخیر
وہ جانے نہ دیتے تھے اگر فوجِ ستم پر
اچھا کیا جو کچھ کیا مرنے کو نہ جائیں
کیا کام ہے مجھ سے ہا مجھے صورت نہ دکھائیں
پھر جائیں وطن چھوڑ کے مجھ خستہ جگر کو

یہ کہتی تھیں جو شور ہوا فوج میں اک بار
پھر جا کے خبر لائی یہ فضّہ جگر افگار
سب خرد کلاں فوج کے نرغے میں گھرے ہیں
فرماتے ہیں شبیرؑ کہ خیمے میں تو جاؤ
یہ داغ بھی سہ لیں گے تم آنسو نہ بہاؤ
وہ کہتے ہیں کیا منہ ان کو دکھانے کے نہیں ہم

تسبیح تو تھی ہاتھ میں بکھرا دیئے تھے بال
حق سے یہ دعا تھی کہ بچے فاطمہؑ کا لال
چادر سرِ اطہر کی لٹکتی تھی زمیں پر
در پر کبھی جاتی تھی کلیجے کو سنبھالے
کہتی تھی کہ یارب مرے بھائی کو بچالے
فرزندوں کو دیتی ہوں میں شبیرؑ کے بدلے

لو ہوتی ہے مسلمؑ کے یتیموں میں جُدائی
فرمایا نصیحت مرے بیٹوں نے بھلائی
کس کھیل میں مصروف ہیں کیا کرتے ہیں دونوں
اب صدقے نہ ہوئیں گے تو کب ہوئیں گے قرباں
ہشیار ہیں عاقل ہیں کچھ ایسے نہیں ناداں
ہاں دودھ انھیں باتوں پہ بخشاتے تھے مجھ سے

ہو جائیں گے ہم پہلے نثارِ سرِ شبیرؑ
شرمندہ ہوئی بھائی سے ہے ہے مری تقدیر
کیوں گر نہ پڑے دوڑ کے ماموں کے قدم پر
پر کوئی یہ کہہ آئے کہ اب گھر میں نہ آئیں
مادر کی ملاقات سے بس ہاتھ اُٹھائیں
ماں مرگئی آباد کریں باپ کے گھر

ٹکڑے ہوئے تلواروں سے مسلمؑ کے بھی دلدار
روتے ہیں بھتیجوں کے لئے سیدِ ابرار
رخصت کے لئے ماموں کے قدموں پہ گرے ہیں
قدموں سے اٹھو سر مری چھاتی سے لگاؤ
منظور جدائی ہے تو اور سے مل آؤ
اماں ہیں خفا خیمے میں جانے کے نہیں ہم

یہ سنتے ہی بشاش ہوئی زینبؑ ذی جاہ
اُمید بر آئی مری الّمنّتُ للہ
رخصت ہی نہ ملتی تھی تامّل یہ فقط تھا
دونوں نہیں سر پاموں کے قدموں سے اُٹھاتے
ملتی جو اجازت تو گلے پہلے کٹاتے
ڈر ہے کہ بھتیجوں کے لیے روئیں گی امّاں

بانو نے کہا پھر انھیں چھاتی سے لگاؤ
کچھ سوچ کے زینبؑ نے کہا خیر بلاؤ
تم سے ابھی کچھ کام ہے سُن لو گے تو جانا
فضّہ نے بلایا تو وہ میدان سے آئے
چھاتی سے لگانے کے لئے ہاتھ بڑھائے
ہم دیر سے رخصت کے طلبگار تھے امّاں

فرزندوں کے اس عجز پہ رقّت کا ہوا جوش
لپٹا لیا چھاتی سے انھیں کھول کر آغوش
جی بھر کے نہ دیکھا تھا سو دیکھا تمھیں میں نے
مرنے کو چلے جان نہ کی ماموں سے پیاری
تھی آگے تو ماں آج سے لونڈی ہوں تمھاری
افراطِ محبّت سے یہ گفتار نہ کیجے

جھک جھک کے بجالائے جو وہ آخری آداب
دروازے تلک ساتھ گئی مضطر و بیتاب
چلّائی یہ مادر کہ خدا حافظ و ناصر
جنگاہ میں گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے آئے
نیزوں کو دلیرانہ ہلاتے ہوئے آئے
لرزہ تھا شجاعوں کو دلیروں کی نظر سے

فرمایا مبارک ہو سدھاریں سوئے جنگاہ
لو صاحبو اب مرنے کو جاتے ہیں مرے ماہ
سمجھی تھی جو کچھ ہیں وہ گماں میرا غلط تھا
ہیں آخری وقت اور مجھے پیار دلاتے
کیا صاحبِ غیرت ہیں کہ مجھ تک نہیں آتے
ہم جائیں گے زندہ تو خفا ہوئیں گی امّاں

ہے رحم کی جا رحم اب ان پیاسوں پہ کھاؤ
کہہ دے کوئی بے ماں سے ملے رن کو نہ جاؤ
کچھ نانی کا پیغام ہے سن لو گے تو جانا
دیکھا انھیں ماں نے کہ سروں کو ہیں جھکائے
وہ جوڑ کے ہاتھوں کو سخن لب پہ یہ لائے
تقصیر ہماری نہیں لاچار تھے امّاں

چھاتی اُمنڈ آئی تھی مگر رہ گئی خاموش
فرمایا میں آزردہ نہیں کھوئے ہو کیوں ہوش
پیاسے ہو تو لو دودھ بھی بخشا تمھیں میں نے
آؤ مجھے قربان تو ہو لینے دو واری
مادر سے یہ کہنے لگے با گریہ و زاری
ناچیز غلاموں کو گنہگار نہ کیجے

اس وقت تو زینبؑ کی بھی آنکھیں ہوئیں پُر آب
گھوڑوں پہ چڑھے دونوں سجے جنگ کے اسباب
بولے وہ دو در کہ خدا حافظ و ناصر
شان اپنی سواری کی دکھاتے ہوئے آئے
ایمان سوئے کفر بتاتے ہوئے آئے
تکتے تھے صف فوج کو شیروں کی نظر سے

دو شیر چلے جاتے تھے اس فوج کو ر ولے
سب پیچھے ہٹے جاتے تھے تلواروں کو تولے
غالب ہوا رعب ان کا ہر اک تیغ بکف پر
غل تھا کہ خوشا حسن زہے دبدبہ و جاہ
اک مہر ہے افلاک شرافت کا تو اک ماہ
کیا نور ہے کرتے ہیں جو رخ لشکر کیں پر

ان ابروؤں پہ دیکھو یہ پیشانیوں کی ضو
تشبیہ کے خاطر میں خیال آتے ہیں سو سو
کیونکر نہ زمیں فخر کرے عرش بریں پر
بوٹا سا تو قد پھول سے منھ چاند سے رخسار
نرگس انھیں آنکھوں کے تصور میں ہے بیمار
مردم ہیں سیہ پوش یہ سامان عزا ہے

ہیں حسن و شرافت کے سراپا میں قرینے
پتلی کمریں گل سے بدن چاند سے سینے
آئینے کو نسبت ہے ضیا میں نہ صفا میں
بولا کوئی سینوں کو نہ رخساروں کو دیکھو
چھوٹی سپریں چھوٹی سی تلواروں کو دیکھو
گھوڑے ہیں یہ ظاہر پہ خدا جانے یہ کیا ہیں

لشکر میں یہ غل تھا کہ وہ جانباز پکارے
ہم وہ ہیں کہ جب ہوتے ہیں میداں میں اتارے
ہے قہر خدائے دو جہاں ضرب ہماری
توڑا ہے جنھوں نے در خیبر وہ ہمیں ہیں
جو سارے شجاعوں پہ رہے در وہ ہمیں ہیں
ہر وقت ہے ثابت قدمی ساتھ ہمارے

کیا منھ تھا جو دم مارے کوئی یا کوئی پوے
سُدھ تھی نہ کسی کو جو سپر پشت سے کھوے
جس صف پہ گری یہ وہ گری دوسری صف پر
لڑکے ہیں کہ دو شیر ہیں العظمۃ للّٰہ
دیکھے انھیں یعقوبؑ تو یوسفؑ کی نہ ہو چاہ
دو صاعقے گر پڑتے ہیں اک بار زمیں پر

دو بدر نظر آتے ہیں اور چار مہ نو
یہ برق تجلی ہے کہ رخساروں کا پرتو
ذرے نہیں چھٹکے یہ ستارے ہیں زمیں پر
پیچیدہ ہیں سنبل کی طرح گیسوئے خمدار
وہ خوں میں بھریں فاعتبروا یا اولی الابصار
آنکھوں سے نظر آئے نہ ماں کو تو بجا ہے

گویا ہیں یہ لب خاتم قدرت کے نگینے
اس طرح کے سینے کبھی دیکھے ہیں کسی نے
مہتاب سے روشن ہیں گریبان قبا میں
حسن ایک طرف دونوں کے ہتھیار نکو دیکھو
نظروں سے چھپے جاتے ہیں رہواروں کو دیکھو
طاؤس ہیں بجلی ہیں چھلاوا ہیں ہوا ہیں

لڑنا ہو جسے سامنے آجائے ہمارے
رستم کو بھگا دیتے ہیں تلواروں کے مارے
رکتی نہیں دشمن سے کبھی ضرب ہماری
مشہور جو ہیں قاتل عنتر وہ ہمیں ہیں
اتری جنھیں شمشیر دو پیکر وہ ہمیں ہیں
چھوٹے نہیں قبضوں سے کبھی ہاتھ ہمارے

جنگ احد و بدر کو کس طرح کیا سر
خندق کی لڑائی میں چڑھا کوئی نہ منھ پر
دم میں حرم کعبہ سے بُت کر دیے باہر
صفین میں لشکر کی صفیں ہو گئیں بے سر
ہم صور ہیں میکال و اسرافیل سے پوچھو
ان ہاتھوں میں کیا زور ہے جبریل سے پوچھو

عاجز نہیں گو ہے تعبِ تشنہ دہانی
للکاریں تو ہو جائے جگر شیر کا پانی
دنیا میں کوئی آج ہمارا نہیں ثانی
ہیں فضل الٰہی سے ہمیں دین کے بانی
معبود کی طاعت کا سرانجام نہ ہوتا
ہم ہوتے نہ دنیا میں تو اسلام نہ ہوتا

دادا میں جو قوت تھی، وہ قوت بھی ہے ہم میں
ہے زور بھی نانا کا شجاعت بھی ہے ہم میں
وہ دبدبہ وہ شان وہ شوکت بھی ہے ہم میں
اور ماموں کی مظلومی و غربت بھی ہے ہم میں
چھوٹے ہیں حقیقت میں پہ حاصل ہے برابر
رتبے میں تو قرآن و حمائل ہے برابر

خیبر سا جو دروازہ کوئی ہو تو اکھاڑیں
مرحب سا جواں سامنے آئے تو پچھاڑیں
جوں نقشِ فنا ہستیٔ اعدا کو بگاڑیں
در آئیں اگر کوہ میں ان نیزوں کو گاڑیں
کچھ دھیان میں لاتے نہیں لشکر کو کسی کے
ہم اور نہیں کوئی نواسے ہیں علیؑ کے

پڑھ کر یہ رجز دونوں نے جولاں کیے گھوڑے
رن چلنے میں ادھر تیر کماں داروں نے جوڑے
غل تھا کہ خبردار کوئی منھ کو نہ موڑے
تم دونوں بہادر ہو تو ہم بھی نہیں تھوڑے
یا مار کے تلواریں گرا دیتے ہیں تم کو
یا نیزوں کی نوکوں پہ اُٹھا لیتے ہیں تم کو

یہ سُن کے صفیں بڑھنے لگیں دشت بلا سے
لہرائے نشانوں کے پھریرے بھی ہوا سے
دل ہل گئے نقارۂ رزمی کی صدا سے
لشکر میں در آئے شہِ مرداں کے نواسے
نعروں کا دلیروں کے گیا شور فلک پر
تیغوں کی چمک پھیلی تھی بجلی کی چمک پر

اسوار چلے جاتے تھے نیزوں کو سنبھالے
تھا شور کہ کھا دیتے ہیں ان سینوں پہ بھالے
ہٹ ہٹ کے بڑھاتے تھے قدم برچھیوں والے
پر رکتے نہ تھے شاہ کی آغوش کے پالے
دو دن کے تھے پیاسے پہ غضب لڑتے تھے دونوں
جو ٹوکتا تھا تیر سے جا پڑتے تھے دونوں

بجلی سے کبھی یاں تو کبھی واں نظر آئے
غارت کیا اس صف کو تو اس غول پر آئے
جب نیچے اسواروں کے بالائے سر آئے
سر تک نہ اگر آئے کہ وہ تا کمر آئے
پاس آ نہ سکے ان کے کمک کرنے کو جو تھے
جلدی ہی میں کمر سے جو کھینچا ہاتھ تو دو تھے

وہ چھوٹی سی تیغیں تھیں کہ تھا قہرِ الٰہی
بھاگے چلے جاتے تھے نمودار سپاہی
کٹ کر سرِ کفار سے تن دور ہوئے تھے
بھاگڑ تھی سواروں میں پسے جاتے تھے پیدل
جس غول پہ وہ شیر چلے پڑ گئی ہل چل
بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتے تھے دونو
تلواروں سے پرزے تھیں پیکاروں کی ڈھالیں
ناگن کی طرح ڈستی ہیں ان نیزوں کی بھالیں
بھاگیں تو کسی گوشے میں جانا نہیں ملتا
ہاتھوں سے شجاعوں کے گرے پڑتے ہیں ہتھیار
لشکر میں جو تھے شہرۂ آفاق کماندار
رعشہ تھا سراپا کو تو لغزش تھی نظر کو
جب آن پڑی برچھیوں والوں سے لڑائی
تنہا میں دکھاؤں انھیں ہاتھوں کی صفائی
کثرت سپہ شام کی کم کر کے پھر آیا
دم لیتا تھا جب ایک ہزاروں کو بھگا کر
پھر آتا تھا جب وہ انھیں دریا سے ہٹا کر
اسواروں سے ہمت کی عناں چھوٹ گئی تھی
عباسؑ صدا دیتے تھے ہاں اے مرے شیرو
لڑتے ہو عجب شان سے شاباش دلیرو
اس جنگ کی خیمے میں بڑی دھوم پڑی ہے
عباسؑ علمدار تو کرتے تھے تقریر
فرماتے تھے کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
کیا صاحبِ شمشیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

آفت تھی پیادوں پہ سواروں پہ تباہی
پرزے تھے زرہ پوشوں کے تن صورتِ ماہی
چار آئینے شیشوں کی طرح چور ہوئے تھے
تلواروں سے پھٹ پھٹ گیا تھا ڈھالوں کا دل
دونی تھی ہر اک حملے میں رہواروں کی چھل بل
ہر غول پہ پرکار سے پھر جاتے تھے دونو
سب کہتے کہ خود سنبھلیں کہ ہتھیار سنبھالیں
فرصت نہیں ترکش سے جو تیروں کو نکالیں
سوفاروں سے چلّوں کو ملانا نہیں ملتا
دہنے میں تو لیتے تھے سپر بائیں میں تلوار
خود بنتے تھے تیروں کا نشانہ وہ خطاوار
پیکاں تو ادھر رکھتے تھے سوفار ادھر کو
چھوٹے نے کہا آپ ٹھہر جائیے بھائی
یہ کہتے ہی رہوار کی باگ اس نے اٹھائی
اک حملے میں نیزوں کو قلم کر کے پھر آیا
تب دوسرا گرتا تھا کمانداروں پہ جا کر
جاتا تھا پیادوں پہ یہ گھوڑے کو اٹھا کر
کیا لڑتے کہ لشکر کی کمر ٹوٹ گئی تھی
قابو سے نکل جانے نہ دو پھر انھیں گھیرو
سر کر دو لڑائی تو ادھر گھوڑوں کو پھیرو
ماں ڈیوڑھی پہ چھاتی سے لگانے کو کھڑی ہے
روتے تھے کلیجے کو سنبھالے ہوئے شبیرؑ
میداں سے بلاؤں تو خفا ہوں گی ہمشیر
پالے ہوئے دو شیر جدا ہوتے ہیں مجھ سے

ہم شکل پیمبرؐ انھیں تم پھیر کے لاؤ
عباسؑ علی عونؑ و محمدؑ کو بُلاؤ
سایے میں علم کے مرے پاس آن کے دم لو

تھے مضطر و بیتاب ادھر حضرت شبیرؑ
سر کھولے تھی قبلے کی طرف شاہ کی ہمشیر

بابا سے ابھی اصغرؑ و اکبرؑ نہ جُدا ہوں
سن چھوٹے ہیں فاقے سے ہیں اور تشنہ دہن ہیں
بچھڑے ہوئے ہیں باپ سے آوارہ وطن ہیں
اس کی نہیں طالب کہ یہ دولت مری رہ جائے

سب بیبیاں کہتی تھیں یہ کیا کرتے ہو ارشاد
دنیا میں سدا کو کہ تمھاری رہے آباد
ہو فتح کا غسل شادا امامِ دو جہاں ہوں
وہ دن ہو کہ ان دونوں کا تم بیاہ رچاؤ
گرداں کے پھرو آنکھوں سے سہرے کو لگاؤ

وہ کہتی تھی قسمت میں تو بربادی ہے لوگو
ہیں شاد ہوں بیٹوں نے نکالے مرے ارماں
چہروں پہ ہے شملوں کے کٹے بچوں کی کیا شاں
جاگے ہوئے ہیں شب کے گرے پڑتے ہیں دونو
تلواروں سے مجروح ہوں یا برچھیاں کھائیں
اس دم مرا دل دیتا ہے دونوں کو دعائیں
ڈیوڑھی سے صدا ان کو سنانے کی نہیں میں

یہ ذکر تھا جو شور اُٹھا دشت دغا سے
کیا چھاتیوں پر برچھیاں ماری ہیں دغا سے
دیکھے انھیں کہہ دے کوئی حضرت کی بہن سے

قاسمؑ مرے پیاروں کی مدد کرنے کو جاؤ
کہہ دو کہ بُرا حال ہے ماموں کا اب آؤ
پھر جائیو لڑنے تھیں روکوں تو خفا ہو

اور بیبیاں دروازوں پہ تھیں مضطر و دلگیر
ہاتھوں کو دھرے ہاتھوں پہ کرتی تھی یہ تقریر
یارب مرے بچے مرے بھائی پہ فدا ہوں
پابندِ مصیبت ہیں گرفتارِ محن ہیں
بندے ہیں ترے فدیۂ سلطانِ زمن ہیں
عزت سے یہ مرجائیں تو عزت مری رہ جائے

دشمن کو بھی خالق نہ دکھلائے غمِ اولاد
برباد ہوں ہاتھوں سے انھیں کے ستم ایجاد
وہ دونوں پسر ماموں کے سایے میں جواں ہوں
نہلا کے انھیں خلعتِ شاہانہ پنھاؤ
دو چاند سی گھر میں دلھنیں بیاہ کے لاؤ
ماموں پہ یہ صدقے ہوں یہی شادی ہے لوگو

لڑنے کو چڑھے حق نے چڑھایا انھیں پرواں
ان چہروں کے صدقے میں اور ان شیر نروں کے قرباں
میدان میں دولھا سے بنے لڑتے ہیں دونو
ممکن نہیں جیتے جو وہ میدان سے آئیں
لے آئے کوئی چھوٹے سے ہاتھوں کی بلائیں
چاہیں کہ بُلا لوں سو بُلانے کی نہیں میں

لو قتل ہوئے شیر الٰہی کے نواسے
وہ لوٹتے ہیں خاک پہ دو روز کے پیاسے
چھوٹی سی زبانیں نکل آئی ہیں دہن سے

ان شیروں نے لشکر کے نموداروں کو مارا
پامال پیادے کیے اسواروں کو مارا
آئے تھے حمایت کو حسینؑ ابن علیؑ کی
ہاں اسلحہ کو دونوں کے اے لوٹنے والو
ٹکڑوں کی گرہ کاٹ کے ہتھیار نکالو
اب کھینچے ہوئے تیغ دو دم آئیں گے شبیرؑ
یہ سنتے ہی عباسؑ کو شبیرؑ پکارے
زینبؑ نے کہا شور ہے دریا کے کنارے
الطاف و کرم دونوں پہ فرماتے ہیں شبیرؑ
اے بی بیو کیوں بیٹھی ہو خیمے میں تو جاؤ
دو دولھا ہیں دو مسندیں جلدی سے بچھاؤ
باجوں کا یہ غل ہے کہ سنائی نہیں دیتا
فضہ گئی اور پیٹتی میدان سے آئی
حیدرؑ کے نواسوں نے تو جان اپنی گنوائی
باندھیں ہیں صفیں شاہ کو آنے نہیں دیتے
شبیرؑ بھی کھینچے ہوئے تلوار کھڑے ہیں
ہم شکل نبی لڑنے کو تیار کھڑے ہیں
یہ کہتے ہیں جس طرح سے دو گے ابھی لیں گے
یہ سنتے ہی خیمے میں تلاطم ہوا اک بار
چلائی بہن صدقے ہو یا سیدِ ابرار
زخمی ہوئے گر آپ تو مر جاؤں گی بھائی
تم کو علی اکبرؑ کی قسم خیمے میں آؤ
صدقے کیے بیٹے مجھے تم شکل دکھاؤ
کس واسطے حضرت چلے آتے نہیں گھر میں

کیا کیا پسر سعد کے غم خواروں کو مارا
ساونتوں کو پسپا کیا جراروں کو مارا
ان چھوٹے سے ہاتھوں سے بڑی تیغ زنی کی
یہ تیغے ان دونوں کے قبضوں سے چھڑا لو
ان چھوٹے سے شملوں کو سرہانے سے اٹھا لو
سر پیچ کے ان لاشوں کو لے جائیں گے شبیرؑ
دوڑو کہ مرے بھانجے دنیا سے سدھارے
لوگو مرے فرزندوں نے سر ماموں پہ وارے
لاشوں کو اٹھانے کے لیے جاتے ہیں شبیرؑ
میداں سے برات آتی ہے آنسو نہ بہاؤ
ڈیوڑھی پہ جو آئی ہو سواری تو بلاؤ
مجھ کو تو کچھ آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا
رو کر یہ خبر زینبؑ بیکس کو سنائی
اب ہوتی ہے لاشوں کے اٹھانے پہ لڑائی
معصوموں کے مردے بھی اٹھانے نہیں دیتے
بپھرے ہوئے عباسؑ علمدار کھڑے ہیں
قاسمؑ بھی سنبھالے ہوئے ہتھیار کھڑے ہیں
وہ کہتے ہیں سر دیں گے پہ لاشوں کو نہ دیں گے
در پر گئی تھراتی ہوئی زینبؑ ناچار
پھر آؤ مجھے بیٹوں کی لاشیں نہیں درکار
سر پیٹتی خیمے سے نکل آؤں گی بھائی
لاشے جو اٹھانے نہیں دیتے نہ اٹھاؤ
میداں سے بھتیجوں کو مرے پھیر کے لاؤ
جو دیتے ہیں صدقہ اسے لاتے نہیں گھر میں

معلوم ہوا مارے گیے برچھیاں کھا کر
ہیں ان کو نہ رکھ چھوڑتی چھاتی سے لگا کر
خوں میں انھیں سرشار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
میں بیٹوں کے دیدار کی طالب نہیں زہرا
تم چار جواں اور اُدھر لاکھ ستمگار
منھ سے کہیں بانو کے خجالت نہ ہو مجھ کو
چلّا کے یہ بانو علی اکبرؑ کو پکاری
جی بھر کے جو کرنے کی نہیں گریہ و زاری
پامال ہوں لاشے یہ گوارا تمھیں کب ہے
تھا ماں کے جو رونے سے کلیجہ تہ و بالا
آنکھوں سے بہے اشک مگر دل کو سنبھالا
اک لاش کو وہ آپ بصد یاس لیے ہیں
زینبؑ کو لیے بیبیاں گھر میں گئیں باہم
داخل ہوئے لاشوں کو لیے سرورِ عالم
حیران تھی کچھ منھ سے نہ کہہ سکتی تھی زینبؑ
کہتی تھی سمجھتی نہیں کیسی ہے یہ فریاد
اکبرؑ بھی جیے اصغرؑ بھی جیے جیتا رہے سجادؑ
سب مل کے عبث ہوش مرے کھوتے ہو لوگو
سر کھولے ہیں کیوں سب نے مجھے آتا ہے وسواس
اکبر سا پسر جیتا ہے میں تو نہیں بے آس
منھ ڈھانپتے ہو کیوں یہ کوئی رونے کی جا ہے
کہنے کو کہا یہ، مگر آنسو نکل آئے
لاشے وہیں لا کر شہِ بیکس نے لٹائے
تعظیم کو اُٹھتے ہوئے گرنے لگی زینبؑ

جیتے نہیں جو ماں سے لپٹ جائیں گے آ کر
آتے بھی مرے پاس تو سوتے وہیں جا کر
گر آخری دیدار نہ دیکھا تو نہ دیکھا
صدقے کروں حضرت پہ جو سو ایسے ہوں دلدار
ہم شکلِ پیمبرؐ سے کہو کھینچیں نہ تلوار
خاتونِ قیامت سے ندامت نہ ہو مجھ کو
بے لاشے لیے رن سے نہ تم آئیو واری
مر جائیں گی صدمے سے پھوپھی جان تمھاری
ماں بیٹوں کا دیدار نہ دیکھے تو غضب ہے
مُنھ پردے سے گھبرا کے سکینہؑ نے نکالا
بولی کہ لیے آتے ہیں لاشے بشر والا
اک لاش کو آغوش میں عباسؑ لیے ہیں
سر کھول دیے سب نے بچھا کر صفِ ماتم
غل پڑ گیا حیدرؑ کے نواسے ہوئے بےدم
سب روتے تھے ایک ایک کا منھ تکتی تھی زینبؑ ۳۰
تم سب کو ہے کس بات کا غم میں تو ہوئی شاد
گھر میں نہ ہوئی تو نہ ہوئی اک مری اولاد
بھائی تو بھرے خیر سے کیوں روتے ہو لوگو
ہے ہے نہ کرو بھائی کو آنے دو مرے پاس
قاسم تو سلامت ہیں جو بیٹوں سے ہوئی یاس
ماموں پہ یہ صدقے ہوئے خوش ہونے کی جا ہے
سب بیبیوں نے پیٹ کے سر اشک بہائے
زینبؑ کے قریب بیٹھ گئے سر کو جھکائے
گردِ پسرِ فاطمہؑ پھرنے لگی زینبؑ

روتے لگے زینبؑ سے لپٹ کر شہِ دلگیر فرمایا کہ میں تجھ پہ فدا اے مری ہمشیر
لاشوں کو کرو پیار، جو ہے خاطرِ شبیرؑ اک دم میں چلے جائیں گے یہ کشتۂ شمشیر
ان لاشوں کو لو گود میں اپنی کہ ہو ماں تم پھر بیٹوں کا دیدار کہاں اور کہاں تم
بس آگے نہ دے طول انیسِ جگر افگار بیتاب ہے دل سینے میں اور چشم ہے خونبار
اس مرثیے کا دیں گے صلہ احمدؐ مختار محروم رہے کوئی وہ ایسی نہیں سرکار
غم کھا نہ ترے قدر شناس ابن علیؑ ہیں فیاض دو عالم ہیں سخی ابن سخی ہیں

رباعی

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں انیس
کیوں رک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

رباعی

غفلت میں نہ عمر کو بسر کر
انجام پہ اک ذرا نظر کر
اس طول امل سے فائدہ کیا
کل کوچ ہے قصہ مختصر کر

رباعی

اے خالق ذوالفضل و کرم رحمت کر
اے دافع ہر رنج و الم رحمت کر
سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری
اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

٨

مرثیہ

بند ۱۰۶

غل آمدِ عباسؑ کا ہے فوجِ ستم میں
روباہوں کو دھڑکا ہے کہ شیر آتا ہے ہم میں
سردار جھکائے ہوئے سر بیٹھے ہیں غم میں
سب کہتے ہیں نازل ہوئی آفت کوئی قوم میں
کون اس سے لڑے گا وہ شجاعِ ازلی ہے
شوکت میں ہے جعفر تو شجاعت میں علیؑ ہے

جانباز ہے جرّار ہے صفدر ہے وہ غازی
جرأت میں ہزاروں کے برابر ہے وہ غازی
بے شبہ و شک ثانیِ جعفر ہے وہ غازی
اے لشکریو رستمِ لشکر ہے وہ غازی
لاکھوں ہیں پہ اس سج کا جواں ہم میں نہیں ہے
ہم کیا ہیں کہ ایسا کوئی عالم میں نہیں ہے

وہ شیرِ خدا دلبرِ ضرغامِ خدا ہے
بابا کا یہ رتبہ ہے کہ ہم نامِ خدا ہے
دیندار ہے وابستۂ احکامِ خدا ہے
ضرب اس کی ہر اک ضربتِ صمصامِ خدا ہے
تھرّاتے ہیں ساتوں فلک اس تیغ کے ڈر سے
نے کوہ سے رکتی ہے نہ جبریلؑ کے پر سے

اس تیغ سے وقفہ ہمیں دم بھر نہ ملے گا
لاشے نظر آئیں گے یہ لشکر نہ ملے گا
سر ہاتھ جو آوے گا تو پیکر نہ ملے گا
پیکر جو ملا سر معِ افسر نہ ملے گا
آیا وہ پئے جنگ تو کب ہوش رہیں گے
چار آئینے والے نہ زرہ پوش رہیں گے

اس شیر کی شمشیر ہے مفتاحِ درِ فتح
بندوں کی طرح رہتا ہے قدموں پہ سرِ فتح
ہر گام پہ دیتی ہے شجاعت خبرِ فتح
آمد سے بہادر کی عیاں ہے اثرِ فتح
آئینۂ اجلال و حشم سینہ ہے اُس کا
اقبال بھی اک خادمِ دیرینہ ہے اُس کا

ہاتھ آئی کسے خلق میں اس طرح کی توقیر
ہم پنجۂ دستِ احدی بازوئے شبیرؑ
کیا قدرتِ اللہ ہے اللہ ری تقدیر
گر شیرِ خدا مصحفِ ناطق تو یہ تفسیر
بابا کی طرح صاحبِ شمشیر و علم ہیں
حرمت یہ علاوہ ہے کہ سقائے حرم ہیں

الفت میں ہیں عباسؑ امام دوجہاں ایک
ان دونوں کے قالب تو ہیں دو اور ہے جان ایک
دل ایک جگر ایک زباں ایک بیاں ایک
مرجائے جو ہو ایک کی آنکھوں سے نہاں ایک
سردار ہو ایسا جو ملازم ہو تو ایسا
آقا ہو تو ایسا ہو جو خادم ہو تو ایسا

ہشیار رہو نہر سے اے مورچے والو
ہاں چلّوں سے تیرا اے قدر انداز ملا لو
آمد ہے علمدار کی نیزوں کو سنبھالو
کھولو سپریں تیغ میانوں سے نکالو
تیغ ان کے پدر کی سر مرحب پہ چلی ہے
عباسؑ علی وارث شمشیر علیؑ ہے

جس طرح کہ خیبر میں لڑے فاتح خیبر
لاکھوں سے اسی طرح لڑے گا یہ دلاور
سر کردی لڑائی جو اسے کردیا بے سر
گھٹ جائے گا زور بدن سبط پیمبرؐ
ٹوٹے گی کمر ماتم سقائے حرم میں
مرجائے گا سردار علمدارؑ کے غم میں

زینت وہ علم کی تو علم اس کا حشم ہے
شوکت میں یہ افضل نہ بزرگی میں یہ کم ہے
وہ آیۂ رحمت ہے تو یہ ابر کرم ہے
بے مثل علمدار ہے نایاب علم ہے
دونوں کا شرف سارے زمانے پہ عیاں ہے
احمدؐ کا نشاں وہ ہے یہ حیدرؑ کا نشاں ہے

ہو ایک طرف جمع اگر ساری خدائی
عباسؑ سے ہونے کی نہیں عہدہ برآئی
جانیں نہ بچیں گی کہ غضب کی ہے لڑائی
اور شیر کی آمد کو یہ سمجھو اجل آئی
یہ لشکر رومی و عراقی نہ رہے گا
دو لاکھ جواں میں کوئی باقی نہ رہے گا

دیکھا جو عمر نے کہ تزلزل میں ہے لشکر
یوں کہنے لگا جا کے ہر اک صف کے برابر
عباسؑ جو آتا ہے تو کس بات کا ہے ڈر
اے غازیو کیوں کانپتے ہو خوف سے تھرتھر
فاقے سے کئی دن کے ہے اور تشنہ دہاں ہے
یاں لاکھ نمودار ہیں اور ایک جواں ہے

کس کس سے لڑے گا اسداللہ کا پیارا
ہے لاکھ جوانوں کو کبھی ایک نے مارا!
یہ ننگ سپاہی نہیں کرنے کا گوارا
تلواروں سے ہاں روک لو دریا کا کنارا!
اولاد علےؑ سے جو اسی طرح ڈرو گے
کیوں کر پسر فاطمہؑ کو ذبح کرو گے

عباسؑ تو ہے حیدرؑ صفدر کی نشانی
تصویر پیمبرؐ ہے ابھی تم کو مٹانی
میداں میں وہ دکھلائے گا کیا زور جوانی
کھانا تو کہاں جس کو میسر نہیں پانی
تلواروں سے کاٹو سر عباسؑ علیؑ کو
بیکس کرو فرزند رسولؐ عربی کو

طالب ہوا گر زر کے تو لو درہم و دینار
باقی نہیں اب کوئی، اگر ہے تو علمدار
خالی ہو جو دنیا پسرِ شیرِ خدا سے
منظور نہیں راحتِ فرزندِ پیمبرؐ
دیکھوں تو تڑپتا ہے علمدارِ دلاور
تم لوگ انھیں لاش پہ آنے نہیں دیتے

راضی ہوئے خونریزی پہ وہ زر کے طلبگار
تھے تیس ہزار اک صفِ اوّل میں کماندار
دواں میں سوارانِ عراقی کے پرے تھے
دہنی طرف اک فوج تھی بائیں طرف اک فوج
کھولے جو پھریرے تو نشانوں کو ملا اوج
تھا خوف نجومِ انکدرت چرخِ بریں کو

ہر سمت سے ڈھالوں کی گھٹا دشت میں چھائی
پوشیدہ تھی رہواروں کی ٹاپوں سے ترائی
نیزوں سے وہ سب دشت نیستان ہوا تھا
یہ کہہ کے سروہی کو چٹاتا تھا کوئی سنگ
چار آئینہ و خود و زرہ ہے مرا چورنگ
شادی ہے کہ گھر ہووے گا تاراج علیؑ کا

تھا نعرہ زناں فوج میں یوں شمرِ ستمگار
کھینچے ہوئے تلواریں رہو جنگ پہ تیار
بڑھ بڑھ کے نہ عباسؑ خوش اوقات سے لڑنا
وہ دہنی طرف برچھیوں والو تم اگر آئے
رُخ کر کے سواروں پہ اگر تیغ کو چمکائے
اس شیر کو دریا کی ہوا کھانے نہ دینا

قیمت سرِ عباسؑ کی ہوں دینے کو تیار
ہاں غازیو توڑ دو کمرِ سیّدِ ابرار
بھر دوں گا سواروں کی رکابوں کو طلا سے
اک عید ہو بچھڑے جو برادر سے برادر
ہاتھوں سے کمر پکڑے چلے آتے ہیں شبّرؑ
عباسؑ کا مردہ بھی اُٹھانے نہیں دیتے

دریا کے کنارے پہ جمیں جا کے صفیں چار
اور اُن کے عقب برچھیاں تانے ہوئے خونخوار
تلواروں کو کھینچے ہوئے کاندھوں پہ دھرے تھے
نقارے تھے گھوڑوں پہ کہیں اک تو کہیں زوج
دریا کی طرح لشکرِ کیں مارتا تھا موج
رہواروں کی ٹاپوں سے تزلزل تھا زمیں کو

جب دیکھا تو تلوار چمکتی ہوئی پانی
دریا نے بھی پیاسوں سے شکل اپنی چھپائی
اک پیاسے سے لڑنے کا یہ سامان ہوا تھا
یہ چمکے گی جب سر پہ تو ٹھہرے گی تہِ تنگ
عباسؑ کے ہاتھوں کو میں کاٹوں گا دمِ جنگ
دنیا سے مٹا دوں گا نشان آج علیؑ کا

ہاں! غازیو ہاں نہر سے ہشیار خبردار
آتا ہے وغا کو خلفِ حیدرِ کرّار
اُس شیر سے لڑنا تو ذرا گھات سے لڑنا
بائیں سے کمانداروں کی صف تیروں کو برسائے
پہلو سے پیادوں کا پرا کے لپٹ جائے
اس قلعۂ آہن سے نکل جانے نہ دینا

تھی فوج اِدھر مستعدِ قتلِ علمدار
بیتاب تھے بسمل کی طرح سیدِ ابرار
اُٹھتے تھے کبھی اور کبھی غش ہوتے تھے شبیرؑ
سمجھاتی تھی صدقے ہو بہن جی کو سنبھالو
روٹھے ہوں جو عباسؑ دلاور تو منا لو
یہ کشتۂ اندوہ جدائی نہ سہے گا
کیا مجھ کو سنبھالے ہو بہن بھائی تلک جاؤ
منت کرو عباسؑ کا سر چھاتی سے لپٹاؤ
کچھ فکر نہیں جی سے گزر جائے گا شبیرؑ
زینبؑ وہ جواں ہے مری پیری کا سہارا
کوچ اس کا نہیں خلق سے ہے کوچ ہمارا
یہ دولتِ بیدار ڈبوئی نہیں جاتی
اس بھائی کا مرنا مجھے خالق نہ دکھائے
عباسؑ جنازہ مرا کاندھے پہ اُٹھائے
ہم پیر ہیں جینے کی ہمیں آس کہاں ہے
یہ کہہ کے تڑپتے تھے شہِ بیکس و مضطر
تھے مضطر و بیتاب حرم کھولے ہوئے سر
رومال تو ہے آنکھوں پہ منھ اشکوں سے تر ہے
گودی میں ہیں مظلوم سکینہؑ کو سنبھالے
فرماتے ہیں بیٹوں سے کہ اے نازوں کے پالے
دروازے پہ جا جا کے خبر لائیو بیٹا
سائے کی طرح تم نہ کبھی پاس سے جانا
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو سدا سامنے آنا
گر قید ہو یہ بعد شہنشاہِ زمن کے

عباسؑ اُدھر سج رہے تھے جنگ کے ہتھیار
بھائی کو سنبھالے ہوئے تھی زینبِؑ ناچار
زینبؑ بھی تڑپ جاتی تھی جب روتے تھے شبیرؑ
شہ کہتے تھے بیتاب ہوں بھائی کو بلا لو
کہہ دو کہ ذرا بھائی کو چھاتی سے لگا لو
جس کے لئے مرتے ہو وہ بھائی نہ جئے گا
تم کو سرِ اکبرؑ کی قسم ہے اُسے سمجھاؤ
بن پانی کہاں غش ہے سکینہؑ کو بلاؤ
یہ داغ ہے وہ داغ کہ مر جائے گا شبیرؑ
بچپن سے میں پیارا ہوں اُسے وہ مجھے پیارا
کس طرح کریں صبر نہیں صبر کا یارا
تصویرِ علیؑ ہاتھ سے کھوئی نہیں جاتی
ہیں اس کو نہ روؤں وہ مری قبر بنائے
ہاتھوں سے علمدار مجھے گاڑنے جائے
قابل نہیں مرنے کے ابھی وہ تو جواں ہے
پروانہ سی گردِ شہِ دیں پھرتی تھی خواہر
دیکھا کہ چلے آتے ہیں عباسِؑ دلاور
زوجہ تو پسِ پشت ہے پہلو میں پسر ہے
اور ننھے سے ہاتھوں کو وہ گردن میں ڈالے
کرتا ہے پدر تم کو سکینہؑ کے حوالے
شہزادی کو تم کھیل میں بہلائیو بیٹا
ان ننھے سے قدموں کے تلے آنکھیں بچھانا
یہ بیٹھے تو رومال کھڑے ہو کے ہلانا
رکھ دیجو گلا دوڑ کے حلقے میں رسن کے

ان باتوں کو سن کے پسر کرتا تھا زاری
عباسؑ کے بھی اشک تھے رخساروں پہ جاری
کہتے تھے سکینہؑ سے میں صدقے مری پیاری
شفقت رہے اس پر یہ نشانی ہے ہماری
اک عبد وفادار مدام اپنا سمجھنا
تم بعد مرے اس کو غلام اپنا سمجھنا

اشک آنکھوں میں بھر بھر کے یہ کہتی تھی وہ نالاں
میں آپ پہ اور آپ کے فرزند پہ قرباں
بھائی کو غلامی میں دیا واہ چچا جاں
کیا کہتے ہو کچھ یہ تو جدائی کا ہے ساماں
بابا کے بھی رونے کا نہ کچھ پاس کروگے
کیا ان کو یتیم اور ہمیں بے آس کروگے

بہلاتے تھے عباسؑ بصد اشک فشانی
کیوں روتی ہو تم یہ مرا مطلب نہیں جانی
عاشق کہیں جاتے ہیں تو دیتے ہیں نشانی
ہم نہر سے بی بی کے لیے لاتے ہیں پانی
وہ کہتی تھی آنا ہو تو جلد آئیو عمّو
کوثر پہ نہ پانی کو چلے جائیو عمّو

زینب کی طرف دیکھ کے فرمانے لگے شاہ
درپیش تھا جس بات کا دھڑکا مجھے واللہ
لو بھائی کو تھامو کہ کمر ٹوٹتی ہے آہ
عباسؑ چلے مرنے تو ہم بھی ہیں سر راہ
خنجر کوئی رہ رہ کے لگاتا ہے جگر کو
تم دل کو سنبھالو میں پکڑتا ہوں کمر کو

آ پہونچا قریب شہ کے علمدار قضا را
آغوش مبارک سے سکینہؑ کو اتارا
قدموں پہ جھکا بھائی کے وہ بھائی کا پیارا
حضرت نے کہا چھوڑتے ہو ساتھ ہمارا
سر قدموں سے سرکاؤ میں قربان برادر
لو روؤ نہ اللہ نگہبان برادر

آداب بجا لا کے تصدق ہوئے عباسؑ
غش ہو گئے صدمے سے شہ بیکس و بے آس
روتے ہوئے عباسؑ چلے گھر سے بصد یاس
سر کھولے ہوئے غول تھا رانڈوں کا چپ و راس
ٹوٹا تھا فلک زوجۂ عباسؑ حزیں پر
اٹھتی تھی کبھی اور کبھی گرتی تھی زمیں پر

چلاتی تھی ہے ہے مرے صفدر مرے والی
لونڈی کے بھرے گھر کو کیے جاتے ہو خالی
دم لو کہ ذرا ہوش میں آلیں شہ عالی
مر جائے گی بعد آپ کے یہ پیٹنے والی
اک لحمہ مرے پاس ٹھہرتے ہوئے جاؤ
جاتے ہو تو بسمل مجھے کرتے ہوئے جاؤ

مڑ کر کہا عباسؑ نے با خاطر ناشاد
صاحب ابھی لازم نہیں یہ نالہ و فریاد
دنیا میں کیا حق نے تمہیں صاحب اولاد
گبھرا تو ہوئی صبح شب عقد کو برباد
دیکھو گی جو اس کو تو کلیجہ نہ پھٹے گا
شہزادی کی خدمت میں رنڈاپا بھی کٹے گا

فرما کے یہ دروازے پہ روتے ہوئے آئے
موزے قدم پاک میں خادم نے چڑھائے
ہے قصد سوئے لشکر کفار ہمارا

حاضر ہوا شبدیز علمدار دلاور
وہ ساز کا عالم وہ گندھی چوٹیاں یکسر
پانی جو نہ پہونچا تھا بہم تشنہ دہاں کو
القصہ چڑھے گھوڑے پہ عباسؑ علمدار
وہ چاند سی صورت وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
تکتے تھے عدو بازوئے شاہ مدنی کو
یہ ذکر ابھی تھا کہ سواری نظر آئی
شان چمن قدرت باری نظر آئی
آتا تھا جری ڈالے ہوئے گھوڑے کو رن میں
نور رخ عباسؑ سے صحرا ہوا معمور
سایے کی جگہ دھوپ تھی اور دھوپ کی جا نور
ذرے کا بھی تھا اختر اقبال چمک پر

مطلع

بیت ابروؤں کی مطلع دیوان علیؑ ہے
نرگس ہے مگر نرگس بستان علیؑ ہے
زیبا ہے اگر کعبۂ ایماں انھیں کہیے
رنگ گل خورشید ہیں رخسارۂ تاباں
ہے مہر تہ ابر کہ ہے رحل پہ قرآں
خالق نے دل شب میں جگہ دی ہے سحر کو
درج گہر بحر فصاحت یہ دہاں ہے
اس لب میں ہے جو لعل میں وہ آب کہاں ہے
تابندہ نہ کیوں کر ہوں اگر ایسی صدف کے

اور بیٹھ گئے کرسی پہ ہتھیار لگائے
کرسی سے جو اٹھے تو سخن لب پہ یہ لائے
اصطبل سے لائے کوئی رہوار ہمارا

جس طرح دولھن آتی ہے پہنے ہوئے زیور
ٹھوں پہ بھلی لگتی تھی کیا آہنی پاکھر
غصے سے چباتا تھا دہانے میں زباں کو
بجلی کی طرح کوند گیا دشت میں رہوار
سر تا بہ قدم دبدبۂ حیدر کرار
غل تھا کہ علیؑ آئے ہیں خیبر شکنی کو
پنہاں ہوئی گرد اور کبھی باری نظر آئی
آمد اسد اللہ کی ساری نظر آئی
تھیں پھولوں کی لپٹیں کہ چلی آتی تھیں بن میں
خورشید فلک شرم سے تھا ابر میں مستور
اشجار بیاباں ستم تھے شجر طور
کرتے تھے حقارت سے نظر شمس و قمر پر
اس دیدۂ حق بیں پہ فدا جان علیؑ ہے
ان پردہ تصدق ہے جو قربان علیؑ ہے
گر کہیئے تو سرچشمۂ عرفان علیؑ ہے
تفسیر ہے خط اور یہ رخ صفحۂ قرآں
یا صفحۂ سیمیں پہ رقم ہے خط ریحاں
اس حسن سے دیکھا نہیں ہالے میں قمر کو
یا غنچۂ سر بستۂ گلزار جناں ہے
ہیرے کی چمک گوہر دنداں سے عیاں ہے
نایاب نگینے ہیں یہ سب در نجف کے

گردن پہ خدا نور کے سانچے میں ڈھلی ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
نور اس کا ضیا بخش شبستانِ علیؑ ہے
ہاں شمعِ سرِ طور بھی غیرت سے جلی ہے
حوروں کی زبانوں پہ بھی افسانہ ہے اس کا
کہتے ہیں جسے مہر وہ پروانہ ہے اس کا

کس حسن سے تیار ہیں اس شیر کے شانے
مہتاب کو شرمندہ کیا جن کی ضیا نے
بخشا ہے عجب بازوؤں کو زور خدا نے
قدر اس کی بجز سبطِ نبیؐ کیا کوئی جانے
مارے جو طمانچہ تو جگر شیر کا پھٹ جائے
دو انگلیوں سے کوہ کو ریلے تو الٹ جائے

غل تھا کہ جہاں میں علم ایسا نہیں دیکھا
زر ریز ہے پنجہ کرم ایسا نہیں دیکھا
اقبال و جلال و حشم ایسا نہیں دیکھا
سرداروں میں ثابت قدم ایسا نہیں دیکھا
طوبیٰ ہو تو ایسا مہ کامل ہو تو ایسا
ایسے علمِ نور کا حامل ہو تو ایسا

بولا کوئی پوشاک کی زیبائی کو دیکھو
اس قامتِ پُر نور کی رعنائی کو دیکھو
خادم بھی جلو میں نہیں تنہائی کو دیکھو
فاقہ ہے مگر دل کی توانائی کو دیکھو
کس حسن سے لڑنے کے طلبگار کھڑے ہیں
کس شان سے تولے ہوئے تلوار کھڑے ہیں

عالم میں ہوئے چار اولوالعزم علمدار
اک حضرت حمزہؑ تھے تو اک جعفرِ طیارؑ
بعد ان کے ہوئے زیبِ علم حیدرِ کرارؑ
عباسؑ اب اس منصبِ والا کا ہے مختار
کرسی کے بھی پائے سے سوا پایا ہے رتبہ
کیا دست بدست اس کو یہ ہاتھ آیا ہے رتبہ

اللہ رے اللہ عجب شانِ علم ہے
سب عالمِ بالا بھی ثنا خوانِ علم ہے
رحمت کا یہ دریا ہے یہ دامانِ علم ہے
خورشید ہے یا پنجۂ تابانِ علم ہے
ہے نور کا عالم یہ علم فوجِ خدا پر
موسیٰ نے دھرا ہے یدِ بیضا کو عصا پر

انوارِ الٰہی کا خزینہ ہے یہ سینہ
دریائے شجاعت کا سفینہ ہے یہ سینہ
ہم رتبۂ تابوتِ سکینہؑ ہے یہ سینہ
گھر جس میں وفا کا ہے وہ سینہ ہے یہ سینہ
مہتاب خجل نور میں خورشید ضیا میں
آئینے کا پردہ ہے گریبانِ قبا میں

کیا لکھیے ثباتِ قدمِ بازوئے شبیرؑ
کاغذ پہ سیاہی نہیں چلتی دمِ تحریر
ٹلتا نہیں خط ان کا مثالِ خطِ تقدیر
اقلیمِ شجاعت ہے انھیں قدموں کی جاگیر
تلواروں کے سودا اگر سر پہ چلیں گے
یہ پاؤں جگہ سے نہ ہٹے ہیں نہ ہٹیں گے

خاک اس کے جو نقشِ قدمِ پاک کی پائیں
افلاک سے آ کر ملک آنکھوں کو بچھائیں
حورانِ جناں کُحلِ بصر اُس کو بنائیں
زُہّاد و تیمم کے لئے فخر سے جا ہیں
اس خاک پہ طائر کوئی لوٹے تو ہُما ہو
اعمیٰ اسے آنکھوں سے لگائیں تو ضیا ہو

یہ شانِ علم اور پھریرے کا وہ عالم
یہ ابرِ کرم ہے تو وہ ہے نیّرِ اعظم
پنجے کو ہے پردے سے نکالے ہوئے مریمؑ
انگشتِ شہادت سے اشارہ ہے یہ ہر دم
یہ عرش کا رتبہ ہے نہ افلاک کا رُتبہ
ہے سب سے فزوں پنجتنِ پاک کا رُتبہ

سرو چمن آرائے ہدایت ہے یہ رایت
یا سورۂ والشمس کی آیت ہے یہ رایت
مہر فلکِ لطف و عنایت ہے یہ رایت
دستِ کرمِ شاہِ ولایت ہے یہ رایت
جو سائے میں اس کے ہے وہ ہے ظلِّ ہما میں
اعجاز ہے عیسیٰ کا پھریرے کی ہوا میں

ذکرِ علم حمد ہے قرآن میں آیا
شیعوں کے سروں کا ہے یہی حشر میں سایا
مصروف جو اُمّت کی طرف شاہ کو پایا
ہے بہرِ دعا ہاتھ علم نے بھی بڑھایا
شکل کفِ سائل جو ہے پنجہ یہ سبب ہے
اللہ سے اُمّت کی شفاعت کی طلب ہے

یہ وہ ہے علم جس کو پیمبرؐ نے اُٹھایا
کس فخر سے حمزہؑ سے دلاور نے اُٹھایا
ہاتھ آیا شرف جب اسے جعفرؑ نے اُٹھایا
وہ اُٹھ گئے دنیا سے تو حیدرؑ نے اُٹھایا
ہو گا یہ ہُما سایہ فگن اب نہ کسی پر
بس خاتمہ ہے حضرتِ عباسِ علی پر

ناگاہ علمدار نے جولاں کیا رہوار
ڈنکے پہ لگی چوب میانِ صفِ اشرار
آواز سے قرنا کی لرزنے لگے کفّار
تھی صاف صدا ہائے علمدار علمدار
شکل کفِ افسوس جلاجل سے عیاں تھی
مچھلی بھی نشانوں کی پھریرے میں طپاں تھی

کڑکا ہوا میدانِ شہادت میں قضا را
صحرائے پُر آشوب لگا گونجنے سارا
تلواریں چمکنے میں یہ کرتی تھیں اشارا
قبضے میں ہیں غیروں کے نہیں زور ہمارا
چلّوں سے ملاتے تھے عدو تیر جو رن میں
انگشتِ تأسف تھی کمانوں کی دہن میں

تانے تھا جو سینہ اسداللہ کا فرزند
تھرّاتا تھا نیزہ کا بھی دہشت سے ہر اک بند
انگلی سے بتاتے تھے نہ گویائی تھی ہر چند
یہ حیدرِ صفدر کے کلیجے کا ہے پیوند
نشانِ اسداللہ ہے اس تشنہ گلو میں
آلودہ نہ کرنا ہمیں پیاسے کے لہو میں

ناگاہ کہا شمر نے یہ رونے پہ آکر
ہے لشکرِ قہار کہ اُمڈا ہے سمندر
کیا قصد ہے اے وارثِ ذریتِ حیدر
گر صلح کریں آپ تو ہے جنگ سے بہتر
ہوگا یہ تلاطم کہ دلِ کوہ ہلے گا
ان تیغوں کے گھاٹوں میں تمھیں گھاٹ ملے گا

عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے
جاتا ہے کہاں ظالمِ غدار ہم آئے
اک وار میں اس پار سے اس پار ہم آئے
لے نہر سے اور گھاٹ سے ہشیار ہم آئے
تلوار کے وارث تہِ افلاک ہمیں ہیں
آبِ دمِ شمشیر کے پیراک ہمیں ہیں

ہے زورِ علیؑ ہر رگ و ریشے میں ہمارے
کٹتا ہے پہاڑ ایک ہی تیشے میں ہمارے
شیر آ نہیں سکتا کبھی بیشے میں ہمارے
ثابت قدمی آئی ہے پشتے میں ہمارے
دیکھیں تو ہم اس تیغِ شرر دم کو تو روکو
دریا کو تو روکا ہے بھلا ہم کو تو روکو

فرما کے یہ شمشیرِ شرر دم کو نکالا
ہالہ ہوا رہوار کو کاوے پہ جو ڈالا
ڈھالوں کا اُٹھا ابر ہر اک سمت سے کالا
بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا
غل ہوتا تھا کرتے تھے دو پارہ جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

چمکی جو علمدار کی شمشیرِ شرر بار
معلوم ہوا عنصرِ خاکی کرۂ نار
نعرہ کیا غازی نے کہ یا حیدرِ کرار
چھیڑا جو ذرا بیچ میں تھا فوج کے رہوار
بجلی سے یکایک جو گرے لشکرِ کیں پر
رہوار تھے اسواروں پہ اسوار زمیں پر

گھوڑے کو جو ڈپٹا کے کوئی سامنے آیا
رہوار سے رہوار کو غازی نے ملایا
بازوئے یداللہ کا زور اس کو دکھایا
تلوار کا قبضہ سرِ دشمن پہ لگایا
اللہ ری ضرب اس کی گیا خود تو سر میں
سر سینے میں پنہاں ہوا اور سینہ کمر میں

شمشیر تھی اک صاعقۂ قہرِ الٰہی
دم میں ہوئی نابود و نمودار سیاہی
ہر غول پہ ادبار تھا ہر صف پہ تباہی
تیغوں کی سپیدی تھی نہ ڈھالوں کی سیاہی
بھاگے چلے جاتے تھے عدو جان کے ڈر سے
گرتی تھی جو سر پر تو اُترتی تھی کمر سے

للکارے یہ دریا کی طرف باگ اُٹھا کر
لو نہر میں ہم جاتے ہیں رکئے کوئی آ کر
اسوار بہم ہو گئے نیزوں کو ہلا کر
چلّائے عدو تیر کمانوں میں ملا کر
بڑھنا نہ خبردار جو اندیشۂ جاں ہے
واں گھاٹ ہے تیغوں کی تو یاں تیر و کماں ہے

دریا کے کنارے پہ ہے وہ قلزمِ قہر
ہے خنجر و شمشیر و سناں جس کی ہر اک لہر
اس بحر سے ہو پار تو پہونچو کہیں تا نہر
چشمہ تو وہ شیریں ہے مگر ہے اثرِ زہر
بے خوں میں ہوئے غرق نکل جاؤ تو دیکھیں
اس نہر سے اس مشک کو بھر لاؤ تو دیکھیں

عباسؑ نے نعرہ کیا رُکتے ہیں کہیں شیر
ہیں شیرِ الٰہی کے پسر صاحبِ شمشیر
یہ کہہ کے جو چھپٹے تو زبردست ہوئے زیر
تلوار کے گھاٹ اُن کو اُتارا نہ لگی دیر
تیغیں نہ صفیں اور نہ وہ قلزم نظر آیا
دریا پہ سمندر کا تلاطم نظر آیا

عباسؑ جب اُس خون کے دریا کو گئے پیر
گھوڑے سے کہا حال بہت پیاس سے ہے غیر
چل نہر پہ اب جلد کہ ہے خاتمہ بالخیر
اعدا کے سروں پر سے اُڑا اسپِ فلک سیر
بس چار مہ نو تو ہوا پر نظر آئے
عباسِ علیؑ نہر کے اندر نظر آئے

دریا میں جو پہونچا اسد اللہ کا پیارا
للکار کے یوں فوج کو غازی نے پکارا
تم سب یہی کہتے تھے کہ ہے گھاٹ ہمارا
بتلاؤ تو دریا ہے ہمارا کہ تمھارا!
تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے
لو آؤ تو اب ہم تمھیں آنے نہیں دیتے

پیشانی پہ سجدے کا نشاں ہے کہ ستارا
پانی رُخِ پُر نور سے روشن ہوا سارا
ہر مردمِ آبی یہ خوشی ہو کے پکارا
عباسؑ کے چہرے کا کرو چل کے نظارا
منھ ملنے لگیں مچھلیاں دامانِ علم پر
اُٹھ اُٹھ کے حباب آنکھوں کو ملتے تھے قدم پر

آئی یہ ندا حضرتِ الیاسؑ کی یکبار
صدقے ترے اے فوجِ حسینی کے علمدار
ہوں غرقِ خجالت کہ ہیں پیاسے شہِ ابرار
ناحق یہ جفا کرتے ہیں سیّد پہ ستمگار
یہ نہر ہے جس کا اسے کیا آج قلق ہے
شاہد ہوں میں اس کا یہ شبیرؑ کا حق ہے

بھر لیو تو اے حیدرِ کرار کے جانی
اک جام میں میں لا کے پلا دوں تجھے پانی
کہنے لگے عباسؑ بصد اشک فشانی
بھولی نہیں آقا کی مجھے تشنہ دہانی
جو بیس پہر پیاس کی تکلیف سہی ہے
جس لڑکی کا سقّہ ہوں وہ دم توڑ رہی ہے

بیتاب کیا دل کو سکینہؑ کے جو غم نے
جلدی سے بھرا مشک کو سقّائے حرم نے
خیمے کی طرف رُخ کیا اُس ابرِ کرم نے
کی جست یکایک فرسِ تیز قدم نے
لڑتے ہوئے افضالِ خدا سے نکل آئے
پیاسے گئے اور نہر سے پیاسے نکل آئے

دریا سے نکلنا تھا کہ پھر فوج نے گھیرا
وہ چاند تھا اور شام کے بادل کا اندھیرا
سو گرز پڑے گھوڑے کی جدھر باگ کو پھیرا
نعرہ تھا کہ اللہ مددگار ہے میرا
لاکھوں ہیں تو کیا ہیں نہ رکوں گا نہ رکا ہوں
روباہ ہیں یہ میں پسرِ شیرِ خدا ہوں

لہراتا تھا سر پر علمِ دیں کا پھریرا
تلوار سے پانی تھا ستمگاروں کا زہرا
تھا زخم بدن پر کہیں اوچھا کہیں گہرا
رہوار ہرن سا کہیں چمکا کہیں ٹھہرا
طاؤس کے ہوش اڑتے تھے اس تیز پری سے
گھوڑا تھا سبک تیز نسیمِ سحری سے

جرأت میں تو بے مثل تھا اور جنگ میں یکتا
تھی شمر کو حیرت عمرِ سعد کو سکتا
خورشید سا خود سیر انور تھا چمکتا
غصّے میں جو تھے خون تھا آنکھوں سے ٹپکتا
جس صف کی طرف دیکھتے تھے تیر سے بھر کر
دو چار جواں خوف سے مر جاتے تھے گر کر

جب خیمے کا رُخ کرتے تھے اک صف کو بھگا کر
تب دوسری صف سامنے جم جاتی تھی آ کر
بڑھتے تھے وہ جب تیروں کو چلّوں سے لگا کر
خم ہوتے تھے یہ مشک کو چھاتی سے لگا کر
تھا سامنا دو لاکھ سے اک تشنہ جگر سے
ششدر تھا فرس میں بھی نکل جاؤں کدھر سے

غل فوج میں تھا مشک کو لے جانے نہ دینا
پیاسوں تلک اس پانی کو پہونچانے نہ دینا
مشکیزے کے نزدیک سپر لانے نہ دینا
شبیرؑ بھی آویں تو انھیں آنے نہ دینا
تلواریں علم کر کے جو لشکر پہ جھکیں گے
بپھرے ہوئے دو شیر کسی سے نہ رکیں گے

ہے یکہ و تنہا ابھی آئے نہیں شبیرؑ
ہاں اے قدر اندازو کمانوں سے چلیں تیر
نیزے پہ چلیں نیزے تو شمشیر پہ شمشیر
سب ٹوٹ پڑو جلد، مناسب نہیں تاخیر
آویں بھی تو عباسؑ دلاور کو نہ پاویں
جیتا شہِ مظلوم برادر کو نہ پاویں

ہوتا تھا اُدھر قتلِ علمدار کا ساماں
گھبرائے ہوئے پھرتے تھے واں سرورِ ذیشاں
جاتے تھے کبھی خیمے میں با دیدۂ گریاں
زینبؑ سے کبھی کہتے تھے اب تن سے چلی جاں
مشکیزہ لئے نہر سے عباسؑ پھرے ہیں
پر آئیں گے کیونکر کہ ہزاروں میں گھرے ہیں

چلتے ہیں مرے بھائی پہ رن میں تبر و تیر
لڑتا ہے ستمگاروں سے وہ صاحبِ شمشیر
مٹتی ہے جہاں سے اسد اللہ کی تصویر
جاتا ہے مدد کرنے کو عباسؑ کی شبیرؑ
سب مل کے دعا مانگو کہ میں پاؤں سلامت
تیغوں سے بچا کر اُسے لے آؤں سلامت

زینبؑ نے کہا سوئے نجف ہاتھ اُٹھا کر
تم قبر میں کیا سوتے ہو اے حیدرِ صفدر
عباسؑ کو گھیرے ہوئے ہے شام کا لشکر
یہ تیسرا دن ہے کہ نہیں پانی میسر
تا نہر کسی پیاسے کو جانا نہیں ملتا
پانی کوئی لاتا ہے تو لانا نہیں ملتا

بن پانی تڑپتی ہے مرے بھائی کی اولاد
میں زینبؑ دل خستہ ہوں سن لو مری فریاد
عباسؑ کو آنے نہیں دیتے ستم ایجاد
اے کل کے مددگار یہی ہے دمِ امداد
یاں صبح سے ہے پیاس کا غل بے وطنوں میں
اور واں وہ بہشتی ہے گھرا تیغ زنوں میں

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ چلے رن کی طرف شاہ
تلوار پکڑ کر علی اکبرؑ ہوئے ہمراہ
گھبرا کے کہا زوجۂ عباسؑ نے ناگاہ
بھائی کے بچانے کو چلے ہیں شہِ ذی جاہ
ہے غیظ سا اس دم شہِ والا کے پسر کو
اے بیبیو روکو کوئی زہرا کے پسر کو

جس طرح ہو روکو انھیں گر گر کے قدم پر
عباسؑ ہے سو بھائی فدا شاہِ اُمم پر
عاشق کی طرح دیتے ہیں دم بھائی کے دم پر
آئے تو یقیں ہے کہ خفا ہوویں گے ہم پر
بھائی کو اسی جا سے پکاریں شہِ والا
میں یہ نہ کہوں گی کہ سدھاریں شہِ والا

وہ رات تلک مجھ سے یہ کہتے تھے بہ تکرار
صاحب یہ مری بات نہ تم بھولیو زنہار
جب غل ہو کہ لشکر میں گھرا شہ کا علمدار
رونا نہ کبھی تم کہ کڑھیں گے شہِ ابرار
بھجوائیں جو اکبرؑ کو تو بھجوانے نہ دینا
میدان میں آقا کو مرے جانے نہ دینا

چلّائی سکینہؑ سنو اچھے مرے بابا
لیتے چلو مجھ کو بھی جہاں ہے مرا سقّا
عمّو کے لئے آہ مرا دل ہے تڑپتا
بے دینوں نے پانی کے لئے ہے انھیں روکا
کہیو نہ مری پیاس کا غم کھاؤ چچا جان
میں پانی سے باز آئی چلے آؤ چچا جان

اب پیاس نہیں مجھ کو میں قربان تمھارے
چھوڑ آؤ مری مشک کو دریا کے کنارے
میں جیتی ہوں مرنے کی نہیں پیاس کے مارے
پانی کی نہیں چاہ تمھیں ہو مجھے پیارے
اچھے مرے عمّو مجھے شکل اپنی دکھا دو
مشکیزے کا منھ کھول کے پانی کو بہا دو

جو کہتے ہیں دشمن ہیں وہ تم پانی نہ لاؤ
ہے ہے نہ مرے واسطے تم خوں میں نہاؤ
میں اب نہ کہوں گی کہ مری پیاس بجھاؤ
مجھ کو یہ گوارا نہیں تم برچھیاں کھاؤ
جب سے گئے ہو غم ہے اسی آن سے مجھ کو
شرمندہ نہ کیجیے گا چچی جان سے مجھ کو

منھ اپنا چچی کو نہیں دکھلانے کی گھر میں
میدان سے تدبیر کرو آنے کی گھر میں
مشکیزے کے باعث تھیں ٹو کیں گے ستمگر
کہتی تھی سکینہؑ تو یہ باصد غم و حسرت
عباسؑ علمدار پہ واں آگئی آفت
جس وقت قلم ہو کے گرے ہاتھ زمیں پر
مشکیزے کے تسموں کو پکڑ دانتوں میں یکبار
شوکت سے یہ پیدا تھا کہ ہیں جعفر طیار
ہلتا تھا نہ مشکیزہ نہ جنبش تھی دہن کو
ناگاہ ہوا مشک سے اک تیر ستم پار
بہنے لگا سینے سے لہو ہو کے دل زار
گھبرایا نہ جب ہاتھ ہر اک کٹ گیا اس کا
خوں شانے سے مثل دہن مشک رواں تھا
خیمہ شہ مظلوم کا آنکھوں سے نہاں تھا
اک بار اشارہ جو کیا لشکر کیں نے
اس ضرب سے سر ہو گیا غازی کا دوپارا
یا سبط نبیؐ اہل ستم نے مجھے مارا
اعدا کو ہٹاتے ہوئے شمشیر سے آئے
عباسؑ کو ریتی پہ تڑپتا ہوا پایا
چلائے یہ کیا مجھ کو مقدر نے دکھایا
اعدا نے مٹایا ہے نشانی کو علیؑ کی
لاشے سے لپٹ کر یہ بصد درد پکارے
دنیا میں یہ مظلوم بچے کس کے سہارے
کمزور اسی داغ سے ہم ہو گئے بھائی

ڈیوڑھی پہ کھڑی ہوں میں نہیں جانے کی گھر میں
حاجت نہیں کچھ پانی کے پہونچانے کی گھر میں
پانی جو نہ ہوگا تو نہ رو کیں گے ستمگر
اور نہر پہ گھبرائے ہوئے جاتے تھے حضرت
شانوں پہ لگی دونوں طرف تیغ کی ضربت
وہ خون کے پرنالے بہے دامن زیں پر
ٹھکرانے لگا گھوڑے کو وہ زخمی علمدار
فرزند یہ ہوتے تھے فدا حیدرؑ کرار
اک شیر تھا منھ میں لئے جاتا تھا ہرن کو
اس وقت تو رونے لگے عباسؑ علمدار
دے ٹیکا سر پاک کو ہرنے پہ کئی بار
مشکیزے کے چھدنے سے جگر پھٹ گیا اس کا
طاقت جو نہ تھی حالت غش میں وہ جواں تھا
اک شخص پس پشت لئے گرز گراں تھا
مارا سر عباسؑ پہ اک گرز لعیں نے
تیورا کے گرے گھوڑے سے اور شہ کو پکارا
اس دم شہ دیں کو نہ رہا ضبط کا یارا
بھائی کی جو آواز سنی شیر سے آئے
دل میں یہ اٹھا درد کہ منھ کو جگر آیا
مارا گیا ہے ہے اسد اللہ کا جایا
بس آج کمر ٹوٹ گئی سبط نبیؐ کی
صدقے ترے اے یار وفادار ہمارے
ہے ہے مرے عاشق مرے شیدا مرے پیارے
یہ ہاتھ مرے تھے جو قلم ہو گئے بھائی

عباسؑ نے کی شہ پہ نظر ہوش میں آ کر
سر بھائی کے قدموں پہ ملا اشک بہا کر
حیدرؑ کی صدا آئی کہ لو مر گئے عباسؑ
زہراؑ کی صدا آئی علمدار سدھارے
حضرتؑ نے کہا صفدر و جرّار سدھارے
جنّت کو گئے ہم سے یہ کیا کر گئے بھائی

سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکارے شہ عالم
ہے ہے مرے یاور مرے بازو مرے ہمدم
مرنے سے ترے زور گھٹا سبط نبیؐ کا
خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا گھائل
ہر چند یہ کہنا نہیں تعریف کے قابل
اس کا نہیں دعویٰ ہے کہ میں کون ہوں کیا ہوں

بولا نہ گیا ردئے زباں خشک دکھا کر
دنیا سے گئے نرگسی آنکھوں کو پھرا کر
تنہا ہوئے شبیرؑ سفر کر گئے عباسؑ
بیکس ہوئے شبیرؑ کہ غمخوار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِ طیار سدھارے
باتیں ابھی کرتے تھے ابھی مر گئے بھائی

ہے ہے مرے جعفر مرے حمزہ مرے رستم
ہے ہے مرے صفدر مرے حیدر مرے ضیغم
تو قوّت بازو تھا حسینؑ ابن علیؑ کا
اس نظم کا دیویں گے صلہ سرورِ عادل
ہاں نام ہے شبیرؑ کے مداحوں میں داخل
کیا میری حقیقت ہے کہ میں ہیچمداں ہوں

رُباعی

دھوپ آ کے یہاں پہ زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
آہوں کے ہیں پنکھے اور آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

۹

مرثیہ

۹۴ بند

عباسؑ علی گوہرِ دریائے شرف ہے
شو لعل نہ پہونچیں جسے وہ دُرِ نجف ہے
غازی کی وفاداری کا غل چار طرف ہے
کیوں شیر نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے
حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا
اس نہ صدف برج میں اک دُر نہیں ایسا

ہم طلعتِ یوسفؑ تھا وہ اولادِ علیؑ میں
تھی قوتِ خیبر شکنی شیر جری میں
ہمت نہ یہ جرأت نہ یہ شوکت تھی کسی میں
تھا ایک جواں لشکرِ اللہ و نبیؐ میں
مشہور ہے اس صاحبِ شمشیر کی طاقت
آنکھ اس سے ملائے یہ نہیں شیر کی طاقت

غازی کی زہے قدر زہے دبدبہ و جاہ
حمزہ کی جو شوکت تو شکوہِ اسد اللہ
زیبِ علم فوجِ ہنر بر صفِ جنگاہ
اقلیمِ جوانمردی و ہمت کا شہنشاہ
بخشش سے کبھی ہاتھ کو خالی نہیں پایا
جعفر نے بھی رتبۂ عالی نہیں پایا

اللہ نے دی عزت و توقیرِ یداللہ
مشہور ہوئی وارثِ شمشیرِ یداللہ
ہر بات میں رنگینیٔ تقریرِ یداللہ
صورت کا یہ انداز کہ تصویرِ یداللہ
روشن ہوا دل قدرتِ اللہ کو دیکھا
دیکھا شہِ مرداں کو جو اس ماہ کو دیکھا

لشکر شکن و صفدر و زور آور و خوش رو
فرزندِ یداللہ تو شبیرؑ کا بازو
خُلقِ حسنی غربتِ شاہنشہ خوش خو
ساری وہی ہمت وہی خصلت وہی خو بو
ایسا نہ ہوا کوئی نہ ہووے گا جہاں میں
کیا کیا صفتیں جمع تھیں اس ایک جواں میں

سروِ چمنِ مرتضوی تھا قدِ بالا
فرزند نبیؐ نے جسے آغوش میں پالا
عضوِ بدن ایسے کہ کہے دیکھنے والا
ہے نور کے سانچے میں خدا نے اسے ڈھالا
رُخ ایک طرف حسن سے اعضا نہیں خالی
خوبی سے سراپا میں کوئی جا نہیں خالی

رعب ایسا کہ شیروں کا جگر خوف سے تھرائے
زہد ایسا کہ قوت اسد اللہ کی یاد آئے
علم ایسا کہ تصویر حسنؑ آنکھوں میں پھر جائے
حسن ایسا کہ یوسفؑ بھی جسے دیکھ کے شرمائے
نظارۂ خورشید گوارا تھا نظر کو
اس رخ پہ ٹھہرنے کا نہ یارا تھا نظر کو

اس طرح کا صفدر کوئی آفاق میں کم تھا
حقا کہ وہ فخر عرب و روم و عجم تھا
ہمراہ سدا لشکر اقبال و حشم تھا
زیبا تھا علم اس کو تو وہ زیب علم تھا
شبیر سا سردار خوش اطوار نہ ہو گا
عباسؑ دلاور سا علمدار نہ ہو گا

اللہ نے دو شیر کیے خلق میں پیدا
حیدر سا ولی حضرت عباسؑ سا آقا
ہمت میں یہ بے مثل شجاعت میں وہ یکتا
عاشق وہ محمدؐ کے یہ شبیرؑ کا شیدا
ان کو تو نبوت کا نگہبان کیا تھا
حکم ان کو امامت کی حفاظت کا دیا تھا

کیا کیا شہ مرداں نے محمدؐ کی مدد کی
جو آئی بلا شیر الٰہی نے وہ رد کی
برباد کیا کفر کو اور دین میں کد کی
مشہور ہے عالم میں وغا بدر و احد کی
کہہ دے کوئی اصحاب وفادار کدھر تھے
تلوار چلی جب تو علیؑ سینہ سپر تھے

وہ فخر شجاعان جہاں فارس میداں
شمشیر خدا قوت دیں کاشف قرآں
عنتر کش و خیبر شکن و ضیغم یزداں
تھا بدر علم میں بھی محمدؐ کا نگہباں
پر جلتے تھے ان سب کے بہادر جو پرے تھے
ٹھہرے نہ قدم ان کے علیؑ کود پڑے تھے

خندق کی وغا میں جو ہوئی فوج صف آرا
واں عمرو سے لڑنے کا نہ تھا ایک کو یارا
اک ضرب میں مولا نے کیا اس کو دو پارا
گردوں سے فرشتوں نے یہ خوش ہو کے پکارا
بس اب نہ رسولؐ دو جہاں ہووے گا ایسا
تیغ ایسی نہ ہو گی نہ جواں ہووے گا ایسا

عباسؑ کو بھی ایسی ہی تھی الفت شبیرؑ
اک آن گوارا بھی نہ تھی فرقت شبیرؑ
عاشق کی طرح دیکھتے تھے صورت شبیرؑ
یا طاعت معبود تھی یا خدمت شبیرؑ
نعلین بھی شہ کی تھیں افسر کے برابر
حضرت کو سمجھتے تھے پیمبرؐ کے برابر

اللہ رے وفاداری عباسؑ خوش اطوار
ہے بعد فنا بھی وہی عشق اور وہی پیار
رکھتے ہیں علم شہ کے چپ و راس عزادار
اور بیچ میں ہوتی ہے ضریح شہ ابرار
مرنے پہ بھی عشق شہ خوش خو نہیں چھوڑا
اب تک شہ مظلوم کا پہلو نہیں چھوڑا

مرتے رہے شبیرؑ پہ جب تک کہ جیے ہیں
بے دست ہیں ہاتھوں سے مگر سایہ کیے ہیں
عاشور کے دن تعزیہ داری میں ہیں آگے
بھائی تھے مگر بندۂ شاہِ شہدا تھے
وہ گل تھے تو یہ بلبلِ بستانِ وفا تھے
بلبل کو بھی یہ عشقِ گلستاں نہیں ہوتا

عباسؑ سا دل سوز نہ ہوگا کوئی زنہار
دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ اُنس نہ یہ پیار
مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا
بیٹی سے محبّت جو بہت رکھتے تھے سرور
آغوشِ مبارک میں لئے پھرتے تھے دن بھر
فرماتے تھے گھر کی مری آبادی ہے یہ تو

گردن سے لپٹ کر جو وہ کہتی تھی چچا جاں
زانو پہ بٹھاتے جو اسے سرورِ ذی شاں
پردہ تھا کہ ثابت نہ ہو سلطانِ اُمم پر
زینب سے یہ فرماتے تھے اکثر شہِ ذیجاہ
ہے اس کی وفا سے دلِ شبیر ہی آگاہ
یہ پاس ہو گر اور کوئی پاس نہ ہووے

کیوں اہلِ عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار
قاسم جو ہوا رن میں فدائے شہِ ابرار
سنتے ہی گرفتارِ الم ہو گئے شبیرؑ
زینبؑ سے کہا لو بہن اب تن سے چلی جاں
صدقے ہو برادر اسے رو کو کسی عنواں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو

بے جان تو ہیں بھائی پہ مگر جان دیے ہیں
آغوش میں فرزندِ پیمبرؐ کو لئے ہیں
گھر میں تو ہیں پہلو میں سواری میں ہیں آگے
وہ ان پہ تصدّق یہ شہِ دیں پہ فدا تھے
وہ قبلۂ ایماں تھے تو یہ قبلہ نما تھے
پروانہ بھی یوں شمع پہ قرباں نہیں ہوتا

اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار
قربانِ علمدار نثارِ شہِ ابرار
صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا
عاشق تھے سکینہؑ کے علمدارِ دلاور
بیٹوں سے زیادہ انھیں پیاری تھی وہ دختر
خادم ہوں میں اس کا مری شہزادی ہے یہ تو

یہ کہتے تھے عمّو ترے آواز کے قرباں
منھ چھوٹے سے پاؤں پہ یہ رکھ دیتے تھے اُس آں
مل لیتے تھے آنکھیں شہِ والا کے قدم پر
یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ
عباسؑ نہیں ساتھ علیؑ ہیں مرے ہمراہ
میں قالبِ بے جاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

اب سبطِ پیمبرؐ سے بچھڑتا ہے علمدار
عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ
عباسؑ دلاور کے بچھڑنے کا ہے ساماں
مرجاؤں گا میں گر وہ سدھارے سوئے میداں
جیتا رہے عباسؑ حسینؑ اُس پہ فدا ہو

اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اُٹھا لے
وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے
سجّادؑ کو سمجھائے سکینہؑ کو سنبھالے
عباسؑ جنازہ مرا اس گھر سے نکالے
اس کو یہ خوشی ہے کہ برادر مجھے روئے
میں اُس کو نہ روؤں وہ دلاور مجھے روئے

میں نے تو ہے بیٹوں کی طرح سے اُسے پالا
زینب مرے گھر کی مرے لشکر کا اُجالا
میں اُس کا ہوں عاشق وہ مرا چاہنے والا
کیونکر نہ ہو سینے میں کلیجہ تہ و بالا
پاؤں گا کہاں جا کے اگر کھوئے گا عباسؑ
پیدا نہ علیؑ ہوں گے نہ پھر ہوئے گا عباسؑ

بھائی نہیں وہ روح ہے شبیرؑ کے تن کی
جب جان نہ ہو جسم میں تو کیا قدر بدن کی
جاتی ہے بہار آج محمدؐ کے چمن کی
بھیا یہی دولت ہے مجھ آوارۂ وطن کی
تصویر علیؑ جب نہ مرے گھر میں رہے گی
پھر جان نہ فرزند پیمبرؐ میں رہے گی

بابا کی نشانی ہے وہ اے زینب دلگیر
عباسؑ کے ہونے سے قوی ہے دل شبیر
ہاتھوں سے گنوا دوں میں ید اللہ کی تصویر
رکھ دیتا ہے بازو کوئی اپنا تہ شمشیر
دانستہ بھلا اپنا بُرا کرتا ہے کوئی
اس طرح کے عاشق کو جُدا کرتا ہے کوئی

رن سے مرے لاشے کو اُٹھا لائے گا پھر کون
ہمراہ جنازے کے مرے جائے گا پھر کون
بچّے مرے روئیں گے تو سمجھائے گا پھر کون
روضے پہ نبیؐ کے تمھیں پہونچائے گا پھر کون
اعدا کو مری روح کا بھی پاس نہ ہوگا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباسؑ نہ ہوگا

فرما کے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور
بیتابی شبیرؑ پہ زینبؑ ہوئی مضطر
فضّہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر
باہر ہیں کہ خیمے میں ہیں عباسؑ دلاور
یاں بادشہ عرش نشیں خاک نشیں ہے
کیا بھائی کے رونے کی خبر اُن کو نہیں ہے

بولی یہ سکینہ کہ سنو مجھ سے پھوپی جاں
میں تھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا ساماں
ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوڑتیں داماں
وہ کہتے ہیں ہونے دو مجھے شاہ پہ قرباں
اس فدیۂ سلطان دو عالم کو نہ روکو
ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے
صاحب ہیں تمھیں واسطے دیتی ہوں خدا کے
فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے
تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے
رونے کا ہے غم ان کے یہ رخصت کی خوشی ہے
اللہ تمھیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

ہے ہے تمہیں کچھ میری جدائی کا نہیں غم
فرماتے ہیں وہ، دھیان کسی کا نہیں اس دم
رونا نہ وصیت یہ کئے جاتا ہوں تم کو
یہ سن کے جو بی بی رونے لگی اشک بہا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمہیں نہر سے لا کر
پر حال یہاں کا مرے آقا سے نہ کہنا

زینبؑ کو سکینہؑ نے خبر جب یہ سنائی
بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی
بے وجہ تو مشکیزے کو جانی نہیں مانگا
اس پردے میں بی بی انھیں منظور ہے مرنا
الفت ہے تو پانی کا سوال ان سے نہ کرنا
پانی کے لئے ہاتھ سے کھوؤ گی چچا کو

گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ ناداں
سب روتے ہیں یاں تو ہے کچھ اور سی بی بی
بے روکے ہوئے ان کو اب آرام نہ لوں گی
ہرچند کہ دم ہونٹوں پہ ہے پیاس کے مارے
پانی مجھے پیارا نہیں عباسؑ ہیں پیارے
عاشق ہیں مرے مجھ کو رلا سکتے ہیں عباسؑ؟

بس اتنے میں عباسؑ دلاور نظر آئے
کچھ سوچ کے زینبؑ نے قدم جلد بڑھائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
بھائی ہے مرا بے وطن و بیکس و بے آس
سب طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس
بے مونس و یاور پسر شاہ نجف ہے

منظور ہے یہ قید میں سر ننگے پھریں ہم
بچے بھی فدا ہم بھی نثار شہ عالم
بانو کی کنیزی میں دیے جاتا ہوں تم کو
فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
روتی ہیں چچی یہ شہ والا سے نہ کہنا

شہ بولے بہن اب نہ رکے گا مرا بھائی
واللہ سکینہؑ یہ ہے پیغام جدائی
تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا
منت سے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
دشوار ہے بے خوں میں بھرے مشک کا بھرنا
دریا پہ جو بھیجو گی تو رو دو گی چچا کو

سچ کہتے ہو بابا کہ مجھے اس کا نہیں دھیاں
اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جاں
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی
اب جانے نہ دوں گی انھیں دریا کے کنارے
کیا ہاتھوں سے کھو دوں گی میں بازو کو تمہارے
تم رو دو نہ بابا کہیں جا سکتے ہیں عباسؑ

چار آئینے پہنے ہوئے ہتھیار لگائے
فرمایا کہ صدقے بہن اس آنے کے جائے
مر جائیں گے رخصت کو نہ شبیرؑ سے کہنا
تم ان کو رلاؤ تمہیں لازم نہیں عباسؑ
جب تم نہ ہوئے پاس تو جینے سے ہوئی آس
منصف ہو تمہیں بھائی مرا حق کی طرف ہے

قوت تمہیں ان کی تھیں شوکت تمہیں اقبال
بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؑ کا لال
لو آن کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال
کس درد سے روتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال
کہتے ہیں کہ ساتھ اس کے ہمارا ابھی یہ سر ہے
بھیا مجھے عباسؑ کے مرجانے کا ڈر ہے

عباسؑ بھی رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر
اور دستِ ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض کہ اے وارثِ ذریتِ حیدرؑ
حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؑ کی برابر
اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجے
اے بنتِ علیؑ عقدہ کشائی مری کیجے

دنیا میں علیؑ ہوتے تو غم کاہے کو سہتا
یوں اشکوں کا دریا مری آنکھوں سے نہ بہتا
ماں ہوتیں تو پھر ان سے سفارش کو میں کہتا
رخصت کا فقط کام تھا یوں بند نہ رہتا
کیا غم ہے کہ سر پر مرے ماں باپ نہیں ہیں
پالا تھا مجھے کیا مری ماں آپ نہیں ہیں

اب جینے سے بیزار ہے دنیا میں مرا دل
گر آپ مدد کیجے تو آساں ہو یہ مشکل
ساتھی تو ہوئے سب چمنِ خلد میں داخل
دن ڈھلتا ہے کھوٹی نہ کہیں ہو مری منزل
آداب تو مانع ہے یہ دل رہ نہیں سکتا
میں فاطمہؑ کے لال سے کچھ کہہ نہیں سکتا

بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا ہمشیر
وہ کیجیے کہ رخصت پہ رضامند ہوں شاہؑ
مرجانے میں ہے آج مری عزت و توقیر
شبیرؑ کے بدلے مری چھاتی پہ لگیں تیر
کوشش کرو اپنے جدِ امجد کا تصدق
دلوا دو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدق

عباسؑ کا منھ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو
سمجھاتی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھکو
شبیرؑ تو رونے پہ یہ کہتے ہیں رضا دو
کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو
ہے ہے نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی
اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی

بتلاؤ میں اس ٹوٹے ہوئے گھر کو سنبھالوں
یا ہاتھوں سے اپنے دلِ مضطر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہؑ کو کہ اصغر کو سنبھالوں
عباسؑ کو روکوں کہ برادر کو سنبھالوں
جاں اُن میں لگی ہے مرا دل ان کی طرف ہے
یہ لعل ہے زہراؑ کا تو یہ دُرِ نجف ہے

کیونکر کہوں بھائی سے کہ بھائی کو رضا دو
عباسؑ علمدار کو ہاتھوں سے گنوا دو
مرنے پہ یہ مرتے ہیں انھیں اذنِ وغا دو
غم ہوگا تو خوش ہوں گے تمہیں مجھ کو بتا دو
بھائی کو یہ سنتے ہی غش آجائے گا بھائی
ہم سے تو نہ رخصت کو کہا جائے گا بھائی

لے چلنے کو لے چلتے ہو آؤ مرے ہمراہ
زانو پہ جھکائے ہوئے سر رو رہے تھے شاہ
شہ نے کہا کیا کہتے ہو فرماؤ برادر
ان ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنے کے میں صدقے
کیوں روتے ہو اس اشک بہانے کے میں صدقے
بھائی یہ تری گلبدنی بھاتی ہے مجھ کو
منھ مل کے کفِ پا سے لگا کہنے علمدار
سائل کوئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار
جب تک کہ رضا رن کی نہ ہیں پاؤں گا آقا
شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اٹھاؤ
اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان نہ لاؤ
قرباں تمھیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے
روتے ہوئے قدموں سے اٹھے حضرتِ عباسؑ
فرمایا سکینہؑ سے کہ اب کچھ نہیں وسواس
اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریں ہے
منھ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش خو
لشکر کا علمدار تو ہم کر چکے ان کو
جعفر سے دو بالا ہوا رتبہ ترے عمّو کا
مشکیزے کو لے آئی سکینہؑ جگر افگار
خیمے میں پڑا غل کہ چلا شاہ کا غم خوار
ہاتھوں سے اسے تھام کے دل سب نے سنبھالا
خیمے سے برآمد ہوا ابنِ شہِ مرداں
اک نورِ خدا پھیل گیا تا سرِ میداں
موسیٰؑ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوا

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابنِ یداللہ
قدموں پہ گرا سبطِ پیمبرؐ کے وہ ذیجاہ
اٹھو مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر
سر شرم سے قدموں پہ جھکانے کے میں صدقے
بازو کے تصدّق ترے شانے کے میں صدقے
بو حیدرِ کرّار کی آجاتی ہے مجھ کو
ہیں آپ سخی ابنِ سخی یا شہِ ابرار
خادم بھی ہے مر جانے کی رخصت کا طلبگار
اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا
کیوں روتے ہو کب میں نے کہا یہ کہ نہ جاؤ
فاقے کئے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ
شبیرؑ کو رونے کو بنایا ہے خدا نے
اور گرد پھرے سبطِ پیمبرؐ کے بصد یاس
کیوں مشک چھپا رکھی ہے لے آؤ مرے پاس
بولی یہ سکینہؑ کہ مجھے پیاس نہیں ہے
حضرت نے کہا جاؤ انھیں مشک بھی لا دو
اب مرتبہ تم پیاسوں کی سقّائی کا بخشو
اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا
غازی نے اسے لے کے بھتیجی کو کیا پیار
غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علمدار
شہ اٹھ کے جو گرنے لگے زینبؑ نے سنبھالا
گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گردانکے داماں
ذرّاتِ زمیں ہو گئے خورشیدِ درخشاں
ہر نخل میں تھا یاں شجرِ طور کا جلوا

کاندھے پہ علم رکھ کے جو گھوڑے کو اڑایا
یہ نور کسی حور کے چہرے نے نہ پایا
پڑھنے کو درود آئی تھیں روحیں شہدا کی
گھوڑے کی وہ چھل بل وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
اللہ رے شکوہِ علم و شانِ علمدار

سایے میں علم کے وہ سلیمانِ زمن تھا
پنجہ تھا کہ تھا دستِ خدا سر پہ جری کے
ہو جاتی تھی جنبش جو پھریرے کو زری کے
کرسی سے جو بالا ہو یہ پایا ہے اسی کا

میدان میں آیا پسرِ ضیغمِ یزداں
نعرہ جو غضنفر نے کیا یا شہِ مرداں
غل پڑ گیا لو شیرِ خدا نعرہ زن آئے
یوں لاکھوں پہ آئے یہ شجاعت ہے کسی میں
شق ہو جگرِ شیر یہ ہیبت ہے کسی میں
گر ہوں اسد اللہ تو کچھ دور نہیں ہے

اعدا کے سخن سن کے علمدار پکارا
تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا
لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا
مشہور جو حیدرؑ کی ہے تصویر وہ میں ہوں
آقا نے جسے بخشی ہے توقیر وہ میں ہوں
کس لب پہ مری شان میں احسنت نہیں ہے

محراب درِ کعبۂ ایماں ہے مری تیغ
جل جاؤ گے برقِ شرر افشاں ہے مری تیغ
اک دو کے لہو سے نہیں بھرتا شکم اس کا

کیا تیز پری تھی کہ ہوا ہو گیا سایا
تھا تختِ سلیماں کہ ہوا پر نظر آیا
غازی کی سواری تھی کہ قدرت تھی خدا کی

شملہ وہ چھٹا دوش پہ وہ ہاتھ میں تلوار
حمزہ کوئی کہتا تھا کوئی جعفرِ طیار

یا فرقِ ہمایوں پہ ہما سایہ فگن تھا
پرچم تھا کہ بکھرے ہوئے تھے بال پری کے
جھونکے چلے آتے تھے نسیمِ سحری کے
طوبیٰ جسے کہتے ہیں وہ سایا ہے اسی کا

روباہوں کا لشکر ہوا دہشت سے پریشاں
تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں
گھوڑوں کو بھگاؤ شہِ خیبر شکن آئے
پروا نہیں مرنے کی یہ ہمت ہے کسی میں
نعرے سے ہلیں کوہ یہ طاقت ہے کسی میں
یہ غیرِ علیؑ اور کا مقدور نہیں ہے

حیدرؑ نہیں یہ حیدرِ صفدر کا ہے پیارا
ہم آئے ہیں اب نہر سے کر جاؤ کنارا
عباسؑ غلامِ شہِ دیں نام ہے میرا
ہے جس کا پدر صاحبِ شمشیر وہ میں ہوں
بازو جسے فرماتے ہیں شبیرؑ وہ میں ہوں
آفاق میں مجھ سا کوئی ساونت نہیں ہے

کافر کے لئے آتشِ سوزاں ہے مری تیغ
میں بحرِ شجاعت ہوں تو طوفاں ہے مری تیغ
کھنچ آئے گا لشکر دمِ اژدر ہے دم اس کا

رتبے میں فلک ابنِ یداللہ سے کم ہے
دشمن ہو اگر شیر تو روباہ سے کم ہے
زور آورِ سرکش کا بھی اب سر نہیں اُٹھتا
بچتا نہیں نیزے سے مرے سینۂ دشمن
کرتا ہے مرا نیزہ دلِ کوہ میں روزن
آگے مرے ہیں زیر زبردست جناں کے
تلوار جو کھینچوں تو زمیں لاشوں سے بھر جائے
دشمن جو چڑھے منھ پہ تو سر تن سے اُتر جائے
کس کا ہے یہ منھ بڑھ کے جو ٹوکے مجھے کوئی
یہ سُنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے
چمکاتے ہوئے ڈانڈ بڑھے برچھیوں والے
گردوں پہ پہونچی تھی صدا طبل و غا کی
چلّائے کہ نرغے میں ہے یارب مرا بھائی
یہ ایک طرف ایک طرف ساری خدائی
بے جان دیے پھر کے نہ یاں آئے گا عباسؑ
یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی
تصویرِ اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی
سر پر ابھی پہونچی تھی نہ بیدادگروں کے
تھا شور کہ ہے چار طرف شعلہ ور آتش
گھوڑوں کا یہ عالم ہے کہ ہیں نعل در آتش
اس آگ نے سرتا بہ قدم گھیر لیا ہے
نیزے کے ہلانے میں جو اُستادِ جہاں تھے
جن پاس علم تھے کہیں اُن کے نہ نشاں تھے
تیروں کی نہ چلّوں کی نہ ترکش کی خبر تھی

اقبالِ سلیماں بھی مرے شاہ سے کم ہے
آگے مرے اک کوہِ گراں کاہ سے کم ہے
گردوں سے مری تیغ کا لنگر نہیں اُٹھتا
چھٹتی نہیں پنجے سے مرے شیر کی گردن
چار آئینۂ فولاد کا بن جاتا ہے جوشن
رستم کو پکڑ لیتا ہوں حلقے میں کماں کے
آپ دمِ شمشیر سروں پر سے گزر جائے
غصّے سے اگر شیر کو دیکھوں تو وہ مر جائے
تو نہر میں جاتا ہوں میں روکے مجھے کوئی
تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے
گرد آ گئے تنہا کے سواروں کے رسالے
فریاد گئی عرش پہ شاہِ شہدا کی
اک جان کو درپیش ہے لاکھوں سے لڑائی
ہے شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
مر جائے گا شبیر جو مر جائے گا عباسؑ
واں آہ حرم میں سیدِ ابرار نے کھینچی
گھوڑے کی عناں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی
ہاتھوں سے گرے چھوٹ کے گرزے سپرن کے
ہے پا پہ کبھی اور کبھی بالائے سر آتش
کس راہ سے بھاگیں ادھر آتش ادھر آتش
معلوم ہوا زیست نے دل پھیر لیا ہے
ایسے گئے ثابت نہ ہوا یہ کہ کہاں تھے
سہمے ہوئے گوشوں میں کماندار نہاں تھے
گر تھی تو اسی شعلۂ سرکش کی خبر تھی

میداں میں پڑے لوٹتے تھے سر تہ و بالا
جوں ماہی بے آب تھے پیکر تہ و بالا
اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا
اک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا
ملعونوں کے ہتھیار بھی ناکارہ ہوئے تھے
چار آٹھ تھے اور آٹھ بھی سہ پارہ ہوئے تھے

رہوار سبک سیر و نسیم سحری تھا
ہم پیکر طاؤس دم جلوہ گری تھا
تن تن کے اٹھانے میں قدم کبک دری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار تو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایا بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
سُم بدر سے اور نعل مہ نو سے بھی روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر کی چتون
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا اجل کا پئے دشمن
مست مئے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

تلوار سے جب شام کے بادل کو ہٹایا
عباسؑ علمدار کو دریا نظر آیا
منھ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا
یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ واں پیاس سے بچے کہیں مر جائیں
اب پانی جو مل جائے تو سب کام سنور جائے

یہ کہہ کے گئے نہر میں عباسؑ خوش اطوار
آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو در و یہ کی گفتار
گر میں ہوں وفادار تو تو بھی ہے وفادار
شرمندگی ہووے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امام دو سرا کے

دریا سے چلا بحر شجاعت کا شناور
گویا افق چرخ سے نکلا مہ خاور
غل پڑ گیا لو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور
ہاں مشک کو لے جانے نہ پائے یہ دلاور
لڑنے کو ترائی میں پلنگ آتا ہے روکو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے روکو

دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی در آئیں
نیزوں کی بھی نوکیں کئی بالائے سر آئیں
تیغوں کی جو موجیں سر ساحل نظر آئیں
پیاسوں کے لیے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آ جائے جو ہم میں
یونسؑ کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارا
دریا سے بھرا مثل غزال اس نے طرارا
پانی میں جو اترے تھے انھیں نیزے سے مارا
جو گھاٹ پہ تھے تیغ کی گھاٹ اس کو اتارا
بجلی سی گری لشکر سفاک کے اوپر
لاشے تو گرے نہر میں سر خاک کے اوپر

پھر نہر سے گھوڑے کو اُڑاتے ہوئے نکلے
کس شان سے نیزے کو ہلاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
نرغے میں چپ و راست پس و پیش نظر تھی
سر پر اجل آ پہونچی ہے اس کی نہ خبر تھی

گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کماندار
مینہ پڑتا ہے جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھار
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
جاتے تھے جدھر پڑتی تھی تلوار پہ تلوار
سینے کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

اُٹھ سکتے ہیں حربے ہوں اگر ایک کے دو کے
اک تشنہ دہن لاکھوں کو کس طرح سے روکے
کس کس سے لڑے کس کو ہٹائے کسے ٹوکے
ہاتھوں میں نہ طاقت تھی علم کھاتا تھا جھوکے
غش آتا تھا جب ضعف سے تھراتے تھے عباسؑ
یا شیر خدا کہہ کے سنبھل جاتے تھے عباسؑ

افسوس نہ بر آئی تمنائے علمدار
مشکیزے پر اک تیر لگا شانے پہ تلوار
اس ہاتھ سے اُس ہاتھ میں لی تیغ شرربار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بے کار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

اک ہاتھ گرا کٹ کے تو پروا مجھے کیا ہے
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دستِ خدا ہے
آقا مرا فرزندِ رسولؐ دوسرا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تلک اُن پہ فدا ہے
روحِ اسداللہ کو میں شاد کروں گا
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا

فرما کے یہ جھپٹا اسداللہ کا پیارا
روباہوں کا لشکر تہ و بالا ہوا سارا
بہتوں کو اُسی ہاتھ سے اُس شیر نے مارا
زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا
سقائے سکینہؑ پہ ستم ہو گیا ہے ہے
وہ ہاتھ بھی شانے سے قلم ہو گیا ہے ہے

چلائے کہ تشریف ادھر لایئے آقا
مشتاق کو دیدار دکھا جایئے آقا
الطاف و کرم بندے پہ فرمایئے آقا
اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام آیئے آقا
باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی اُنھیں کہہ جائے
مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے

بھائی کی صدا سُن کے تڑپنے لگے شبیرؑ
چلا کے کہا ہائے کلیجے پہ لگا تیر
دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبؑ دلگیر
غل پڑ گیا ہے ہے اسداللہ کی تصویر
سب قافلہ رانڈوں کا کھُلے سر نکل آیا
عباسؑ کا فرزند بھی باہر نکل آیا

زینبؑ نے کہا ساتھ لیے جاؤ مجھے بھی
تصویرِ علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی
چلائی سکینہؑ وہیں پہونچاؤ مجھے بھی
دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی
بیتاب ہوں چھاتی سے لپٹ جاؤں گی جاکر
میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جاکر

عباسؑ کی زوجہ نے کہا کوٹ کے سینا
مجھ کو بھی لیے چل ترے قربان سکینا
شوہر کے الم میں مجھے دشوار ہے جینا
میں رانڈ ہوئی موت نے وارث مرا چھینا
والی نہ رہا جی سے گزر جاؤں گی میں بھی
عباسؑ جہاں ہیں وہیں مر جاؤں گی میں بھی

تھا حضرتِ عباسؑ کے بیٹے کا عجب حال
غم سے کبھی منھ زرد تھا غصے سے کبھی لال
بل کھائے ہوئے دوش پہ تھے گیسوئے بال
ماں تھامے تھی اور کہتا تھا وہ صاحبِ اقبال
اس نہر سے کوثر کے کنارے گئے بابا
روکو نہ چچا روتے ہیں مارے گئے بابا

گر مار بھی ڈالے ہیں کوئی تو نہیں غم
کیا جان کا صرفہ ہے یتیم اب تو ہوئے ہم
فرزند ہیں کیونکر نہ کریں باپ کا ماتم
چھٹ جائیں مصیبت سے نکل جائے اگر دم
سینے میں عجب حال ہے ننھے سے جگر کا
کیا آخری دیدار بھی دیکھیں نہ پدر کا

واں لاش پہ شہ خاک اڑاتے ہوئے پہونچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہونچے
آنسو رخِ انور پہ بہاتے ہوئے پہونچے
پہونچے تو مگر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہونچے
چلائے کہ جاتی ہے مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

بھائی کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اٹھ کر قدمِ شاہ پہ سر اپنا جھکایا
نعلین پہ منھ رکھ کے یہ آقا کو سنایا
گو ہاتھ مرے کٹ گئے حضرت کو تو پایا
سر ہوئے گا آغوشِ شہِ کون و مکاں میں
اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

یہ کہتے ہی عباسؑ علمدار سدھارے
چلائے شہِ دیں مرے غمخوار سدھارے
بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے
دنیا سے مرے جعفرِ طیار سدھارے
چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی
تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

خاموش انیسؔ اب کہ بہت رنج کا ہے جوش
ہوگی نہ محبوں کو تری یاد فراموش
اللہ نے بخشی ہے جنھیں چشمِ خطا پوش
کب دیکھتے ہیں نقص کو وہ عاقلِ ذی ہوش
تعریف کریں خاص تو ہے کام کی تعریف
کب مانتے ہیں اہلِ سخن عام کی تعریف

مرثیہ ۱۰

بند ۱۴۷

جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر
طاری ہے خوف مرگ ہر اک ذی حیات پر
صدمہ عجب ہے بادشہ کائنات پر
آنکھوں سے اشک بہہ رہے ہیں بات بات پر
بجھتا ہے وہ جو قبر علی کا چراغ ہے
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا داغ ہے

صابر کا ہے یہ حال کہ مشکل ہو ضبط آہ
فرماتے ہیں کہ تھام لے بندے کو یا الٰہ
کیا مرحلہ ہے سخت یہ کیونکر کٹے گی راہ
بھائی مرا یہی ہے لشکر یہی سپاہ
آخر بشر ہوں میں جو نہ روؤں تو کیا کروں
تیغ علیؑ کو ہاتھ سے کھوؤں تو کیا کروں

دوری کا غم ہے کیوں نہ بہیں اشک متصل
پالا ہے بر میں آہ تجھے کس طرح سے دل
اعضا کو توڑے دیتا ہے یہ درد جانگسل
اے موت آ کہ روح علیؑ سے نہ ہوں خجل
رخصت کا حرف لب پہ بھی لایا نہ جائے گا
مجھ سے تو یہ پہاڑ اُٹھایا نہ جائے گا

یہ نوجواں بضاعت حیدرؑ ہے یاکریم
حمزہ یہی مرا یہی جعفر ہے یاکریم
پیارا پسر سے بھی یہ برادر ہے یاکریم
یوں سب ہیں پر اسی سے مرا گھر ہے یاکریم
بازو یہی ہے ہاتھ مرے اس کے ہاتھ ہیں
میں جانتا ہوں شیر خدا میرے ساتھ ہیں

زینبؑ کے لال مر گئے لشکر بچھڑ گیا
سہرا دکھا کے قاسمؑ بے پر بچھڑ گیا
وہ کیا شہید ہو گئے سب گھر بچھڑ گیا
پھر میں نہیں اگر یہ برادر بچھڑ گیا
اس معرکے میں ذبح ہوں پہلے تو عید ہو
سبط نبیؐ کے بعد یہ بھائی شہید ہو

حضرت اُدھر تڑپتے ہیں تھامے ہوئے کمر
عباسؑ بی بیوں سے ہیں رخصت طلب ادھر
لائی ہے سوکھی مشک سکینہ بچشم تر
فرماتے ہیں بھتیجی کا مُنھ چوم چوم کر
پہلے تھا ذکر آب تسلی کے واسطے
اب جا کے پانی لاتے ہیں بی بی کے واسطے

کہتی ہے خشک ہونٹ دکھا کر وہ لالہ فام
اصغرؑ کو لے کے ہاتھوں پہ بانوئے نیکنام
دکھلاؤ اس کا حال شہِ نامدار کو
کرتے ہیں عرض حضرتِ عباسؑ نامدار
پر کیا کروں رضا جو نہ دیں شاہِ ذی وقار
رخصت میں سعی کیجے کہ ہو نام آپ کا
کچھ سوچ کر یہ کہنے لگی وہ شکستہ دل
جیتا ہے تم کو دیکھ کے خیر النسا کا لال
بانو نے مرتضےٰ کی کمائی کو کھو دیا
زینبؑ یہ بولیں آپ کا وسواس ہے بجا
پانی بھی مل رہے گا صغیروں کا ہو خدا
موقع نہ سعی کا ہے نہ مشکلکشائی کا
کہنے لگی یہ زوجۂ عباسؑ خوش صفات
مشکیزہ لے کے گر یہ نہ جائیں سوئے فرات
ہر وقت کبریا سے طلبگار خیر ہوں
جس جا حسینؑ بیٹھے تھے عریان سر گئے
کی عرض تا کجا کوئی خونِ جگر پئے
ہچکی لگی ہے اصغرِ ناشاد کام کو
فرمایا میری مرگ گوارا کرو تو جاؤ
اچھا سکینہؑ جس میں خوشی تم وہیں لاؤ
ثابت ہوا کہ ہاتھ سے عمو کو کھوؤ گی
انجام کی خبر نہیں کچھ تم کو ہائے ہائے
خیر اب دعا کرو کہ یہ اعدا پہ فتح پائے
جب مشک بھر کے دوش پہ یہ نیک خو رکھے

اب عمو جان مجھ میں نہیں طاقتِ کلام
فرماتی ہیں کہ مرتا ہے ہے ہے یہ تشنہ کام
ہچکی لگی ہوئی ہے مرے شیرخوار کو
بچوں پہ جان دینے کو حاضر ہے جاں نثار
چلئے پسر کو لے کے وہاں بہر کردگار
وہ کام ہے غلام کا یہ کام آپ کا
کیا کہتے ہو نہ بھائی یہ میری نہیں مجال
نیکی بدی ہو کچھ تو کہیں شاہِ خوش خصال
بچوں کے واسطے مرے بھائی کو کھو دیا
کیونکر دلا دے بھائی سے ان کو کوئی رضا
تنہا نہ ہوں جہاں میں شہنشاہِ کربلا
یہ چل بسے تو کون ہے پھر میرے بھائی کا
بی بی بھلا یہ کون سے وسواس کی ہے بات
پھر ننھے ننھے بچوں کی کس طرح ہو حیات
آ گئے جو کچھ سبھوں کی رضا میں تو غیر ہوں
واں خود گئے بھتیجی کو آغوش میں لئے
پانی کہیں سے آئے تو یہ جاں بلب جیے
مولا بس اب نہ روکیے اپنے غلام کو
مشکیزہ بھر کے چاند سی چھاتی پہ زخم کھاؤ
یہ کیا سکھا کے لائی ہو بی بی ادھر تو آؤ
پانی کو اب تو روتی ہو پھر ان کو روؤ گی
یہ اودے اودے ہونٹ انھیں تم نے کیوں دکھائے
دولت ولی حق کی مرے ہاتھ سے نہ جائے
دریا کا معرکہ ہے خدا آبرو رکھے

گردن جھکا کے شرم سے بولی وہ مہ جبیں
اصغر کو لائیں گود میں جب بانوئے حزیں
مجرم جو لب پہ حرفِ شکایت بھی آئے ہوں
یہ سن کے گود میں دیا اس تشنہ کام کو
باقی رہی نہ ضبط کی طاقت امام کو
حالت جو غیر ہو گئی زہرا کے جائے کی

بوسہ قدم پہ دے کے وہ شیر ژیاں چلا
چلائے اہلِ بیت کہ راحت رساں چلا
سادات کس بلا میں گرفتار ہو گئے
اللہ رے رعب آمدِ عباسؑ عرش قدر
غل ہے قریب تر ہے سپہر دغا کا بدر
آتا ہے ابنِ ضیغمِ یزداں لڑائی کو

لشکر میں ایک ایک کو ہے زندگی سے یاس
وہ دور دور سب ہیں صفیں تھیں جو پاس پاس
غل چار سو یہ ہے کہ قدم سر کے جاتے ہیں
وہ عازمِ دغا ہے جو شیروں کا شیر ہے
زور آوری سے اس کی تہمتن بھی زیر ہے
لرزہ ہے اُن کے تن میں جو مردِ نبرد ہیں

رن سے قدم اٹھائے ہوئے ہیں سرانِ فوج
دہشت سے منہ چھپائے ہیں تیغیں میانِ فوج
رایت تمام خوف سے تھرائے جاتے ہیں
نکلا حرم سرا سے جو وہ آسماں حشم
شوکت وہ اس جناب کی وہ رفعتِ علم
ذرّوں سے شرمگیں تھے گہر لعل سنگ سے

پوچھیں حضور میں نے کچھ اُن سے کہا نہیں
ہاں مشک دی قصور یہ ہے یا امامِ دیں
لیجے قسم زباں کے جو کانٹے دکھائے ہوں
عباسؑ خم ہوئے شہِ دیں کے سلام کو
لپٹا لیا برادرِ عالی مقام کو
قبرِ علیؑ سے آئی صدا ہائے ہائے کی

غل پڑ گیا کہ یاورِ شاہِ ہدیٰ چلا
لو فاطمہؑ کے گھر سے علیؑ کا نشاں چلا
ہے ہے حسینؑ بیکس و بے یار ہو گئے
سینوں میں دل چھپے ہوئے تھے جوشنوں میں
زہرے ہیں آب گھاٹ سے بھاگے ہیں اہلِ حذر
شیروں نے ڈر کے چھوڑ دیا ہے ترائی کو

ڈر سے کسی کے ہوش ٹھکانے ہیں نہ حواس
آمد میں شیر کی بھی یہ ہوتا نہیں ہراس
گھوڑے بھگاؤ حضرتِ عباسؑ آتے ہیں
رونا ہے مل کے بھائی سے بھائی پہ رہ گیے
جرّار ہے شجاعِ جہاں ہے دلیر ہے
شیروں کے ہاتھ پاؤں ترائی میں سرد ہیں

مانندِ بید کانپ رہے ہیں جوانِ فوج
دامن لپیٹتے ہیں کمر سے نشانِ فوج
لشکر کے بھاگنے کے نشاں پائے جاتے ہیں
نصرت نے گرد پھر کے لئے بوسۂ قدم
تیغے کی ضو سے برق چمکتی تھی دم بدم
صحرا زمرّدی تھا پھریرے کے رنگ سے

وہ ضو علم کی وہ رُخِ عباسؑ نامور
پنجہ اُدھر علم کا رُخِ پُرضیا اُدھر
یکتا وہ زرق برق ہیں یہ آفتاب میں
پنجے سے نورِ پنجتنی آشکار ہے
دامن بھی ابرِ رحمتِ پروردگار ہے
کشتی کا بادباں ہو تو کوثر پہ جا لگے

ناگاہ غل ہوا فرسِ تیزگام لاؤ
ہاں رخشِ تیزرَو کو بصد اہتمام لاؤ
ہے انتظار آبرشِ آہو شکار کا
آیا فرس سجا ہوا کس ترک و تاز سے
رکھتا تھا پاؤں خاک پہ اس امتیاز سے
فوق اس کو تھا ہمائے سعادت نشان پر

وہ تھوتنی کہ غنچۂ سوسن سے تنگ تر
کیلیں نجوم، نعل ہلال، اور سُم قمر
کھاتی تھی ہر پری بھی قسم اس کی جان کی
دلدل نژاد برقِ تجلّی براق سیر
اسوار دم دلاسے اگر پھیرے تو خیر
سُرعت غضب ہے گو کہ وہ بے آب و دانہ ہے

سایے کا اس کے دھوپ میں سُرعت سے تھا یہ حال
گہ بر میں گاہ بحر میں گاہے سوئے جبال
سایہ نہ تھا ہمائے سعادت پناہ تھا
وہ شوخیاں فرس کی وہ سرعت وہ آؤ جاؤ
جب چاہو سیرِ عالمِ امکاں کی دیکھ جاؤ
رفعت میں پست حوصلہ کبکِ دری کا تھا

رکھتے تھے ہاتھ چہرے پہ خورشیدِ خیرہ سر
وہ نورِ سرمدی تہ و بالا تھے جلوہ گر
تھا فرق ایک نیزے پہ دو آفتاب میں
پرچم پہ طرۂ سرِ حور انتشار ہے
پہونچا جو اس کے سائے میں وہ رستگار ہے
طوبیٰ نہال ہو اگر اس کی ہوا لگے

آیا علیؑ کا سروِ رواں خوشخرام لاؤ
اسپِ گراں رکاب و مرصع لجام لاؤ
بیٹا سوار ہوئے گا دلدل سوار کا
سرعت کا قافلہ نکل آیا حجاز سے
جیسے پری چمن میں خراماں ہو ناز سے
سُم تھے زمین پر تو دماغ آسمان پہ

وہ انکھڑیاں خجل ہوں ہرن جن کو دیکھ کر
باریک جلد سینہ کشادہ بلند سر
غصّہ یہ تھا کہ تنگ ہے وسعت جہان کی
دریا میں موج دشت میں آہو ہوا میں طیر
گر سانس لی تو دم بھی نہ لے پھر فلک بغیر
اُس کو تو نبض کی حرکت تازیانہ ہے

وحشت میں جس طرح سے بھرے چوکڑی غزال
گم کردہ آشیاں تھا عقابِ کشادہ بال
گویا ہوا کے زور میں شاہیں تباہ تھا
سو حسن تھا فقط جسے ہیکل کا اک بناؤ
تازی ہو روح پاؤ قدم میں وہ لطف پاؤ
چھل بل ہرن کی تھی تو جھکڑا پری کا تھا

لو اب سوار ہوتے ہیں عباسؑ نامور
لو ہٹ کے ہاتھ آپ نے رکھا ایال پر
برچھا لیا سمند کو زانو میں داب کے
بڑھنے میں صرف ہاں جو دہن سے نکل گیا
لشکر گلوں کی بو کا چمن سے نکل گیا
طاؤس کیا کہ برق بھی شرما کے رہ گئی

گھوڑا اڑا کہ ہو گئی سرعت ہوا کی گرد
جا پہونچی تا بہ فرق ثریا ثریٰ کی گرد
خورشید کی ضیا تھی سموں کے نشان پر
شوکت وہ اس فرس کی وہ عباسؑ کی نمود
غل تھا کہ ہر ثنا ہے پئے واجب الوجود
سب کے گلوں میں ان کی غلامی کا طوق ہے

پیدا تھا مثلِ حیدرِ کرار رعبِ حق
رخسار تھے کہ سورۂ والشمس کے ورق
موتی کے آگے دانتوں کی کچھ آبرو نہ تھی

وہ ہاتھ کار خیر رہا جن سے روز و شب
بازو وہ جن میں قوتِ دستِ خدا تھی سب
پہلو میں قلب وہ جو ہمیشہ کھڑا رہا

شان و شکوہ و صولت و عدل و نہیب و دار
اشفاق و رحم و دوستی و خُلت و وداد
اندوہ و داد و رنج مطیعانِ نو میں تھے

شوکت کا قول تھا کہ مطیعِ جناب ہوں
نصرت کا ادعا تھا کہ میں کامیاب ہوں
فاقے سے تھے پہ صبر بھی منھ موڑتا نہ تھا

لو دامنِ قبا نے لیا بوسۂ کمر
لو آفتاب خانۂ دیں پر ہے جلوہ گر
لو وہ ہلال بن گئے حلقے رکاب کے
وحشی غزال دشتِ ختن سے نکل گیا
جھونکا نسیم کا تھا کہ سن سے نکل گیا
پچھلے سموں کی گرد نظر آ کے رہ گئی

بوئے چمن تھی یا قدمِ بادپا کی گرد
اُڑ کر سرِ فلک پہ گئی کربلا کی گرد
نخوت سے تھا زمیں کا دماغ آسمان پر
پڑھتا تھا کوئی شخص تبارک کوئی درود
کیا ان کے سامنے کسی انساں کی ہست و بود
یہ وہ بشر ہیں جن کو ملائک پہ فوق ہے

چمکا جو نورِ عرش بنا خاک کا طبق
ازبر تھا خط کو آیۂ واللیل کا سبق
سورہ تھا نور کا وہ بیاضِ گلو نہ تھی

ساعد تھے صاف ساعدِ پُر نورِ شبیرِ رب
شانے وہ جن میں شانِ نشانِ شہِ عرب
سینہ وہ صدر تھا جو وفا سے بھرا رہا

اسلام و دین و ملت و ایمان و اعتقاد
خوف و رجا و آرزو و مطلب و مراد
سب غاشیہ بدوشِ فرس کے جلو میں تھے

کہتی تھی فتح خاکِ درِ بوتراب ہوں
دعویٰ تھا قہر کو کہ علیؑ کا عتاب ہوں
ہر گام پہ ثباتِ قدم چھوڑتا نہ تھا

تلوار وہ ہلال کٹے جس کو دیکھ کر ۔ تھی کہکشاں کمند عدو بند شیر نر
مہتاب آسمان ظفر آہنی سپر ۔ خود آفتاب تھا تو جبین مبیں قمر
رخ کے عرق سے نور کے قطرے ٹپکتے تھے ۔ حلقے نہ تھے زرہ میں ستارے چمکتے تھے

نیزے کی نوک سے جگر آفتاب خون ۔ سینہ ہے آسماں کا اسی دن سے نیلگوں
ابروئے حور فتح و ظفر تھا کماں کا نون ۔ تھا ماہ نو بھی جس کے چم و خم سے سرنگوں
دہشت سے گوشہ گیر رمیان شام تھے ۔ ترکش کے سارے تیر اجل کے پیام تھے

نیزہ زمیں میں گاڑ کے گونجا جو شیر نر ۔ چہروں سے رنگ اڑ گئے تھرا گئے جگر
نکلے رجز میں خشک زباں سے وہ شعر تر ۔ جس کے جواب میں فصحا نے جھکائے سر
غل تھا زبان ناطقہ الکن ہے لال ہے ۔ لاریب فیہ مصحف ناطق کا لال ہے

نعرہ یہ تھا کہ گوہر برج شرف ہوں میں ۔ فرزند صاحب شرف من عرف ہوں میں
فخر سلف جو شاہ ہے اُس کا خلف ہوں میں ۔ اللہ و پنجتن ہیں جدھر اُس طرف ہوں میں
رایت سے پیش رو ہوں خدا کی سپاہ کا ۔ پیرو ہوں بادشاہ ہدایت پناہ کا

حیدرؑ کی ذوالفقار سے لاکھوں کے سر کٹے ۔ جوشن میں سینے سینوں کے اندر جگر کٹے
خیبر میں جبرئیلؑ کے بھی تین پر کٹے ۔ پر یوں کٹے کہ تیغ نے جیسے سپر کٹے
ضربت کا حال عمرو دلاور سے پوچھئے ۔ حیدر کا زور مرحب و عنتر سے پوچھئے

بچوں کا ایلچی بھی ہوں اور تشنہ کام ہوں ۔ سقائے اہلبیتؑ رسول انام ہوں
شبیرؑ کی سپر ہوں علیؑ کی حسام ہوں ۔ شاہوں کا شاہ ہوں شہ دیں کا غلام ہوں
سینے پہ تیر کھاؤں گا تلواریں کھاؤں گا ۔ یہ مشک آب نہر سے میں لے کے جاؤں گا

یوں تو ہیں تین روز سے بے آب و دانہ سب ۔ لیکن قریب مرگ ہیں وہ طفل تشنہ لب
کیوں آل کو ستاتے ہو بے جرم و بے سبب ۔ کچھ مصطفیٰؐ کا پاس نہیں تم کو ہے غضب
دو دن تو بیکسوں پہ عطش میں گزر گئے ۔ کس پر یہ خون ہوگا جو معصوم مر گئے

ہم اپنا سر کٹانے کو حاضر ہیں ظالمو ۔ تینوں میں بھوک پیاس میں صابر ہیں ظالمو
بچے بھی میہماں کے مسافر ہیں ظالمو ۔ آثار مرگ چہروں پہ ظاہر ہیں ظالمو
گر ہم تمہارے زعم میں تقصیر وار ہیں ۔ پر اُن کا کیا قصور ہے جو شیر خوار ہیں

یہ دھوم یہ خیام کا جلنا یہ گرم بن
مانندِ غنچہ پیاس سے کھولے ہیں سب دہن
گرمی سے ہاتھ پاؤں غریبوں کے سرد ہیں
چلّایا شمر تب کہ عبث ہے سوالِ آب
بچوں کی پیاس سے ہے جو حضرت کو اضطراب
خیمے سے گھٹنیوں اگر اصغرؑ بھی آئے گا
ایسا سخن کبھی نہ سُنا تھا جو کان سے
جھومے فرس پہ جب شہِ مرداں کی شان سے
نعرہ کیا کہ او سگِ ناپاک دور ہو
حجت تمام کرنے کی خاطر تھے یہ کلام
سوکھی ہوئی زباں جو دکھاوے وہ تشنہ کام
قدرت ہے سب طرح کی امامِ جلیل کو
کیا جانے مرتبہ پسرِ فاطمہؑ کا تو
سردار بُردبار نکوکار نیک خو
جاری ہے فیضِ فاطمہؑ کے نورِ عین کا
یہ کہہ کے لی نیام سے تیغِ شرر فشاں
شعلے نے الحذر کہا بجلی نے الاماں
ثابت ہوا کہ چہرۂ خورشید کٹ گیا
بجلی چمک کے ہوتی تھی جب آسماں کے پار
زیرِ زمیں تو گاہ زمیں کو نہ تھا قرار
غل تھا علیؑ کی تیغ کا سب رنگ ڈھنگ ہے
اقبال و تندرستی و آسایش و قرار
علم و سکون و راحت و آرام و اختیار
آثارِ قہرِ حق اُنھیں معلوم ہو گئے

مرجھا گیا ہے احمدؐ مختار کا چمن
پانی بغیر اب نہ جئیں گے وہ گل بدن
نیلے ہیں ہونٹھ پھول سے رخسار زرد ہیں
دیں گے زبانِ تیغ سے ہم آپ کو جواب
پھر کس لئے ہو بیعتِ حاکم سے اجتناب
جز آبِ تیر پانی کا قطرہ نہ پائے گا
برچھی لگی مگر نہ کہا کچھ زبان سے
بس خود بخود اُگلنے لگی تیغ میان سے
یہ کیا سخن ہیں منھ میں ترے خاک دور ہو
ظالم شراب خوار کی بیعت کرے امام
حاضر ابھی ہوں چشمۂ شیریں کے لاکھ جام
چاہیں تو وہ سبیل کریں سلسبیل کو
عزت بہشت کی ہیں تو کوثر کی آبرو
اُن کا عدو خدا و پیمبرؐ کا ہے عدو
غاصب ہو تو یہ نہر بھی ہے حق حسینؑ کا
آواز دی زمیں نے کہ یا حافظِ زماں
دہشت سے تھرتھرا گیا مریخ آسماں
غل تھا کہ فوجِ شام کا لشکر الٹ گیا
پڑھتا تھا عرش آیۂ کرسی کو بار بار
تھرا رہا تھا ثور فلک وقت گیر و دار
جبریل کانپتے تھے کہ خیبر کی جنگ ہے
امن و امان و صبر و توانائی و وقار
رعب و ثبات و سرکشی و قدر و اقتدار
سب تیغ کے چمکتے ہی معدوم ہو گئے

غل تھا چمکتی آتی ہے تیغِ اجل چلو
ڈر کر کہا اماں نے کہ قبل از جدل چلو
دب کر صدا غرور نے دی سر کے بل چلو
بولی سلامتی کہ سلامت نکل چلو
دریا بہے گا خوں کا کنارے فرات کے
دم بھر میں بند ہوئیں گے کوچے نجات کے

ڈھالوں سے شامیوں کے اُدھر چھا گئی گھٹا
دریا پہ جھوم جھوم کے سب آ گئی گھٹا
ایسا بڑھا یہ ابر کہ شرما گئی گھٹا
بارانِ تیر دشت میں برسا گئی گھٹا
کشتوں کو اپنے فوجِ عدو رُوندنے لگی
جنگل میں برقِ قہرِ خدا کوندنے لگی

چمکی جو تیغ آمدِ قہرِ خدا ہوئی
سر پر جو آ گئی تو قیامت بپا ہوئی
سینے سے روح جسم سے گردن جدا ہوئی
خوں میں ڈبو چکی تو نہ پھر آشنا ہوئی
باڑھ اس غضب کی دار وہ اس زور شور کا
دشمن کو اُس کا گھاٹ کنارا تھا گور کا

ہر دم تھی معرکے میں اجل اس کے دم کے ساتھ
گرتا تھا خُود کٹ کے برابر جھلم کے ساتھ
رہتی تھی اس طرح ظفر و فتح خم کے ساتھ
جیسے ہمیشہ رہتا ہے سکّہ درم کے ساتھ
ہر دل پہ اُس کی شان و جلالت کا نقش تھا
تمغہ نہ کہیئے آیۂ نصرت کا نقش تھا

بسم اللہ صحیفۂ نصرت تھی اس کی تاب
مانندِ ذوالفقار گراں قدر و انتخاب
جوہر ہیں آبرو میں اصالت میں لاجواب
وہ قد وہ خم وہ منہ کی صفائی وہ آب و تاب
اُترے جگر سے جس کے اُسی کو خبر نہ ہو
کاٹے گلے ہزار کے اور خوں میں تر نہ ہو

پایا تھا باغیوں نے ثمر یہ دمِ جدل
ڈھالوں سے پھول اُڑ گئے تھے برچھیوں سے پھل
شاخیں کماں کی توڑتا تھا پنجۂ اجل
گرتے تھے سہم کر قدر انداز منہ کے بھل
گوشوں کو ڈھونڈھتے تھے کماں کش ہٹے ہوئے
ریتی پہ نخلِ تیر پڑے تھے کٹے ہوئے

گو پال و تیغ و خنجر و گرز و سنان و تیر
دو دو تھے پیش آئینۂ تیغِ بے نظیر
دم میں یہ صف تمام اُدھر کا پرا اخیر
آفت کا معرکہ تھا قیامت کی دار و گیر
اڑ کر بھی مرغِ روح کا بچنا محال تھا
جوہر حسام میں تھے کہ لوہے کا جال تھا

یوں مورچوں کو چاٹ گئی تیغِ شعلہ رنگ
لوہے کو خاک شور میں کھا جائے جیسے زنگ
کمروں سے کھینچ نہ سکتے تھے خنجر میانِ جنگ
جوشن جو کٹ گئے تھے تو چار آئینے تھے دنگ
تلواریں منہ چھپائے تھیں ضربِ درشت سے
ڈھالیں لپٹ گئیں تھیں سواروں کی پشت سے

گرتی تھی کوند کر جو وہ تیغِ شرارہ ریز
چلنے میں تیغ تیز، فرس تیز، ہاتھ تیز
کشتے تھے ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں
کاٹی سپر تو کاسۂ سر تک پہونچ گئی
سر سے مثالِ برق جگر تک پہونچ گئی

بڑھ کر کمر سے زین پہ آئی سرنگ کے
اُن کے قدم بھی اُٹھ گئے جو سر گزار تھے
بھڑکی تھی آگ نعل در آتش سوار تھے

جاتا تھا یوں غضب میں صفِ اہلِ کیں پر
تیغِ دو دم سروں سے گزرتی تھی دم بدم
بڑھتی تھی دم بہ دم تو ٹھہرتی تھی دم بدم
ڈر سے جگر بھی آب تھے زہرے بھی آب تھے

نکلا ادھر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
کوسوں لہو سے دشتِ ستم لالہ زار تھا

کیا ہو زرہ سے ضرب جب ایسی کڑی لگے
رہوار نے وغا میں کہاں رستمی نہ کی
مالک سے بیکسی میں کہاں ہمدمی نہ کی
دم سے تھا بحرِ خوں کا کنارا لگا ہوا

جس سمت گر کے تیغ کا سایہ گزر گیا
خالی ہوئی یہ صف وہ پرا خوں میں بھر گیا
گرتا تھا خود جری یہ جری ماجرا یہ تھا

فتح و ظفر تھی حاشیہ گیرِ رکاب دار
جوہر تھے یا کہ سلسلۂ زلفِ تابدار
اک شور تھا کہ موت کا عرصہ قلیل ہے

دوزخ کھلا تھا، بند تھے سب کوچۂ گریز
رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامۂ ستیز
ششدر تھے سب کہ موت سے کیونکر دوچار ہوں
سر پر پڑی تو پیر کے بر تک پہونچ گئی
پی کر لہو جگر کا کمر تک پہونچ گئی
ٹکڑے گرے نہ تھے کہ یہ نیچے بھی تنگ کے

ممکن نہ تھا قرار کہ دل بے قرار تھے
ٹاپیں فرس کی تھیں کہ سر دہی کے وار تھے
شیرِ ژیاں جھپٹتا ہے جس طرح صید پر
دوزخ میں فوجِ شام کی بھرتی تھی دم بدم
ندی لہو کی چڑھ کے اُترتی تھی دم بدم
فوجیں تھیں دست و پا کی سروں کے حباب تھے

پیدل ہو یا سوار وہ دو تھا یہ چار تھا
بجلی چمک رہی تھی فرس بے قرار تھا
سر یوں برس رہے تھے کہ جیسے جھڑی لگے
شمشیر جانستاں نے کہاں برہمی نہ کی
سو مرتبے چلی پہ برش نے کمی نہ کی
جانوں کا گھاٹ پر تھا اُتارا لگا ہوا

پہونچوں سے دونوں ہاتھ اڑے تن سے گر گیا
گھوڑے سمیت گر کے یہ تڑپا وہ مر گیا
بسمل بھی لوٹتے تھے برابر مزا یہ تھا
دکھلا رہی تھی راہِ عدم تیغِ تابدار
تلوار بھی ملی تھی بہشتی کو آب دار
پیاسو ہو کہ تیغ کا پانی سبیل ہے

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہیں منہ چھپانے کو
ہر ہر قدم پہ تھے تنِ کفار سے جدا
چلّے تھے سر بسر لبِ سوفار سے جدا
زہ گیر کیا کرے جو نہ ترکش میں تیر ہو

یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلواں کے پاؤں
اٹھ اٹھ گئے سپاہِ ضلالت نشاں کے پاؤں
ہٹتا بھی ہے جہاد میں حق کا ولی کہیں
جب شیر سے ترائی کی جانب جھپٹ گئے
اب کیا بڑھیں کہ ڈر سے لہو تن کے گھٹ گئے
حملوں کے بعد تنتے تھے یوں نعرے مار کے

ہر شے تھی خوف ضربتِ شمشیر سے جدا
پیرِ حزیں جواں سے جواں پیر سے جدا
سارے عقاب تیرِ غمِ بے پری میں تھے
نیزے کو تولتا ہوا گر کوئی یل بڑھا
کچھ ہاتھ کچھ حسام دو دستی کا پھل بڑھا
دو ٹکڑے طول میں جو دمِ امتحاں ہوئے

رکتی تھی خود پہ نہ جھلم پہ نہ ڈھال پر
بالا تھا راستی میں قد اس کا ہلال پر
چشمک یہ دم بدم تھی کہ سرکش ذلیل ہیں
گھوڑوں کے دوڑنے سے اڑی دشت میں جو گرد
جتنے جواں تھے دفترِ مردانگی میں فرد
تصحیح کیا ہوش میں اک خود غلط نہ تھا

سر اڑ گئے تنوں سے جدا تھے عناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو
قبضہ کماں کا دستِ کماں دار سے جدا
ڈر سے جدا ہلاک تھے تلوار سے جدا
چلاتے تھے کہ چل کے کہیں گوشہ گیر ہو

چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
رن میں جمے رہے تو اسی نوجواں کے پاؤں
عباسؑ بھی ہٹیں جو ہٹے ہوں علیؑ کہیں
صف آئی صف پہ گھوڑے پہ گھوڑے الٹ گئے
جن کے قدم جمے رہے سر ان کے کٹ گئے
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے ڈکار سے

ناوک کماں سے دور کماں تیر سے جدا
چلّے سمٹ کے ہوتے تھے زہ گیر سے جدا
پیکاں میں نے سری تھی نہ پیکاں سری میں تھے
دریائے قہرِ حق طرف پُر دغل بڑھا
تلوار سر پہ آئی کہ دستِ اجل بڑھا
غل تھا کہ معنی ید طولیٰ عیاں ہوئے

حیرت تھی فوجِ شام کو اس چال ڈھال پر
جوہر فروتنی کے بھی تھے اس کمال پر
چلتے ہیں جھک کے وہ جو نجیب و اصیل ہیں
مقتل بھی زرد تھا فلکِ نیلگوں بھی زرد
چہرے کٹے ہوئے تھے انھیں کے دم نبرد
زخمی تھے منہ کہیں اثر خال و خط نہ تھا

ہر سمت تھا مقدمہ جانوں کا رو بہ کار
اسوار ہر طرف تو نہ اردو رسالہ دار
کیا ابتری سپاہِ ضلالت اثر میں ہے
تسلیم کو جھکے ہوئے تھے باادب نشاں
اُٹھتا تھا شور ہاتھ سے گرتے تھے جب نشاں
آفت بپا ہے پاؤں تھمے کیا سپاہ کا

جب اٹھ کے تیغِ صفدرِ قدسی شرف گری
آیا اُدھر خدا کا غضب جس طرف گری
سیفی چلی کہ سیفِ صفِ کارزار پہ
آئے جو سوئے نہر صفیں موڑ موڑ کے
تلواریں پھینکیں خاک پہ دم توڑ توڑ کے
وہ برچھیاں نہ پھر نہ وہ شورِ مصاف تھا

وہ رہ گئے کہ زخموں سے جو چور چور تھے
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے غیور تھے
غل تھا کہ اب بچیں گے نہ ہم اس لڑائی میں
لڑتا کنارِ نہر جو پہونچا وہ شہ سوار
آئی صدائے حضرتِ الیاس باوقار
سر بر ہو کون تیغ پکڑ کر جو تو لڑے

سقائے اہلبیتؑ پکارا بچشم تر
پیاسا ہے تین روز کا مختارِ خشک و تر
طوفاں کا دھیان صاحبِ کشتی کو چاہیئے
ڈالا میانِ نہر جو اسپِ صبا شتاب
موجیں بڑھیں برائے قدم بوسئ جناب
لہروں کی بجلیاں جو برابر چمکتی تھیں

آتی تھی موت جائزہ لینے کو بار بار
طبلق لئے تھے منشئ فوجِ ستم شعار
غل تھا چلو کہ فوج کی بھرتی سقر میں ہے
لشکر میں برہمی تھی سلامی تھے سب نشاں
نوبت یہ ہو تو فوج کا ٹھٹا ہے اب نشاں
سکہ پڑا ہے ضربِ علمدار شاہ کا

گویا کہ برقِ سطوتِ شاہِ نجف گری
کٹ کر گرا پرے پہ پرا صف پہ صف گری
گھوڑے گرے پیادے پہ پیدل سوار پہ
بھاگے کمانیں تیر عدو جوڑ جوڑ کے
بھاگے دغا میں گھاٹ کو سب چھوڑ چھوڑ کے
جس مورچے پہ تیغ اُٹھائی وہ صاف تھا

جو تھے قریبِ نہر وہ سب دور دور تھے
دریا پہ کوئی اور نہ تھا بس حضور تھے
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں
خوں پونچھ کر رکھی تہِ راں تیغِ آب دار
اے نورِ عینِ ساقئ کوثر ترے نثار
دھو ہاتھ منھ کہ نہر کی بھی آبرو بڑھے

میں ہاتھ دھو کے جان سے آیا ہوں نہر پر
بچے تڑپ رہے ہیں لہو ہے مرا جگر
بچوں کی پہلے فکر بہشتی کو چاہیئے
آنکھیں قدم سے ملنے لگے دوڑ کر حباب
اُچھلیں علم کے چومنے کو ماہیانِ آب
کھلتی تھیں اور حبابوں کی آنکھیں جھپکتی تھیں

پانی سے منہ اُٹھائے جو تھا اسپ سربلند
بولا ہلا کے سر کو سمندِ وفا پسند
حیواں تو ہوں حضور پہ خوش اعتقاد ہوں
فرمایا آپ نے مرے غمخوار مرحبا!
تو اپنی خانہ زادی کا حق کر چکا ادا
پانی سے اے فرس تجھے جب اجتناب ہو
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
تنہا پہ بے وطن پہ ہوا پھر ہجوم عام
اک شور تھا کہ بڑھنے نہ دو اس دلیر کو
گھوڑا کہیں گھرا کہیں اڑ کر نکل گیا
نعروں سے مر گیا کوئی، کوئی دہل گیا
مشکیزہ لے کے لاکھوں سے کب تک وغا کریں
برسے جو دس ہزار کمانوں سے تیر کیں
وار اپنا کر گیا جو برابر سے اک لعیں
مڑ کر نگاہ کی کہ الٰہی یہ کیا ہوا
ٹھنڈا جو ہو گیا علم شاہ دیں پناہ
دانتوں سے پکڑی مشک کہ محنت نہ ہو تباہ
گھوڑے سے ڈگمگا کے بصد یاس گر پڑے
اُٹھ بیٹھے گر کے حضرتِ عباسؑ ذی حشم
جھک کر زمیں پہ غش میں جو سنبھلا وہ باکرم
ٹکڑے ہوا جگر اسدِ ذوالجلال کا
مڑ کر جو فرطِ غیظ سے قاتل پہ کی نظر
جھپکی نہ آنکھ واہ رے دل واہ رے جگر
جوشِ غضب میں خاک پہ بیٹھے تھے شیر سے

ڈھیلا کیا دلیر نے خود جھک کے زیر بند
پیاسا ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ ارجمند
میں بھی تو ابنِ فاطمہؑ کا خانہ زاد ہوں
ڈگتا نہیں کبھی قدمِ صاحبِ وفا
پیشِ خدا بزرگ ہے صابر کا مرتبا
سیراب کس طرح پسرِ بوتراب ہو
پھر گھاٹ پر گھٹا کی طرح آئی فوجِ شام
پھر ہر طرف سے چلنے لگے نیزہ و حسام
گُشتہ کرو ترائی میں حیدرؑ کے شیر کو
جو ڈر کے گر پڑا وہ سموں سے کچل گیا
صف کچھ گھسی اُدھر کی جدھر وہ اُچھل گیا
کیوں اے بہادرو کہو عباسؑ کیا کریں
غربال ہو گیا تنِ عباسؑ مہ جبیں
بالائے خاک کٹ کے گرا بازوئے یمیں
اک ہاتھ رہ گیا تھا سو وہ بھی جدا ہوا
عباسؑ نامور نے بھری دل سے ایک آہ
مشکیزے پر بھی تیر لگا وا مصیبتا
پانی کے ساتھ حضرتِ عباسؑ گر پڑے
گھٹنے کے نیچے مشک تھی زانو پہ تھا علم
گرزِ گراں عقب سے پڑا سر پہ ہے ستم
سر پاش پاش ہو گیا حیدرؑ کے لال کا
مارا کسی نے تیر دلاور کی چشم پر
تیور جو آئے جھوم کے سنبھلا وہ شیر نر
گویا لہو ٹپکتا تھا چشمِ دلیر سے

شانوں سے سارے جسم کا جب بہہ گیا لہو
آواز دی کہ آئیے یا شاہ نیک خو
خوں میں تڑپ تڑپ کے یہ غم خوار رہ نہ جائے
نکلا حرم سرا سے علمدار کا پسر
چہرے کا رنگ اُڑا ہوا کُرتا عرق میں تر
شاید خبر نہیں ہے امام غیور کو
ڈیوڑھی سے بلبلا کے سکینہؑ نے یہ کہا
جلدی کسی کو بھیجیے یا شاہ کربلا
مر جاؤں گی اگر اُنھیں جیتا نہ پاؤں گی
حضرت نے آہ کی کہ لرزنے لگی زمیں
اب جلد سر کٹانے کو آئیں امام دیں
بڑھنے دیا نہ گھاٹ سے آگے دلیر کو
تیروں سے جسم چھن گیا بازو ہوئے قلم
آئے ہیں یاں پھریرے کے پُرزے اُڑا کے ہم
دنیا سے آج اُٹھ گیا حامل نشان کا
سُنتے ہی اس صدا کے شکستہ ہوئی کمر
کانپے جو پاؤں تھام لیا بازوئے پسر
خورشید کیوں چھپا ہے، یہ کیا واردات ہے
عباسؑ کے پسر سے تو کہہ دو کہ گھر میں جائے
فضّہ ابھی خبر نہ کسی رانڈ کو سُنائے
پُرسا تو دوں نجفؑ کی طرف مجھ کو موڑ دو
یہ روزِ قتلِ حمزہؑ و جعفر ہے اے پسر
یہ ماتمِ شہادتِ حیدرؑ ہے اے پسر
میرا الم بتولؑ کی جائی سے پوچھیے

رہتی یہ تھرتھرا کے جھکے آپ قبلہ رو
سر تن سے کاٹ لینے کے درپے ہیں کینہ جو
صدمہ یہ ہے کہ حسرتِ دیدار رہ نہ جائے
گوہرے گامیں ہنسلیاں تھیں کان میں گہر
کی عرض شہ سے ننھے سے ہاتھوں کو جوڑ کر
آقا پدر پکار رہے ہیں حضور کو
ہاں ہاں سُنی تھی میں نے بھی عباسؑ کی صدا
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ہے ہے مرے چچا
کیونکر چچی کو ہائے یہ صورت دکھاؤں گی
ناگاہ واں سے بڑھ کے پکارے کئی لعیں
کہہ دے کوئی کہ مر گئے عباسؑ نہ جبیں
کیا گھیر کر کچھار میں مارا ہے شیر کو
اُفتادہ ہے وہ خاک پہ ٹوٹا ہوا علم
پانی نہ مشک میں ہے نہ عباسؑ میں ہے دم
کٹتا ہے سر ترائی میں کڑیل جوان کا
تڑپے اُٹھے گرے نہ سنبھالا گیا جگر
چلّاتے تھے کہو علی اکبرؑ چلیں کدھر
کچھ سوجھتا نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے
دیکھو حرم سرا سے سکینہؑ نکل نہ آئے
اکبرؑ اُجڑ گیا مرا گھر ہائے ہائے ہائے
سر پیٹتا چلوں گا مرے ہاتھ چھوڑ دو
یومِ وفاتِ حضرتِ شبّرؑ ہے اے پسر
صبر اب کہاں یہ داغِ برادر ہے اے پسر
صدمہ جوان بھائی کا بھائی سے پوچھیے

غربت میں لٹ گیا مرا گھر ہائے ہائے
سیدھی نہ ہوگی اب یہ کمر ہائے ہائے
تازہ ہے آج داغ پدر ہائے ہائے
کاٹا گیا چھری سے جگر ہائے ہائے
عباسؑ کیا جہاں سے گئے ہم گزر گئے
محسن ہوا شہید حسنؑ آج مر گئے

کرتا تھا عرض باپ کو تھامے ہوئے پسر
دل کو ذرا سنبھالئے یا شاہ بحر و بر
زندہ ابھی ہیں حضرت عباسؑ نامور
گھبرایئے نہ اب ہے ترائی قریب تر
خادم اٹھائے گا جسد پاش پاش کو
چلئے حرم میں لے کے بہشتی کی لاش کو

جس دم قریب لاش کے لائے حسینؑ کو
عباسؑ جاں بلب نظر آئے حسینؑ کو
تڑپا وہ شیر سن کے صدائے حسینؑ کو
اکبرؑ نے ہاتھ اٹھا کے دکھائے حسینؑ کو
دو کوہ غم کے دل پہ جو اک بار گر پڑے
پہلو میں لاش کے شہ ابرار گر پڑے

بھائی کی لاش بھائی نے دیکھی جو خوں میں تر
اُمڈا یہ دل کہ منہ کے قریب آگیا جگر
بولے یہ آنکھیں کھول کے عباسؑ نامور
اکبر سنبھالو قبلۂ عالم کو بیٹھ کر
صدقے ہزار جان امام غیور کے
مجھ کو اٹھا کے گرد پھراؤ حضور کے

منہ مل کے منہ پہ کہنے لگے شاہ خوش خصال
عباسؑ تم کو نزع میں بھی ہے مرا خیال
اے میرے بھائی جان کہو اپنے دل کا حال
صفدر نے مسکرا کے کہا شکر ذوالجلال
آرام آگیا تپش روح و دل گئی
آپ آئے کیا کہ دولت کونین مل گئی

مولا نزول رحمت پروردگار ہے
اب آمد آمد شہ دلدل سوار ہے
شبرؑ کھڑے ہیں راہ میں چشم اشکبار ہے
شاید جناب فاطمہؑ کا انتظار ہے
قدسی قطار باندھے ہیں ناقوں پہ نور کے
آتے ہیں باغ خلد سے نانا حضور کے

کیا بندہ پروری ہے زہے عز و افتخار
لاکھوں برس کی زیست ہے اس موت کے نثار
تھم تھم کے جسم سے جو نکلتی ہے جان زار
دشوار ہے مفارقت شاہ نامدار
کیوں کر نہ ایسی مرگ پہ نازاں غلام ہو
ہنگام نزع جس کے سرہانے امام ہو

رونے لگے یہ کہہ کے جو عباسؑ باوقار
فرمایا شہ نے روتے ہو کیوں تم پہ میں نثار
کی عرض اب بدن سے نکلتی ہے جان زار
غم ہے کہ آپ اکیلے ہیں یا شاہ نامدار
تلواریں کھینچ کھینچ کے لشکر جو آئے گا
اب کون ہے جو قبلۂ دیں کو بچائے گا

کیا بے بسی ہے موت سے اے قبلۂ انام
بگڑا ہے دم کی آمد و شد کا بھی انتظام
پاؤں گا اب کہاں میں امامِ غیور کو
گھبرا کے نزع میں علیؑ اکبر نے یہ کہا
میرا تو کوچ ہے طرفِ گلشنِ بقا
گر منع بھی کریں تو اکیلا نہ چھوڑیو
یہ کہہ کے پائے شاہ کی جانب بڑھایا سر
ٹپکے مژہ سے خون کے قطرے اِدھر اُدھر
منکا جری کا ڈھل گیا بھائی کی گود میں
چلّائے سر کو پیٹ کے سلطانِ بحر و بر
بیکس ہوا حسینؑ لُٹی دولتِ پدر
فرزند تھا مرا یہ تمہارا غلام تھا
یہ سب شرف ہے تیری غلامی کا اے پسر
جعفرؑ بھی ہیں عقیلؑ و حسنؑ بھی ہیں نوحہ گر
پُرسا تمھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
اُٹھ کر پکارے حضرتِ شبیرؑ نامدار
ہے ہے مرا شفیق مرا یارِ غمگسار
بھائی کا کیا سفر ہوا میں آپ مر گیا
بازو شکستہ ہو گیا ٹوٹی مری کمر
اب بے خبر ہیں کون رکھے گا مری خبر
کیوں مجھ سے منھ پھرا لیا تقصیر کیا ہوئی
یہ کہہ کے گر پڑے شہِ والا بروئے خاک
بیٹا تڑپ گیا کہ پدر ہو گئے ہلاک
تیور جو آئے گر کے شہِ مشرقین کو

باتیں تو تھیں بہت پہ نہیں طاقتِ کلام
کچھ ایسی آ بنی ہے کہ مجبور ہے غلام
جی چاہتا ہے یہ کہ نہ چھوڑوں حضور کو
اے شاہزادۂ دو جہاں میں ترے فدا
فرزندِ فاطمہؑ سے خبردار اک ذرا
عمو نثار باپ کو تنہا نہ چھوڑیو
کانپے لہو بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر
کس یاس سے حسینؑ پہ کی آخری نظر
بھائی کا دم نکل گیا بھائی کی گود میں
فریاد ہے کہ مر گئے عباسِؑ نامور
آئی صدا علیؑ کی کہ شبیرؑ صبر کو!
جو حال ہو بجا ہے کہ پیارا غلام تھا
زہرا سرہانے لاش کے روتی ہے ننگے سر
نانا تمھارے روتے ہیں تھامے ہوئے جگر
یہ سب تمھارے بھائی کے لینے کو آئے ہیں
میں لُٹ گیا دُہائی ہے یا شیرِ کردگار
خدمت گزار عاشقِ صادق وفا شعار
بچّے مرے یتیم ہوئے باپ مر گیا
آنکھیں اُدھر تھیں اس کی جدھر تھی مری نظر
واحسرتا زرہ مری ہے ہے مری سپر
سب جس سے کانپتے تھے وہ شمشیر کیا ہوئی
تر ہو گئی شہید کے خوں سے قبائے پاک
کر ڈالا دستِ غم سے گریبان چاک چاک
چلّائی فاطمہؑ کہ سنبھالو حسینؑ کو

جلدی عبا اُٹھا کے دلاور کی لاش پر
اکبر نے عرض شاہ سے کی ہاتھ جوڑ کر
خیمے سے نکلی آتی ہیں رانڈیں برہنہ سر
تنہا کھڑا ہے راہ میں عباسؑ کا پسر
آیا وہ گر تو ساتھ سکینہؑ بھی آئے گی
دیکھی چچا کی لاش تو جیتی نہ جائے گی

فرمایا شہ نے آپ کا مطلب ہے اس سے کیا
روئے نہ پیارے بھائی کو مظلوم کربلا
مجھ سے ابھی تو بچھڑے ہیں عباسؑ باوفا
راحت ہو شمر آ کے جو کاٹے مرا گلا
ہے ہے ابھی سے رشتۂ اُلفت کو توڑ دوں
کس پر میں ان کی لاش کو جنگل میں چھوڑ دوں

آواز پھر علی کی یہ آئی کہ اے پسر
تو جا کہ میں تو ہوں ترے بھائی کی لاش پر
ڈیوڑھی پہ غش ہے زوجۂ عباسؑ نامور
دونوں غلام زادے تمہارے ہیں نوحہ گر
صدمے جہاں میں بے پدری کے عظیم ہیں
اک سوگوار رانڈ ہے اور دو یتیم ہیں

ناچار لاش چھوڑ کے اُٹھے امام دیں
مشک و علم کو لے کے چلے اکبرؑ حزیں
کوتل تھا ساتھ اسپ علمدار مہ جبیں
باگیں کٹی تھیں تیغوں سے ڈھلکا ہوا تھا زیں
لٹکی ہوئی تھی تیغ و سپر بھی دلبر کی
پُرخوں زرہ سمند پہ رکھی تھی شیر کی

ماتھا لہو سے ڈوبا ہوا تھوتھنی فگار
سینہ بھی سب چھدا ہوا گردن بھی زخم دار
گردن پھرا کے تکتا تھا دریا کو بار بار
بیٹے پڑا ہے دشت میں تنہا مرا سوار
خادم برہنہ سر لیے آتا ہے اس طرح
دلدل کو لوگ لاتے ہیں مجلس میں جس طرح

صدمے سے تھی علم کی بھی ٹوٹی ہوئی کمر
چھینٹیں تھیں خوں کی سبز پھریرے پہ سر بسر
پرچم پہ یوں جھکا ہوا پنجہ تھا خوں میں تر
جس طرح پیٹتا ہے کوئی سوگوار سر
پیدا تھی ہر قدم پہ علامت نشان سے
پیٹو کہ اُٹھ گیا مرا حامی جہان سے

پہونچے حسینؑ خیمۂ اقدس کے جب قریں
آگے بڑھے جھکا کے علم اکبرؑ حزیں
دوڑا تڑپ کے دلبر عباسؑ مہ جبیں
چلایا کیا غضب یہ ہوا یا امام دیں
کوتل ہے کیوں فرس مرے بابا کدھر گئے
سر پیٹ کر حسینؑ پکارے کہ مر گئے

یہ سُن کے ننگے پاؤں پھرا وہ جگر فگار
آیا حرم میں مضطر و نالان و بے قرار
مادر پکاری خیر تو ہے تم پہ میں نثار
چلایا چاک کرکے گریباں وہ سوگوار
پانی کو جو سدھارے تھے وہ خوں میں تر ہوئے
اماں اُڑاؤ خاک کہ ہم بے پدر ہوئے

پردہ اُلٹ کے خیمے کا فضہ نے دی صدا
لاتے ہیں گھر میں مشک و علم شاہِ کربلا
موت آئی ان کو پیاسوں کی تقدیر سو گئی

خیمے میں حشر ہو گیا سنتے ہی یہ خبر
ماتم کی صف پہ بیٹھ گئی کوئی نوحہ گر
ہے ہے کا غل ہوا کہ سکینہؑ اُچھل پڑی

اکبرؑ نے آکے گاڑ دیا صحن میں علم
حضرت پکارے پیٹ کے زانو بدرد و غم
جیتے رہے تھے اس الم و یاس کے لئے

برپا ہوا یہ حشر کہ ہے ہے علیؑ کے لال
بیٹی پچھاڑیں کھا کے جو بانوئے خوش خصال
فق ہو گیا سکینہؑ کا منہ سانس اُلٹ گئی

مُنہ دامنِ علم سے چھپائے بصد بکا
اس خوں بھرے علم کے میں قربان میں فدا
بابا اکیلے ہو گئے آفت گزر گئی

اللہ رے دلخراش علیؑ کی بہو کے بین
چادر پڑی تھی مُنہ پہ کہ تھے سامنے حسینؑ
ٹکڑے تھے تیغِ غم سے دلِ سوگوار کے

کچھ سوچ کر جو ہٹ گئے واں سے امامِ دیں
مُنہ کر کے سوئے نہر پکاری وہ دلحزیں
جنگل بسا دیا شہِ والا کو چھوڑ کے

صاحب سکینہؑ جان بلکتی ہیں آئیے
صدقے گئی بھتیجی کو پانی پلائیے
اُلفت کے دل دہی کے منافی نہ چاہیے

اے پردے والو ڈیوڑھی سے ہٹ جاؤ اک ذرا
مارے گئے جہان میں عباسؑ باوفا
ہے ہے علیؑ کی چھوٹی بہو رانڈ ہو گئی

رانڈوں کے دل اُلٹ گئے تھرا گئے جگر
غش کھا کے گر پڑی کوئی کھولا کسی نے سر
حجلے سے بال کھولے دُلھن بھی نکل پڑی

کھولے سروں کو زیرِ علم آئے سب حرم
لو زینب اپنے بھائی کو رو آئے رن میں ہم
رنڈسالہ لاؤ زوجۂ عباسؑ کے لئے

بکھرا دیئے حسینؑ کی بہنوں نے سر کے بال
مٹی پہ لوٹنے لگے اطفالِ خُرد سال
پھیلا کے ننھے ہاتھ علم سے لپٹ گئی

چلاتی تھی کدھر گئے ہے ہے مرے چچا
مشکیزہ کیوں دیا تھا یہ سب ہے مری خطا
ہے ہے یہ پانی مانگنے والی نہ مر گئی

سکتان آسمان و زمیں کو بھی تھا نہ چین
تھامے تھی ہاتھ خواہرِ سلطانِ مشرقین
حکمِ حیا یہ تھا کہ نہ رونا پکار کے

اُس وقت ہاتھ اُٹھا کے علم کی بلائیں لیں
صاحب حسینؑ روتے ہیں تم کو خبر نہیں
صاحب کدھر چلے گئے آقا کو چھوڑ کے

کانٹے زباں کے دیکھ کے آنسو بہائیے
قربان جاؤں مشک بھری ہو تو لائیے
صادق ہیں آپ وعدہ خلافی نہ چاہیے

کل تھی سہاگن آج تو میں سوگوار ہوں
بیوہ ہوں جاں بلب ہوں غریب الدیار ہوں
جانِ علیؑ ہیں آپ تو میں جاں نثار ہوں
ہاں ناز ہے تو یہ ہے کہ خدمت گزار ہوں
جنگل میں چھوڑیئے نہ مجھے ہاتھ تھام کے
بیٹے ہیں آپ امام کے بھائی امام کے

والی کہاں یہ رانڈ یتیموں کو لے کے جائے
اس کربلا نے لوٹ لیا مجھ کو ہائے ہائے
اب گھر سے کام کیا جو رضا سوگوار پائے
سر پیٹتی ہوئی لبِ دریا کنیز آئے
کیا اس کی زندگی جسے وارث سے یاس ہو
میری بھی قبر آپ کی تربت کے پاس ہو

ہے ہے علم کے ملنے کی شادی کہوں میں کیا
خضر اُن کو مل گئے علمِ سبز کیا ملا
باہر سے پہلے آ کے مرے پاس یہ کہا
تھی جس کی آرزو وہی عُہدہ ہمیں ملا
صدقے سے شہ کے جعفرِ طیار ہم ہوئے
صاحب تمھیں خبر ہے علمدار ہم ہوئے

میں نے بلائیں لے کے پس از تہنیت کہا
آقا کو اور تم کو سلامت رکھے خدا
سردار فیض بخش علمدار باوفا
بولے یہ سب حسینؑ کی ہے شفقت و عطا
کیا کیا نوازشیں ہیں امامِ غیور کی
لے آؤ تم بھی جا کے بلائیں حضور کی

کہتے تھے شب کو بھر کے دمِ سرد دم بدم
تم ہم کو چاہتی ہو تمھیں چاہتے ہیں ہم
سو سر خدا جو دے تو نثارِ شہِ اُمم
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا ہے الم
کل ہم ہیں اور خنجر و شمشیر و تیر ہیں
اس کا بھی غم بڑا ہے کہ بچے صغیر ہیں

کیسی یہ غفلت آج ہے اے شیرِ حق کے لال
بچوں کی اب نہ فکر نہ لونڈی کا ہے خیال
بھاتی تھی جس کے بالوں کی بو آپ کو کمال
اس نے تمھارے سوگ میں کھولے ہیں سر کے بال
اب وصل کے نہ دن نہ شبیں اشتیاق کی
کیونکر کٹیں گی دشت میں راتیں فراق کی

صاحب تمھیں تو سونے کو ہاتھ آئی خوب جا
دریا کا قرب سرد ترائی خنک ہوا
میں اور آپ آج کی شب تک نہ تھے جدا
بستر کو خالی دیکھ کے گزرے گی مجھ پہ کیا
تڑپوں نہ کس طرح کہ نئی واردات ہے
صدقے گئی فراق کی یہ پہلی رات ہے

ہے ہے مرا نصیب کہ تم سے بچھڑ گئی
غم ہے کہ کیوں نہ میں دمِ رخصت بگڑ گئی
کن راحتوں میں تھی کہ مصیبت میں پڑ گئی
والی مجھے بلاؤ کہ دنیا اُجڑ گئی
کیا راہ و رسم ہے یہی دنیائے زشت میں
لونڈی تو قید خانے میں صاحب بہشت میں

کیونکر کہوں کہ آپ میں مہر و وفا نہ تھی
میری ہی خاک قابلِ خاکِ شفا نہ تھی
اتنا گلہ ہے بس کہ یہ غفلت روا نہ تھی
کیا پائنتی بھی اک مری تربت کی جا نہ تھی
بے وجہ خیر خواہ سے منھ موڑتے نہیں
ساتھی برا بھی ہو تو اُسے چھوڑتے نہیں

یوں منھ کو موڑنا تو طریقِ وفا نہیں
صدقے گئی مرا تو کوئی آسرا نہیں
کیونکر تھمے جہاز موافق ہوا نہیں
منجدھار میں تو ناؤ ہے اور ناخدا نہیں
دیتی ہوں واسطہ میں سرِ مشرقین کا
والی مجھے بنائیے صدقہ حسینؑ کا

صاحب تمھیں سکینۂ ناشاد کی قسم
صاحب تمھیں مصیبتِ سجاد کی قسم
تم کو حسینِ کشتۂ بیداد کی قسم
تم کو ہمارے نالہ و فریاد کی قسم
جب تم نہ ہو تو خاک ہے دنیائے زشت میں
مجھ کو بھی اپنے پاس بُلا لو بہشت میں

یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی سر وہ سوگوار
ڈیوڑھی پہ آئے روتے ہوئے شاہِ نامدار
بھاوج کے ہاتھ تھام کے بولے یہ حالِ زار
بس بس خدا کو یاد کر اب اے جگر فگار
انجام کار سب کے لیے مرگ و گور ہے
بی بی خدا سے کیا کسی بندے کا زور ہے

بس اے انیس طول کی آگے نہیں ہے تاب
طاری ہے ضعف دیتی ہے طاقت بھی اب جواب
بلواؤ خاکسار کو یا ابنِ بوتراب
ڈر ہے کہ ہند میں مری مٹی نہ ہو خراب
جلوہ رہے مزار پہ مولا کے نور کا
خاکِ شفا میں قبر ہو صدقہ حضور کا

رُباعی

مضمون انیس کا نہ چربا اُترا
اُترا بھی تو کچھ جگر کے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی
تصویر نہ کھنچ سکی تو چہرا اُترا

۱۱

مرثیہ

بند ۱۴۹

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا
یعنی زمیں پہ فوجِ خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادرِ عالی ہمم گرا
یاں فاطمہؑ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امامِ انام کے
خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

بجتا تھا واں سپاہ میں نقارۂ ظفر
ماتم تھا نوجوانیِ عباسؑ کا ادھر
بیٹھے تھے فرشِ خاک پہ سلطانِ بحر و بر
اکبرؑ کھڑے تھے سامنے چپکے جھکائے سر
پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

اعدا پکارتے تھے کہ یا شاہِ دیں پناہ
باقی ہے کوئی اور کہ بس ہو چکی سپاہ
عباسؑ سا تو اب نہ کوئی ہوگا خیر خواہ
بھیجو کسی کو جلد کہ ہم دیکھتے ہیں راہ
چُنتے دو گل پسر کو شہادت کے باغ سے
کب تک بچائیے گا کلیجے کو داغ سے

دنیا سے کوچ کر گئے عباسؑ نامدار
اب بے چراغ ہے لحدِ شیرِ کردگار
حضرت کا شکر و صبر ہے عالم پہ آشکار
مثلِ خلیلؑ کیجئے فرزند کو نثار
آہیں نہ بھریے پیٹ کے سر کو نہ روئیے
جب جانیں ہم کہ کھو کے پسر کو نہ روئیے

بھائی کا داغ اور ہے داغِ پسر ہے اور
بازو کا درد اور ہے دردِ جگر ہے اور
قوت بدن کی اور ہے نورِ نظر ہے اور
سینے کا زخم اور ہے دردِ کمر ہے اور
گر صبر ہے تو گود کے پالے کو بھیجئے
نیزوں میں اپنے گیسوؤں والے کو بھیجئے

دشوار ہے اگر غمِ فرزندِ نوجواں
مرنے کو آپ آئیے اے قبلۂ زماں
مشتاقِ تیر ہیں تبر و خنجر و سناں
جاں اپنی دیجئے جو ہے پیاری پسر کی جاں
اصغرؑ سے کچھ غرض ہے نہ اکبرؑ سے کام ہے
ہم کو تو آپ کے سرِ انور سے کام ہے

حضرت نے مسکرا کے نظر کی سوئے پسر
فرمایا کیا ارادہ ہے اے غیرتِ قمر
عباسؑ کے فراق نے مارا غلام کو

شہ نے کہا خوشی ہے بہرحال خاکسار
پر میں نہ دوں گا رخصتِ میدانِ کارزار
راضی ہوں وہ تو داغ انھیں دے کے جائیے

روکوں گا میں تمھیں یہ نہ کیجو کبھی خیال
صدقے ہے نور عین تصدق ہے جان و مال
ماں کون باپ کون عطا کبریا کی ہے

سو طرح کا ملال ہوا میں نے کچھ کہا؟
بھائی کا انتقال ہوا میں نے کچھ کہا؟
آنکھوں کا نور جائے کہ گھر بے چراغ ہو

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں
اک آہِ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں
روتے ہیں غیر سیدِ والا کے حال پر

اعدا کا ظلم بھائی کا غم تین دن کی پیاس
اب میں ہوں اور کوئی نہیں شاہِ دیں کے پاس
گھیرے ہیں سب امامِ غریب الدیار کو

تنہا کہاں امام کہاں وہ ہجومِ عام
فریاد ہے کوئی نہیں آتا ہمارے کام
مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو

تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزندِ بوتراب
دنیا کا نور نیرِ اعظم کے ساتھ ہے

نعلین عرش سایہ جھکایا پسر نے سر
کی عرض اذن دیجیے یا شاہِ بحر و بر
بس اب نہیں ہے صبر کا یارا غلام کو

تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
اس امر میں تمھاری پھوپھی کو ہے اختیار
پالا ہے جس نے اُن سے رضا لے کے جائیے

صابر خدا کی راہ میں ہے فاطمہؑ کا لال
طفل و جوان و پیر کا حافظ ہے ذوالجلال
اولاد ہے تو کیا ہے عنایت خدا کی ہے

بے جاں حسنؑ کا لال ہوا میں نے کچھ کہا؟
سب باغ پائمال ہوا میں نے کچھ کہا؟
حاضر دل و جگر ہے تمھارا بھی داغ ہو

چھاتی لگا لیا ماں نے پھوپی نے بلائیں لیں
نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
اماں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

بازو شکستہ ضعفِ بصارت ہجومِ یاس
اس پر بھی اضطراب نہیں کچھ نہ ہے حواس
تنہا کھڑے ہیں تولے ہوئے ذوالفقار کو

میں یاں ہوں اب تو اور بڑھی ہوگی فوجِ شام
مٹتا ہے صفحۂ دو جہاں سے پدر کا نام
بیٹا جوان ہم سا نہ پیوندِ خاک ہو

اچھا مریں گے بعدِ شہِ آسماں جناب
ذرہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

جب گھر لٹا تو شوکتِ شاہانہ پھر کہاں
صاحب نہ ہو تو رونقِ کاشانہ پھر کہاں
اندھیر جب ہو روشنیِ خانہ پھر کہاں
گل ہو گئی جو شمع تو پروانہ پھر کہاں
ہم ہوں جہاں میں دلبرِ ختمِ رسُل نہ ہو
بلبل کی زندگی کا مزہ کیا جو گل نہ ہو

دنیا سے ہم کو جلد اُٹھا لے ہمارا رب
آغوشِ قبر میں ہو الٰہی ہمیں یہ شب
صدقے ہوں غیر سبطِ نبیؐ کے قدم پہ سب
بیٹا مدد نہ کر سکے بابا کی ہے غضب
مانع ہیں آپ اور پھوپی سدِّ راہ ہیں
میرا قصور کچھ نہیں زہراؑ گواہ ہیں

مجھ کو تو آرزو ہے کہ سر کو فدا کروں
راہِ خدا میں فوج سے تنہا وغا کروں
سر سے حقوقِ والدِ ماجد ادا کروں
مالک مرے اگر نہ رضا دیں تو کیا کروں
واں "اقتلوا الحسینؑ" کا اعدا میں شور ہے
پر کچھ ہمارا پالنے والوں سے زور ہے؟

تم دونوں صاحبوں سے مرے اب ہیں دو سوال
اوّل تو یہ کہ دیجیے مجھے رخصتِ جدال
رکھ لیجیے آبروئے پسرِ ذوالجلال
آگے مرے شہید نہ ہو فاطمہؑ کا لال
للہ ہاتھ اُٹھائیے اب نورِ عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسینؑ سے

ہے دوسری یہ عرض جو رخصت نہیں قبول
جلدی ہو کربلا سے روانہ یہ دل ملول
یثرب سے کیا علاقہ ہے بطحا سے کیا حصول
نے جائیں گے نجف نہ سوئے روضۂ رسولؐ
جنگل کی راہ لیں گے گریباں کو پھاڑ کے
کافی ہیں منہ چھپانے کو دامن پہاڑ کے

پوچھیں جو دوستانِ مدینہ مری خبر
کہہ دیجیو نہ آئیں گے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امامِ دیں پہ ہوئے سارے نامور
کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاریِ پدر
بستی بسا کے رن میں شہِ کربلا رہے
کہنے سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

رونے لگا یہ کہہ کے جو وہ چودھویں کا ماہ
بنتِ علیؑ کی آنکھوں میں دنیا ہوئی سیاہ
بھاوج کے منہ پہ پاس سے زینبؑ کی نگاہ
گردن ہلا کے ماں نے بھری ایک سرد آہ
بنتِ علیؑ تو خاک پہ تھرا کے گر پڑی
بانو پسر کے پاؤں پہ غش کھا کے گر پڑی

اُن کو اُٹھا کے خاک سے رونے لگا پسر
بیٹے کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
مجھ کو بھی لے لو ساتھ جو منظور ہے سفر
زینبؑ پکاریں چھوڑ کے ہم کو چلے کدھر
اچھا رضا حسینؑ سے لو تو جائیو!
کاندھا مرے جنازے کو دے لو تو جائیو!

کیوں پالنے کا حق یہی ہوتا ہے میں نثار
قدرت خدا کی اب نہیں کچھ ہم کو اختیار
سہرا دکھا کے مادرِ پُر غم کو چھوڑ دو

مرتے ہیں اشتیاق میں وہ دن خدا دکھائے
غل ہو کہ بہو حسینؑ بہو گھر میں بیاہ لائے
جیتے ہیں گر تو حسرتِ دل یوں نکالیں گے

اک دن وہ تھا کہ سوتے تھے چھاتی پہ رات بھر
یاد آتی ہیں وہ ہنسلیاں وہ کان کے گہر
غازی ہو صف شکن ہو سعادت نشان ہو

دادا کا مرتبہ تمہیں دے ربِّ ذوالجلال
قابل ہے رحم کرنے کے داری ہمارا حال
کس سے ہو پھر اُمید اگر تم سے یاس ہو

دُنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلے مگر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا

قوت تمہیں ہو دل کی یہ تمہیں پارۂ جگر
لاشیں بھی گھر میں آئیں تو پیٹا نہ میں نے سر
اکبر تو ہے اگر مرے پیارے نہیں نہیں

باتیں یہ کر کے مُنھ پہ لیا گوشۂ ردا
بس گر پڑا پھوپی کے قدم پر وہ مہ لقا
میں بے وفا نہیں ہوں یہ روشن ہے آپ پر

مُنھ سے ہٹایئے تو ردا بہرِ کردگار
چادر ہٹا کے مُنھ سے یہ بولی وہ دل فگار
اصغر ہو یا کہ تم ہو مجھے سب سے یاس ہے

اللہ! واری بھول گئے سب ہمارا پیار
بن بیاہے تم ابھی تو ہوئے میرے گلعذار
آئے دولھن تو صدقے گئی ہم کو چھوڑ دو

یہ دائی اپنے ہاتھوں سے دولھا تمہیں بنائے
اچھا نہ ہم سے آنکھ ملانا دولھن تو آئے
اب ہم تمہاری طرح سے پوتے کو پالیں گے

کُرتہ وہ پہنے دوڑتے پھرنا اِدھر اُدھر
یا آج تیغ ہاتھ میں ہے دوش پر سپر
کیا کام ہم سے نام خدا اب جوان ہو

قائم تمہارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
بچپن کی دائیوں کا بھی رکھتے ذرا خیال
اب تو تمہیں ہمارے بڑھاپے کی آس ہو

ہوتی ہے یہ اُمید کہ دے گا کبھی ثمر
خوش ہوں گے اس درخت کے سائے میں بیٹھ کر
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

یہ بھی خبر نہیں تمہیں کب مر گئے پسر
میں کہتی تھی جسے یہ مرا غیرتِ قمر
روشن ہے گھر میں چاند ستارے نہیں نہیں

سر چوب سے ٹپک کے کہا وا محمداؐ
کی عرض رو کے اے پھوپی اماں کروں میں کیا
نرغہ ہے فوج کا مرے مظلوم باپ پر

اچھا نہ جائیں گے سوئے میدانِ کارزار
میں کون صدقے جاؤں تمہیں کو ہے اختیار
رخصت گلا کٹانے کی لو ماں تو پاس ہے

اکبر نے ماں کے چہرۂ اقدس پہ کی نظر
تم سے پھوپی خفا ہیں جھکا دو قدم پہ سر
سر کی نہ کچھ خبر ہے نہ چادر کا ہوش ہے
جلدی سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ لالہ فام
بس اب زباں سے کچھ نہیں کہنے کا یہ غلام
بندے پہ کی ہے ماں نے یہ شفقت نہ باپ نے

انصاف کیجئے کسے پیاری نہیں ہے جاں
کرتا ہے کوئی باغ جوانی کا رائگاں
لیکن جہاں سے آج گزرنا ہی خوب ہے
اکبر نے یہ کلام کئے جب بصد ادب
لے کر بلائیں چہرے کی بولی وہ تشنہ لب
سچ ہے جہاں میں تم سا کوئی باوفا نہیں

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں
لو میں نے دی رضا تمہیں اے میرے نوجواں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
جس شب کو رونے لگتے تھے سوتے سے چونک کر
دشمن تمہارے ہوتے تھے ناخوش کبھی اگر
جب تم کراہتے تھے یہ غش کھا کے گرتی تھی

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
بانو نے ہاتھ جوڑ کے زینبؑ سے یہ کہا
اس قافلے میں آپ ہیں اب فاطمہؑ کی جا
صدقے ہے یہ بھی صورت پروانہ آپ پر

ماں نے کیا اشارہ کہ اے غیرت قمر
قربان جاؤں عرض کرو ہاتھ باندھ کر
واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے
تقصیر عفو کیجئے اے خواہر امام
میری تو ماں ہیں آپ مجھے کیا کسی سے کام
راتوں کو جاگ کر مجھے پالا ہے آپ نے

اور وہ علی الخصوص کہ جو ہوئے نوجواں
ہوتے ہیں پیر بھی جو چھٹے گلشن جہاں
عزت پہ بات آئے تو مرنا ہی خوب ہے
اُلفت کا جوش آ گیا بنت علیؑ کو تب
گڑھتے ہو کس لئے میں تمہیں روکتی ہوں کب
واری تمہارے سر کی قسم میں خفا نہیں

تم راست گو ہو سچ ہے تمہارا یہ سب بیاں
تم جانو آگے صدقے گئی یہ تمہاری ماں
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے
گودی میں لے کے تم کو یہ پھرتی تھی تا سحر
بس جاگنا تھا اور دعائیں تھیں رات بھر
جھولے کے گرد صورت پروانہ پھرتی تھی

تلوؤں سے اُس نے دیدۂ حق بیں سے ملے
صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے
صدقے گئی کنیز کی خدمت کا ذکر کیا
میں نے بھی دی جو آپ نے بیٹے کو دی رضا
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

یہ ذکر تھا کہ آئے شہنشاہِ بحر و بر
بانو بھی روئی شہ کے قدم پر جھکا کے سر
سُنتی تھی ہیں کہ رن سے علمدار آتے ہیں
بانو کے مُنھ کو دیکھ کے حضرت نے یہ کہا
وہ چپ ہوئی تو بولے بہن سے شہِ ہدا
راہیں سب اُن کی روکنے کی بند ہوگئیں
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ نے عرض کی
زہراؑ کی وہ بہو ہیں تو یہ دخترِ علیؑ
رویا جو ہیں تو ماں نے گلے سے لگا لیا
عاشق ہیں یہ حضور کی با شاہِ نامدار
دیکھیں ہیں کس نے بیبیاں ایسی فلک وقار
سب فاطمہؑ کا صبر ہے خو ہو تو ایسی ہو
ماں نے کہا پسر کی فصاحت تو دیکھئے
زینبؑ یہ بولیں ذہن کی جودت تو دیکھئے
کیا بات بھائی ان کو بھلا بول چال کی
رومال رکھ کے آنکھوں پہ بولے امامِ دیں
سچ ہے اجل سے بس کسی انسان کا نہیں
بے جا ہے روکنا جو یہ طالب رضا کے ہیں
آیا بنائے ہستیِ انساں میں جب خلل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل
نے فاطمہؑ رہیں نہ امیرِ عرب رہے
رو کر کہا پسر سے کہ اچھا سدھاریئے
زینبؑ سے بولے ہاتھ نہ سینے پہ ماریئے
لے آؤ مصطفےٰ کی قبا ان کے واسطے

لے لیں بلائیں بھائی کی زینبؑ نے دوڑ کر
بولی لپٹ کے بالی سکینہؑ کہ اے پدر
کیا اب تو گھر سے نہر پہ بھیّا بھی جاتے ہیں
کیوں سچ ہے تم نے بیٹے کو مرنے کی دی رضا
کہیئے پھوپی بھتیجوں میں کیا فیصلہ ہوا؟
سُنتا ہوں میں کہ تم بھی رضا مند ہوگئیں
امّاں نے بھی رضا ہمیں دی اور پھوپی نے بھی
آقا سوال رد نہیں کرتے کبھی سخی
مرنے کا اذن دے کے پھوپی نے جلا لیا
مجھ سے ہوں سو پسر تو کریں آپ پر نثار
وہ ہاجرہ کا فخر یہ مریم کا افتخار
بیٹی ہو اس طرح کی بہو ہو تو ایسی ہو
نامِ خدا زباں کی طلاقت تو دیکھئے
ہر بات میں ثبوتِ اجازت تو دیکھئے
گویا زباں ہے مُصحفِ ناطق کے لال کی
تم دو گی رخصت ان کو مجھے یہ نہ تھا یقیں
آیا تھا اتنی عُمر ہی لے کر یہ مہ جبیں
اے بنتِ فاطمہؑ یہ کرشمے قضا کے ہیں
رونا ہے بے حصول کہ ہے سعی بے محل
رو رو کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
ہم شکل جن کے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے
پوشاک تو پہنئے یہ کپڑے اُتاریئے
شانہ منگا کے گیسوئے اکبرؑ سنواریئے
خلعت رکھا تھا ہم نے اسی دن کے واسطے

آنسو بہا کے بانوئے ناشاد نے کہا
لاؤ عمامۂ شبِ معراجِ مصطفیٰ
جاتے ہیں برچھیوں میں انھیں دیکھ بھال لو
کشتی میں لائی بنتِ علیؑ بیاہ کا لباس
کپڑے تو یہ نہ پہنوں گا میں اے فلک اساس
ہیں سوگوار ہاتھ میں رومال دیجئے
محتاجِ قبر ہے ابھی لختِ دلِ حسنؑ
ہم کس طرح سے پہنیں یہ شادی کا پیرہن
بھائی کے غم میں چاک گریباں ہے شاہ کا
تڑپی یہ سُن کے زوجۂ عباسِ نامور
گھبرا کے آہ سرد بھری اک جھکا کے سر
فریادِ شاہِ دیں کی صدا تا فلک گئی
جب بہرِ جنگ اکبرؑ شیریں سخن چلے
داری اُجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پردہ اُٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
خدام تازیِ علی اکبرؑ کو در پہ لائے
ہاتھوں کو جوڑ کر علی اکبرؑ قریب آئے
اللہ کتنا شوقِ شہادت ہے آپ کو
دنیا سے کوچ کرتا ہے تم سا جواں پسر
جھک کر قدم کے سمت یہ بولا وہ نامور
رونے کو ضبط کیجے جگر کو سنبھالئے
شہ نے کہا کہ تم نہ ہوئے جب تو گھر کہاں
بے وقت تم کو روئیں نہ ایسا جگر کہاں
گھر تھامے کون تم تو کمر توڑے جاتے ہو

پروان آج چڑھتا ہے صاحب یہ مہ لقا
ارمان تھا بہت تمہیں اکبرؑ کے بیاہ کا
دولھا بنا کے بیاہ کی حسرت نکال لو
اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے بہ درد و یاس
تازہ ابھی ہے ماتمِ عباسؑ حق شناس
گودی میں لا کے شالِ عزا ڈال دیجئے
عُریاں پڑے ہیں عونؑ و محمدؑ سے گل بدن
عباسِ نامدار نے پایا نہیں کفن
مر کر کفن ملے یہی جوڑا ہے بیاہ کا
قاسم کی ماں پکاری کہ ہے ہے مرے پسر
بیٹوں کے غم سے ہل گیا زینبؑ کا بھی جگر
عمو کا حال سُن کے سکینہؑ بلک گئی
بانو پکاری اے مرے گل پیرہن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
اک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا
آنکھوں سے اشک قبلۂ کونین نے بہائے
چلائے شہ کہ چھوڑ چلے ہم کو ہائے ہائے
دو چار گام ساتھ تو چلنے دو باپ کو
اے لال قبر تک تمہیں پہونچا تو دے پدر
تکلیف ہوگی آپ کو یا شاہِ بحر و بر
ناموس نکلے آتے ہیں گھر کو سنبھالئے
بیٹا نہ ہو تو لطفِ حیاتِ پدر کہاں
خود بے خبر ہیں ہم کو کسی کی خبر کہاں
ہم کو سنبھالنے کو کسے چھوڑے جاتے ہو

فرزند نے جو روحِ محمدؐ کی دی قسم
منھ دیکھ کر پسر کا یہ بولے بہ چشمِ نم
پھر اس طرف کی راہ اُدھر جا کے بیٹھو
روتا ہوا بڑھا سوئے گلگوں وہ گل بدن
گھوڑا سجا ہوا تھا بہادر کا یا دولھن
آہو خجل تھے کبک دری کو حجاب تھا

پہونچا عجب شکوہ سے رن میں وہ مہ جبیں
آئے رسولِ حق یہ ہر اک کو ہوا یقیں
تصویر سر سے تا بہ قدم مصطفےٰؐ کی ہے
مثلِ کماں کشیدہ ہیں ابروئے بے نظیر
سر بر نہ ہونے دیں گے عدو کو مژہ کے تیر
قربان چشمِ سُرمہ کشیدہ کی شان پر

ہے جلوۂ جبینِ مُبیں چاند سے دو چند
زیبا ہے اختروں کو جو گردوں کرے پسند
ہے عین راستی یہ کجی دل نواز ہیں
آنکھوں کو عین کعبہ سمجھتے ہیں حق پرست
صانع نے کر دیا صفِ مژگاں کا بند و بست
مردم میں روشنی ہے اسی نورِ عین سے

ہم شکل ہیں جنابِ رسالتؐ مآب کے
گیسو ہیں یا ہیں ماہ پہ ٹکڑے سحاب کے
دونوں سے نور ہیں مہ و خورشید ماند ہیں
گلزارِ حُسن سے کوئی دیکھے دہن کا رنگ
شرمندہ ہے لبوں سے عقیقِ یمن کا رنگ
بلبل بھی مدح خوانِ چمنِ مرتضےٰ کی ہے

بس تھرتھرا کے بیٹھ گئے قبلۂ اُمم
اچھا سدھارو خیر نہ جائیں گے ساتھ ہم
مر جائیں ہم تو جلد خبر آ کے بیٹھو
گویا چڑھے بُراق پہ محبوبِ ذو المنن
ہر گام پر دکھاتا تھا طاؤس کا چلن
دریا پہ موج تھا تو ہوا پہ عقاب تھا

کوسوں فروغِ حُسن سے روشن ہوئی زمیں
غُل تھا یہ نوجواں تو ہے یوسفؑ سے بھی حسیں
اس حُسن کے بشر بھی ہیں قدرت خدا کی ہے
ارجن بھی جس سے سہم کے ہو جائے گوشہ گیر
ہیں اس کمانِ تیر پہ قرباں جوان و پیر
چلّہ چڑھا ہوا ہے کیانی کمان پر

گیسوئے مشک بیز ہیں یا عنبریں کمند
پایا ہے ابروؤں نے عجب رُتبۂ بلند
آنکھوں پہ کیوں جگہ نہ ملے سرفراز ہیں
کیفیتِ رحیقِ محبت سے ہیں یہ مست
عین الکماں سے انھیں پہونچے نہ تا شکست
دیکھے کوئی ان آنکھوں کو چشمِ حسین سے

کہتا ہے حُسن خود کہ نثار اس شباب کے
رُخسار ہیں کہ پھول کھلے ہیں گلاب کے
زُلفیں گواہ ہیں کہ اندھیرے کا چاند ہیں
اُڑتا ہے غنچہ و سمن و یاسمن کا رنگ
رنگیں بیاں ہیں سب سے جُدا ہے سخن کا رنگ
غنچے سے پھول جھڑتے ہیں قدرت خدا کی ہے

اللہ رے نورِ گوہرِ دندانِ آبدار
بجلی چمک رہی ہے بدخشاں میں بار بار
الماس صدقے حاصلِ بحرِ عدن نثار
ہیں گوہرِ خزینۂ محبوبِ کردگار
دولت ملی ہے اکبرِ شیریں مقال کو
ان موتیوں سے عشق ہے زہرا کے لال کو

روشن ہے دشت گردنِ نازک کے نور سے
فی الواقعی فزوں ہے ضیا شمعِ طور سے
موسٰیؑ دکھاتے ہیں یدِ بیضا کو دور سے
شیشہ بھرا ہوا ہے شرابِ طہور سے
گردن بھی بے عدیل گلابی مثال ہے
تکمہ سُہیل ہے تو گریباں ہلال ہے

ظاہر ہیں ان کے ہاتھوں کی زور آزمائیاں
مثلِ علیؑ کریں گے صفوں کی صفائیاں
سرکی ہیں دم میں بدر و احد کی لڑائیاں
زورِ یداللّٰہی سے بھری ہیں کلائیاں
بالا رہا ہے سب سے جہاں میں علیؑ کا ہاتھ
پہونچے وہاں جہاں نہیں پہونچا کسی کا ہاتھ

سینہ خزینۂ کرم و عدل و داد ہے
ہاں لاکلام مصحفِ ربِّ عباد ہے
جو رطب و یابس اس میں ہے سب اُن کو یاد ہے
ایمان جانتا ہے جو خوش اعتقاد ہے
دولت جو نوحؑ کی ہے سفینے میں ان کے ہے
جو طور پر ضیا تھی وہ سینے میں اُن کے ہے

وہ سینہ جس کا مصحفِ اکبرؑ مشبہ بہ
نیزے لگائیں اُس پہ لعیں سب غضب ہو یہ
بیداد برچھیوں کی ہو تیروں کا برسے مینھ
سوراخ ہوں بدن کی قبا صورتِ زرہ
دیندار آنکھیں ملتے ہیں دستِ فقیہ پر بہ
کیا ہاتھ تھے اُٹھے جو نبیؐ کی شبیہ پر

کس طرح کوئی وصفِ سراپا کرے رقم
جلوہ خدا کے نور کا ہے سر سے تا قدم
قطرہ کہاں کہاں صفتِ قلزمِ کرم
مورِ ضعیف مدحِ سلیمانِ ذی حشم
یاں سب تعلّیاں شعرا کی فضول ہیں
بس خاتمہ ہوا کہ شبیہِ رسولؐ ہیں

اس شان سے کھڑے ہیں علی اکبرؑ جواں
اور اس طرف کھلے ہوئے ہیں فوج کے نشاں
کہتا ہے ابنِ سعد ستمگار سخت جاں
شبیرؑ کے چراغ کو جلدی بجھاؤ ہاں
صدمہ مفارقت کا امامِ زماں پہ ہو
دیکھیں حسینؑ اور سرِ اکبر سناں پہ ہو

کہتی ہے فوج سب کہ خدا سے ڈر اے امیر
چپ رہ ارے مٹا نہ یہ تصویرِ بے نظیر
حاکم کے گر عتاب کا ڈر ہو نہ اے شریر
اس کے قدم پہ جا کے گریں سب جوان و پیر
دنیا میں دوسرا کوئی تجھ سا شقی نہیں
بتلا یہ کون ہے جو ہمارا نبیؐ نہیں

تیرے ہمارے بیچ میں ہے شکلِ مصطفیٰؐ
کھاتو قسم نہیں ہے یہ گیسوئے مصطفیٰؐ
قامت ہے صاف قامتِ دلجوئے مصطفیٰؐ
ایسے نہ تھے ملے ہوئے ابروئے مصطفیٰؐ
سب روشنی جمالِ رسولِ زمن کی ہے
جنگل بسا ہوا ہے یہ بو کس بدن کی ہے

کیوں ایسے امر زشت کا ہو مرتکب بشر
ایماں کا جس میں خوف ہو اور آبرو کا ڈر
آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہیں سید البشر
اُترا ہے آسماں سے ملک وہ نہیں ہیں گر
بیشک کرم کیا ہے رسالت پناہ نے
تجھ کو تو کور کر دیا ہے حبِّ جاہ نے

کہنے لگا یہ تب رُوسا سے وہ فتنہ گر
مجھ سے نشانِ خیر ذرا سُن لو سر بسر
ہوتا نہ تھا مگس کا تنِ پاک تک گزر
سایہ کبھی نہ جسم کا پڑتا تھا خاک پر
ہوتا تھا دھوپ میں جو گزر اس جناب کا
رہتا تھا فرقِ پاک پہ سایہ سحاب کا

جس راہ سے گزرتے تھے پیغمبرؐ زماں
پھولوں کی تین روز مہک رہتی تھی وہاں
محبوبؐ کبریا ہیں ارم میں یہاں کہاں
اکبرؑ ہے یہ حسینؑ کا فرزند نوجواں
محبوبؐ کبریا نہیں کوئی ملک نہیں
ہم صورتِ رسولؐ ہے کچھ اس میں شک نہیں

بالفرض وہ نبی تھے تو پھر تم کو خوف کیا
فرمان جو امیر کا حاکم کی جو رضا
اکثر بہادروں نے رسولوں سے کی وغا
پتھر سے توڑے گوہرِ دندانِ مصطفیٰؐ
درپے رہے جنابِ رسالتؐ پناہ کے
تلوار ماری فرق پہ شیرِ الٰہ کے

اسلام کس کو کہتے ہیں ایماں ہے کس کا نام
بندے ہیں زر کے ہم کو نہیں کچھ کسی سے کام
دشمن کی مدح واہ یہ ہے کون سا کلام
ہوتی ہے دیر جاؤ یہ قصہ کرو تمام
گر یوں کروگے رحم ہر اک نورِ عین پر
کیونکر چھری پھراؤ گے حلقِ حسینؑ پر

اکبرؑ کو غیظ آگیا سنتے ہی یہ کلام
دی ابنِ سعد کو یہ صدا تول کر حسام
یہ کیا کلام کرتا ہے تو او نمک حرام
لیجو زباں سے پھر نہ امامِ اُمم کا نام
ان کے قدم پہ جنّ و بشر جان دیتے ہیں
نام حسینؑ صلِّ علیٰ کہہ کے لیتے ہیں

سُن کر صدائے شیر ہٹا فوج سے شریر
یاں سے بڑھے تھے یہ کہ چلے اس طرف سے تیر
صفدر نے لی نیام سے تیغِ قضا نظیر
سمٹی زمیں لرزنے لگا آسمانِ پیر
بجلی عیاں ہوئی غضبِ کردگار کی
یاد آگئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

بڑھ کر رجز دلیر در آیا سپاہ میں
گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اوّل تمام تھی

دوزخ میں ناریوں کے پرے پیش و پس گئے
پانچ اس طرف پہونچ نہ چکے تھے کہ دس گئے
آگے گئے سوار تو پیچھے فرس گئے
جب برق تیز کوند گئی سر برس گئے
چھایا تھا ابرِ غم سپہ بد صفات پر
غل تھا کہ اولے پڑتے ہیں کشتِ حیات پر

جوہر شناس تیغ زباں منھ اُدھر کریں
تیزی کو حرف حرف کی تہ نظر کریں
دشمن ہزار سینے کو اپنے سپر کریں
مصرعے وہ جانگزا ہیں کہ ٹکڑے جگر کریں
بتیوں میں ذوالفقار کی سب آب و تاب ہے
بین السطور تیغِ حسینی کی ناب ہے

در پے تھی سرکشوں کی جو وہ تیغ جانستاں
گوشوں سے تھی بلند صدائے اماں اماں
ترکش سے تیر بھاگتے تھے تیر سے کماں
گردن سے سر، رگوں سے لہو، اور بدن سے جاں
یارا عقاب تیر کو پرواز کا نہ تھا
رن میں کہیں نشاں قدر انداز کا نہ تھا

قبضہ ہر ایک تیغ سے ہر تن سے سر لیا
برچھی سے پھل تو زینِ فرس سے تبر لیا
ڈھالوں سے پھول لے گئے پھولوں سے زر لیا
اپنا خراج تیغ نے اُن سب سے بھر لیا
بہر حصول جزیہ جو وہ تیغ تُل گئی
اِک اِک گرہ بندھی ہوئی نیزے کی کھل گئی

ترکش وہ جن کو جانتے تھے سب اجل کا گھر
کاٹے ہوئے پڑے تھے وہ ریتی پہ سر بسر
ہر اک عقاب تیز کے ٹوٹے ہوئے تھے پر
طاقت نہ تھی کہ شاخ کماں تک کریں گزر
اس جنگ میں دہن کو نہ سوفار کھولے تھے
طائر ڈرے ہوئے تھے کہ منقار کھولے تھے

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئی شاخیں کمان کی

جی سن سنا گئے وہ جدھر سن سے آ گئی
گویا سموم کوہ کی دامن سے آ گئی
جلتے ہوئے کباب کی بو تن سے آ گئی
چمکی تو الاماں کی صدا رن سے آ گئی
کچھ واں فقط نہ فوج ہی آفت رسیدہ تھی
خوں میں زمیں بھی صورتِ بسمل طپیدہ تھی

ثابت نہ تھے بدن سے کسی تیغ زن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
پہونچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
رن میں جمے تھے دلبرِ ضرغامِ دیں کے پاؤں
دہشت سے اُٹھ گئے تھے سپاہِ لعیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اُسے یاد آتی ہے
دب کر سوارِ شام کے لشکر کے رہ گئے
روحیں کہاں کی ڈھیر تن و سر کے رہ گئے
تنہا نہ ریت پر کسی ناکس کی لاش تھی
سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
جس پر چلی وہ تیغ فنا ہو کے رہ گیا
بڑھ کر تھمے تو حشر بپا ہو کے رہ گیا
تھا ایک ہاتھ میں سر اسوار زین پر
سرسبز سب پہ تھا شجرِ گلشنِ رسول
گرتے تھے بار بار یہی تھا ثمر حصول
زہرا کا باغ اُجاڑ کے راحت سے سوئے تھے
لکھتا ہوں ادہم قلم اب سرعتِ عقاب
پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہے سحاب
اُڑنے میں اس فرس کو پرندوں پہ اَوج ہے
افزوں ہے زلفِ حور سے خوشبو ایال کی
پریاں خرامِ ناز میں شاگرد چال کی
وہ حسن تن پہ ساز کا جوبن براق کا

اُڑتا تھا سر جسے یہ لگاتے تھے تن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اسی گل پیرہن کے ہاتھ
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور
سچ ہے کہیں اُکھڑتے ہیں رکنِ رکیں کے پاؤں
تھمتے نہ معرکے میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے
خالی صفوں میں سرد نفس بھر کے رہ گئے
ہر چند سنگ دل تھے پہ مر مر کے رہ گئے
اک اک شقی کی لاش پہ دس دس کی لاش تھی
شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
گھٹنوں سے ہر دو پائے ضلالت اثر جدا
عالم مرکبات میں تھا مفردات کا
سر تن سے جسم سر سے جدا ہو کے رہ گیا
گردن سے تا کمر کوئی لا ہو کے رہ گیا
رہوار کی کٹی ہوئی گردن زمین پہ
تھے زرد مثلِ برگِ خزاں دیدہ سب جھول
برچھی سے پھل کمان سے شاخیں تبر سے پھول
آخر اُگے نہ سب وہی کاٹے جو بوئے تھے
نعل اس کے ماہِ نو ہیں تو سم رشکِ آفتاب
سرعت میں برق گرم روانی میں جوئے آب
اک شور تھا قدم نہیں دریا کی موج ہے
دیکھیں تو لیں بلائیں صدا بال بال کی
غصّے میں جست شیر کی شوخی غزال کی
دلدل کے ہاتھ پاؤں تو چہرہ براق کا

نازک مزاج و نسترن اندام و تیز رو
گردوں سپر، بادیہ پیما، برق رو
اس کا نہ اک قدم تھا زقندیں ہرن کی شنو
دوروز سے نہ کاہ ملی تھی اُسے نہ جو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ جھل بل میں فرق تھا

صرصر سے تند بو سے سبک رو ہوا سے تیز
چالاک فہم و فکر سے ذہن رسا سے تیز
طاؤس و کبک و نسر و عقاب و ہما سے تیز
جانے میں اُڑ کے ہُدہُد شہر سبا سے تیز
ذی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا
رہوار کیا ہوا یہ سلیماںؑ کا تخت تھا

سمٹا جما اڑا ادھر آیا اُدھر گیا
چمکا پھرا جماں دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گزر گیا
گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سرو ہی کا وار تھا

جب خوب لڑ چکا شہ دیں کا سرور جاں
نکلا اُدھر سے جنگ کو اک شام کا جواں
بدکار و بد سرشت و بد آئین و بد زباں
سرہنگ و جنگ جو و سلح شور و پہلواں
غرہ تھا اپنے زور پہ خانہ خراب کو
رستم کو مانتا تھا نہ افراسیاب کو

افزوں تھا دیو سے بھی تن و توش نابکار
قوت میں عمر و عنتر و مرحب کا یادگار
اسفندیار و عفر و نمودار و نامدار
شیر آئے سامنے تو کرے شیر کا شکار
شورش مزاج میں تو ستم آب و گل میں تھا
نے آنکھ میں حیا تھی نہ رحم اُس کے دل میں تھا

بارگناہ حاکم فاسق تھا خود سپر
تھی روسیاہی پسر سعد کی سپر
ذی جوشن شقی کا جو تھا ناخلف پسر
پہنے تھا اس کی تن کی زرہ بر میں بدگہر
ظاہر کماں سے سرکشئ بدنہاد تھی
قبضے میں تیغ بدعت ابن زیاد تھی

میداں میں یوں پڑھا رجز اُس نے بشد و مد
تھرائے قلب ہل گئی سہراب کی لحد
گرما رہا تھا رخش کو وہ بانئ اسد
یاں سے بڑھا سرورِ دلِ ضیغم صمد
پڑھتے دعا ملک عقب باد پا چلے
مرحب کے قتل کرنے کو شیر خدا چلے

وہ کفر تھا یہ دیں تھے وہ ظلمت یہ نور رب
یہ رشک آفتاب درخشاں وہ تیرہ شب
وہ ننگ روزگار تو یہ عزت عرب
یہ خیر میں رسولؐ وہ شر میں ابولہب
کاذب تھا وہ شقی یہ سعادت نشان تھے
وہ جسم کفر تھا تو یہ ایماں کی جان تھے

"نازی کو تیز کر کے یہ غازی نے دی صدا
انساں کو اپنی آپ ستائش نہیں روا
ذی قدر ہیں سعید ہیں عالی جناب ہیں
یوسف نہیں ہے وہ جو کرے دعویٰ جمال
پایا ہے آفتاب نے کیا اوج کیا جمال
شیطاں کو وصل نار کا آدم کو نور کا
ظالم کسی کے فخر کو ہم مانتے ہیں کب
کس کا ہے جد شفیع اُمم سیّد عرب
جو دوست ہے خدا کا پسر اس ولی کے ہیں
شامی بڑھا اِدھر کو جو نیزہ سنبھال کے
مہمیز کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے
سیماب ہو جو گرم تو پھر کیا قرار ہے
پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند
دونوں طرف نبرد میں نیزے ہوئے بلند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھُلے ہوئے
گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سناں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر تکاں
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
کرار کی بندھی ہوئی چوٹیں تھیں سب اُدھر
ہشیار کر کے صید کو جھپٹا وہ شیر نر
سر بر بھلا ہوئے ہیں سخی سے دَنی کہیں
گرز گراں اُٹھا کے بڑھا وہ سیہ دروں
چلتا ہے کوئی سامنے اعجاز کے فسوں
تھا ان کا ہاتھ فضل خدا سے علیؑ کا ہاتھ

ادخوں گرفتہ کچھ تجھے دعویٰ ہے گر تو آ
قائل ہیں جس کے سب وہ ہمارا ہے مرتبا
ذرّے بھی جانتے ہیں کہ ہم آفتاب ہیں
کب بدر نے کہا کہ میں ہوں صاحب کمال
کی سرکشی ادھر کہ اُدھر آگیا زوال
یہ عجز کا ثمر ہے وہ پھل ہے غرور کا
روشن ہے آفتاب سے اپنا حسب نسب
ہم سے بزرگ کوئی نہیں غیر ذات ربّ
کافی ہے بس یہ فخر کہ پوتے علیؑ کے ہیں
صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
رہوار شیر بن گیا آنکھیں نکال کے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار دے
آگے بڑھا حسینؑ کا فرزند ارجمند
عقدے ہُنر کے کھُل گئے بندھنے لگے جو بند
دو اژدھے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے
انیوں سے اُڑ رہے تھے شرارے کہ الاماں
طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
ہر زور ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا
زخمی کبھی گلا تھا کبھی ہاتھ گاہ سر
نیزے سے کار تیغ لیا واہ رے ہُنر
پوری کہیں تھی ڈانڈ کہیں تھی اَنی کہیں
آنکھیں غضب سے سُرخ ہوئیں مثل جام خوں
ہر ضرب میں خفیف ہوا خود وہ ذوفنوں
بے زخم کھائے ہو گیا جھوٹا شقی کا ہاتھ

ظالم نے گرز پھینک کے قبضے میں لی کماں
چھوڑا شقی نے تیر سہ پہلو کہ الاماں
ضربت تھی یا کہ قہر خدائے جلیل تھا
رُخ پھیر کر چلا تھا کہ غازی نے دی صدا
کیوں سہمگیں ہے کھینچ کے تلوار منھ پہ آ
تیغیں پکڑ کے جنگ و جدل پر تُلے نہیں
لی زرد رو نے میاں سے شمشیر برق دم
لگے سیاہ ابر سے اُٹھے بہم
دونوں طرف ہوئی تگ و دو کارزار میں
چوٹیں غضب کی چلنے لگیں اور غضب کے وار
اس شان سے شقی پہ چلے تشنہ لب کے وار
رُخ زرد تھا ہراس سے ہرزہ گرد کا
شوکت وہی شکوہ وہی اور وہی جلال
تیغ و سپر میں شیر الٰہی کی چال ڈھال
نقشہ دکھا دیا شہ دلدل سوار کا
ڈھالوں کے پُرزے ہو گئے بہم رکے جو وار
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار
بڑھ بڑھ کے یوں وہ ہوتا تھا پسپا دلیر سے
لایا کلام سخت زباں پر وہ بدزباں
دستِ اجل بڑھا کہ اُٹھی تیغ جاں ستاں
گھبرا کے خود اجل کے شکنجے میں آگیا
نہ وہ تہمتنی تھی نہ وہ زور گیو کا
ظالم شکار بن گیا گیہاں خدیو کا
نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ

آیا مثال پیل قوی ہیکل و جواں
تھا سر پہ تیغ تول کے شہزادۂ جہاں
گوشہ نہ تھا کماں تھی نہ چلّا نہ تیر تھا
او کج نہاد و سرکش و بدکیش و بے حیا
میداں سے بھاگتا ہے یہ ہے تیری خطا
ہم پر تو کچھ ابھی ترے جوہر کھلے نہیں
دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
چالاکیاں دکھانے لگے اسپِ خوش قدم
یہ گرد اُڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں
کس کس ہنر سے روکتے اُس بے ادب کے وار
یاد آگئے ہر اک کو امیرِ عرب کے وار
یاں ٹھاٹھ تھا علی ولی کی نبرد کا
تیور وہی حواس وہی اور وہی کمال
دعویٰ نہ اس پہ کچھ نہ تجبّر نہ قیل و قال
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا
بھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کار
لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار
جس طرح زخمی صید دبکتا ہے شیر سے
بس آگیا جلال میں شہزادۂ جہاں
اُڑ کر گیا فرس پہ سمندِ کبک عناں
عصفور شاہباز کے پنجے میں آگیا
منھ پھر گیا طمانچۂ ضیغم سے دیو کا
کافر تھا وہ تو ہاتھ بھی مارا جنیو کا
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

دیکھا جو باپ نے کہ پسر کو ہوئی ظفر
بس جھک گئے زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
سجدے سے سر اُٹھا کے پکارے بچشمِ تر
یارب لڑا ہے تیرے فاقے میں یہ پسر
قابو میں دل نہیں ہے بہت بے قرار ہوں
ہاں تیرے رحم و لُطف کا اُمیدوار ہوں

بہتر نہیں ہے اس سے مرے پاس کوئی شے
مایہ ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گزری بہارِ زیست کی آیا زمانِ دے
اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حُرمت سے اس پسر کی شہادت حصول کر!
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر!

مقبول جس طرح ہوئی قربانیِ خلیلؑ
اس طرح سرفراز ہو یہ بندۂ ذلیل
دُنبہ وہاں بہشت سے لائے تھے جبرئیلؑ
میں اس کا ملتجی نہیں اے خالقِ جلیل!
اُمت بھی بخشی جائے پسر بھی سعید ہو
مقبول ہو اگر یہ ذبیحہ تو عید ہو

مصروف تھا دُعا میں اُدھر فاطمہ کا لال
ڈوبا ہوا تھا فوجِ عدو میں وہ نونہال
بڑھ کر وغا کرے یہ کسی کی نہ تھی مجال
لاکھوں سے معرکہ تھا ہزاروں سے تھی جدال
سوکھے تھے ہونٹ رنگ بھی فاقوں سے زرد تھا
بازو تھکا ہوا تھا کلائی میں درد تھا

یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
فاقوں کا ضعف پیاس کا صدمہ پدر کا غم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دمبدم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شیر کے قدم
آنکھیں تو سُرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی پہ ہمت بڑھی ہوئی

نکلا پرے سے ایک جفاکارِ کینہ خواہ
تھا کید میں خلیفۂ شیطانِ روسیاہ
چلّایا دیکھ کر طرفِ بارگاہِ شاہ
آفت ہے پالنے کی محبت بھی آہ آہ
اس نوجواں کے ہجر میں آخر نکل پڑی
لو گھر سے بنتِ فاطمہ زہرا نکل پڑی

تھا عشق سے پھوپی کے تو واقف وہ لاکلام
گھبرا گیا حسینؑ کا فرزندِ نیک نام
گردن پھرا کے جلد نظر کی سوئے خیام
مُنھ پھیرنا تھا آہ کہ تھا موت کا پیام
برچھی کسی کی سینۂ انور پہ چل گئی
دل اور جگر کو توڑ کے باہر نکل گئی

گھوڑے پہ ڈگمگانے لگا تھام کر جگر
فرمایا آہ ہم کو وغا کی نہ تھی خبر
سب ہو گئے وہ دستِ بلوریں لہو میں تر
رہوار سے لپٹ گئے ہرنے پہ رکھ کے سر
جز بیکسی نہ تھا کوئی اس ماہ رو کے ساتھ
ٹکڑے کبد کے زخم سے نکلے لہو کے ساتھ

لیتا تھا غش میں ہچکیاں وہ چودھویں کا ماہ
بیٹھا گلے پہ تیر کہ حالت ہوئی تباہ
بنتِ رسولؐ رونے کو منہ ڈھانپنے لگی ؛
سر کاٹ لو یہ غل جو لگے کرنے اشقیا
اے نورِ عینِ فاطمہؑ اے سبطِ مصطفےٰ
جلد آئیے غلام پہ احسان کیجئے ؛
جس دم سنی حسینؑ نے یہ جاں گزا صدا
ہاتھوں سے دل کو تھام کے دوڑے برہنہ پا
مل کر غریب و بیکس و تنہا سے جائیو
ہے ہے مرے شفیق پسر مہرباں پسر
مادر کا چین باپ کا آرام جاں پسر
مقتل کدھر ہے کوئی بتاتا نہیں مجھے
مجھ کو غریب دشتِ بلا کہہ کے پھر پکار
اے شیر! سیدالشہدا کہہ کے پھر پکار
میری بھی جان تن سے ترے ساتھ جائیگی
کچھ ہوش دست و پا کا نہیں بے حواس ہوں
غمگیں ہوں مردہ دل ہوں حزیں ہوں اداس ہوں
کیونکر قرار آئے دلِ ناصبور کو ؛
ناگاہ آئی حضرتِ زہراؑ کی یہ صدا
دم توڑتا ہے گود میں میری یہ مہ لقا
دیکھے یہ تم کو تم اسے اک بار دیکھ لو
چلائے سر کو پیٹ کے شبیرؑ نامدار
جویا ہوں ان کا میں انھیں میرا ہے انتظار
عاشق کا حال دیکھ لیں کچھ بات کر کے جائیں

جو گرز فرقِ پاک پہ مارا کسی نے آہ ؛
رہوار سے گرا پسرِ شاہِ دیں پناہ
تڑپا وہ نوجواں کہ زمیں کانپنے لگی
گردن سے تیر کھینچ کے بابا کو دی صدا
اے بحرِ فیض اے قمرِ برجِ ہل اتیٰ
مشکل کو دم نکلنے کی آسان کیجئے
صابر اگرچہ تھے پہ کلیجہ الٹ گیا
نعرہ کیا کہ اے علی اکبرؑ کروں میں کیا
آ اے ضعیف باپ تو دنیا سے جائیو
خوش رو پسر سعید پسر قدرداں پسر
کم گو پسر شہید پسر نوجواں پسر
اے نورِ عین کچھ نظر آتا نہیں مجھے
اک بار یا شہِ دوسرا کہہ کے پھر پکار
صدقے ہو باپ یا اَبتا کہہ کے پھر پکار
مر جاؤں گا یہیں، جو نہ آواز آئے گی
زخمی ہے قلب کشتۂ اندوہ و یاس ہوں
دم توڑ دو تم تو ہے غضب اور میں نہ پاس ہوں
لاؤں کہاں سے ڈھونڈ کے آنکھوں کے نور کو
ہے ہے حسینؑ تیرے تڑپنے کے میں فدا
جاں اس کی تجھ میں اٹکی ہے اے میرے دلربا
آؤ پسر کا آخری دیدار دیکھ لو
اماں خدا کے واسطے اکبرؑ سے ہوشیار
کہہ دیجئے کہ آتا ہے بابا جگر فگار
دنیا سے کوچ ہے تو ملاقات کر کے جائیں

دوڑے یہ بات کہہ کے جو سلطانِ بحر و بر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ خم ہو گئی کمر
تڑپے جو گر کے اور تڑپ کر ٹھہر گئے
ہوش آیا تین ساعتِ کامل کے بعد جب
آنسو بہا کے رکھ دیے بیٹے کے لب پہ لب
دل سے گلے لپٹنے کی حسرت نکال دو

بابا سے کوئی بات تو اے مہ لقا کرو
اینٹھی ہے گر زباں تو آنکھوں کو وا کرو
دادی کے پاس چشمۂ کوثر پہ جاتے ہو
اکبر نے آنکھیں کھول دیں دیکھا رخِ پدر
فرمایا شہ نے زانو پہ رکھ کر سرِ پسر
یاں سے اُٹھا کے آلِ پیمبر میں لے چلوں

کی عرض مُہلت اتنی کہاں ہے شہِ اُمم
دولت ملی کہ دیکھ لئے آپ کے قدم
ساتھ آئے تھے جو چاہنے والے وہ دور ہیں
شہ نے کہا مرے لئے بیٹا نہ روؤ بس
دنیا کی آرزو ہے نہ جینے کی کچھ ہوس
اکبر ترے الم سے جگر چاک چاک ہے

تبلاؤ کس اُمید پہ یہ نیم جاں جیے
دنیا میں جس کا تم سا نہ کڑیل جواں جیے
پہلے نہ ہم گزر گئے شرمندگی یہ ہے
یہ بات سُن کے لینے لگا ہچکیاں پسر
زردی اجل کی چھا گئی چہرے پہ سر بسر
دنیا سے انتقال ہوا نورِ عین کا

بیٹے کی لاش باپ نے دیکھی لہو میں تر
دیکھا جو زخم منھ کے قریب آگیا جگر
غل پڑ گیا صفوں میں کہ شبیر مر گئے
دیکھا کہ مٹ رہی ہے شبیہِ رسولِ رب
چلّاتے تھے کہ چھوڑ چلے ہم کو ہے غضب
باہیں اُٹھا کے باپ کی گردن میں ڈال دو

غفلت کا وقت یہ نہیں ذکرِ خدا کرو
صدقے پدر اشارے میں مطلب ادا کرو
حوروں سے باتیں ہوتی ہیں جو مسکراتے ہو
گالوں پہ اشک آنکھوں سے ٹپکے اِدھر اُدھر
روتے ہو کس کے واسطے اے غیرتِ قمر
غم ماں کا ہے تو آؤ تمہیں گھر میں لے چلوں

اب کیجئے قبلہ رو کہ نکلتا ہے تن سے دم
غیر از غمِ فراق مجھے کچھ نہیں ہے غم
روتا ہوں اس لئے کہ اکیلے حضور ہیں
ہوگا جہاں سے جانے میں تھوڑا سا پیش و پس
میرے لئے ہے اب دمِ خنجر ہر اک نفس
جب تو نہ ہو تو باپ کے جینے پہ خاک ہے

افسوس شیر قتل ہوا اور ناتواں جیے
وہ باپ کس طرح جیے کیونکر وہ ماں جیے
ہم دونوں تیرے ساتھ مریں زندگی یہ ہے
سوکھی زباں دکھائی کہ پیاسا ہوں اے پدر
دو بار لی کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ہنگامِ ظہر تھا کہ لُٹا گھر حسین کا

نکلی اُدھر تو جسم سے اکبرؑ کی جانِ زار
یاں بیبیاں ہوئیں درِ خیمہ پہ بے قرار
فضہ پکاری ڈیوڑھی سے بڑھ کر یہ اکبار
اکبرؑ پہ کیا گزر گئی یا شاہِ نامدار
چھریاں غم والم کی کلیجے پہ چلتی ہیں
جلد آئیے کہ حضرت زینبؑ بلکتی ہیں

گھبرا کے شاہِ دیں نے اُٹھائی پسر کی لاش
لپٹائے تھے کلیجے سے لختِ جگر کی لاش
لائے قریبِ خیمہ جو اُس سیمبر کی لاش
غل پڑ گیا کہ آتی ہے رشکِ قمر کی لاش
زہراؑ کی بیٹیاں جو کھُلے سر نکل پڑیں
سب بیبیاں خیام سے باہر نکل پڑیں

سر ننگے شہ کے گرد تھیں سیدانیاں تمام
تھے بیچ میں شہید کا لاشہ لیے امام
بانوؑ پکارتی تھی کہ یا شاہِ تشنہ کام
جیتا ہے یا جہاں سے گیا میرا لالہ فام
منکا ڈھلا ہے ہونٹوں پہ سوکھی زبان ہے
اے جانِ فاطمہؑ مرے بچے میں جان ہے

زینبؑ تڑپ تڑپ کے یہ کہتی تھی بار بار
یہ لاش میری گود میں دیجے بہن نثار
طاقت نہیں ہے آپ میں یا شاہِ نامدار
صدقے گئی لرزتا ہے فاقوں سے جسمِ زار
شہ کہتے تھے یہ کام ہے مجھ خستہ جان کا
تجھ سے بہن نہ اُٹھے گا لاشہ جوان کا

لاشہ پسر کا خیمے میں لائے امامِ پاک
مسندِ رسولِ حق کی بچھائی بروئے خاک
شہ نے لٹا کے لاش جو کی آہِ دردناک
دل بیبیوں کے ہو گئے سینے میں چاک چاک
پہلے گماں تھا غش میں وغا کر کے آئے ہیں
آخر یقین سب کو ہوا مر کے آئے ہیں

لاشے کے پاس ہائے پسر کہہ کے ماں گری
ہاتھوں سے دل پکڑ کے پھوپی نیم جاں گری
دل پر ہر اک کے برقِ غمِ نوجواں گری
غش ہو کے یاں گری کوئی اور کوئی واں گری
چھوٹی بہن جو لاشے سے آ کر لپٹ گئی
اک حشر ہو گیا صفِ ماتم اُلٹ گئی

بس اے انیس اب نہیں آگے بیاں کی تاب
لکھوں حرم کے بین تو ہوتی ہے اک کتاب
گر قدرداں ہیں کم تو نہ کر اتنا اضطراب
جلدی مدد کریں گے شہِ آسماں جناب
تو ذاکرِ حسینؑ علیہ السلام ہے
تیری اُنھیں کو فکر ہے جن کا غلام ہے

۱۲

مرثیہ
بند ۱۱۵

حضرت سے جب برادرِ خوش خو جدا ہوا — تنہا ہوئے کہ زینتِ پہلو جدا ہوا
جو گھر کی روشنی تھا وہ مہرو جدا ہوا — جس سے قوی تھے ہاتھ وہ بازو جدا ہوا
تیغِ خزاں چلی شہِ مرداں کے باغ میں — ٹوٹی کمر حسینؑ کی بھائی کے داغ میں

دشمن کو بھی نہ بھائی کا ماتم خدا دکھائے — پوچھو اسی کے دل سے کمر جس کی ٹوٹ جائے
فرماتے تھے پسر سے یہ رو رو کے ہائے ہائے — اکبر بتاؤ بھائی کو بھائی کہاں سے لائے
عباسؑ کیا جدا ہوئے گھر میرا لٹ گیا — بچپن کا ساتھ ہائے غضب آج چھٹ گیا

اعدا میں شور تھا کہ اکیلے ہوئے امام — وہ مر گیا کہ جس سے لرزتا تھا روم و شام
تھا لشکروں کو خوفِ علمدارِ نیک نام — بیکس ہوئے حسینؑ لڑائی ہوئی تمام
کیا ہو سکے گا اب شہِ گردوں اساس سے — اک نوجواں پسر ہے وہ مرتا ہے پیاس سے

غصے سے کانپتے تھے علی اکبرؑ دلیر — تکتے تھے روئے فوج کو ہر دم مثالِ شیر
کہتے تھے ہائے موت نے کیوں کی ہے اتنی دیر — میں تو خدا کی راہ میں ہوں زندگی سے سیر
اکبرؑ بھی جلد قافلے والوں سے جا ملے — مشکل ہے دیکھئے ہمیں کیونکر رضا ملے

دیکھا امامِ دیں نے کہ ہے غیظ میں پسر — تیغِ علیؑ کو ٹیک کے اٹھے بہ چشمِ تر
فرمایا دیکھتے ہو لعینوں کا شور و شر — ہے شادیٔ شہادتِ عباسؑ نامور
اعدا کی ہے خوشی ہمیں جتنا ملال ہو — تم غیظ میں نہ آؤ کہ صابر کے لال ہو

قدموں پہ سر کو رکھ کے یہ بولا وہ مہ جبیں — کب تک غلام صبر کرے یا امامِ دیں
مجھ کو سنا سنا کے یہ کہتے ہیں اہلِ کیں — اب فاطمہؑ کے لال کا یاور کوئی نہیں
پیاسے جو ہوں وہ جان کو کھوتے نہیں ہیں کیا — ہم شیرِ کردگار کے پوتے نہیں ہیں کیا

اچھا کہیں جو کہتے ہیں بڑھ بڑھ کے بدخصال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
باندھیں گے جب کمر تو کھلے گا ہمارا حال
لشکر کے سرکشوں کو کیا کس نے پائمال
میداں سے روم و رے کے دلاور کہاں گئے
لاشے کہاں تڑپتے رہے سر کہاں گئے

ہم حق پہ ہیں تو پھر ہیں مرنے سے کیا ہراس
فاقہ نہ ہم پہ شاق نہ سولہ پہر کی پیاس
صابر ہیں بندگان شہنشاہ حق شناس
لب تشنہ جائیں گے یونہی کوثر پہ جد کے پاس
پیاسے جہاں سے آپ کے آگے سفر کریں
دریا خود آئے گر تو زباں کو نہ تر کریں

پانی سے کیا انھیں جنھیں ہو آبرو کا دھیان
ہم اور سوال آب کریں گے خدا کی شان
گر لاکھ بار پیاس سے آئے لبوں پہ جان
ہونٹوں پہ بھی پھرائیں نہ سوکھی ہوئی زباں
ابر عطا و فیض ہیں دریا نوال ہیں
کوثر کو جو لٹائے گا ہم اُس کے لال ہیں

دیکھا حسینؑ نے کہ رکے گا نہ دلربا
رو کر کہا کہ باپ سے پہلے مرو گے کیا؟
کی عرض دم بدم یہی خالق سے ہے دعا
فرمایا لاؤ اپنی پھوپی جان سے رضا
میں خوب جانتا ہوں کہ جینے سے سیر ہو
جلدی کرو کہ میرے نہ مرنے میں دیر ہو

خیمے میں آئے اکبرؑ مہرو جھکائے سر
لپٹا لیا کلیجے سے زینبؑ نے دوڑ کر
رو کر کہا کہو مرے بھائی کی کچھ خبر
اکبرؑ نے عرض کی تن تنہا ہیں اب پدر
رونے کی جا ہے قبلہ و کعبہ کے حال پر
سب فوج کی چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

یہ تین دن کی پیاس یہ دھوپ اور یہ زوال
نیلے ہیں ہونٹھ زرد ہے رخ ضعف سے کمال
تیغوں پہ تیغیں سامنے ہیں ڈھال پر ڈھال
چلّے چڑھا رہے ہیں کمانوں پہ بدخصال
اتنا کوئی نہیں ہے کہ سینہ سپر کرے
تیروں کی اب مہم ہے خدا اس کو سر کرے

یہ سن کے پیٹنے لگی زینبؑ جگر فگار
رانڈوں میں وا حسینؑ کی ہر سو ہوئی پکار
بولی پسر سے بڑھ کے یہ بانوئے نامدار
تم رن سے ایسے وقت میں کیوں آئے میں نثار
ماں کے لئے رنڈاپے کا پیغام لائے ہو
کس نے طلب کیا تھا جو گھبرا کے آئے ہو

میں مر گئی تھی کیا جو چلے آئے بے حواس
چھوڑ آئے کس کو تیغوں میں سبط نبیؐ کے پاس
ہے ہے یہ دکھ یہ رنج یہ صدمہ یہ بھوک پیاس
کیا کہتے ہوں گے دل میں شہنشاہ حق شناس
کس کی مدد امام دو عالم نے کی نہیں
سچ ہے مصیبتوں میں کسی کا کوئی نہیں

کیسا لہو سفید ہے دُنیا کا ہائے ہائے
یوں ناز اُٹھا اُٹھا کے جو پالے وہ تیر کھائے
کیا وقت ہے نثار شہِ مشرقین کے
بتلاؤ پاس سب ہیں رفیقان پُرجگر
قاسمؑ گئے ہیں سینے پہ تلواروں کو سپر؟
تم گھر میں آئے گر تو مجھے کچھ گلا نہیں

بچے نہیں جوان ہو بہادر ہو میں نثار
یہ معرکہ یہ جنگ ہے دنیا میں یادگار
جینا ہے تب جو فاطمہؑ کا مہ لقا جئے
کہتی ہوں صاف میں کہ نہ بھائے مجھے یہ طور
عاقل وہ ہے مآل کی جانب کرے جو غور
مر جاتے ہیں وغا میں صفیں توڑ توڑ کے

گھر کیا ماں کہاں کی تمہیں کیا کسی سے کام
اچھا خدا نہ کردہ جو زخمی ہوئے امام
ماں ہو کے میں کہوں تمہیں کیونکر یہ دھیان ہو
یہ کہہ کے منہ کو ڈھانپ کے روئی وہ نوحہ گر
کہنے لگیں یہ حضرت زینبؑ جھکا کے سر
گھر لُٹ رہا ہے گشتۂ اندوہ و یاس ہوں

بن آئے تم سے جو وہ کرو لے پھوپی کی جاں
آنسو بہا کے آنکھوں سے بولا وہ نوجواں
جو خود لہو گرائے پسینے پہ باپ کے
عمو سے پہلے تھی مجھے مرنے کی آرزو
سو سو طرح سے کی دُرِ مطلب کی جستجو
میں اور سر نہ شہ کے قدم پر فدا کروں

بیٹا جوان باپ کو آفت میں چھوڑ آئے
سیّد تری مدد کو یہ لونڈی کسے بلائے
کاٹے مرا گلا کوئی بدلے حسینؑ کے
بھائی سے دور تو نہیں عباسؑ نام ور
زینبؑ کے دونوں چاند ہیں پہلو میں جلوہ گر
تنہا تو نورِ چشم رسولؐ خدا نہیں

بھولو پھوپھی کو دل سے اٹھا دو ہمارا پیار
یہ موت زندگی ہے عبادت یہ کارزار
اچھا پدر کو کھو کے جئے گر تو کیا جئے
میں منہ نہ دیکھتی کبھی ہوتا جو کوئی اور
مضطر نہ ہو ہزار ستم ہوں ہزار جور
گھر میں بھی مرد آتے ہیں میداں کو چھوڑ کے

نیزوں میں باپ گھر میں جگر بند تشنہ کام
پھر آبرو رہے گی مری اور تمہارا نام
جاؤ سدھارو نامِ خدا اب جوان ہو
اکبرؑ نے کی پھوپی کی طرف یاس سے نظر
حق ہے یہ سب جو کہتی ہیں بانوئے نام ور
واری مجھے تو ہوش نہیں بے حواس ہوں

حافظ علیؑ خدا او پیمبرؐ نگاہباں
میرا ہے سب قصور یہ بے والدہ کو دھیاں
وہ تیر لگتے دیکھے گا سینے پہ باپ کے
چارہ ہے کیا رضا نہ جو دیں شاہِ نیک خو
کھوتا ہے کوئی دیدہ و دانستہ آبرو
لکھی ہو بخت میں جو ندامت تو کیا کروں

جب میں گرا قدم پہ کہا ماں سے اذن لاؤ
جوڑے جو ہاتھ بولے کہ زینب سے پوچھ آؤ
رن کی طرف بڑھا تو یہ فرمایا گھر میں جاؤ
باقی ہیں اور لوگ ابھی برچھیاں نہ کھاؤ
میں کس طرح کہوں کہ سدھارو سوار ہو
دونوں خوشی سے دیں جو رضا تب نثار ہو

اب کی خدا کے فضل سے قسمت نے یاوری
دیکھیں حضور گود کے پالے کی صفدری
رگ رگ میں ہے لہو کے عوض زور حیدری
ہم سا بھی کوئی دوسرا دنیا میں ہے جری
اس کو ہراس کیا ہے جو شیروں کا شیر ہو
بخشیں نہ آپ دودھ جو مرنے میں دیر ہو

تسلیم کو جھکا جو یہ کہہ کر وہ سیمبر
بنت علیؑ زمیں پہ گری تھام کر جگر
ماں کو یقیں ہوا کہ چلا نوجواں پسر
پھیلا کے دونوں ہاتھ پکاری وہ نوحہ گر
واری مرے گلے سے نہ کیا مل کے جاؤ گے
اتنا تو منہ سے کہہ دو کہ رن سے کب آؤ گے

قدموں پہ ماں کے جھک گیا بڑھ کر وہ نونہال
رخ کی بلائیں لے کے یہ بولی وہ خوش خصال
کیا کچھ خفا ہو تم مری باتوں سے میرے لال
اکبرؑ یہ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال
صدقہ یہ آپ کا ہے کہ عالی مقام ہوں
خادم ہوں جاں نثار ہوں ادنیٰ غلام ہوں

یوں ہے پسر کے واسطے ماں باپ کا عتاب
جیسے ثمر پہ تاب جہاں تاب آفتاب
احساں کیا غلام پہ اے آسماں جناب
کیجئے دعا کہ اب ہوں شہادت سے کامیاب
ہوں آپ صابرہ غم و اندوہ و یاس میں
اب دودھ بخشئے کہ افاقہ ہو پیاس میں

ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ سوگوار
میں تم پہ صدقے اور مرے ماں باپ بھی نثار
کیا دودھ ایسی چیز ہے بخشا ہزار بار
ماں کو دعائیں دے کے یہ بولا وہ ذی وقار
اب دل سے دور رنج و غم و درد ہو گیا
تر ہو گئی زبان جگر سرد ہو گیا

باندھے کمر جو خیمے سے نکلا وہ گل بدن
دیکھا کہ قبلہ رو ہیں شہنشاہ بے وطن
عمامہ دست پاک پہ ہے لب پہ یہ سخن
اکبرؑ کو بہرہ یاب کر اے ربّ ذو المنن!
بیٹے کے ساتھ نکلے نہ ماں اضطراب میں
یارب! خلل نہ ہو کہیں کار ثواب میں

اٹھارہ سال کی یہ ریاضت ہے گلعذار
پالا جو ہے دکھوں سے پھوپی اس پہ ہے نثار
ماں آتما کی آنچ سے ہو دیں گی بے قرار
تو صبر کر عطا انہیں اے میرے کردگار
فرقت ہے اس کی تلخ جو فرزند اہل ہو
ہاں! تو مدد کرے تو یہ مشکل بھی سہل ہو

سب مشکلوں میں تو نے سدا کی مری مدد
اکثر جہاں میں ترے بندے ہیں لاولد
نانا نبیؐ ہے باپ علیؑ ماں بتولؑ ہے
ہو جائے بہر شکر جو ہر موئے تن زباں
اے خالقِ زمین و زماں ربِّ انس و جاں
دیتا ہوں واسطہ میں جنابِ امیرؑ کا
بعد اس دعا کے چپ جو ہوئے شاہِ نامدار
لایا غلام رخصتِ میدان کا رزار
مشکل ہے سہل جس کو بھروسا خدا کا ہے
طے ہو گیا وہ امر کہ جس کا یقیں نہ تھا
کی عرض سن کے بیکسیٔ شاہِ کربلا
چلتے ہیں تیر قبلۂ عالم پناہ پر
بنتِ علیؑ یہ کہتی تھی مجھ سے بصد قلق
تھا فرطِ غم سے والدہ صاحب کا رنگ فق
بے خود وہ تھیں غمِ شہِ عالی جناب میں
آنسو بہا کے کہنے لگے شاہِ نیک ذات
دنیا میں یوں لٹائے کوئی ایسی کائنات
کیوں کر نہ ہو کہ دونوں میں خو ہے بتولؑ کی
یہ کہہ کے دونوں ہاتھ بڑھائے سوئے پسر
بازو پکڑ کے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اے نورِ عین ہجر ترا مجھ پہ شاق ہے
لپٹا پدر سے اٹھ کے وہ آغوش کا پلا
سوکھے لبوں پہ رکھ دیے لب منہ پہ منہ ملا
نکہت جو سر بسر تھی رسولؐ کریم کی

آساں اس امرِ صعب کو بھی کر دے یا احد
مجھ پر تو وہ کرم ہے کہ جس کی نہیں ہے حد
بیٹا بھی وہ دیا جو شبیہِ رسولؐ ہے
شمہ نہ ہو سکے ترے اوصاف کا بیاں
لاتا ہے نذر بندۂ مسکین و ناتواں
مقبولِ بارگاہ ہو ہدیہ فقیر کا
حضرت کے پاس جا کے یہ بولا وہ گلعذار
فرمایا صاف ہوتا ہے چہرے سے آشکار
اے مہ لقا اثر یہ ہماری دعا کا ہے
مجمل تو کچھ کہو تمہیں کیونکر ملی رضا
اماں نے اور پھوپھی نے تڑپ کر یہی کہا
دوڑو نہ سپر ہو فاطمہ زہراؑ کے ماہ پر
کام آئے نہ شہ کے ہے یہ مرے پالنے کا حق
ایسا گلہ کیا کہ ہوا میں عرق عرق
خود مجھ کو دودھ بخش دیا اضطراب میں
حقا کہ ہیں وہ بیبیاں ایسی ہی خوش صفات
اس کی محبتیں میں نہ بھولوں گا تا حیات
بیٹی ہے ایک ایک بہو ہے بتولؑ کی
اکبرؑ نے جھک کے رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
بیٹا ملو گلے سے کہ بیتاب ہے جگر
تیرا سفر رسولؐ خدا کا فراق ہے
بیٹے کو پیار کرنے لگے شاہِ کربلا
چوما کبھی دہن کبھی ماتھا کبھی گلا
بو سونگھتے تھے گیسوئے عنبر شمیم کی

فرماتے تھے فدا ترے اے گلبدن جواں
میرے حسیں جواں مرے گل پیرہن جواں
صفدر جواں، شکیل جواں تیغ زن جواں
پیارے مرے جواں مرے شیریں سخن جواں
عالم میں اس طرح کے بھی خوش رو نہیں ہوئے
فاقوں کی تلخیوں میں ترش رو نہیں ہوئے

اے ثانی رسولؐ فلک جاہ الفراق
اے شیر بیشۂ اسد اللہ الفراق
اے شہسوار عرصۂ جنگاہ الفراق
درپیش ہے ہمیں بھی یہی راہ الفراق
سیر بہشت و خلد مبارک ہو آپ کو
کوثر پہ یاد کیجیو مظلوم باپ کو

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا شہزادۂ زماں
آنکھوں میں پھر گیا شبِ معراج کا سماں
قبضے میں تیغ، بر میں زرہ دوش پر کماں
اللہ رے رعبِ حق کہ اٹھا شورِ الاماں
بڑھتے ہی راہِ گلشنِ فردوس مل گئی
رن کی زمیں سمند کی ٹاپوں سے ہل گئی

وہ شان، وہ شکوہ، وہ اقبال، وہ جمال
گویا پئے جہاد چلے شیرِ ذوالجلال
گرمی سے تھا جو چاند سے چہرے کا رنگ لال
خورشید کو نہ آنکھ ملانے کی تھی مجال
غصے کی وہ نظر کہ خدا کا عتاب تھا
انساں تو کیا ہژبر کا زہرہ بھی آب تھا

قامت کے آگے پست ہے سرو روانِ باغ
رخسار ہیں شگفتہ گل ارغوانِ باغ
خوشبو سے بس گیا تھا بیابان باغ
سبزے میں پھول ہوتے ہیں اکثر میانِ باغ
کیا خوش نما ہے خط رخِ جانِ بتولؑ پر
دیکھو نئی بہار کہ سبزہ ہے پھول پر

غنچے ہزار ہوں تو نثار اس دہان تنگ
نازک لبوں میں سب ہے لبِ مصطفےٰ کا ڈھنگ
یاقوت کیا ہے سامنے ان کے ہو وہ بھی دنگ
دل خوں ہوا اگر نہ ملا لعل کو یہ رنگ
وہ کون سا نگیں ہے جو شیریں مقال ہے
ہاں اس کا جوہری ہے تو زہرا کا لال ہے

دشمن ہوئی جو امتِ نا اہل و بے وفا
زخمی ہوئے وہ لب یہ جفا پر ہوئی جفا
دندانِ صاف گوہرِ دندانِ مصطفےٰ
نے برق میں یہ شرق نہ موتی میں یہ صفا
گیسو ملے ہوا سے تو جنگل مہک گئے
جب ہنس کے بات کی تو ستارے چمک گئے

وہ شہسوار اور وہ سمندِ فلک نورد
پائی کبھی صبا نے نہ جس کے قدم کی گرد
بازارِ برق گرم روانی سے اس کی سرد
یوں چال میں پری تو چھلاوا دمِ نبرد
اس کی سبک روی سے خجالت سحاب کو
دریا پہ جائے اور نہ خبر ہو حباب کو

نیزوں کو گاڑ کر جو رجز خواں ہوئے جناب
فق تھا کسی کا رنگ، تو زہرہ کسی کا آب
گھبرا کے دور فوج کے نامی جواں گئے
تنہا پہ دو طرف سے چلے تیر ایک بار
چمکی وہ تیغ کیا کہ ہوئی آسماں کے پار
پہونچے تھے سُم ابھی نہ برابر زمین پر
پھر تو جمی صفوں کی صفائی تھی ہر طرف
تلوار سے سروں کی جدائی تھی ہر طرف
سر کس جگہ نہ گرتے تھے کاوا کہاں نہ تھا
موت آئی اُس پرے پہ جہاں ناگہاں گئے
توڑا یہ مورچہ وہ صف اُلٹی وہاں گئے
راکب کی شکل سامنے ہے راہوار کے
اللہ ری ضرب تیغ صفا بانی جری
خالی کئے پرے پہ نہ خوں میں کبھی بھری
گر خوں سے لالہ رنگ یہ دشت مصاف ہے
فوجوں کو دے جواب، وہ تیزی زبان میں
پانی وہ تھا کہ آگ لگا دی جہان میں
بے فتح پھیرتی تھی نہ منھ کارزار سے
جوہر وہی برش کا وہی طور خم وہی
چلنا اسی طرح کا چمک دمبدم وہی
بے مثل آبرو میں اصالت میں نیک تھی
پڑتا تھا پھلیہ جو چمک کر ادھر اُدھر
کٹ کر تنوں سے لڑ رہے تھے سر ادھر اُدھر
رُکتا نہ تھا سمند کہیں اُڑ بیچ بیچ میں

یاد آگئی ہر اک کو صدائے ابو تراب
پھٹنے لگیں صفیں یہ ہوا دل کو اضطراب
جو مورچے یہاں تھے سرک کر وہاں
لی میان سے دلیر نے شمشیر آب دار
اُتر آگئی صفوں کے ادھر اُڑ کے راہوار
گھوڑوں پہ تن سواروں کے تھے سر زمین پر
وہ شیر ہر جگہ تھا، لڑائی تھی ہر طرف
مثل صبا، فرس کی رسائی تھی ہر طرف
بجلی کہاں نہ تھی وہ چھلاوا کہاں نہ تھا
زخمی کیا، فنا کیا، مارا جہان گئے
حیرت تھی فوج کو کدھر آئے کہاں گئے
غل تھا یہ ران باگ ہے دلدل سوار کے
سر اُڑ گئے تنوں سے چلی جب وہ سرسری
دعویٰ یہ تھا کہ ہے مرے حصے میں صفدری
جو چاہے دیکھ لے مرا منھ پاک صاف ہے
ترکش ہیں چھوڑے تیر نہ چلے کمان میں
نازل ہوا تھا آیۂ برق، اس کی شان میں
دعوائے ہمدمی تھا اُسے ذوالفقار سے
تیزی وہی غضب کی وہی گھاٹ دم وہی
رنگت زمردی وہی پانی میں سم وہی
مل جاتیں دو زبانیں بھی اس کو تو ایک تھی
چل جاتے تھے کلیجوں پہ خنجر ادھر اُدھر
زخمی تڑپ رہے تھے برابر ادھر اُدھر
ندی لہو کی بہتی تھی لشکر کے بیچ میں

آفت کا معرکہ تھا قیامت کی جنگ تھی
اللہ ری برق وشرق کہ بجلی بھی دنگ تھی

جو کھینچتے ہیں سر، وہی پامال رہتے ہیں ؏
کاسے سروں کے ٹھوکریں کھاتے تھے جابجا
گوشوں میں گورخوں کو چھپاتے تھے جابجا
بھاگیں نہ کس طرح قدر انداز سہم کے
بے رُخ کمانیں تیروں سے چلّے کماں سے دور
برچھی سے پھل گرے ہوئے نیزے سناں سے دور

رایت جھکے ہوئے تھے صفیں پائمال تھیں
بھاگے تھے خود اپنی بلا سر پہ ٹال کے
تلواریں منھ چھپاتی تھیں دامن میں ڈھال کے
چار آئینے پڑے تھے زمیں پر کٹے ہوئے
کس کے لئے وغا میں وہ تلوار سم نہ تھی
کس کی سپر سمیت، کلائی قلم نہ تھی

فوجوں کا جائزہ تھا کہ دشت مصاف تھا
جس صف پہ آئی کاٹ گئی خود سروں کے ہاتھ
فرماتے تھے اُڑا کے برابر پروں کے ہاتھ
پیراک مانتے نہیں، دریا کے شور کو
ہیں جاں بلب ہی ہوں جو مرتا تھا پیاس سے
کیوں دور بھاگے جاتے ہو شیرزن کے پاس سے

کیوں ہونٹھ خشک ہو گئے کیا تشنہ کام ہو
بربیں اسد ہوں بحر وغا میں نہنگ ہوں
مشتاق زخم نیزہ و تیغ و خدنگ ہوں
ہیں دق ہوں اور تمھیں نہ ہزیمت بری لگے

کوسوں لہو سے رن کی زمیں لالہ رنگ تھی
چمکی کسی سوار پہ جب زیر تنگ تھی

نام آوروں کی تیغوں کے منھ لال رہتے ہیں
تودے کمانوں کے نظر آتے تھے جابجا
لیکن سروں پہ تیغ کو پاتے تھے جابجا
واں تیر کیا کہ جلتے تھے پر مرغ وہم کے
مُرغان تیر سہمے ہوئے آشیاں سے دور
پیروں سے عقل دور تہوّر جواں سے دور

کاندھوں پہ روسیاہوں کے ڈھالیں نڈھال تھیں
بھاگے چھپے تھے امن کی جا دیکھ بھال کے
زرہیں تھیں یا کھلے ہوئے حلقے تھے جال کے
لٹکے تھے جوشنوں سے گریباں پھٹے ہوئے
آتے ہی کاٹ جانے میں افعی سے کم نہ تھی
منھ پر کسی جواں کے سلامت جھلم نہ تھی

چہروں کے کاٹ دینے میں کیا ہاتھ صاف تھا
تھرا رہے تھے خوف سے نام آوروں کے ہاتھ
چلنے میں کارزار میں یوں صفدروں کے ہاتھ
دیکھا مرے تھکے ہوئے ہاتھوں کے زور کو
دیکھو لڑا ہوں لاکھوں میں کس کس جواں سے
ماروں کسے کہ مرتے ہو تم خود ہراس سے

تلواروں سے مرو، کہ جوانوں میں نام ہو
حیدر تھے شیر حق تو میں ضرغام جنگ ہوں
بھاگے ہو چار آئنہ باندھے میں دنگ ہوں
دل کھول کر لڑو، کہ لڑائی میں جی لگے

کچھ تیغ سے بھی تیز تھے سیفِ زباں کے وار
گھوڑے ہٹا ہٹا کے بڑھاتے تھے بار بار
زہرے تھے آب غیظ جو تھا اس جناب کو
دق تھے مبارزانِ رےؔ و رومؔ و مصرؔ و شامؔ
بجلی سی کوندتی تھی ادھر اور اُدھر حُسام
وہ بھی قریبِ مرگ تھے جو دُور دُور تھے
جب صف پہ نیزہ باروں کی اڑ کر گیا سمند
سر یوں اڑے کہ ہو گئے رستے ادھر کے بند
نیزے ستم کے چار طرف تل کے رہ گئے
ٹکڑے تھیں بیرقیں تو نشاں سب تھے سرنگوں
بہیا لہو کی آئی یہ برسا زمیں پہ خوں
تھراتے ہیں پیادوں کے دل اسکی کاٹ سے
خالی کئے دلیر نے جنگل بھرے ہوئے
سر یوں گرے ادھر تھے جدھر دل بھرے ہوئے
اس زور شور سے کوئی لڑتا نہیں کوئی
چھائی ہوئی تھی ڈھالوں کی ہر سو گھٹا سیاہ
چھپنے کی نے جگہ نہ کہیں بھاگنے کی راہ
جو گھاٹ پر تھا خون میں وہ شور بور تھا
چلّا رہا تھا یوں پسرِ سعدِ کینہ جو
جاتا ہے تین روز کا پیاسا کنارِ جو
گھیر و کرن میں نیزوں کی اُس آفتاب کو
نام آوروں کو چاہیے عزت کا اب خیال
حاضر ہے خلعت و زر و جاگیر و اسپ و مال
باقی مجاہدوں میں یہی نورِ عین ہے

کٹ کٹ کے سر جھکاتے تھے لشکر کے نامور
کیا تاب تھی کرے جو کوئی مڑ کے آنکھ چار
گھورا ہے شپرک نے کبھی آفتاب کو
غُل تھا کہ آج مٹ گئے نام آوروں کے نام
یہ گر کے مر گیا تو وہ پس کر ہوا تمام
کاسے سروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے چور تھے
جی سن سے ہو گیا کہ یہ گھوڑا ہے یا پرند
ہر زخم تھی تیغ عقدہ کشا کی برش دوچند
باندھے تھے قبضے بند وہ سب کھل کے رہ گئے
ثابت الف نیزوں کے تھے نے کماں کے نوں
چلّاتے تھے زمیں پہ تڑپ کر سپہ و روں
ندی چڑھی ہوئی ہے سرک جاؤ گھاٹ سے
لہرا رہے تھے خون سے جل تھل بھرے ہوئے
جیسے کبھی برستے ہیں بادل بھرے ہوئے
یوں دونگڑا اساڑھ میں پڑتا نہیں کبھی
بجلی چمک رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
ندّی چڑھی تھی فوج کا بیڑا تھا سب تباہ
سارا یہ تیغِ تیز کے پانی کا شور تھا
کس سے کہوں بہائے جو اس شیر کا لہو
جانوں کے ساتھ آج گئی سب کی آبرو
کیوں خاک میں ملاتے ہو موتی کی آب کو
کردو ریاضِ فاطمہؑ زہراؑ کو پائمال
خوں اس کا جو بہائے وہ بھر لے طلا سے ڈھال
خنجر ہے پھر تو اور گلوئے حسینؑ ہے

نکلا یہ سُن کے غیظ میں اک پہلوان روم
سرہنگ و پُرغرور و سیہ قلب و بخت شوم
مرحب تھا کفر و شرک میں طاقت میں گیو تھا
چہرہ مہیب غیظ سے آنکھیں لہو کے جام
موذی سیاہ بخت سیاہ دل سیاہ فام
کُندہ سقر کے قعر کا پتلا گناہ کا
کیا ذکر خود کا سر دگروں کا کیا حساب
سینے کے تھے کواڑ کہ خیبر کا بند باب
راتب شقی کا رزق سپاہ یزید کا
ٹکڑے کرے پہاڑ کو وہ گرز گاؤ سر
زنجیر آہنی سے کسے جنگ پر کمر
دستانے دونوں دست تعدی پسند پر
اکبرؑ بھی مسکرائے ستمگر کو دیکھ کر
ہمت پکاری اے اسد حق کے شیر نر
جوشن سمیت کھینچئے وہ ایک حسام میں
پڑھتا ہوا رجز جو بڑھا وہ ستم شعار
بھولا کلام زور تعلّی وہ نابکار
گویا ہوں یہ تو کس کو مجال سخن ملے
فرمایا ہم سے مکر کی باتیں خدا کی شاں
روباہ اور شیروں کے بچوں کا امتحاں
بے تیغ اگر بڑھوں تو ابھی تو ہلاک ہو
ہم سے ہیں سب جہاں کے زبردست زیردست
عمرو ابن عبدود سے دلاور کو دی شکست
بالا کو پست، پست کو بالا نہ جانیو

گیتی کے چار دانگ میں تھی جس شقی کی دھوم
لنگر سے جس کے ہل گئے مقتل کے مرز و بوم
گھوڑے پہ تھا شقی کہ پہاڑی پہ دیو تھا
تھرّائے شام خوف سے کاندھے پہ وہ حسام
کھاتا تھا لاکھ بل جو کوئی لے علیؑ کا نام
دشمن تھا خاندان رسالتؐ پناہ کا
گویا تھا اک قرابہ معکوس پُرشراب
تنور گرم تھا شکم خانماں خراب
تھا بار بار نعرہ ہل من مزید کا
پہنے ہوئے زرہ پہ زرہ بر میں بدگہر
منھ پھیرے جس سے تیغ وہ فولاد کی سپر
پاکھر بھی آہنی تھی شقی کے سمند پر
فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جانور
یہ نابکار آئے تو جاتا ہے اب کدھر
لائی ہے موت دیو کو لوہے کے دام میں
چلنے لگے ادھر سے بھی تیغ زباں کے وار
تب کیا بلا کہ چل گئی حیدرؑ کی ذوالفقار
منھ پھر گیا جواب وہ دندان شکن ملے
نیزے سے چھید لیتے ہیں کنذ آب کی باں
کیا تاب کیا مجال ہو اور کیا کسی کی جاں
پٹکوں کمر پکڑ کے تو پیوند خاک ہو
جو سربلند تھے انھیں ہم نے کیا ہے پست
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او شکم پرست
تلواریں کھانا منھ کا نوالا نہ جانیو

لادا ہے تونے جسم پہ کیوں بوجھ اس قدر
آہن ہے اپنی تیغ کے آگے خیار تر
ظالم تجھے خرابیٔ خیبر کی ہے خبر
مرحب کو کس نے بھیج دیا جانبِ سقر
کیا جانے جس کو شیر سے پالا پڑا نہ ہو
لوہا ہے نرم موم سے جب دل کڑا نہ ہو

ان جودتوں سے ہو گیا ظالم کا ذہن کُند
بھاری سبق تھا بھول گیا سب نوشت و خواند
بڑھ کر جو دل بڑھانے لگے افسرانِ جند
آیا اُڑا کے رخش کو وہ مثلِ بادِ تند
برچھا اِدھر شقی نے لیا دیکھ بھال کے
اکبرؑ ادھر سنبھل گئے بھالا سنبھال کے

نیزے ہلے وہ چل گئی چوٹیں کہ الاماں
ہر طعن قہر کی تھی قیامت کی ہر نکال
چنگاریاں اُڑیں جو سناں سے لڑی سناں
دو اژدھے گتھے تھے نکالے ہوئے زباں
پھیلے شرر پرندوں کی جانیں ہوا ہوئیں
شمعوں کی تھیں لویں کہ ملیں اور جدا ہوئیں

اِن کی طرف خدا تھا، اُدھر لشکرِ غنیم
سردارِ شام سب تھے میانِ اُمید و بیم
وہ کفر میں قوی، یہ رہِ حق میں مستقیم
دونوں طرف سے تھی کشش و کوشش عظیم
ہانے تھے دو ملے ہوئے گھوڑوں کی گشت سے
خاک آسماں پہ جاتی تھی اُڑ اُڑ کے دشت سے

گھوڑا اٹھا یا چمکتی تھی بجلی اِدھر اُدھر
گہ منہ کفل پہ تھا کبھی پٹھے قریب سر
غل تھا شکار بند ہے یہ یا ہما کے پر
بے اُستخواں ہے اسپ جہاں سیر کی کمر
سب اُن سے زیر دست ہیں جو ذی کمال ہیں
یہ شہسوارِ دوشِ محمدؐ کے لال ہیں

ان کا نہ ایک وار نہ اس کے ہزار بند
بڑھ بڑھ کے کھول دیتا تھا یہ شہسوار بند
کیا دنیزہ بازی میں تھا بار بار بند
چوٹوں سے نیلگوں تھے جفا جو کے چار بند
خالی گئی نہ فرق کی نے دست و پا کی چوٹ
کھلتی بھی ہے بندھی ہوئی مشکل کُشا کی چوٹ

ڈوبی گرہ میں نیزۂ ظالم کی جب سناں
گھوڑا اُڑا کے ہاتھ کو اکبرؑ نے دی تکاں
اللہ رے زور اُٹھ گیا گھوڑے سے پہلواں
دستِ شقی سے چھوٹ گئی ڈانڈ ناگہاں
نیزے کے ساتھ شور اٹھا اُس گروہ سے
لو اژدہے کو لے گیا سیمرغ کوہ سے

نیزہ اُڑا چکا تھا پکارا یہ شہسوار
دیکھا ہماری ضرب کو کیوں او ستم شعار
حربوں کی دو رہے ہے دلیروں کی ننگ و عار
جوہر کھلیں جو تیغ سے دم بھر ہو کارزار
کمزور کو خدا نے زبردست کر دیا
یہ تیری سرکشی نے تجھے پست کر دیا

ظالم نے ڈھال دوش سے لی اور کمر سے تیغ
بدلا تھا اُس نے ہاتھ کہ چمکی اِدھر سے تیغ
دو چار بار ڈوب کے نکلی سپر سے تیغ
چلنے میں گھٹتی بڑھتی تھی کس کس ہنر سے تیغ
مضطر تھا اپنی زیست سے دشمن کو یاس تھی
جب ہاتھ اُٹھ گیا یہ کلائی کے پاس تھی

چمکی سپر کے پاس کبھی برق کی مثال
شانے پہ آئی سینے پہ لی جب شقی نے ڈھال
سر کو بتا کے کاٹ گئی وہ زرہ کے جال
چوٹیں کڑی پڑی تھیں کہ مضطر تھا بدخصال
روکے کسے جواب کسے دے کدھر پھرے
بجلی کے ساتھ ساتھ کہاں تک سپر پھرے

شمشیر تیز سن سے جو آئی جھجک گیا
ضربت بھی کی تو ہاتھ شقی کا بہک گیا
جل کر کبھی کہا کبھی پیچھے سرک گیا
شعلہ تھا آگ کا کہ بجھا اور بھڑک گیا
ناری ہے نورِ حق سے کہاں بچ کے جائے گا
اک دم میں تیغ تیز کا پانی بجھائے گا

دونوں طرف وغا میں بڑی جد و کد ہوئی
پر ڈھال بہرِ تیغ سکندر کی سد ہوئی
تائید کی خدا نے علیؑ کی مدد ہوئی
جو اُس نے ضرب کی وہ سرِ دست رد ہوئی
گرمی میں ابر بن گئے تھے وہ جو برق تھے
اسوار بھی فرس بھی پسینے میں غرق تھے

کرتا تھا ہاتھ اپنی صفائی کو آشکار
تیغ اپنے جوہروں کو دکھاتی تھی بار بار
جنگ آزمودہ آتشِ سوزندہ آبدار
آفت کا منہ غضب کی روانی ستم کی دھار
جس دن سے اُتری سان سے رن پر چڑھی رہی
اکبرؑ سے بھی وغا میں کچھ آگے بڑھی رہی

آخر دکھا چکا وہ شقی اپنا سب کمال
پر شہ کے زلفوں والے کا بیکا ہوا نہ بال
تلوار کو اُٹھا کے پکارا علیؑ کا لال
ہاں اب ہماری ضرب کو دیکھ اے زبوں خصال
پسپا نہ ہو لعین یہی وقتِ نبرد ہے
رد کر ہمارا وار تو جانیں کہ مرد ہے

چمکی جو تیغ ڈھال وہ لایا قریبِ سر
اک برق سی گری کہ دو پارہ ہوئی سپر
مغفر سے سر میں تھی سرِ گردن سے صدر پر
سینے سے جب بڑھی تو ہوا تب وہ باخبر
سب نشۂ غرورِ جوانی اُتر گیا
تلوار تھی کہ حلق سے پانی اُتر گیا

قربان تیغ بختِ دلِ بادشاہِ دیں
گزری کمر سے کاٹ کے زنجیر آہنیں
پاکھر درست تھی نہ سلامت تھا صدرِ زیں
دو ایک ضرب میں تھا مع اسلحہ لعیں
کانپا سمند پاؤں کو ریتی میں گاڑ کے
پھٹ کر گرے زمین پہ ٹکڑے پہاڑ کے

تکبیر کی صدا سے ہلے دشت و کوہسار
چلائے شاہِ دیں کہ میں اس ضرب کے نثار
بجلی گری ہے تیغِ شقی پر چلی نہیں
تسلیم کر کے شہ کو پکارا وہ نوجواں
تالو ہے خشک اینٹھ گئی ہے مری زباں
دریا پہ قتل ہوتا ہوں، ہیں قحطِ آب سے

ٹھنڈی ہوا کو جان ترستی ہے ہائے ہائے
کیجیے دُعا کہ جلد شہادت غلام پائے
گرمی سے ہو فراغ عطش سے نجات ہو
یہ کہہ کے ابرِ شام میں ڈوبا وہ رشکِ ماہ
پایا جو بیچ میں تو سمٹ آئی سب سپاہ
یہ کیا وہ ران باگ تھی کیا شہ سوار تھا

شمر اس طرف کو تھا عمرِ کینہ جو اُدھر
چل کر اِدھر سے جب گئی وہ تُند خو اُدھر
سبزے کو اس روش سے ہوا روندتی نہیں
چھائی تھی ابرِ شام میں گھنگھور ادھر گھٹا
دریا کے اس طرف سے اُٹھا شور ادھر گھٹا
جانیں تھیں اس کے قبضے میں سر تھا تو نذر تھا

لڑتے تھے پرنہ ہوتا تھا انبوہِ فوج کم
بہرِ دغا کمیں میں گئے بانیٔ ستم
مارا جو پیدلوں کو سوار آ کے جم گئے
مانندِ شیر جنگ میں تھی چار سو نگاہ
لیکن اجل سے بس نہیں چلتا کسی کا آہ
چھاتی پہ لگ کے پشت سے نیزہ گزر گیا

یاد آیا جبرئیل کو دستِ خدا کا وار
فاقے میں تین دن کے یہ حملے یہ کارزار
افسوس ہے کہ آج جہاں میں علیؑ نہیں
اب پیاس مارے ڈالتی ہے یا شہِ زماں
جلتا ہے دل، کلیجے سے اُٹھتا ہے جب دھواں
ہتھیار گرم ہیں تپشِ آفتاب سے

پانی زرہ پہ کوئی چھڑک دے تو جان آئے
اکبرؑ بہ آبرو سوئے کوثر جہاں سے جائے
اے موت بے خبر تو ہماری حیات ہو
یوں چمکی پھر وہ تیغ کہ اللہ کی پناہ
حربوں سے بند ہو گئی چاروں طرف کی راہ
دابا یہاں سمند کو فوجوں کے پار تھا

بڑھتا کبھی اِدھر کبھی وہ ماہ رو اُدھر
اودے ادھر گرائے بہایا لہو اُدھر
بجلی سیاہ ابر میں یوں کوندتی نہیں
یہ شیر جب ادھر سے بڑھا زور ادھر گھٹا
ڈھالوں کی تھی لہو میں شرابور ادھر گھٹا
یہ آبِ شورِ تیغ کا مد تھا وہ جزر تھا

نیزوں کی صف اِدھر تو اُدھر برچھیاں بہم
جنگل تھا فوج کا کمک آتی تھی دمبدم
سو قتل ہو گئے تو ہزار آ کے جم گئے
چھپ چھپ کے بدلیوں سے نکلتے تھے مثلِ ماہ
دیکھا جو پھر کے یوں نظر آئی عدم کی راہ
اُبلا لہو کہ عمر کا پیمانہ بھر گیا

نیزہ لگا کے زور سے کھینچا لعیں نے جب
ٹکڑے کئی کبد سے نکل آئے ہے غضب
ہرنے پہ سر جھکا کے جو سنبھلا وہ تشنہ لب
تر ہو گئی لہو سے قبا مصطفےٰ کی سب
غش آیا نبضیں چھوٹ گئیں تیور بدل گئے
حلقے رکاب کے بھی قدم سے نکل گئے

فریاد ہے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ گراں
حربے تمام فوج کے اور ایک ناتواں
گرتے ہوئے فرس سے پکارا وہ نیمجاں
لیجئے خبر غلام کی اے قبلۂ زماں
جلدی اٹھائیے مجھے دشتِ نبرد سے
اب جان نکلی جاتی ہے سینے کے درد سے

سُننا تھا یہ کہ شہ پہ گرا آسمانِ غم
اتنا کہا کہ آہ ہوئے اب تمام ہم
دوڑے گرے اُٹھے کئی جا قبلۂ اُمم
رکھا کسی جگہ تو کہیں جا پڑا قدم
خالق پسر کا داغ دکھائے نہ۔ باپ کو
آنکھوں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آپ کو

چلاتے تھے کدھر کو ہے تو اے جواں پسر
عاشق پسر شفیق پسر مہرباں پسر
میرے سعید لال مرے قدرداں پسر
ہونٹوں پہ دم ہے باپ کا اے نیم جاں پسر
بیٹا پناہ باپ کا اب تیرے ہاتھ ہے
جلدی نہ کیجیو کہ یہ بے کس بھی ساتھ ہے

کس جا ستم کی سینے پہ کھا کر سناں گرے
آواز دو پھر اے علی اکبر کہاں گرے
کس طرح لڑکھڑا کے نہ یہ ناتواں گرے
پیری میں جس پہ کوہِ غمِ ناگہاں گرے
اعدا سے اس ستم کا خدا انتقام لے
اتنا نہیں کوئی کہ مرا ہاتھ تھام لے

جنگل میں پہنچے لاش پہ اس وقت شاہِ دیں
جب ایڑیاں رگڑ رہے تھے اکبر حسیں
چلائے پاس گر کے شہ بیکس و حزیں
حاضر ہے باپ اے مرے فرزندِ مہ جبیں
بابا کو مطمئن تو کرو منہ سے بول کے
باہیں گلے میں ڈال دو آنکھوں کو کھول کے

تم نے بھی منہ کو باپ سے موڑا ہزار حیف
بیکس کو اس ضعیفی میں چھوڑا ہزار حیف
پہنا نہ بر میں بیاہ کا جوڑا ہزار حیف
قسمت نے تازہ پھول کو توڑا ہزار حیف
بھیگی ہوئی مسوں پہ بڑی آب و تاب تھی
ہے ہے ابھی تو آمدِ فصلِ شباب تھی

کیوں تھرتھرا کے کروٹیں لیتے ہو بار بار
کیا ہے کہ خاک پر کسی پہلو نہیں قرار
حضرت سے دم نکلنے میں بولا وہ گلعذار
برچھی کا زخم ہے مری چھاتی کے وار پار
کیا حالِ دل کہوں نہیں طاقت بیان کی
لو الوداع! جسم سے رخصت ہے جان کی

ناگاہ رنگ زرد ہوا ہاتھ تھرتھرائے
کروٹ کبھی کراہ کے لی گاہ مسکرائے
ٹکا جو دم سوال میں پانی کے لب ہلائے
سنتے ہوئے گزر گئے دنیا سے ہائے ہائے
پھیلا کے ہاتھ پاؤں وہ مقتول رہ گیا
خوشبو سوئے بہشت گئی پھول رہ گیا

اللہ باپ کو نہ دکھائے غم پسر
صدمہ ہوا کہ غش ہوئے سلطان بحر و بر
اکبرؑ کے انتقال کی نوبت بجی اُدھر
نکلی ادھر سے دختر زہراؑ برہنہ سر
تھراتی تھی زمین کوئی تھا نہ چین سے
سب وحش و طیر روتے تھے زینبؑ کے بین سے

زخمی تھا سر ٹپکنے سے ماتھا کھلے تھے بال
مخدومۂ جہاں سے مشابہ بہت تھی چال
تن کانپتا تھا ضعف سے خورشید کی مثال
کہتے تھے شہ بیبیوں سے روکر بصد ملال
اے ظالمو ڈرو غضب کردگار سے
منہ ڈھانپ لو کہ نکلی ہیں زہراؑ مزار سے

چلاتی تھیں کہ گیسوؤں والے کدھر ہے تو
ہے ہے یہ کس کے خوں کے ہیں چھینٹے کدھر ہے تو
کیونکر پھوپی جگر کو سنبھالے کدھر ہے تو
اماں کی اُجڑی گود کے پالے کدھر ہے تو
چھریاں جگر پہ صدمۂ فرقت نے پھیری ہیں
سنتی ہوں میں کہ راہ میں گلیاں اندھیری ہیں

بس اے انیس بس نہ سُنے تھے کبھی یہ بین
برپا ہے بزم ماتم اکبرؑ میں شور و شین
ہیں ایک کیا نہیں کسی مومن کے دل کو چین
کیجیے مدد ان اپنے غلاموں کی یا حسینؑ
عشرت ہو دور عیش کا سامان کم نہ ہو
جز ماتم حضور کوئی اور غم نہ ہو

رباعی

اعلیٰ مرتبے میں ہر بشر سے پایا
افضل انھیں خضر راہبر سے پایا
یہ در جو نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے
جنت کا پتہ علیؑ کے گھر سے پایا

۱۳

مرثیہ
بند ۵۲

جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے
مشکیزہ دھرا دوش پہ اُس بحرِ کرم نے
رو کر یہ برادر سے کہا شاہِ اُمم نے
بھائی تمھیں بیٹوں کی طرح پالا ہے ہم نے
مرنے کو نہ جاؤ کہ نشانی ہو علیؑ کی
توڑو نہ ضعیفی میں کمر سبطِ نبیؐ کی

تم قوّتِ بازو ہو مرے جسم کی جاں ہو
لشکر کے علمدار ہو۔ حیدرؑ کے نشاں ہو
بہتر ہے جو خنجر مری گردن پہ رواں ہو
مرنے کے تمھارے یہ نہیں دن کہ جواں ہو
اس غم میں کریں صبر یہ وہ غم نہیں بھائی
اوجھل ہوئے آنکھوں سے تو پھر ہم نہیں بھائی

عباسؑ ہمیں چھوڑ کے مرنے کو نہ جاؤ
میں درد رسیدہ ہوں مرا دل نہ دکھاؤ
مشکیزہ رکھو کاندھے سے آنسو نہ بہاؤ
لو آؤ مری چھاتی سے چھاتی تو لگاؤ
اندوہ پہ اندوہ ہیں غم ہوتے ہیں غم پر
دیکھو تو عجب عالمِ تنہائی ہے ہم پر

کیونکر تمھیں بھائی کا رُلانا ہے گوارا
اس وقت میں لازم ہے کہ دو ساتھ ہمارا
اب پاس ہو تم یا علی اکبرؑ مرا پیارا
وہ آنکھیں تو تم ہو مری پیری کا سہارا
تم دونوں کی فرقت بھی جو شبیرؑ سہے گا
پھر لاش اُٹھانے کو مری کون رہے گا

یہ سُن کے علمدار پہ رقّت ہوئی طاری
سرِ شاہ کے قدموں پہ جھکایا کئی باری
کی عرض یہ آقا سے بصد گریہ و زاری
ان قدموں پہ حضرت کے فدا جان ہماری
کس کام کے، گر آئے نہ کام آپ کے آگے
عزّت ہو جو مر جائے غلام آپ کے آگے

تقدیر مجھے پہلے ہی دنیا سے اُٹھائے
آگے مرے آفت نہ کوئی آپ پہ آئے
اللہ سکینہؑ کی یتیمی نہ دکھائے
فدوی عوضِ سرورِ دیں خوں میں نہائے
فرزند تصدّق، مرا گھر بار تصدّق
ان قدموں پہ تو مجھ سے علمدار تصدّق

کام آتے ہیں غیروں کے جو ہوتے ہیں وفادار
اور ہیں تو غلام آپ کا ہوں بادشہِ ابرار
قاسمؑ کے بچھڑنے کا بڑا دل پہ تعب ہے
باقی ہے غلام آپ کا یہ اکبرؑ ذی جاہ
وہ گیسوؤں والا جو ہوا عازم جنگاہ
مرکر بھی ہم اس رنج سے آزاد نہ ہونگے
ماں نے کہا تھا وقتِ سفر آکے مرے پاس
شبیرؑ پہ جب ہوئے ہجوم الم و یاس
سر پہلے کٹانا کہ شرف پائے گا اس میں
زہراؑ کی کمائی پہ زوال آنے نہ پائے
میدان میں ہم شکلِ نبی جانے نہ پائے
زہراؑ کے کلیجے کے وہ دلبند ہیں بیٹا
بچوں کی تیمی کا بھی کچھ دھیان نہ لایا
ہوجائے اگر ایک طرف سارا زمانا
شبیرؑ سے ہیں دور ہوں تو ساتھ ہے بیٹا
عباس نے یہ دردِ دل اپنا جو سنایا
فرمایا کہ تم سے ہمیں قسمت نے چھڑایا
اب تم کو نہ روکیں گے نہ گھبراؤ برادر
جھکنے لگا سردار کے قدموں پہ علمدار
فرماتے تھے صدقے میں ترے اے مرے غمخوار
صدمہ نہ ہوا تھا یہ جدائی میں کسی کی
اے جانِ برادر تری شوکت کے میں صدقے
اے رستمِ لشکر تری ہمت کے میں صدقے
آفت تری فرقت کی نہیں ٹلتی ہے بھائی

حضرت ہیں مصیبت میں کئی دن سے گرفتار
ٹکڑے ہوئی سب فوج نہ یاور ہیں نہ انصار
اب بھی جو نہ صدقے ہو یہ خادم تو غضب ہے
خادم کا وہ شہزادہ ہے اور آپ شہنشاہ
کونین میں پھر میرا ٹھکانا نہیں واللہ
ماں دودھ نہ بخشے گی پدر شاد نہ ہونگے
سمجھاتی ہوں جو اس کو بھلا دیجو نہ عباسؑ
جاں اپنی گنوا دیجو بلا حجت و وسواس
ہیں دودھ نہ بخشوں گی، جو فرق آئے گا اس میں
شبیرؑ کا پسر تیغ و سناں کھانے نہ پائے
شبیرؑ گلا تیغ سے کٹوانے نہ پائے
وہ احمدِ مختارؐ کے فرزند ہیں بیٹا
عورت یہ ہے سمجھانے پہ زوجہ کے نہ جانا
تو ہاتھ نہ شبیرؑ کے دامن سے ہٹانا
عزت تری مادر کی ترے ہاتھ ہے بیٹا
شبیرؑ کو رونے کے سوا کچھ نہ بن آیا
افسوس کہ تم نے مرا لاشا نہ اٹھایا
چھاتی سے پھر اک بار لپٹ جاؤ برادر
لپٹا کے گلے رونے لگے سید ابرار
اب فاطمہؑ کا لال ہوا بیکس و بے یار
اس وقت کمر ٹوٹ گئی سبطِ نبیؐ کی
ہے ہے مرے یاور تری الفت کے میں صدقے
اے ثانیِ جعفر تری صورت کے میں صدقے
اس وقت کلیجے پہ چھری چلتی ہے بھائی

تو مرنے چلا ہائے اخی ہائے
اُمت نے محمدؐ کی مری قدر نہ کی ہائے
ہاتھوں سے کلیجہ کوئی ملتا ہے برادر
تڑپا کیے بسمل کی طرح سیّدِ ابرار
غل پڑ گیا ہاں لشکرِ یو نہر سے ہشیار
دیکھے کوئی اس صاحبِ شمشیر کی آمد
کہتا ہے کوئی رعبِ علمدار تو دیکھو
بجلی ہے خجل شوخیِ رہوار تو دیکھو
پنجے سے تجلی یدِ بیضا کی عیاں ہے
ہاتھ آئے ہیں ورثے میں بزرگوں کے یہ ہتھیار
اکثر یہ سپر باندھتے تھے جعفرِ طیّار
خودِ سرِ پُر نورِ امامِ دو جہاں ہے
پہنے ہے یداللہ کے دستانۂ پُر نور
آنکھ اس سے لڑائے یہ نہیں شیر کا مقدور
شیرِ اسداللہ ہے شمشیرِ خدا ہے
سر دینے کو آیا ہے عجب صاحبِ توقیر
بھائی کو چھڑائے نہ کسی بھائی سے تقدیر
کانوں میں جو آتی ہے صدا ہائے اخی کی
رونے کی ہے جا اور مقامِ غم و حسرت
مظلوم غریب الوطنی پیاس کی آفت
سنتے ہیں کہ بے آبی سے اب ہونٹوں پہ جاں ہے
میدان میں مصروفِ ثنا تھے ستم آرا
ہشیار کہ میں ہوں اسداللہ کا پیارا
حجت جو ہوئی ختم تو اک دم نہیں رکتے

اب بیکس و بے یار ہوا سبطِ نبیؐ ہائے
مر جاؤں گا غم میں ترے عباسؑ علی ہائے
اب دم مرا گھبرا کے نکلتا ہے برادر
آداب بجا لا کے چلا رن کو علمدار
آپہونچا وغا کو خلفِ حیدرِ کرّار
ہوتی ہے ترائی میں یونہی شیر کی آمد
روشن ہے زمیں جلوۂ رخسار تو دیکھو
شانِ علمِ سیّدِ ابرار تو دیکھو
دامانِ علم آیۂ رحمت کا نشاں ہے
قبضے میں ہے تیغِ کمر حیدرِ کرّار
اور جسم میں ہے جوشنِ بوطالبِ سردار
نیزہ جو حسنؑ کا ہے تو حمزہ کی سناں ہے
تن زور سے معمور ہے دل صبر سے معمور
آفاق میں ہے ثانیِ جعفر یہی مشہور
سقائے حرم ہے یہ شرف سب سے سوا ہے
بیکس ہوئے اب ٹوٹ گیا بازوئے شبیرؑ
اس غازی پہ بھی شاق ہے ہجرِ شہِ دلگیر
گر پڑتے ہیں اشک آنکھوں سے عباسؑ علی کی
بچوں کی یتیمی کا الم بھائی کی فرقت
لے آئی ہے دریا پہ سکینہؑ کی محبت
اس سوکھی ہوئی مشک سے پیاس انکی عیاں ہے
گھوڑے کو بڑھا کر یہ علمدار پکارا
دشمن پہ بھی سبقت نہیں دستور ہمارا
جب کھنچتے ہیں تیغ تو پھر ہم نہیں رکتے

منظور نہیں صلح تو پھر جنگ میں کیا دیر
یا مر گئے یا فوج کو لڑ بھڑ کے کیا زیر
نیزوں کے چلیں وار چمکنے لگے شمشیر
مشتاق ہیں مر جانے کے ہے زیست سے دل سیر
تب لطف ہے جب لاشے پہ لاشا نظر آئے
پیاسوں کی لڑائی کا تماشا نظر آئے

اے فوج یہ کیا قہر ہے کیا بے ادبی ہے
سادات پہ دو روز سے یاں تشنہ لبی ہے
بے جرم و خطا سبط رسولؐ عربی ہے
مہماں ہے مسافر ہے دل و جان نبیؐ ہے
بھولو نہ وصیت کو رسولؐ دوسرا کی
تم ہو کلمہ گو یہ امانت ہے خدا کی

بن پانی تڑپتے ہیں یہ کس شخص کے اطفال
سوچو یہ کوئی اور ہے یا فاطمہؑ کا لال
کیوں اپنے پیمبرؐ کا چمن کرتے ہو پامال
معصوم تو بے جرم ہیں اے قوم بد افعال
دو تھوڑا سا پانی مرا دل غم سے تپاں ہے
یہ مشک ہے جس کی وہ بہت تشنہ دہاں ہے

بولا پسر سعد کہ یا حضرت عباسؑ!
ہیں طالب دنیا ہمیں ایماں کا نہیں پاس
تم پیاسے ہو تو پانی پیو کچھ نہیں وسواس
پر سبط پیمبرؐ کی بجھانے کے نہیں پیاس
پیاسے شہ مظلوم کے، اطفال مریں گے
اصغرؑ بھی جو آئے تو نہ ہم رحم کریں گے

تھرانے لگا صورت خورشید علمدار
فرمایا زباں بند کر، او ظالم غدار
تو پانی نہ دے کیا تری طاقت ہے ستمگار
خود فاطمہؑ کا لال ہے اس پانی سے بیزار
وہ چاہیں تو فردوس کا ساغر ابھی آجائے
آقا کا اشارا ہو تو کوثر ابھی آجائے

فرما کے یہ غازی نے کیا گھوڑے کو کوڑا
جوں تیر نظر ٹوٹ پڑا فوج پہ گھوڑا
ماری جسے تلوار نہ جیتا اسے چھوڑا
پامال تھی جس صف کی طرف باگ کو موڑا
تھے کتنے لعیں خوف سے بے ہوش زمیں پر
مچھلی سے تڑپتے تھے زرہ پوش زمیں پر

رن میں علم فوج مخالف ہے نگوں سار
رو کے ہوئے ڈھالوں کو گریزاں ہیں سپہ دار
پرزے جو کمانیں تھیں تو ٹکڑے تھے کماندار
ہر غول میں تھا شور یہ بجلی ہے کہ تلوار
اک دم میں جو پامال کیا فوج شقی کو
دریا نظر آنے لگا عباسؑ علی کو

دل سے کہا اب جنگ سے کیا کام ہو عباسؑ
ٹیلے پہ کماندار ہیں دریا ہے بہت پاس
بچے شہ مظلوم کے جینے سے ہیں بے آس
وہ فکر کرو اب کہ سکینہؑ کی بجھے پیاس
گو حلق ترا پانی سے ناکام رہے گا
پر خلق میں سقائے حرم نام رہے گا

شبدیز کو غازی نے بڑھایا سوئے ساحل
تھی یاد زبس تشنگیٔ سرورِ عادل

تھا اُس جو رہوارِ امامِ دوجہاں سے
منھ باندھ کے جب مشک کو کاندھے پہ سنبھالا
گھوڑے کو جو دریا سے بہادر نے نکالا
غل تھا کہ شکست آج دیے جاتے ہیں عباسؑ

یہ سُنتے ہی اک بار کیا فوج نے ریلا
واحسرتا وہ دردا وہ ہزاروں پہ اکیلا
گرپڑتے تھے سب، پھر کے جدھر آتے تھے عباسؑ

بے سر تھا وہ جس شامی نے تلوار لگائی
خالی دیا وار اُس کا جو برچھی کوئی آئی
کیا کرتے کہ دو روز سے خود تشنہ دہاں تھے
اک صف سے نکلتے تھے قلم کرکے جو بھالے
پسپا کیا ان کو جو بڑھے برچھیوں والے
پڑتی تھی مہم جو اُسے سر کرتے تھے عباسؑ

نزدیک جو تیغ آئی تو سر تن سے ہوئے دور
گھوڑوں سے زمیں پر جو گرے ٹوٹتے تھے مغرور
تھیں تیغ سے ڈھالیں بھی جو پُرنے کہ دمہ کی
سر پر جو پڑی تیغ گئی تا سرِ قربوس
ملتے تھے الف ہوکے جو گھوڑے کفِ افسوس
غُل تھا کہ بجھے جاتے ہیں دل اس کی چمک سے

حملوں سے پریشاں جو ہوا لشکرِ کفار
لکھا ہے کہ تھا ابنِ طفیل ایک ستمگار
یہ خوش تھے کہ جاتے ہیں خیامِ شہِ دیں میں

یا شیرِ خدا کہہ کے ہوئے نہر میں داخل
پانی پہ نہ صابر کی طبیعت ہوئی مائل
گھوڑے نے بھی پانی نہ پیا آبِ رواں سے
فرمایا توکلتُ علی اللہ تعالےٰ
اُس ماہ کے گرد آگیا پھر فوج کا ہالا
ہاں غازیو ہاں مشک لیے جاتے ہیں عباسؑ

سر دینے کو ہر اہلِ ستم جان پہ کھیلا
کیا کیا نہ بہادر نے اس انبوہ کو جھیلا
جوں شیر سے ہر صف سے نکل جاتے تھے عباسؑ

نیزے کو جو تولا تو کٹی صاف کلائی
تیر آئے تو چھاتی کے تلے مشک چھپائی
تنہائی تھی اور لاکھ عدو دشمنِ جاں تھے
تو دوسری صف آتی تھی تلواریں نکالے
پیدل جو ہٹے آئے سواروں کے رسالے
ہر وار پہ سینے کو سپر کرتے تھے عباسؑ

زیں گھوڑوں سے خالی تھے زمیں لاشوں سے معمور
چار آئینے ہوجاتے تھے شیشوں کی طرح چور
کڑیاں بھی بکھر جاتی تھیں کٹ کٹ کے زرہ کی
دو کب ہوا راکب کو نہ ہوتا تھا یہ محسوس
زندے بھی تھے مُردوں کی طرح زیست سے مایوس
تلوار نہیں بجلیاں گرتی ہیں فلک سے

اک نخل کے سائے میں ذرا اٹھ علمدار
مخفی تھا اسی نخل کے نیچے وہ جفاکار
اس کی نہ خبر تھی کہ اجل یاں ہے کمیں میں

ظالم نے بلندی سے بہادر پہ کیا وار
جس شانے پہ تھی مشک اُسی پر پڑی تلوار
تب دوسرے کاندھے پہ رکھا مشک کو اک بار
ہیہات ہوا ضرب سے وہ ہاتھ بھی بیکار
فرمایا کہ ثابت قدم راہِ وفا ہیں
سو ہاتھ ہوں ایسے تو سکینہؑ پہ فدا ہیں

دونوں جو کٹے ہاتھ تو حالت ہوئی تغییر
دانتوں سے پکڑ مشک کے تسمے کو وہ دلگیر
دل میں یہی کہتے تھے کہ اب کیا کروں تدبیر
افسوس کہ اتنے میں لگا مشک پہ اک تیر
بہنے لگا مشکیزے سے پانی جو زمیں پر
اک کوہِ الم ٹوٹ پڑا جانِ حزیں پر

کچھ ہاتھوں کے کٹ جانے کا غازی کو نہ تھا دھیان
پانی جو بہا مشک سے قالب سے چلی جاں
چلّا کے کہا ہائے سکینہؑ ترے قرباں
پانی کے لئے خون میں سقا ہوا غلطاں
رو کر کہا میری نہیں تقصیر سکینہؑ
ضائع ہوا پانی تری تقدیر سکینہؑ

یہ کہہ کے گرے گھوڑے سے عباسؑ خوش اطوار
اک شور ہوا قتل ہوا شہ کا علمدار
گھبرا گئے سُن کر یہ صدا سیدِ ابرار
اکبرؑ سے کہا لو ہوئے ہم بیکس و ناچار
سوراخ کلیجہ تھا بھتیجے کے الم سے
فرماتے تھے بھائی بھی جدا ہو گئے ہم سے

ڈیوڑھی پہ حرم کرنے لگے گریہ و زاری
عباسؑ کی زوجہ نے ردا سر سے اُتاری
بیتابی میں ڈیوڑھی سے سکینہؑ یہ پکاری
کیوں آئی نہ اب تک مرے عمو کی سواری
میں اپنے چچا کو نہ اگر پاؤں گی بابا
سر پیٹتی دریا پہ چلی آؤں گی بابا

دریا پہ یہ غل ہے مجھے آتا ہے یہ وسواس
دم رکتا ہے بھیجو کسے اس وقت چچا پاس
خیمے میں چچی پر ہے ہجومِ الم و یاس
کہہ دے کوئی اب آپ کی پیاری کو نہیں پیاس
یا اور کوئی بابا کا مصیبت میں نہیں ہے
پھر آہ کہ پانی مری قسمت میں نہیں ہے

بابا مجھے بتلاؤ میں ہوں آپ کے واری
بیتاب ہوں یہ اشک ہیں کیوں آنکھوں سے جاری
کیوں کہتے ہو اس وقت کمر ٹوٹی ہماری
کیا رن سے نہ اب آئے گی عمو کی سواری
پانی کے لئے کیا سوئے کوثر گئے عباسؑ
ہے ہے مجھے کہنے میں خجل کر گئے عباسؑ

بہلا کے اُسے رن میں چلے سیدِ ذی جاہ
تھی دستِ مبارک میں علم تیغ یداللہ
جب شیر سے دریا کی ترائی میں گئے شاہ
عباسؑ کا لاشہ نظر آیا اُنھیں ناگاہ
دیکھا تو یہ دیکھا کہ نہیں ہاتھ بدن میں
چھاتی پہ تو مشکیزہ ہے تسمہ ہے دہن میں

چلّائے یہ لاشے سے لپٹ کر شہِ عالم
جعفر کا یہ ماتم ہے علیؑ کا ہے یہ ماتم
تنہائی میں بھائی کی کمر توڑ چلے ہو
جس وقت سُنی اس نے صدائے شہِ ابرار
کی عرض یہ منھ مل کے قدم پر دلِ افگار
حسرت ہے یہی جب سفرِ خلد کروں میں
صد شکر تمنا تھی جو دل میں وہ بر آئی
افسوس ہے اک پانی کی بوند اُس نے نہ پائی
یہ مشک و علم خیمے میں پہونچائیو آقا
کہہ کر یہ سخن چاہا کہ اُٹھے وہ دلاور
کیا حال ہے کیوں کروٹیں لیتے ہو برادر
فردوس سے لینے کو مرے پاس آئے ہیں بابا
آئے ہیں محمدؐ مجھے یا شاہ اُٹھاؤ
فرماتے ہیں اس کو مری چھاتی سے لگاؤ
لپٹا کے کلیجے سے اُسے روئے گی زہراؑ
کہہ کر یہ سخن مر گئے عباسؑ خوش اطوار
جس درد سے عباسؑ کو روئے شہِ ابرار
دن رات دُعا ہے یہی درگاہِ خدا میں

ہیہات ترے ہاتھ کٹے اے مرے ضیغم
عباسؑ ترے داغ سے جینے کے نہیں ہم
انتیس ۲۹ برس بعد ہمیں چھوڑ چلے ہو
جاں آگئی اور کھول دیئے دیدۂ خونبار
صدقے ترے آقا مرے مالک مرے سردار
آنکھیں قدمِ پاک پہ مل مل کے مروں میں
ہے دل پہ سکینہؑ کا مگر داغِ جُدائی
تا حشر سکینہؑ سے خجالت رہی بھائی
پر لاشِ برادر کی نہ لے جائیو آقا
منھ چوم کے بھائی کا لگے کہنے یہ سرور
عباسؑ نے کی عرض کہ یا سبطِ پیمبرؐ
ملنے کے لئے ہاتھوں کو پھیلائے ہیں بابا
زہراؑ یہ کھڑی ہیں مجھے قدموں پہ گراؤ
شبیرؑ کے عاشق کی مجھے شکل دکھاؤ
شبیرؑ کے فدوی پہ فدا ہوئے گی زہرا
چلّاتے رہے شاہ علمدار علمدار!
لکھنے کی نہیں تاب انیسؔ جگر افگار
اک قبر کی جا پاؤں جوارِ شہدا میں

رُباعی

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں ہر شام سحر سے پایا
اللہ نے دی تیغ، نبیؐ نے دُختر
رُتبہ یہ اُدھر سے۔ یہ اِدھر سے پایا

۱۴

مرثیہ

بند ۱۶۷

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کا رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں آج خوں بہے گا محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا
گزری شب فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہونچ جائیں تشنہ کام
لکھے خدا نماز گزاروں میں اپنا نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخرو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس
اک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کئے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے آئے امام زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی رخوں پہ نور
خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض حق شناس اولوالعزم ذی شعور
خود فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسن صوت سے خط بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

ساونت بردبار فلک مرتبت دلیر
عالی نسب سپاہ میں سلیماں وغا میں شیر
گردان دہر ان کی زبردستیوں سے زیر
فاقے سے تین دن کے مگر زندگی سے سیر
دنیا کو ہیچ پوچ سراپا سمجھتے ہیں
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے ہیں

تقریر میں وہ رمز و کنایے کہ لاجواب
نکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتاب بلاغت کا ایک باب
سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا کہ ملک ہیں بشر نہیں

پانی نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک مآب
پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابوتراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹی سے آئینوں میں جلا اور ہو گئی ؎

خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال
جن میں کئی تھے حضرتِ خیر النساؑ کے لال
قاسمؑ سا گل بدن علی اکبرؑ سا خوش جمال
اک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہر بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ زمیں پہ تھا

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خوانِ طیور
گلشن خجل تھے وادیٔ مینو اساس سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریٔ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے

قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار
تھی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیعِ آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِ عباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر ؎

وہ نور اور وہ دشت سہانا سا وہ فضا
دراج و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ گل فروش تھے

وہ دشت، وہ نسیم کے جھونکے، وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جا بجا وہ گہر ہائے آبدار
اُٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھے زیبِ گلشنِ زہرا جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کوکو کا شور نالۂ حق سرّہٗ کی دھوم
سبحانَ ربّنا کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو اُن کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِّ عُلا کی حمد
ہر خار کے بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش غریبوں کے رازق ترے نثار
یا حیّ یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار
تسبیح تھی کہیں، کہیں تہلیلِ کردگار
طائر، ہوا میں مست، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبیؐ کے پھول
خوشبو سے جن کی خلد بنا تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب و زینت کاشانۂ بتولؑ
وہ باغ تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اوّل میں لُٹ گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں کٹ گیا

اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ کے گلعذار
دولھا بنے ہوئے تھے اجل تھی گلوں کا ہار
جاگے وہ ساری رات کے وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے پھولوں کی کلیاں بکس گئیں

وہ دشت اور خیمۂ زنگار گوں کی شاں
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بے چوبہ سپہر بنے جس کا سائباں
بیت العتیق دیں کا مدینہ جہاں کی جاں
اللہ کے حبیبؐ کے پیارے اسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اسی میں تھے

گردوں پہ ناز کرتی تھی اس دشت کی زمیں
کہتا تھا آسمانِ دہم چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
تاروں سے تھا فلک اسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور شمسۂ کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گل آفتاب پر

ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض ہوا عیاں
تشریف جا نماز پہ لائے شہِ زماں
سجادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں
صوتِ حسنؑ سے اکبرؑ مہرو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

چپ تھے طیور جھومتے تھے وجد میں شجر — تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا کلوخ و نباتات و دشت و در — پانی سے منہ نکالے تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبیرؑ کی صدا — ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

ناموسِ شاہ روتے تھے خیمے میں زار زار — چپکی کھڑی تھیں صحن میں بانوئے نامدار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار — صدقے نمازیوں کے مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا صفتِ ذوالجلال کی — لوگو اذاں سنو مرے یوسفؑ جمال کی

یہ حسنِ صوت اور یہ قرأت یہ شد و مد — حقا کہ افصح الفصحا ہے انھیں کا جد
گویا ہے لحن حضرتِ داؤدؑ با خرد — یارب رکھ اس صدا کو زمانے میں تا ابد
شبہ صدا میں پنکھڑیاں جیسے پھول میں — بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسولؐ میں

میری طرف سے کوئی بلائیں تو لیتے جائے — عین الکمال سے تجھے بچّے خدا بچائے
وہ لوذعی کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے — دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی جو نہ پائے
غربت میں پڑ گئی ہے مصیبت حسینؑ پر — فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

صف میں ہوا جو نعرۂ قد قامت الصلوٰۃ — قائم ہوئی نماز اُٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں، وہ مصلّے ملک صفات — سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات
مولا تھے جانماز ہدایت مناط پر — یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیمانؑ بساط پر

قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز — بسم اللہ جیسے آگے ہو یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقب شاہِ سرفراز — کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر بیاض پہ بین السطور کی — سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

اُمید مغفرت تھی علیِ علیم سے — غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے — پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے
حبل المتیں یہی ہیں نجات ان کے ہاتھ ہے — قرآن کا اور آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے

باہم مکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند — کرّوبیانِ عرش تھے سب جس سے بہرہ مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دو چند — خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں — سجدوں میں چاند تھے مہِ نو تھے رکوع میں

اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ دار
پر سب جگر فگار محق آگاہ خاکسار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھیں کی ہے
دنیا سے اُٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
وہ عجز، وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی بھی ہاتھ پاؤں میں

ہاتھ ان کے جب قنوت میں اُٹھے سوئے خدا
تھرائے آسمان ہلا عرشِ کبریا
وہ خاکسار محوِ تضرّع تھے فرش پر
فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام
کیا دل تھے کیا سپاہ رشید و سعید تھی

سجدے میں شکر کے کوئی تھا مرد باخدا
نعتِ نبیؐ کہیں تھی کہیں حمدِ کبریا
فاقوں پہ تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر!
زاری تھی التجا تھی مناجات تھی ادھر
کہتا تھا ابنِ سعد یہ جا جا کے نہر پر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو

بیٹھے تھے جا نماز پہ شاہِ فلک سریر
دیکھا ہر اک نے مُڑ کے سوئے لشکرِ شریر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
اکبرؑ سے مڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
غفلت میں تیر سے کوئی بچہ تلف نہ ہو

اٹھارہ[۱۸] نوجوان ہیں اگر کیجئے شمار
پیرو امامِ پاک کے دانائے روزگار
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک انھیں کی ہے
اُن کے لئے تھی بندگیٔ واجب الوجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
گر گر کے سجدے کر گئے تیغوں کی چھاؤں میں

خود ہو گئے فلک پہ اجابت کے باب وا
شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر
آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
آنکھیں ملیں قدم پہ کسی نے باحترام
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآن کوئی دعا
مولا اُٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
یارب مسافروں کی جماعت پہ رحم کر!
واں صف کشی و ظلم و تعدّی و شور و شر
گھاتوں سے ہوشیار و ترائی سے باخبر
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

ناگہ قریب آ کے گرے تین چار تیر
عباسؑ اُٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
رُو کی سپر حضورِ کرامت ظہور پر
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
بچوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغرؑ ہدف نہ ہو

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
گرمی میں ساری رات تو گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
باقرؑ کہیں پڑا ہے سکینہؑ کہیں ہے غش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ باہوش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں

اُٹھے یہ شور سُن کے امامِ فلک وقار
فرمایا مُڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کارزار
دیکھیں فضا بہشت کی دل باغ باغ ہو
فرما کے یہ حرم میں گئے، شاہِ بحر و بر
جوشن پہن کے حضرتِ عباسؑ نامور
پرتو سے رُخ کے برق چمکتی تھی خاک پر

شوکت میں رشکِ تاجِ سلیمانؑ تھا خودِ سر
دستانے دونوں فتح کا مسکن ظفر کا گھر
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے ربِ ذوالجلال
بانوؑ کے نیک نام کی کھیتی ہری رہے

آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہو گا کیا
فاقوں سے جاں بلب ہیں عطش سے ہلاک ہیں
سر پر نہ اب علیؑ ہیں نہ رسولِؐ فلک وقار
آماں کے بعد روئی حسنؑ کو ہیں سوگوار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے

فضہؑ پکاری در سے کہ اے خلق کے امیر
اصغرؑ کے گاہوارے تک آ کر گرے ہیں تیر
بچے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں
گرمی کی فصل یہ تب و تاب اور یہ عطش
بچوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچے ترستے ہیں

ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو رن کے رفیق و یار
گھر میں کسو جہاد پہ امنگو اُدر اہوار
اُمت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر، دوشِ پاک پر

کلغی پہ لاکھ بار تصدق ہما کے پر
وہ رعب الاماں وہ تہوّر کہ الحذر
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ ہو
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال
صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

بیکس پہ یہ چڑھائی ہے سید پہ یہ جفا
ان ننھے ننھے بچوں پہ کر رحم اے خدا
یارب ترے رسولؐ کی ہم آلِ پاک ہیں
گھر لُٹ گیا گزر گئیں خاتونِ روزگار
دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
کچھ اُس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب
مغرور ہیں خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
موقع بہن نہیں ابھی فریاد و آہ کا
معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس
سر پر رکھا عمامۂ سردارِ حق شناس
بر میں درست و چُست تھا جامہ رسولؐ کا
شملے کے دو سرے جو پڑے تھے بصد وقار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بو کا تار تار
مشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو
حیدرؑ کی فاطمہؑ کی حسینؑ و حسنؑ کی بو
لٹتا تھا عطر وادی عنبر سرشت میں
پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن
چلائی ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ
رخصت ہے اب رسول کے یوسف جمال کی
صندوق اسلحے کے جو کھلوائے شاہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے
جوہر بدن کے حسن سے سارے چمک گئے
یاد آ گئے علیؑ نظر آئی جو ذوالفقار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیر آب دار
فتح و ظفر قریب ہو نصرت قریب ہو
باندھی کمر سے تیغ جو زہراؑ کے لال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی

مضطر نہ ہو دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں اُن کو رہِ صواب
لاؤ تبرکات رسالت پناہ کا
کشتی میں لائیں زینبؑ اسے شاہِ دیں کے پاس
پہنی قبائے پاکِ رسولؐ فلک اساس
رومال فاطمہؑ کا عمامہ رسولؐ کا
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
جس کے ہر ایک مو پہ خطا و ختن نثار
سنبل کی اصل کیا ہے یہ گیسو کے پیچ ہیں
دولھا نے سونگھی ہو گئی ایسی دُلھن کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتنؑ کی بو
گل جھومتے تھے باغ میں رضواں بہشت میں
لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
اماں کہاں ہے لائے تمہیں اب یہ بے وطن
صدقے گئی بلائیں تو لو اپنے لال کی
منھ اپنا پیٹا زینبؑ عصمت پناہ نے
بازو پہ جوشنین پڑھے عزّ و جاہ نے
حلقے تھے جتنے اتنے ستارے چمک گئے
قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
زیب اس کی تجھ کو ضرب عدو کو نصیب ہو
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ہلال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ کی ڈھال نے
ساری سپر میں مہرِ نبوّت کی شان تھی

ہتھیار ادھر لگا چکے آقائے خاص و عام
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
تیغیں کمر میں دوش پہ شملے پڑے ہوئے
گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گلعذار
جعفر کا رعب دبدبۂ شیر کردگار
آنکھیں ملیں علم کے پھریرے کو چوم کے
گہ ماں کو دیکھتے تھے گہ جانب علم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا
کچھ مشورے کریں جو شہنشاہ خوش خصال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
بے مثل تھے رسول کے لشکر کے سب جوان
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکر گراں
طاقت میں کچھ کمی نہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
زینبؑ نے تب کہا کہ تمھیں اس سے کیا ہے کام
دیکھو نہ کیجیو بے ادبانہ کوئی کلام
لو جاؤ بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
سرکو ہٹو بڑھو نہ کھڑے ہو علم کے پاس
کھوتے ہو اور آئے ہوئے تم مرے حواس
رونے لگو گے تم جو برا یا بھلا کہوں
عمریں قلیل اور ہوس منصب جلیل
ماں صدقے جائے گرچہ یہ ہمت کی ہے دلیل
لازم ہے سوچے غور کرے پیش و پس کرے

تیار ادھر ہوا علم سید انام
رونق تھی تھامے چوب علم خواہر امام
زینبؑ کے لال زیر علم آ کھڑے ہوئے
مرفق تک آستینوں کو الٹے بصد وقار
بوٹے سے ان کے قد پہ نمودار نام دار
رایت کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثار شہ امم
آہستہ پوچھنے لگے ماں سے وہ ذی حشم
اماں کسے ملے گا علم نانا جان کا
ہم بھی محق ہیں آپ کو اس کا ہے خیال
اس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
عزت طلب ہیں نام کے امیدوار ہیں
لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
پایا علم علیؑ نے مگر وقت امتحاں
پوتے انھیں کے ہم ہیں انھیں کے نواسے ہیں
کیا دخل مجھ کو مالک و مختار ہیں امام
بگڑوں گی میں جو لوگے زباں سے علم کا نام
کیوں آئے ہو یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہ فلک اساس
بس قابل قبول نہیں ہے یہ التماس
اس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں
اچھا بکا لو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ہاں اپنے ہم سنوں میں تمھارا نہیں عدیل
جو ہو سکے نہ کیوں بشر اس کی ہوس کرے

ان ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ علم؟
چھوٹے قدوں میں رتبے سنوں میں سبھوں سے کم
نکلیں تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم
عہدہ بھی ہے یہی منصب یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ہاں صدقے جائے آج تو مرنے میں نام ہے

پھر تم کو کیا بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
زیبا نہیں ہے وصف اغانی پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علیؑ کے ہیں

کیا کچھ علم سے جعفرِ طیار کا تھا نام
یہ بھی تھی اک عطائے رسولِ فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھیں سے کام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے تو نخلِ دغا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

لشکر نے تین روز ہزیمت اُٹھائی جب
بخشا علم رسولِ خداؐ نے علیؑ کو تب
مرحب کو قتل کر کے بڑھا جب وہ شیرِ رب
در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
جس طرح توڑے کوئی پتّا درخت سے

نرغے میں تین دن سے ہے مشکلکشا کا لال
اماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ کیوں کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال
میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غم خوار تم مرے ہو نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے طالب ہو نام کے

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو اب لیں علم کا نام
کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوئیں گے
تب قدر ہو گی آپ کو جب ہم نہ ہوئیں گے

بس کہہ کے یہ ہٹے جو سعادت نشاں پسر
چھاتی بھر آئی ماں نے کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا صدقے جاؤں ماں کی نصیحت بُری لگی
بچّو یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

زینبؑ کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن
کیوں تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر عاقل و جرّار و صف شکن
زینبؑ! دو حیدرِ عصر ہیں، یہ دونوں گلبدن
یوں دیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی ان کے اور ارادے ہی اور ہیں

نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے
اقبال کیونکر ان کے نہ قدموں سے منہ ملے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیرؑ ہیں
بس جس کو تم کہو اُسے دیں فوج کا علم
فرمایا جب یہ اُٹھ گئیں زہراؑئے باکرم
مالک ہو تم بزرگ کوئی ہو، کہ خُرد ہو
بولیں بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام
شوکت خدم میں شان میں ہمسر کوئی نہیں
عاشق غلام خادمِ دیرینہ جاں نثار
جرّار، یادگارِ پدر، فخرِ روزگار
صفدر ہے شیر دل ہے، بہادر ہے نیک ہے،
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
اچھا بلائیں آپ، کدھر ہے وہ صف شکن
کی عرض انتظار ہے شاہِ غیور کو
عباسؑ آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
زینبؑ وہیں علم لیے آئیں بہ عزّ و جاہ
ان کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک وقار
زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
کی عرض میرے جسم پہ جب وقت تک ہے سر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے

بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے؟
کس گود میں بڑے ہوئے کس دودھ سے پلے
پر کیا کہوں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں
کی عرض جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
اُس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
جس کو کہو اُسی کو یہ عہدہ سپرد ہو
ہے کس طرف توجّہ سردارِ خاص و عام
قرآں کے بعد ہے تو علیؑ کا ہے کچھ کلام
عباسؑ نامدار سے بہتر کوئی نہیں
فرزند، بھائی، زینتِ پہلو، وفا شعار
راحت رساں، مطیع، نمودار، نامدار
بے مثل سینکڑوں میں، ہزاروں میں ایک ہے
ہاں تھی یہی علیؑ کی وصیّت بھی اے بہن
اکبرؑ چچا کے پاس گئے سُن کے یہ سخن
چلیے! پھوپی نے یاد کیا ہے حُضور کو
جاؤ بہن کے پاس یہ بولا وہ دیں پناہ
بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش بارگاہ
لو بھائی لو علم یہ عنایت بہن کی ہے
ہمشیر کے قدم پہ ملا منہ بہ افتخار
عباسؑ! فاطمہؑ کی کمائی سے ہوشیار
ان آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ بدگہر
دیکھیں اُٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب کیا جگر
گر شیر ہو تو پھینک دیں آنکھیں نکال کے

منھ کر کے سوئے قبرِ علیؑ پھر کیا خطاب
ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرضِ خاکسار ہے بس یا ابو تراب
آقا کے آگے میں ہوں شہادت سے کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہؑ کے روبرو گرے
شبیرؑ کے پسینے پہ میرا لہو گرے

یہ سُن کے آئی زوجۂ عباسؑ نامور
شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفٰےؐ کی بلائیں بچشمِ تر
زینبؑ کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدّق امام کا
عزّت بڑھی کنیز کی رُتبہ غلام کا

سر کو لگا کے چھاتی سے زینبؑ نے یہ کہا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا
کی عرض مجھ سے لاکھ کنیزیں ہوں گر فدا
بانوئے نامور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جئیں ترقیِ اقبال و جاہ ہو
سایے میں آپ کے علی اکبرؑ کا بیاہ ہو

قسمت وطن میں خیر سے پھر شہ کو لے کے جائے
یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسینؑ آئے
اُم البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
جلدی شبِ عروسیِ اکبرؑ خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال ملے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دولھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

ناگاہ آکے بالی سکینہؑ نے یہ کہا
کیسا ہے یہ ہجوم کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ علم کا اُن کو مبارک کرے خدا
لوگو مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّوجان کی
میں بھی تو دیکھوں شان، علیؑ کے نشان کی

عبّاس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
عمّو نثار پیاس ہے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ
اب تو علم ملا تمھیں، پانی مجھے پلاؤ
تحفہ کوئی نہ دیجے نہ انعام دیجئے
قربان جاؤں پانی کا اک جام دیجئے

زیرِ علم تھے خاک بسر شاہِ خاص و عام
باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آکے ابنِ حسنؑ نے کہ یا امام
انبوہ ہے بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
شہ بولے یہ علم لئے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار
آتے ہیں اب حضور خبردار ہوشیار
خلعت پہن رہے ہیں علمدار نامدار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

ناگہ بڑھے علم لئے عباسؑ باوفا
حضرتؑ نے ہاتھ اُٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
صبح شب فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
شہ کے قدم پہ زینبؑ زار حزیں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
اجڑا چمن ہر اک گل تازہ نکل گیا
دیکھی جو شانِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
نکلا یہ جن و انس و ملک کی زبان سے
سارا چلن خرام میں کبک دری کا ہے
غصے میں انکھڑیوں کے اُبلنے کو دیکھئے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھئے
گردن میں ڈالیں ہاتھ یہ پریوں کو شوق ہے
تھم کر ہوا چلی فرس خوش قدم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں علم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہونچ گئی
پنجہ ادھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
ذرریزیِ علم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
تھے دو طرف جو دو علم اس ارتفاع کے
اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان
کمر میں کسے علم کے تلے ہاشمی جوان
ایک ایک دودمانِ علیؑ کا چراغ تھا

دوڑے سب اہلبیتؑ کھلے سر برہنہ پا
لو الوداع اے حرم پاک مصطفےٰؐ
سب مل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو
بانو پچھاڑیں کھا کے پسر کے قریں گری
باقرؑ کہیں گرا تو سکینہؑ کہیں گری
نکلا علم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا
آگے بڑھی علم کے پس از تہنیت سپاہ
نشتر بدل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
شبنم ٹپک رہی تھی گل آفتاب سے
ترکش لگایا ہرنے پہ کس آن بان سے
اُترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
گھونگھٹ نئی دولھن کا ہے چہرہ پری کا ہے
جوبن میں جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھئے
تھم کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھئے
بالا دوی میں اُس کو ہما پر بھی فوق ہے
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا اور دم بڑھا
رایت بڑھا کہ سرورِ ریاضِ ارم بڑھا
بستانِ کربلا میں سواری پہونچ گئی
اُس کی ضیا تھی خاک پہ ضو اس کی عرش پر
دولھا کا رُخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوط شعاع کے
جھکنے لگے جنود ضلالت کے بھی نشان
دنیا کی زیب دین کی عزت جہان کی جان
جس کو بہشت پر تھا تفوق وہ باغ تھا

لڑکے وہ سات آٹھ سہی قد سمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں جو پنجوں سے کریں شیر کا شکار
نیزوں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عید گاہ میں دولھا بنے ہوئے

غرفوں سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکر امام
ہم شکل مصطفےٰ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبی و علی کا ہے

دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبر زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے سب جہاں
کیونکر سوئے زمیں نہ جھکے پیر آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اس حسین پر ہے
محبوب حق ہیں عرش پہ سایہ زمیں پہ ہے

ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانب امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت بھی کی تمام
نکلے ادھر سے شہ کے رفیقان تشنہ کام
بے سر ہوئے پروں میں سران سپاہ شام
بالا کبھی تھی تیغ کبھی زیر تنگ تھی
اک اک کی جنگ مالک اشتر کی جنگ تھی

نکلے پئے جہاد عزیزان شاہ دیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ کی صفوں پہ چلے شیر خشم گیں
کھینچی جو تیغ بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب سے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

اللہ رے علی کے نواسوں کی کارزار
دونوں کے نیچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا کسی نے جو رو کا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی نہ کشتوں کا کچھ شمار
اتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ وہ گوری کلائیاں
آفت کی پھرتیاں تھیں غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں
فوجوں میں تھیں نبی و علی کی دہائیاں
شوکت ہو ہو تھی جناب امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینب کے شیر کی

کس حسن سے حسن کا جوان حسین لڑا
گھر گھر کے صورت اسد خشم گیں بڑھا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولھا نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسد کردگار کے
مقتل میں سوئے ازرق شامی کو مار کے

چمکی جو تیغ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ روسیاہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
بے سر ہوئے موکّل سرچشمۂ فرات
دریا میں گر کے ڈوب گئے کتنے بدصفات
عباسؑ بھر کے مشک کو یاں تشنہ لب لڑے

آفت تھی حرب و ضرب علی اکبرؑ دلیر
سب سر بلند پست زبردست سب تھے زیر
سر اُترے اُن کے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
کانپا کئے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
ڈھالوں کا دور برچھیوں کا اوج ہو گیا

لاشے سبھوں کے سبطِ نبی خود اُٹھا کے لائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو
لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
افسردہ و حزین و پریشان و تشنہ کام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے

پوچھو اُسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
فرصت نہ اب کا ہے نہ ماتم سے انفراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہِ زمن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بصد محن
پھر ایک بار اس مہِ انور کو دیکھ لیں

روح الامیں پکارے کہ اللہ کی پناہ
کشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں میں تیر کے
ہلچل میں مثلِ موج صفوں کو نہ تھا ثبات
گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ ثبات
جس طرح نہروان میں امیرِ عرب لڑے

غصّے میں جھپٹے صید پہ جیسے گرسنہ شیر
جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
عباسؑ سے بھی جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے
ہلتی رہی زمین، لرزتے رہے فلک
نعرے نہ پھر وہ تھے نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
برچھی تھی دل کو فتح کے باجوں کی دھوم دھام
تھرا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

اک عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گُل ہو گئے چراغ
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبرؑ کی لاش پر
بر شدتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
اصغرؑ کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن!
اکبرؑ کے شیرخوار برادر کو دیکھ لیں

خیمے سے دوڑی آلِ پیمبر برہنہ سر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
غم کی چھری لگی جگرِ چاک چاک پر
بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر
مارا جو تین بھال کا اس بے حیا نے تیر
تڑپا جو شیر خوار تو حضرت نے آہ کی

جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیر خوار
بچے کو دفن کر کے پکارا وہ ذی وقار
دامن میں رکھ اسے جو محبت علیؑ کی ہے
پہلے پہل چھٹا ہے یہ ماں کی کنار سے
اے قبر ہوشیار مرے گلعذار سے
سیّد ہے لال حضرتِ خیر النسا کا ہے

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوئے حُسام
زیبِ بدن کئے تھے بصد عزّ و احتشام
حمزہ کی ڈھال، تیغ شہِ لافتا کی تھی
رُستم تھا درع پوش کہ پاکھر میں راہوار
کیا خوش نُما تھا زینِ طلا کار و نقرہ کار
خوش خو تھا خانہ زاد تھا دلدل نژاد تھا

گرمی کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں
وہ لوں کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
وہ لوں وہ آفتاب کی حدّت وہ تاب و تب
خود نہرِ علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
اُڑتی تھی خاک خشک تھا چشمہ حیات کا

اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوئے نوحہ گر
منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیمبر
سنبھلا لیا حسینؑ نے زانوئے پاک پر
تھا اس طرف کمیں میں بنِ کاہل شریر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
اے خاکِ پاک حُرمتِ مہماں نگاہ دار
دولت ہے فاطمہؑ کی امانت علیؑ کی ہے
واقف نہیں ہے قبر کی شبہائے تار سے
گردن چھدی ہوئی ہے بچا نا فشار سے
معصوم ہے، شہید ہے بندہ خدا کا ہے

آنکھیں لہو تھیں رونے سے چہرہ تھا سُرخ فام
پیراہنِ مُطہّرِ پیغمبرِ انام
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی ہے
جرّار و بردبار و سبک رو وفا شعار
اکسیر تھا قدم کا جسے مل گیا غبار
شبیرؑ بھی سخی تھے فرس بھی جواد تھا

ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
رن کی زمیں تو سُرخ تھی اور زرد آسماں
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خیمے تھے جو حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

جھیلوں سے چارپائے نہ اُٹھتے تھے تابہ شام
آہو جو کابلی تھے تو چیتے سیاہ فام
سُرخی اُڑی تھی پھولوں سے سبزی گیاہ سے
آبِ رواں سے مُنھ نہ اُٹھاتے تھے جانور
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
کوسوں کسی شجر میں نہ گُل تھے نہ برگ و بار
ہلتا تھا کوئی گل نہ مہکتا تھا سبزہ زار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
شیر اُٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ کا گماں
مُنھ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
پانی تھا آگ گرمیِ روزِ حساب تھی ;;
آئینۂ فلک کو نہ تھی تابِ تب کی تاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر میں
اس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ زمن
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دمبدم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہمان کو
گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب سوار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آکے بے شمار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا

مسکن میں مچھلیوں کے سمندر کا تھا مقام
پتھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام
پانی کنوؤں میں اُترا تھا سائے کی چاہ سے
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر :.
پڑ جائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخ باردار
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے
آہو نہ منھ نکالتے تھے سبزہ زار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
تہ پر تھے سب نہنگ مگر تھی لبوں پہ جاں
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
کافورِ صبح ڈھونڈتا پھرتا تھا آفتاب
بادل چھپے تھے جا کے کرۂ زمہریر میں
نے دامنِ رسولؐ تھا نے سایۂ علم
اُودے تھے لب زبان میں کانٹے کمر میں خم
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زبان کو
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
سقّے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
اک ابنِ فاطمہؑ کے لیے قحط آب تھا

سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چتر تر — خادم کئی تھے مروحہ جنباں اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش مکرّر زمیں کو تر — فرزندِ فاطمہؑ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی وہ جلال آفتاب کا — سنولا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب — بیعت جو کیجیے ابھی تو حاضر ہے جام آب
فرماتے تھے حسینؑ کہ او خانماں خراب — دریا کو خاک جانتے ہیں ابنِ بوتراب
فاسق ہے پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں — آبِ بقا ہو یہ تو مرے کام کا نہیں

کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی خلیلؑ — چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا تو مجھے دے گا او ذلیل! — بے آبرو خبیث ستمگر دنی بخیل!
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے — کھلوائے فصد تو تو کبھی رگ لہو نہ دے

گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے — کوثر ابھی رسولؐ کا احکام لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے — لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو — اُلٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ نہ شام ہو

فرما کے یہ نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار — تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار — آوازِ کوسِ حرب ہوئی آسماں کے پار
نیزے اُٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے — کالے نشان فوجِ سیہ رو کے کھل گئے

وہ دھوم طبلِ جنگ کی وہ بوق کا خروش — کر ہو گئے تھے شور سے کرّوبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اُڑے آسماں کے ہوش — نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں جھکیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے — صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

مطلع

جب رن میں تیغ تول کے سلطانِ دیں بڑھے — گیتی کے تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے — گویا علیؑ اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ دیا جری نے عروسِ مصاف کو — مشکلکشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جُدا — جیسے کنارِ شوق سے ہو زود برد جُدا
مہتاب سے شعاع جُدا گل سے بو جُدا — سینے سے دم جدا رگِ جاں سے لہو جُدا
گرجا جو رعد، ابر سے بجلی نکل پڑی — محمل میں دم جو گھٹ گیا لیلیٰ نکل پڑی

آئے حسینؑ یوں کہ عقاب آئے جس طرح
کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغِ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

گرمی میں تیغِ برق جو چمکی شرر اڑے
جھونکا چلا ہوا کا جوشن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو ادھر اور اُدھر اڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ ہزیمت اثر ہوئے
جن پر علیؑ لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

جس پر چلی وہ تیغ دوپارا کیا اُسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی جدھر اجل نے اشارا کیا اسے
سختی بھی کچھ پڑی تو گوارا کیا اُسے
نے زین تھا فرس پہ نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

آئی چمک کے غول پہ جب سر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
ایک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی
سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہونچا اُس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہ گیا

یہ آبرو یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی خدا کی شان
استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان
لہرائی جب اُتر گیا پانی بڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی چڑھا ہوا

قلب و جناح میمنہ و میسرہ تباہ
گردن کشانِ اُمتِ خیرالوریٰ تباہ
جنبانِ زمیں صفیں تہ و بالا پڑا تباہ
بے جان جسم روح مسافر ہوا تباہ
بازار بند ہو گئے جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ محلّے اُجڑ گئے

اللہ ری تیزی و بُرش اس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان کی تھی اُسے اور نہ زنگ کی
خوں سے فلک کو لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

تیغِ خزاں تھی گلشنِ ہستی سے کیا اُسے
گھر جس کا خود اجڑ گیا بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی کفر پرستی سے کیا اُسے
جو آپ سر بلند ہو پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ بُرش دم کے ساتھ ہے

سینے پہ چل گئی تو کلیجہ لہو ہوا
گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا
جو اس کے منہ پہ آگیا بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

بچھ بچھ گئیں صفوں پہ صفیں وہ جہاں چلی
چمکی تو اس طرف ادھر آئی ادھر چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری کہاں چلی
اس نے کہا یہاں وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوتے تھے جاں سے ہاتھ
گردن سے سر الگ تھا جدا تھے نشاں سے ہاتھ
توڑا کبھی جگر کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑے تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب نہ تھے منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے تھے فقط بھاگ جانے کو

اللہ رے خوف تیغ شہ کائنات کا
زہرہ تھا آب خوف کے مارے فرات کا
دریا میں حال تھا یہ ہر اک بد صفات کا
چارہ فرار کا تھا نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

ہر چند مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن ادھر ادھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشیں نہنگ مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

آیا خدا کا قہر جدھر سن سے آگئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آگئی
دو کر کے خود زیں سے جوشن پہ آگئی
کھنچتی ہوئی زمیں پہ توسن سے آگئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغ جناب کی
آئی صدا زمیں سے یا بوتراب کی

پس پس کے کشمکش سے کماں دار مر گئے
چلے تو سب چڑھے رہے بازو اتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے تیروں کے پر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا گزر گئے
دہشت سے ہوش اڑ گئے تھے بکر و وہم کے
سوفار کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

تیر افگنی کا جن کی ہر اک شہر میں تھا شور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا ان کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھا پائے مور
لشکر میں خوف جاں نے انھیں کر دیا تھا کور
ہوش اڑ گئے تھے فوج ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جاں کے

صف پر صفیں پروں پہ پرے پیش و پس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
ٹوٹے پرے شکست وہ فوجِ ستم ہوئی
غصّے تھا شیر شرزہ صحرائے کربلا
تیغِ علی تھی معرکہ آرائے کربلا

بستی بسی تھی مُردوں کے قریے اُجاڑ تھے
غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر کے تلے
اس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
وہ شور و صیحہ، فرس ابلق دہ رنگ

پھنکتا تھا دشتِ کیں، کوئی دل تھا نہ چین سے
سقّے پکارتے تھے یہ مشکیں لئے اُدھر
پیاسا ہو جو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
آنکھوں میں ٹیس اُٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر

کثرت عرق کے قطروں کی تھی روئے پاک پر
سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
خالق نے منھ دیا تھا عجب آب و تاب کا
سہمے ہوئے تھے یوں، کہ کسی کو نہ تھی خبر
مردم کی کشاکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی یہ جگر نہ تھا

اسوار پر سوار فرس پر فرس گرے
مغفر پہ پیک بیباک پہ مر کر عسس گرے
دنیا میں اس طرح کی بھی اُفتاد کم ہوئی

چھوٹے تھا اگر گ منزل دماوائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
لاشوں کی تھی زمین سروں کے پہاڑ تھے
تھی طرفہ کشمکس فلکِ پیر کے تلے
چھپتی تھی سر جھکائے کماں تیر کے تلے

سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا
رہ رہ کے ابرِ شام سے تھی بارش خدنگ
وہ لوں وہ آفتاب کی تابندگی وہ جنگ
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسینؑ سے

بازار جنگ گرم ہے ڈھلتی ہے دوپہر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
پیتے تھے سب، حسینؑ ترپتے تھے آب کو
اُف اُف کبھی کہا کبھی چہرے پہ لی سپر
چھپٹے کبھی ادھر کبھی حملہ کیا اُدھر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ لاکھ رنگ سے
رکتی تھی نے سپر سے نہ آہن نہ سنگ سے
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا
پیکاں کدھر ہے تیر کا سوفار ہے کدھر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں زمیں پر جھکا کے سر
جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا تن پہ سر نہ تھا

گھوڑوں کی وہ تڑپ وہ چمک تیغ تیز کی
سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
تھی چار سمت دھوم گریز اگریز کی
آری جو ہو گئیں تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سونلائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے تھے لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی
اللہ کا غضب تھا لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے ترائی حسینؑ کی
دنیا حسینؑ کی ہے خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبرؑ کی روح کا

اکبرؑ کا نام سن کے جگر پر لگی سناں
آنسو بھر آئے روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاش پسر کو شہ زماں
تم نے نہ دیکھی جنگ مری اے پدر کی جاں
قسمیں تمہاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

چلایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابن سعد
اے وا فضیحتا یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلاف وعد
اک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثال رعد
نعرہ کیا کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابن سعد لکھ لے ظفر میرے نام پر

بالا قد و کلفت و تنومند و خیرہ سر
روئیں تن سیاہ دروں آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ وہ سپر
دل میں بدی طبیعت بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی، کہ ہوا پر پہاڑ تھا

ساتھ اُس کے اور اسی قد و قامت کا ایک یل
آنکھیں کبود رنگ سیہ ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستمگار و پُر دغل
جنگ آزما بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے کسے ہوئے کمر ہیں ستیز پر
نازاں وہ حرب گرز پہ یہ تیغ تیز پر

کھنچ جائے شکل حرب وہ تدبیر چاہیے
دشمن بھی سب مقر ہوں وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورت شمشیر چاہیے
فولاد کا قلم دم تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صف کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

لشکر میں اضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
ڈر تھا کہ لو حسینؑ بڑھے تیغ اب چلی
کون آج سربلند ہو اور کون پست ہو
آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ ہاں
اُٹھی علی کی تیغِ دودم چاٹ کر زباں
واں سے وہ شور بخت بڑھا نعرہ مار کے

لشکر کے سب جواں تھے لڑائی میں جی لڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی یا ابر گڑگڑائے
ماری جو ٹاپ ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
نیزہ ہلا کے شاہ پہ آیا وہ خود پسند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا جب وہ بہرہ مند
وہ تیر کٹ گئے جو در آئے تھے سنگ میں

ظالم اُٹھا کے گرز کو آیا جناب پر
مارا جو ہاتھ پاؤں جما کر رکاب پر
بد ہاتھ میں شکست ظفر نیک ہاتھ میں
کچھ دست پاچہ ہو کے چلا تھا وہ نابکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغِ آبدار
قربان تیغِ تیز شہِ نامدار کے

پھر دوسرے پہ گرز اُٹھا کر پکارے شاہ
سرشار تھا شرابِ تکبر سے رو سیاہ
غل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زیں جسد و فرق ہو گیا

ساونت بے حواس ہراساں دھنی بلی
غل تھا اِدھر ہیں مرحبؔ و عنترؔ اُدھر علیؑ
کس کی ظفر ہو دیکھیے کس کی شکست ہو
بسم اللہ اے امیرِ عرب کے سرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
پانی بھر آیا منھ میں ادھر ذوالفقار کے

وہ بد نظر تھا آنکھوں میں آنکھیں اُدھر گڑائے
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں
مشکلکشا کے لال نے کھولے تمام بند
چلّہ اِدھر کھنچا کہ چلی تیغِ سربلند
گوشے نہ تھے کماں میں نہ پیکاں خدنگ میں

طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
ہاتھ اُڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں
پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
یاں سر سے آئی پشت کے مہروں پہ ذوالفقار
دو ٹکڑے تھے سوار کے، دو راہوار کے

کیوں ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوئے تھی راہ
لو دوسرا شکار چلا منھ میں شیر کے
ثابت ہوا کہ شیر گرسنہ جھپٹ پڑا
ضربت پڑی، کہ گنبدِ دوّا تھپٹ پڑا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

پریوں سے قاف چھوٹ گیا اور جنوں سے گھر
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے سر
سمٹے پہاڑ منھ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
آئی ندائے غیب، کہ شبیرؑ مرحبا!
یہ آبروئے جنگ، یہ توقیر مرحبا!

غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس اب نہ کرو وغا کی ہوس اے حسینؑ بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس اے حسینؑ بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں اژدہام میں
لبیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پھر سرکشوں نے تیر ملائے کمان میں

بیکس حسینؑ، ظلم شعاروں میں گھر گئے
سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
پہلو کے پار برچھیاں سینے کے پار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِ الٰہی کے جسم پر
چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر
یہ دکھ نبیؐ کے گود کے پالے حسینؑ پر

تیرِ ستم، نکالنے والا کوئی نہ تھا
لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے
بھالے وہ اور پہلوئے شبیرؑ ہائے ہائے
غصے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبیؐ کا رنگ
تنہا ملا جناب نے ہاتھے کو چھوڑ کے

شیروں سے دشت گرگ سے بن اژدروں سے در
اڑ کر گرے جزیروں میں جنگل کے جانور
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے
اس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر مرحبا!
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر مرحبا!

بس خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر
دم لے ہوا میں چند نفس اے حسینؑ بس
وقتِ نمازِ عصر ہے، بس اے حسینؑ بس
اب اہتمام چاہیے اُمت کے کام میں
پلٹی سپاہ آئی قیامت جہان میں
پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں

مولا تمھارے ظلم شعاروں میں گھر گئے
چھاتی پہ لگ گئے دکھی سوا ایک بار تیر
پڑتے تھے دس جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی کے جسم پر
ٹوٹے ہوئے تھے برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے خنجروں کو نکالے حسینؑ پر

گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا
فرزندِ فاطمہؑ کی یہ توقیر ہائے ہائے
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے
اک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

لکھا ہے تین بھال کا تھا ناوکِ ستم
کھینچی سری گلے کی طرف سے بچشم نم
اُبلا جو خوں نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
دشمن تھا تشنہ کام کا اعور سلمی عدوئے دیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے سنان کیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
گرتے ہیں اب حسینؑ فرس پر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب
قرآن رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
گر کر کبھی اُٹھے کبھی رکھا زمیں پہ سر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
اُٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
جنگل سے آئی فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا
اس وقت کون حقِ رفاقت کرے ادا
انیسؔ سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
پردہ اُلٹ کے بنتِ علیؑ نکلی ننگے سر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اماں قدم اب اُٹھتے نہیں تشنہ کام کے
اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ؟
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
اب چھوڑ دو یہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو

منہ کھل گیا اُلٹ گئی گردن رُکا جو دم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا
سر پر لگائی تیغ، کہ شق ہو گئی جبیں
بھاگا گڑو کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
تھرا گئی ضریحِ رسالت پناہ کی
نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا
اُبلا لہو کبھی، تو سنبھالا کبھی جگر
کروٹ کبھی تڑپ کے ادھر لی کبھی اُدھر
تیر اور تن میں گڑ گئے جب منہ کے بھل گرے
اُمت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
زینبؑ! نکل حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر
لرزاں قدم خمیدہ کمر غرقِ خوں جگر
اے کربلا! بتا ترا مہمان ہے کدھر
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے
لوگو! خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے
بس اب سفر قریب ہے لللہ گھر میں جاؤ
یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
یا فاطمہؑ چھپا لو ردا میں حسینؑ کو

بنتِ علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نورِ چشمِ علیؑ کا گلا ادھر
زینبؑ کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر
پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سیدؑ تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار!
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یادِ الٰہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو
چلا رہی ہے دخترِ حیدرؑ جواب دو
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبرؐ جواب دو
کیونکر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارہ نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

بھیا میں اب کہاں سے تمہیں لاؤں کیا کروں
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں کیا کروں
کس کی دہائی دوں کسے چلاؤں کیا کروں
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں کیا کروں
دنیا تمام اجڑ گئی ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزا خانہ ہو گیا

ہے ہے تمہارے آگے نہ خواہر گزر گئی
بھیا بتاؤ کیا تہِ خنجر گزر گئی
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوج نابکار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار
رہیو مری یتیم سکینہؑ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند
عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم پسند بند ہیں سلطاں پسند بند
یہ فضل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے

۱۵

مرثیہ

بند ۷۶

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے
سختیِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے
جلّادوں میں اُس صاحبِ توقیر کو لائے
ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے
غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو
خورشید نے ہاتھوں پہ اُٹھایا ہے قمر کو

معصوم کے رُخ پر ہے عجب حُسن عجب نور
آئینۂ افلاک، تجلّی سے ہے معمور
اسپند ہے اس رُخ کے لیے خالِ رُخِ حور
موسیٰؑ کے کفِ دست پہ ہے شمعِ سرِ طور
کیا صاحبِ اعجاز امامِ دوجہاں ہے
نورِ یدِ بیضا یہ سرِ دست عیاں ہے

حُسنِ رخِ اصغر سے خجل نیّرِ اکبر
خورشید تو ذرّہ ہے ستارہ مہِ انور
گرمی سے جو قطرے ہیں پسینے کے جبیں پر
ہیں صانعِ قدرت نے جڑے چاند پہ اختر
بالوں کے تلے لوحِ جبیں نور فشاں ہے
ہے نصف قمر ابر میں اور نصف عیاں ہے

ابرو کو دیا ہے یدِ قدرت نے عجب خم
بس دو مہِ نو صاف نظر آتے ہیں باہم
ہے نرگسی آنکھوں کا نقاہت سے یہ عالم
دشوار ہے پلکوں کا جھپکنا جھپکیں ہر دم
ہے خواب بھی اُس چشمِ گہربار کو بھاری
جس طرح سے شب ہوتی ہے بیمار کو بھاری

آئینۂ مہ میں یہ کہاں جلوہ نمائی
روشن ہوا دل، جس کو وہ صورت نظر آئی
دو دن سے جو اک بوند نہیں پانی کی پائی
زردی سی ہے ان پھولوں سے رُخسار پہ چھائی
شہ روکتے ہیں دھوپ کو دامانِ عبا سے
ٹھنڈا ہوا جاتا ہے بدن، گرم ہوا سے

روشن وہ گلا شمعِ تجلّی کی ہے تصویر
سو اُس پہ لگے تیر یہ قسمت کی ہے تحریر
دو روز سے پانی نہ مقدّر میں ہے نے شیر
اور کنٹھ جو بیٹھا ہے تو ہے موت گلوگیر
اب دودھ بھی اور طوق بھی منّت کا بڑھے گا
فریاد ہے نیزے پہ یہ سر کٹ کے چڑھے گا

کیا دوش و بر و ساعد و بازو کا کہوں طور
شب تار کے سانچے میں ڈھلے ہیں جو کرو غور
ننھا سا وہ سینہ ہے کہ آئینۂ بلّور
کس طرح اُٹھا ایسے پہ دستِ ستم جور
ان ہاتھوں پہ جو پنجتنی ہیں وہ فدا ہیں
گو مٹھیاں باندھے ہیں مگر عقدہ کشا ہیں

گو سن میں بہت کم ہیں پہ رتبے میں زیادا
ہے موسمِ طفلی میں جوانوں کا ارادا
کیوں ہو نہ اولوالعزم وہ عالم کا خوزادا
زہراؑ سی تو دادی اسد اللہ سا دادا
ہے عُمر تو چھوٹی پہ بڑا کام کیا ہے
بے جنگ کیے خلق میں کیا نام کیا ہے

نازک ہو لبِ لعل جو برگِ گلِ تر سے
وہ پانی کو محتاج رہے دودھ کو ترسے
گہوارے میں دم توڑتے تھے چار پہر سے
لے آئے ہیں گھبرا کے شہِ دیں اُسے گھر سے
بچے کو اماں ظلم کے پانی نہیں دیتے
منہ کھولے ہے معصوم وہ پانی نہیں دیتے

وہ ننھے سے کرتے کے تلے چاند سا سینہ
جس میں نہ کدورت نہ حسد اور نہ کینہ
خوشبو میں بہ از عطرِ گلاب اس کا پسینہ
سینہ نہیں اک دُرِ نجف کا ہے نگینہ
اب خون میں وہ ڈوب کے یاقوت بنے گا
جس جھولے میں وہ پلتے ہیں تابوت بنے گا

اعدا کو دکھاتے ہیں منہ اُس کا شہِ خوش خو
میداں میں تجلی ہے مہ نہر کی ہر سو
جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو
کھولے ہیں دہن مثلِ صدف اصغرِ مہ رو
پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
بچے کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

کچھ گھٹنوں چلنے سے ابھی تک نہیں آگاہ
ہیں راہِ الٰہی میں مگر باپ کے ہمراہ
ہے عمر تو کوتاہ پہ ہمت نہیں کوتاہ
اس سن میں عجب عزم ہے العظمۃ للہ
میدان میں مرنے کے لیے آئے ہیں گھر سے
پہلے یہی فردوس میں پہونچیں گے پدر سے

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اے مرے پیاسے
بتلاؤ مجھے کیا کہوں میں اہلِ جفا سے
گویا نہیں اس وقت زباں فرطِ حیا سے
کچھ میں نے جو مانگا ہے تو مانگا ہے خدا سے
بے پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اُس کا پسر ہوں

مجھ پر تو ہے بچپن سے نوازش مرے رب کی
حاجت متعلق ہے مری ذات سے جس کی
منت کش ادنیٰ ہوں یہ جاگہ ہے عجب کی
میں نے تو کسی سے نہیں کچھ چیز طلب کی
ادنیٰ سے سخی مانگے یہ دستور نہیں ہے
اب صبر کرو نہرِ لبن دور نہیں ہے

مشکل میں مدد چاہتی ہے مجھ سے خدائی
ہر بند سے بندوں کو میں دیتا ہوں رہائی
شاہوں کے لئے فخر ہے اس در کی گدائی
جنّات مرے نام کی دیتے ہیں دُہائی
قرآن سے ظاہر ہیں شرف آلِ نبیؐ کے
احساں ہیں ملائک پہ حسینؑ ابنِ علیؑ کے

بخشے ابھی اللہ میں جس شے کا ہوں خواہاں
پانی کا جو لوں نام تو ہو بارشِ باراں
قطرے سے جو چاہوں تو اٹھے نوح کا طوفاں
پیدا ابھی اس خاک سے ہو چشمۂ حیواں
یہ سب مجھے قدرت ہے پہ راضی بہ رضا ہوں
مظلوم ہوں پیاسا ہوں غریب الغربا ہوں

چاہوں تو ابھی خاک ہوں جل جل کے یہ ناری
ظاہر کرے کوثر کو ہمیں خالقِ باری
ہوں انگلیوں سے دودھ کی نہریں ابھی جاری
پر آج گوارا ہے مجھے پیاس تمھاری
بابا بھی رہِ حق میں فدا تم بھی فدا ہو
ہم مرتے ہیں اس پر کہ رضامند خدا ہو

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار
دروازے پہ سر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
میں نے بھی کیا ہے طلبِ آب کا اقرار
کرتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کا اظہار
پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہہ کے پکارا اسد اللہ کا جانی
کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعبِ تشنہ دہانی
کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی
سب خلق پہ احسانِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہے
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آلِ نبیؐ ہیں

آئے ہیں وطن چھوڑ کے مہماں ہیں تمھارے
دو روز سے دم توڑتے ہیں پیاس کے مارے
ہم حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ کے ہیں پیارے
کام آئیں گے جب آؤ گے کوثر کے کنارے
دن آج تمھارا ہے تو کل ہوگا ہمارا
فردوس کی نہروں پہ عمل ہوگا ہمارا

اب چوکے تو بخشش کا کوئی طور نہیں ہے
کوثر پہ پہونچنے کی سبیل اور نہیں ہے
ہم پیاس سے مرتے ہیں تمھیں غور نہیں ہے
سوچو یہ مقامِ ستم و جور نہیں ہے
مسلم ہو طریقِ اسد اللہ پہ آؤ
بہکے ہوئے پھرتے ہو کدھر راہ پہ آؤ

بس دل میں نہیں نورِ محبت کا ہماری
قرآں سے ہے ثابت کہ وہ ناری ہے وہ ناری
بے کار ہے گر عمر عبادت میں گزاری
کچھ نفع نہ بخشے گی اُسے طاعتِ باری
عشقِ اسد اللہ کا داغ اس میں نہیں ہے
بے نور ہے وہ گھر کہ چراغ اُس میں نہیں ہے

جو دوست ہمارے ہیں وہ ہوں گو کہ گنہگار
آپنے پہ علیؑ ہو دیں گے اور احمدِ مختار
ہے دوستیِ آلِ ہم انھیں روزِ ازل سے
جو لوگ ہیں ثابت قدم اُلفتِ حیدرؑ
فرمائیں گی یہ فاطمہؑ اُن لوگوں سے آکر
دم بھرتے رہے ہو سحر و شام علیؑ کا

تم لوگوں میں احمدؐ نے امانت ہمیں چھوڑا
قرآن سے بھی تم پھر گئے مُنھ ہم سے بھی موڑا
اولادِ نبیؐ قابلِ بیداد نہیں ہے
ان پھول سے رخساروں کے کمھلانے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو
ناحق ہے عداوت مجھے نازوں کے پلے سے

سُن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے
ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی
فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
اپنے لئے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا

وہ بولے کہ اکبرؑ سے زیادہ نہیں اصغرؑ
گو چھوٹے بڑے ہیں پہ ہیں اک بحر کے گوہر
اُس کو جو کلیجہ تو مرا دل اُسے سمجھو
بڑھ کر بنِ کاہل نے کہا اے شہِ والا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرا
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت

بخشائیں گے ہم اور انھیں بخشے گا غفار
ہو جائے گی میزانِ عمل آپ سبک بار
پیارا ہے یہی ایک عمل لاکھ عمل سے
بالائے صراطِ اُن کے نبیؐ ہو دیں گے رہبر
تو تھام لو ہاتھوں سے مرا گوشۂ چادر
جب پاؤں کو لغزش ہو تو لو نام علیؑ کا

سو تم نے تو سر رشتۂ اُلفت ہی کو توڑا
یہ بھی ہے بہت پانی اگر دو ہمیں تھوڑا
کیا آیۂ لا اسئلکم یاد نہیں ہے
گہوارے سے میداں میں چلے آنے کو دیکھو
غش آنے کو اور سانس اُلٹ جانے کو دیکھو
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اُترے گا حلق سے

خنجر آنے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
تم لوگوں کا حصّہ نہیں پانی میں ہمارے
بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
دریا ہے تمھیں پانی پلا دو اُسے لا کر
بچہ مرا بچ جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

شہ بولے کہ رُتبے میں تو دونوں ہیں برابر
وہ برجِ شرافت کا قمر ہے تو یہ اختر
قرآں اُسے سمجھو تو حمائل اُسے سمجھو
اکبرؑ تو تو دیکھا اِسے میں نے نہیں دیکھا
سُنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچا
باقی ہے مگر حیدرِؑ صفدر کی زیارت

شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اُٹھایا
چلّے سے کماں دار نے واں تیر ملایا
خم ہو کے اُسے مثلِ کماں شہ نے بچایا
مانندِ اجل ناوکِ تیرِ ستم آیا
شبیرؑ چھپاتے رہے نازوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

حلقہ تو وہ دو ٹانک کا اور تیر سہ پہلو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مہرو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
منھ کھل گیا تھرانے لگے ننھے سے بازو
گلرنگ ہوا طوقِ گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اُتر کر

فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
دم آکے رُکا حلق میں اُس تشنہ گلو کا
خوں منھ سے اُگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

مچھلی سا تڑپتا تھا جو ہاتھوں پہ وہ بے شیر
بیتاب تھے بچے کو لئے حضرتِ شبیرؑ
جب خوں نہ ہوا بند، گلے سے کسی تدبیر
چلّو سے لگے پھینکنے سوئے فلکِ پیر
اُس خوں کو ملک لے گئے افلاک کے اوپر
لکھا ہے کہ قطرہ نہ گرا خاک کے اوپر

قطرہ اگر اُس خون کا گرتا بسرِ خاک
دانہ نہ کبھی اُگتا زمیں پر تہِ افلاک
ہو جاتی گرفتارِ بلا اُمتِ سفاک
اللہ رے صبرِ پسرِ سیدِ لولاک
فرماتے تھے راضی ہوں میں جو مجھ پہ تعب ہو
نازل مگر اُمت پہ نہ خالق کا غضب ہو

جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
دُنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
چلا کے عجب درد سے روئے شہِ والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غل تھا کہ اب اُمت کا نگہبان علیؑ ہے
فریاد کو زہراؑ طرفِ عرش چلی ہے

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
اے بارِ خدا خلق سے اصغرؑ بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
کچھ اور پئے نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے پسرِ صاحبِ معراج کا ہدیہ
مقبول ہوا اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

گردوں سے صدا آئی کہ اے فخرِ خلایق
رُتبہ ہے ترا صبر میں ایوب سے فایق
تھا تیرے سوا کوئی نہ اس کام کے لایق
ہے شوق ہمارا تجھے ہم ہیں ترے شایق
باقی فقط اک مرحلۂ خنجرِ کیں ہے
اب وصل کا معشوق کے ہنگام قریں ہے

سُن کر یہ صدا گردنِ تسلیم جھکائی ٭ تلوار سے کھودی لحد اور لاش لٹائی
جب خاک میں وہ چاند سی تصویر چھپائی تعویذ پہ منھ رکھ دیا رقت بہت آئی
چلائے کہ ڈر ڈر کے نہ رونا علی اصغرؑ ہم آتے ہیں آرام سے سونا علی اصغرؑ

فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار بانوئےؑ دل افگار کی دولت سے خبردار
لختِ جگرِ شاہِ ولایت سے خبردار اس بندۂ بیکس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہرِ نایاب ہے پاکیزہ صدف ہے سونپا ہے تجھے میں نے نگیں دُرِّ نجف ہے

فرما کے یہ گھوڑے پہ چڑھے سبطِ پیمبرؐ رو کر کہا اب خیمے میں جانا نہیں بہتر
کیا جا کے سناؤں خبرِ رحلتِ اصغرؑ پڑھتے رجز آئے صفِ اعدا کے برابر
سُرخ آنکھیں تھیں اور ہاتھ کو قبضے پہ دھرے تھے کپڑے تنِ پُرنور کے سب خوں سے بھرے تھے

افروختہ تھا صورتِ گل چہرۂ روشن چار آئینے میں عکس سے پھولا ہوا گلشن
مغفر تو سرِ پاک پہ اور جسم میں جوشن گردانے ہوئے جامۂ پُرنور کا دامن
کرتا تنِ اطہر میں رسولِؐ عربی کا زیبِ کمرِ پاک کمربند علیؑ کا

اس دن تھا عمامہ سرِ اقدس پہ گلابی تھا رتبے میں قرآں سے نہ کم روئے کتابی
تفسیر تھا وہ حاشیۂ ریشِ خضابی پر تین شب و روز سے تھی بے خور و خوابی
کہتے تھے ملک دین کے معراج کو دیکھو شانِ پسرِ صاحبِ معراج کو دیکھو

اُڑتے تھے ہوا سے جو وہ گیسوئے معنبر سایہ وہ بیاباں تھا کئی کوس معطر
عالم کی ضیا بخش تھی پیشانیِ انور ٭ ہم رتبۂ لوح و ورقِ مصحفِ اکبر
سجدے کی جگہ پر جو ستارا سا عیاں ہے وہ احمدؐ مختار کے بوسے کا نشاں ہے

ابرو ہے کہ کلیدِ درِ گنجینۂ اسرار بالیدہ و سنجیدہ و پیوستہ و خم دار
اُس چشم پہ آنکھوں سے فدا ہوں اولاالابصار گر خواب میں دیکھے تو ہے طالعِ بیدار
ابرو سا جہاں میں نہ کسی قوس کو دیکھا دیکھا جو اُسے نرگسِ فردوس کو دیکھا

مژگاں پہ سبزہ گردِ لب کوثر اشکوں سے صدا خوفِ الٰہی میں رہے تر
اور شمع سرِ طور کی لو بینیِ انور سوکھے ہوئے لب لعلِ بدخشاں سے تھے بہتر
دندانِ مبارک کو نہ کہیے گہر ہیں ہیرے کے نگینے ہیں تو یاقوت کے گھر ہیں

کیا سینہ و گردن کے کروں حسن کو تحریر
سو اس پہ تو شمشیر چلی اُن پہ چلے تیر
تکبیر کی رگ رگ سے صدا آتی تھی رن میں
شانوں کا وہ نور اور وہ بازو کی صفائی
جن ہاتھوں نے سب خلق کی کی عقدہ کشائی
اک ظالم بے رحم نے یہ ظلم کیا تھا

ان قدموں کا ہمسر کوئی دنیا میں نہیں ہے
حاصل تھی نہ اسبابِ تعلق سے کوئی شے
بتلا گئے وہ راہِ رضا سب کو جہاں میں
لاکھوں سے لڑائی تھی پہ میلے نہ تھے تیور
بجلی سا تہ رانِ فرس خاص پیمبرؐ
غل تھا شہِ ابرار کے کاندھے پہ کماں ہے

دن ڈھلتا تھا اور ہوتی تھی اعدا کی چڑھائی
ہمراہ کوئی دوست نہ فرزند نہ بھائی
سر کاٹ لیں تھے واں کے سوار اس تگ و دو میں
تھی دہنی طرف فاطمہؑ بکھرائے ہوئے بال
قربان گئی زخم کا بازو کے ہے کیا حال
ہے ایک تو صدمہ تمہیں تشنہ دہنی کا

فرماتے تھے یہ شیرِ خدا با دلِ غمناک
گرتے تھے کبھی فرطِ بکا سے بسرِ خاک
روتے تھے ملک گریہ محبوبِ خدا سے
تھے سارے نبی احمدِ مرسلؐ کو سنبھالے
چلّاتے تھے ہے ہے مری آغوش کے پالے
اُمّت کے لئے برچھیاں کھانے کو چلے ہو

وہ شمع تجلی ہے تو یہ نور کی تصویر
تیغ ایک پہ اور ایک پہ تھا زانوئے شبیرؑ
سر کھولے ہوئے فاطمہؑ چلّاتی تھی رن میں
کمزور تھے جس وقت سے مارا گیا بھائی
فریاد ہے جمّال نے کاٹی وہ کلائی
انگلی کو انگوٹھی کے لئے کاٹ لیا تھا

کیا مرحلۂ عشقِ الٰہی کو کیا طے
ہر آن رہے رونقِ اسلام سے درپے
پیرو ہیں جو ان کے وہی پہونچیں گے جناں میں
جب شیر سے بڑھتے تھے تو ہٹتے تھے ستمگر
حمزہؑ کی سپر تیغِ علیؑ نیزۂ جعفرؑ
یا شمس فلک قوس کے پہلو میں عیاں ہے

تھی شام کے لشکر کی گھٹا چاند پہ چھائی
تنہائی اِدھر اور اُدھر ساری خدائی
یاں گھوڑے پہ تھے آپ شہادت تھی جلو میں
کہتی تھی میں صدقے تری غربت کے مرے لال
گھوڑے سے جھکو تم تو یہ ماں باندھ دے رومال
اس زخم پہ پھر قصد ہے شمشیر زنی کا

روحی بفداک اے پسرِ سیّدِ لولاک!
اُٹھتے تھے کبھی تھام کے رہوار کی فتراک
ہلتی تھی زمیں ہائے حسینا کی صدا سے
اور نوح کی گردن میں وہ تھے ہاتھوں کو ڈالے
صدقے ترے اے میری زباں چوسنے والے
دوزخ سے محبوں کے بچانے کو چلے ہو

جنات میں تھا سید کونین کا ماتم سب کہتے تھے موجود ہیں لڑنے کے لئے ہم
ڈر تھا کہ نہ دنیا کہیں ہو درہم و برہم ہلتی تھی زمیں کانپتا تھا عرش معظم
مشتاق تھے سب جنگ شہ جن و بشر کے کھولا تھا فرشتوں نے دریچوں کو فلک کے

ناگاہ اُدھر چوب لگی طبل وغا پر اور پڑنے لگے تیر امام دوسرا پر
طاری ہوا غصہ پسر شیر خدا پر تلوار علم کرکے چلے اہل جفا پر
فرمایا کہ ہاں پہلے کدھر کھیت پڑے گا لڑنے کو سب آتے ہیں کہ ایک ایک لڑے گا

وہ بولے کہ یوں آپ سے سر کوئی کب ہو فرمایا کہ معلوم ہوا ننگ عرب ہو
کچھ غم نہیں تم ایک مرے سامنے سب ہو کیا ڈر اُسے خود جس کو شہادت کی طلب ہو
لڑتا نہ کبھی تم کو اگر ننگ سمجھتا ہیں لاکھوں کو اور ایک کو ہوں ایک سمجھتا

جوہر ہے جواں مردوں کا تلوار سے مرنا جو گور سے سو گزرے کہ جہاں سے ہے گزرنا
ہے ننگ شجاعوں کے لئے موت سے ڈرنا خلعت ہے شہادت کا ہمیں خون میں بھرنا
تلواریں لگیں نخل شہادت کے یہ پھل ہیں مرنے پہ وہ مرتے ہیں جو مشتاق اجل ہیں

بولو یہ زیادہ نہیں صفین و جمل سے ہاں ہے یہ نئی بات کہ پیاسا ہوں میں کل سے
تنہا ہی لڑے شیر خدا فوج کے دل سے پھولا گل اسلام اسی تیغ کے پھل سے
سب مل کے لڑو مجھ سے رضا مند ہوں میں بھی اے قوم اُسی شیر کا فرزند ہوں میں بھی

فرما کے یہ چمکائی جو تیغ شہ مرداں کفار پکارے کہ گری برق درخشاں
رہوار کو رانوں میں دبا کر جو کہا ہاں ہاں منہ سے نکلنی تھی کہ یاں سے وہ گیا واں
پیوست جو تھے تیر وہ باہر نکل آئے معلوم ہوا پہلوؤں سے پر نکل آئے

اُس کے لئے اک کام تھا سو کوس کا دھاوا تیغوں کو چبا جاتا تھا یہ جوہر تھا علاوا
اُڑتا کبھی مڑتا کبھی جست اور کبھی کاوا کہتے تھے ستمگر یہ پری کا ہے چھلاوا
کس گھات سے رد کیں فرس تیز قدم کو سایہ بھی تو اُس کا نظر آتا نہیں ہم کو

غصے میں وہ تن تن کے دہانے کو چباتا اور جوش شجاعت میں وہ کف منہ سے گراتا
ہر صف میں کبھی جھوم کے آتا کبھی جاتا تلوار کی زد سے کبھی آقا کو بچاتا
ٹاپوں سے دہلتی تھی زمیں حشر بپا تھا اس صف میں جو بجلی تھا تو اُس صف میں ہوا تھا

لڑتے تھے حسینؑ ابنِ علی فوجِ ستم سے
ہر غول میں پھرتا تھا وہ کس کس چم وخم سے
رہوار نے واں خون کا چھڑکاؤ کیا تھا
بجلی سی ہر اک صف میں چمکتی ہوئی آئی
آئی وہ جدھر خوں میں ٹپکتی ہوئی آئی
اسواروں کو اس برق کے واروں نے جلایا
غل فوج میں تھا آج تو ہے آگ برستی
کوفے کو لگی آگ جلی شام کی بستی
یہ برقِ غضب کم نہیں کچھ قہرِ خدا سے
بجلی کی طرح لشکرِ سفاک پہ چمکی
جب ہاتھ اُٹھا چارمِ افلاک پہ چمکی
ساتوں طبق ارض دہل جاتے تھے اُس سے
وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
جس پر گئی بے دو کئے پھرتے نہیں دیکھا
ہر ضرب میں چوڑنگ تھے سوسو ستم ایجاد
چار آئینے میں بھی نہ رہے امن سے جلّاد
ضرب اُس کی کسی سے نہ رُکی فوج کے دل میں
نیزوں سے قلم ہو کے جو گرتی تھیں سنانیں
ثابت نہ رہے تیر نہ ترکش نہ کمانیں
ناوک جو ستمگاروں نے ترکش میں دھرے تھے
شانے پہ جو چمکی تو بغل سے نکل آئی
سیدھی جو پڑی سر پہ تو اللہ سے صفائی
کھینچا اُسے دو کر کے جو شمشیر دو سر کو

سرگرم رہے تھے ضربتِ شمشیرِ دودم سے
پامال بدن ہوتے تھے گھوڑے کے قدم سے
تلوار نے سب فوج کا ستھراؤ کیا تھا
شعلے کی طرح گاہ لپکتی ہوئی آئی
واں چمکی تو یاں آگ بھڑکتی ہوئی آئی
شعلوں سے جو بچ گئے تو شراروں کو جلایا
فریاد ہے اب خاک ہوا خرمنِ ہستی
بس اب کوئی دم میں نہ بلندی ہے نہ پستی
چنگاریاں آتش کی نکلتی ہیں ہوا سے
بے جاں ہوا جس کے سرِ ناپاک پہ چمکی
چمکی کبھی گردوں پہ کبھی خاک پہ چمکی
سکّانِ سماوات بھی تھرّاتے تھے اس سے
چمکی جو چھری جل گئی دشمن کے جگر پر
بس قطع یہ جامہ تھا اُسی تیغِ دو سر پر
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیلِ فنا خانۂ تن کر دیے برباد
اُتری جو زرہ کٹ کے، پھنسے دامِ اجل میں
رہ جاتے تھے سب داب کے دانتوں میں زبانیں
جانے لگیں دوزخ کو جفاکاروں کی جانیں
تیروں سے وہ خالی تھے مگر خوں سے بھرے تھے
اک ہاتھ مع سر کے نہ دیتا تھا دکھائی
بس ہو گئی دشمن کے تن و سر میں جدائی
گھوڑے کے ادھر نصف گرا نصف اُدھر کو

نعرہ تھا لعینوں! ابنِ کاہل کو بتاؤ
مرتد کو جفاکار کو جاہل کو بتاؤ
کچھ سوچ کے اُس وقت اُسے چھوڑ دیا تھا
تھراتے تھے سُن سُن کے یہ نعرے ستم آرا
پھر فوج میں ڈوبا اسد اللہ کا پیارا
حضرت کو تو یاں قاتلِ اصغرؑ کی طلب ہے
مُڑ کر شہِ والا نے جو دیکھا تو یہ دیکھا
سر کھولے ہوئے پیٹتی ہے دخترِ زہراؑ
بانوئے حزیں چاک گریبان کئے ہے
چلّاتی ہے اصغرؑ مجھے آواز سُناؤ
قربان گئی ننھے سے ہاتھوں کو اُٹھاؤ
تھا میں نے تو سبطِ شہِ لولاک کو سونپا
یہ حال جو دیکھا تو پکارے شہِ دلگیر
یہ سُنتے ہی سب ٹوٹ پڑا لشکرِ بے پیر
ٹکڑے ہوا ہر عضو بدن تیغوں سے کٹ کر
خاتونِ قیامت کی صدا دشت سے آئی
چلائی یہ زینبؑ کہ سفر کرتے ہیں بھائی
بھائی کی مدد کرنے کو آتا نہیں کوئی
واں نالۂ زہرا سے فلک تھا تہ و بالا
ہلنے لگا جو عرش فرشتوں نے سنبھالا
حیدر کے تو نالے گئے افلاک کے اوپر
غلطاں جو لہو میں نظر آیا اُسے اسوار
دو تین گھڑی تک تو رہے غش شہِ ابرار
پہلو میں سرِ فاطمہؑ عُریاں نظر آیا

ہاں اصغرِؑ معصوم کے قاتل کو بتاؤ
ظالم کا نشاں سرورِ عادل کو بتاؤ
اُس نے تو کلیجے کو مرے توڑ دیا تھا
تھا ایک کو دہشت سے نکلنے کا نہ یارا
اس وقت یہ شمرِ ستم ایجاد پکارا
واں بی بیاں خیمے سے نکل آئیں غضب ہے
اک حشر مزارِ علی اصغرؑ پہ ہے برپا
کہتی ہے سکینہؑ مرے بھیّا مرے بھیّا
چھاتی کے تلے ننھی سی تربت کو لئے ہے
تربت میں اندھیرا ہے مری گود میں آؤ
مر جائے گی ماں خاک سے منھ کو نہ چھپاؤ
شبیرؑ نے ہاں لا کے تمھیں خاک میں سونپا
قاتل ہے کہاں پھیر دے اب حلق پہ شمشیر
سینے پہ لگے تیغ و سنان و تبر و تیر
غش ہو گئے رہوار کی گردن سے لپٹ کر
گرتا ہے مرا لعل محمدؐ کی دُہائی
اب کیا کروں ہے ہے مرے اماں کی دُہائی
ہے ہے مرے شبیر کو بچاتا نہیں کوئی
یاں پہلوئے سرور پہ لگا ظلم کا بھالا
چلّاتی تھی وہ ہائے مری گود کا پالا
اور تاج سرِ عرش گرا خاک کے اوپر
سر خاک پہ جھک جھک کے ٹیکنے لگا رہوار
آنکھیں جو کھلیں حلق پہ تھا خنجرِ خونخوار
جلّاد کے پنجے میں گریباں نظر آیا

خشکیدہ زباں شہ نے دکھائی کئی باری — پانی نہ دیا ذبح لگا کرنے وہ ناری

خاموش انیسؔ اب کہ غم و درد ہے طاری — اس نظم کا بخشے گا صلہ ایزدِ باری

محشر میں علی ساغرِ کوثر تجھے دیں گے — گھر خلد میں رہنے کو پیمبرؐ تجھے دیں گے

سلام

کوئی انیسؔ کوئی آشنا نہیں رکھتے — کسی کی آس بغیر از خدا نہیں رکھتے

نہ روئے بیٹوں کے غم میں حسینؑ واہ رے صبر — یہ داغ ہوش بشر کے بجا نہیں رکھتے

حسینؑ کہتے تھے سوئیں گے پاؤں پھیلا کر — سوائے قبر کوئی اور جا نہیں رکھتے

سوائے کوثر و تسنیم و خلد باغِ بہشت — یہ اشک ہیں وہ گُہر جو بہا نہیں رکھتے

قناعت و گہر و آبرو و دولتِ دین — ہم اپنے کیسۂ خالی میں کیا نہیں رکھتے

ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیرِ منّتِ خلق — وہی سوال کریں، جو خدا نہیں رکھتے

فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے — کچھ اور فرش بجز بوریا نہیں رکھتے

مسافرو! شبِ اوّل بہت ہے تیرہ و تار — چراغِ قبر ابھی سے جلا نہیں رکھتے

وہ لوگ کون سے ہیں اے خدائے کون و مکاں — سخن کو کان سے جو آشنا نہیں رکھتے

خدا نے آیۂ تطہیر جن کو بھیجا تھا — وہ پردہ دار سروں پر ردا نہیں رکھتے

سکینہؑ کہتی تھی کیوں کر نہ دم گھٹے اماں — وہاں ہیں بند جو حجرے ہوا نہیں رکھتے

غش آیا راہ میں جس دم تو کہتے تھے سجادؑ — وہ درد ہیں جو امیدِ شفا نہیں رکھتے

فلک پہ شور تھا کٹتا ہے حلق پاکِ رسولؐ — حسینؑ تیغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

حسینؑ تیغوں کے آگے سے کس طرح ہٹتے — بڑھا کے پیچھے قدم پیشوا نہیں رکھتے

١٦

مرثیہ

۱۰۵ بند

مشرق سے صبح کی جو سپیدی عیاں ہوئی
روشن چراغِ مہر سے بزمِ جہاں ہوئی
نیزے سنبھالے تیغ و سپر باندھنے لگے
رکھا کسی نے خود کو سر پر بہ عزمِ جنگ
پہنی زرہ کسی نے پہن کر قبائے تنگ
چٹکی ہے میرے تیر یہ جس دم روانہ ہو

نیزہ ہلا کے کوئی یہ کرتا تھا گفتگو
کہتا تھا تیغ تول کے یوں کوئی کینہ جو
چُن چُن کے آج آلِ پیمبرؐ کو ماریئے
گرزِ گراں لیے کوئی کرتا تھا یہ سخن
تھا اس طرح کمند لیے کوئی لاف زن
ہرگز نہ دوں گا مُہلتِ جنگ اس دلیر کو

دستانوں کو پہن کے یہ کہتا تھا کوئی بات
اور سج کے چار آئینہ کوئی زبوں صفات
مجروح ہوں گے پہلے ہی وہ میرے وار سے
چمکا کے اسپ کو کوئی کرتا تھا یہ کلام
کیوں اس قدر ہیں خوف زدہ ساکنانِ شام
اک دم میں جا پڑیں گے یہ بجلی سے کوند کر

اور پردۂ حجاب میں ظلمت نہاں ہوئی
اعدا میں فکرِ قتلِ امامِ زماں ہوئی
آلِ نبیؐ کے خوں پہ کمر باندھنے لگے
خنجر سجا کمر میں کسی نے چڑھا کے سنگ
بولا زرہ کماں میں کوئی جوڑ کر خدنگ
پیشانیٔ حسینؑ ، الٰہی نشانہ ہو

اس پر علم کروں گا سرِ شاہِ نیک خو
ہے آب اُس کی اور شہِ لب تشنہ کا گلو
برچھی سے لاکھ میں علی اکبرؑ کو ماریئے
ہے اس کی ضرب اور سرِ نو بادۂ حسنؑ
باندھوں گا اس سے گردنِ عباسؑ صف شکن
جیتا پکڑ کے لاؤں گا شیروں کے شیر کو

بھرنے ہیں خونِ آلِ محمدؐ میں آج ہات
کہتا تھا جب لڑیں گے شہنشاہِ کائنات
اُس پر نہ خط پڑے گا کبھی ذوالفقار سے
سنتا ہوں ہے قلیل بہت لشکرِ امام
واللہ راہواروں کی جب ذقت لیں لگام
پیاسوں کو مار ڈالیں گے ٹاپوں سے روند کر

کہتا تھا کوئی اُس سے کہ اپنی زباں کو بند
مقدور پر بھی عجز ہی کرتے ہیں ہوش مند
جنگ اُس سے ہے جو سبطِ رسالت پناہ ہے
ہم تم ہیں جس طرف ہے اُدھر فوجِ لاتعد
حیدر ہے جس کا باپ محمدؐ ہے جس کا جد
ناحق ہے اُس پہ ظلم جدھر حق ثبوت ہے
کچھ مرضیٔ خدا میں نہیں جائے دم زدن
افسوس ہے کہاں وہ کہاں کربلا کا بن
شاید خدا کو بے کسی اس کی پسند ہے
بچوں کو مارے پیاس کے آتے ہیں غش پہ غش
ہیں بیعتِ یزید سے حضرت کنارہ کش
راکب جو ان کے تیرِ الم کے نشانہ ہیں
اعجاز ہے فقط جو کرو منصفی سے غور
ہے کس قدر تعدی و ظلم و جفا و جور
پیاسے نہ سمجھو حکم کی آقا کے دیر ہے
ان سب کی ضربِ تیغ سے دشوار ہو اماں
غازی ہیں سرفروش ہیں کیا خرد کیا کلاں
دیکھو ہی گے جو خوف کے مارے نہ مر گئے
یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوئی یک بیک خبر
سرکردہ ہائے فوج نے صف اپنی باندھ کر
میدان میں سرکشی جو ہر اک نے پسند کی
نیزہ دیا کسی کو تو برچھی کسی کو دی
تیر و کماں منگا کے کسی کو حوالے کی
جو نامور تھے فوج میں ان کو علم دیے

اللہ کو غرور کی باتیں نہیں پسند
لرزاں ہے مارے خوف کے اپنا تو بند بند
سیّد ہے ابنِ فاطمہؑ ہے بے گناہ ہے
چاروں طرف سے اُس پہ چلی آتی ہے مدد
اس کو جواں ملے ہیں بہتر بہ جد و کد
غیرت کی یہ جگہ ہے مقامِ سکوت ہے
نانا ہو جس امام کا محبوبِ ذوالمنن
خاصانِ حق ہی سہتے ہیں رنج و غم و محن
کھانے کا ذکر کیا ہے کہ پانی بھی بند ہے
دو دن سے اہلِ بیتؑ میں ہے شورِ العطش
مرنے پہ مستعد ہیں جوانانِ ماہ وش
گھوڑے بھی تین روز سے بے آب و دانہ ہیں
ہرگز قدم ٹھہرتے نہ ہوتا کوئی جو ادر
پر ہیں وہی جو اس بزرگوں کا تھا جو طور
شہ کی قلیل فوج میں ایک ایک شیر ہے
مکّی و ہاشمی و قریشی ہیں یہ جواں
وہ حملہ ور ہوئے تو یہ انبوہ پھر کہاں
لاکھوں سوار کیا ہوئے پیدل کدھر گئے
خیمے سے بہرِ جنگ بر آمد ہوا عمر
مجرا کیا شقی کو ادب سے جھکا کے سر
ایک ایک پر لعیں نے نوازش دو چند کی
بخشی کسی جوان کو شمشیر قیمتی
بخشا کسی کو دشنہ و خنجر بصد خوشی
پیدل جو تھے انھیں فرسِ خوش قدم دیے

سمجھا کے ایک ایک کو کیا آ دنے کہا:
حاکم کا چاہیے کرد حقِ نمک ادا
جو جس کو مارے حکم یہ بے اختلاف ہے
اور دوسرے کرد گے جو تم اس مہم کو سر
واللہ یزدجرد کی بیٹی کا ہے وہ گھر
لینے کا اُس کے کچھ نہیں ہم کو خیال ہے
زہراؑ کی بیٹیاں ہیں غریب و شکستہ حال
اُن کا وہی ہے حال جو تھا فاطمہؑ کا حال
حیدر کی دیں دُہائی کہ روئیں پکار کے
یہ کہہ کے فوج کا وہ لگا کرنے بندوبست
ہموار ہو گئی جو زمیں تھی بلند و پست
پاداش دل بڑھانے لگے نوجوانوں کے
تیغیں کھنچیں نیام سے نیزے ہوئے علم
کوس و دف و جلاجل و قرنا بجے بہم
سُن کر یہ شور شہ نے کہا کرد گارِ شکر
ناموسِ مصطفیٰ نے سُنی جب کہ یہ صدا
زینبؑ نے پوچھا اے پسرِ شاہِ لافتا
اک چوٹ سی لگی ہے مرے دل میں درد ہے
کیا روحِ مصطفیٰ کا نہیں ظالموں کو ڈر
کیا فاطمہ کے رُتبے کی اُن کو نہیں خبر
پانی تو بند کر چکے احمد کی آل پر
شہ نے کہا کہ تشنۂ خوں ہیں مرے عدو
جز شکرِ حق کروں گا نہ کچھ اور گفتگو
مسلمؑ کو جب سُنا تھا کہ قتل کر چکے

تم غازیوں کو آج ہے شیروں کا سامنا
پیچھے ہٹے نہ پاؤں کسی کا دمِ وغا
اس کا سلاح و اسپ اُسی کو معاف ہے
لوٹیں گے چل کے خیمۂ سلطانِ بحر و بر
بے حد و بے حساب ملے گا متاع و زر
سب بانٹ لیجیو وہ تمہارا ہی مال ہے
دنیا کا اُن کے پاس نہیں کچھ متاع و مال
پر تم کچھ اُن کے پردے کا مت کیجیو خیال
لے آنا اُن کے سر سے ردائیں اُتار کے
منظور اُس کو فوج حسینی کی تھی شکست
آگے بڑھائے جُن کے جوانان تیز دست
اُڑنے لگے ہوا سے پھریرے نشانوں کے
طبلِ وغا پہ لگنے لگی چوب دم بدم
تا گنبدِ فلک گئی آوازِ زیر و بم
نوبت ہمارے قتل کی پہونچی ہزار شکر
رعشہ ہوا کسی کو کسی کو غش آ گیا
یہ کیا بجا کہ ہوش ہمارے نہیں بجا
کیا تم سے اہلِ شام کو قصدِ نبرد ہے
کیا تم پہ دستِ ظلم اٹھا دیں گے اہلِ شر
فریادی ہوں گی عرش کے نیچے وہ ننگے سر
سمجھیں تو جائے رحم ہے پیاسوں کے حال پر
راضی ہوں اہلِ ظلم بہا دیں مرا لہو
سینہ ہے اور تیر ہے خنجر ہے اور گلو
سچ تو یہ ہے کہ ہم تو اُسی روز مر چکے

یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہِ تشنہ کام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
اب رخصتِ حرم میں نہ تاخیر کیجئے
پوشاک پہنی شہ نے یہ سُن کر بصد شتاب
اُس دم عجب ہوا دلِ زینبؑ کو اضطراب
بھیا تمھیں تو ہوگی خبر کتنی فوج ہے
عباس نے کہا کہ نہ پوچھو کچھ اے بہن
دو لاکھ نیزہ دار ہیں، دو لاکھ تیغ زن
سب آزمودہ کار قوی تر جوان ہیں؛
واللہ اس طرف کے بہتّرؑ بھی تھے نہ کم
پانی کسی طرح جو پہونچتا اُنھیں بہم
یہ سُن کے بنتِ فاطمہؑ کی چھاتی پھٹ گئی
لگ کر گلے سے بھائی بہن روئے زار زار
فرما کے الوداع چلے شاہِ باوقار
کی یہ دعا، کریم مجھے شاد کیجیو؛
ہر اک کی ہے معین و مددگار تیری ذات
اک آن میں خلیل کو آتش سے دی نجات
گھیرا ہے سرکشوں نے شہِ باکمال کو
حق سے دعا یہ کرتی تھی زینبؑ جگر کباب
ہونے لگا سوار جو وہ مالک الرّقاب
آئی صدا بتول کی۔ کیوں بے قرار ہو
گھوڑے پہ دیکھ کر شہِ مظلوم کو سوار
رن کی طرف قدم جو اُٹھاتا تھا راہوار
پیاسے تھے پر دلوں میں شجاعت کے جوش تھے

باہر سے آئے اتنے میں عباسؑ نیک نام
میداں میں ہو چکی ہے صف آرا سپاہِ شام
میداں میں چل کے جنگ کی تدبیر کیجئے
تیغِ علیؑ کمر سے لگائی باب و تاب
عباسؑ سے یہ آنسو بہا کر کیا خطاب
کتنے جواں اُدھر ہیں ادھر کتنی فوج ہے
کتنی بتاؤں فوج اُدھر ہیں چھ لاکھ تن
اور ہوں گے دو ہی لاکھ کماں دار صف شکن
اور کلھم ادھر تو بہتّرؑ جوان ہیں
پر تین دن کی پیاس سے ان میں نہیں ہے دم
لاتا نہ ان کی تاب کبھی لشکرِ ستم
پھیلا کے ہاتھ شہ کے گلے سے لپٹ گئی
واغربتا کی اہلِ حرم میں ہوئی پکار
بنتِ علیؑ نے کھول کے تب سر کو ایک بار
اس لشکرِ قلیل کی امداد کیجیو؛
بے ریب بے گماں ہے تو حلّالِ مشکلات
مشہور ہاجرہ کے ہے بیٹے کی واردات
یارب بچالے فاطمہؑ زہرا کے لال کو
خیمے سے آئے ڈیوڑھی پہ حضرت بصد شتاب
تھامی بہ فخر حضرتِ عباسؑ نے رکاب
اس شاہ کم سپاہ پہ مادر نثار ہو
بوسے قدم پہ دینے لگے آ کے جاں نثار
ملتے تھے واں کی خاک کو آنکھوں سے بار بار
کیا حُسنِ اعتقاد تھے کیا سرفروش تھے

ثابت قدم تھے راہِ خدا میں وہ خوش نہاد
ایک ایک تھا نویدِ شہادت سے شاد و شاد
کیونکر بہکتے بادۂ عرفاں سے مست تھے
آقا پہ ہوں نثار یہی اُن کی تھی مُراد
کچھ یاد تھا کسی کو نہ غیر از خدا کی یاد
واللہ حق یہ ہے کہ وہی حق پرست تھے

جب وادیٔ نبرد میں اُن کا ہوا ورود
ان تھوڑے سے سواروں کی اللہ رے نمود
ہیبت سے خاکِ کرب و بلا زرد ہو گئی
پڑھنے لگے ملائکۂ آسماں درود
مانندِ بید خوف سے لرزاں ہوئے حسود
شان و شکوہِ فوجِ ستم گرد ہو گئی

باندھے ہوئے سروں پہ عمامے وہ ذی شعور
پیشانیوں سے اُن کی عیاں تھا خدا کا نور
خوش رو تھے سب نمازی تھے شیریں کلام تھے
حاضر تھے سر کٹانے کو سب شاہ کے حضور
شہ کے مدام عشق سے آنکھوں میں تھا سرور
دانا تھے مثلِ سبحہ مطیعِ امام تھے

شہ کے عزیز حُسن میں یوسفؑ سے تھے دو چند
ہوتی تھی چشمِ مہر بھی دیکھے سے جن کے بند
یوسف کا اُن کے سامنے بازار سرد تھا
انجم کو جن کے چہروں پہ گردوں کہے سپند
اک اک جواں کو پیرِ فلک نے کیا پسند
اِک اک جواں جریدۂ عالم میں فرد تھا

کم سن کئی جو لڑکے تھے اُن سب کا تھا یہ حال
ابرو کشیدہ چھوٹے ہوئے گیسوؤں کے بال
مطلب یہ اُن کا تھا کہ ابھی سب کنارے ہوں
چہرے خوشی سے جنگ کی جوں گُل تھے لال لال
رخسارے ماہِ چاردہم کہیئے بے زوال
میدانِ جنگ میں ہمیں پہلے اُتارے ہوں

عباسؑ نامور کی کہوں کیا شکوہ و شاں
بالا قد و سمندِ فلک سیر زیرِ راں
غازی تھا صف شکن تھا شجاعت شعار تھا
ہاتھوں میں اُس کے فوجِ حسینی کا تھا نشاں
یکتائے روزگار تھا وہ ہاشمی جواں
چہرے سے رعبِ مرتضوی آشکار تھا

گھوڑے پہ اک طرف علی اکبرؑ سا ماہ رو
دادا کا زور، خُلق چچا کا، پدر کی خو
کب یہ فروغ ہوتا ہے خورشید و ماہ میں
تصویر تھا رسولِ خدا کی وہ ہو بہو
گُل سا جمال عطر فشاں زلفِ مشک بو
روشن تھی شمعِ نورِ خدا رزم گاہ میں

قاسمؑ پہ طرفہ باغِ جوانی کی تھی بہار
آنکھیں وہ جن پہ کیجئے نرگس کو بھی نثار
بے وجہ منہ نہ سُرخ تھا اُس جاں فروش کا
سنبل سی زلفیں سرو سا قد پھول سے عذار
نازک لب اس قدر رگِ گُل جن کے آگے خار
لختِ جگر تھا وہ حسنؑ سبز پوش کا

تھے کس شکوہ سے پسرِ زینبؑ حزیں
اک جانب یسار تھا اک جانب یمیں
انصار کہتے تھے شہِ گردوں جناب کے
اُس آفتابِ دیں کی ہو توصیف کیا رقم
مقبولِ حق امامِ زماں شافعِ اُمم
لب خشک شکرِ حق سے مگر تر زبان تھی
اس وقت شہ سے حضرتِ عباسؑ نے کہا
ہر ایک چاہتا ہے کہ پہلے ہوں میں فدا
فرمایا حق جلّ و علےٰ بس کفیل ہے
تم اُن کے سامنے جو صف آرا ہوئے تو کیا
لیکن مجھے تو آج ہے مرنے سے مدّعا
پیچھے رہیں گے یا قدم آگے بڑھائیں گے
یہ سُن کے باندھی فوجِ حسینی نے اپنی صف
اعدا نے جوڑے تیر کمانوں میں اس طرف
یہ ماجرا جو دیکھا تو حُر کو قلق ہوا
مل مل کے ہاتھ کہتا تھا نادم ہوں میں کمال
کیوں روکا میں نے آہ کدھر تھا مرا خیال
روکے سے میرے جا نہ سکا سبطِ مصطفےٰؐ
یہ دل میں اپنے کہتا گیا وہ عمر کے پاس
حُر نے دیا جواب ذرا دل میں کر قیاس
وہ کون ہے رسول کا، جس سے لڑائی ہے
کھینچیں ہیں کیوں کمانیں یہ کس پر چلیں گے تیر
فرزندِ مرتضےٰ ہے وہ عالم کا دستگیر
اس پر ستم نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو

شدّت سے پیار کرتے تھے اُن کو امامِ دیں
حضرت کے منہ کو تکتے تھے وہ دونوں مہ جبیں
دو چاند پہلوؤں میں ہیں اک آفتاب کے
کانِ سخا و بحرِ عطا مخزنِ کرم
بیکس غریب حاملِ رنج و غم و الم
زینبؑ کا تھا خیال سکینہؑ میں جان تھی
ترتیبِ فوج کے لئے ہوتا ہے حکم کیا
یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے شاہِ کربلا
کیا صف کشی کروں مرا لشکر قلیل ہے
یاں سو جواں نہیں ہیں اُدھر ہیں ہزارہا
جس طرح چاہو باندھ لو میدان میں پرا
سب آگے پیچھے ایک ہی منزل پہ جائیں گے
استادہ بیچ میں ہوا ابنِ شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے اِدھر کر دیا ہدف
سینے میں دل اُچھلنے لگا رنگ فق ہوا
تدبیر کیا کروں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
شہ کو ستمگروں سے رہائی ہے اب محال
میرے سبب بلا میں پھنسا سبطِ مصطفےٰؐ
اُس نے کہا کہ کس لئے اتنا ہے بے حواس
ہے کچھ بھی مصطفےٰؐ و بتولؑ و علیؑ کا پاس
جی میں ذرا سمجھ۔ کہ یہ کس سے لڑائی ہے
زخمی محمدؐ عربی ہوگا اے امیر
بنتِ رسولِ پاک کا اُس نے پیا ہے شیر
مارا اُسے تو جان کہ مارا رسولؐ کو

تب اُس لعیں نے چیں بہ جبیں ہو کے یہ کہا
اے حر! ہمارا دوست ہے تو یا حسینؑ کا
کیوں روکتا جو ہوتا نہ دشمن امام کا
روکا تھا ہیں نے اُس شہِ عالی ہمم کو جب
پانی کا کوسوں نام نہ تھا مضطرب تھے سب
دریائے فیضِ ساقیٔ کوثر دکھا دیا
ہرگز نہ قحطِ آب کا گزرا اُسے خیال
واللہ بحرِ جود و سخا ہے نبیؐ کی آل
وہ پانی ساتھ ہوتا جو اُس حق شناس کے
احسان یہ نہ بھولوں گا جب تک ہے دم میں دم
واں حُر کا یہ کلام تھا اور یاں بہ چشمِ نم
حُر مانگتا ہے اذن عمر سے لڑائی کا
شہ مسکرا کے کہنے لگے اے پدر کی جاں
ان دشمنوں میں دوست مرا ہے یہی جواں
گمراہ آگے تھا وہ پر اب رو براہ ہے
پر ابنِ سعد اُس کی نہیں ماننے کا بات
مت روکنا ہے خاطرِ مہمان زواجبات
کمتی تھی بس اسی کی ہماری سپاہ میں
فرماتے تھے یہ شاہ کہ اُٹھی زمیں سے گرد
سمجھے رفیقِ شہ کوئی آیا پئے نبرد
دیکھا تو کہتا آتا ہے کوئی پناہ دو
اکبرؑ نے دی صدا کوئی ہونا نہ سدِ راہ
حُر اُترا اپنے گھوڑے سے مابینِ رزم گاہ
دل اُس جری کا دولتِ دنیا سے ہٹ گیا

حاکم سے جو بغی ہو تجھے کام اُس سے کیا
اُس نے کہا جو کلمۂ حق تھا سو کہہ دیا
احسان مند ہوں مگر اُس تشنہ کام کا
اس دن تھا میں بھی اور مرا لشکر بھی تشنہ لب
اونٹوں سے چھاگلوں کو اُتار اس سخی نے تب
گھوڑوں سمیت پیاسوں کو پانی پلا دیا
سوچا نہ یہ کہ ساتھ ہیں اطفالِ خُرد سال
ایسے سخی سے ہو مجھے کیونکر نہ انفعال
بچے تڑپتے خیمے میں کیوں مارے پیاس کے
بے جرم و بے گناہ ہے وہ صاحبِ کرم
اکبرؑ یہ شہ سے کہتے تھے اے شافعِ اُمم!
بندے کو اس سے حکم ہو تیغ آزمائی کا
حُر کی طرف سے کیجیو ہرگز نہ یہ گماں
کرتا ہے وہ عمر سے فضائل مرے بیاں
حُر سے بدی نہ ہوگی مرا خیر خواہ ہے
آئے گا میرے پاس اُدھر سے وہ خوش صفات
دشمن سمجھ کے کوئی اُٹھاوے نہ اُس پہ ہات
پہلے شہید ہوگا یہی حق کی راہ میں
دہشت سے ہو گیا رُخِ مہرِ سپہر زرد
پھر ستیز ہو گیا آمادہ فرد فرد
سبطِ رسولؐ تک مجھے جانے کی راہ دو
پاسِ ادب سے رہ گئے ششدر رفیقِ شاہ
سر کو جھکائے ہاتھوں کو باندھے باشک و آہ
قدموں سے ذوالجناح کے آ کر لپٹ گیا

آنکھیں سُموں سے ملتا تھا رو رو کے بار بار
کہتا تھا اے شفیعِ دو عالم کے یادگار
تقصیر وار ہے یہ غلامِ سیاہ کار
تعزیر میں ہے بندے کی آقا کو اختیار
جو دیجئے سزا وہ مرے حق میں بد نہیں
ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جس کی حد نہیں

پر ہیں کریم ابنِ کریم آپ بے گماں
ہادی و بندہ پرور و آقائے دو جہاں
اے شاہ جرم پوش و خطا بخشِ عاصیاں
بخشا نہ آپ نے تو ٹھکانا مرا کہاں
اس آستاں بغیر نہیں جاں پناہ کی
توبہ قبول کیجئے اس روسیاہ کی

حر سے یہ سُن کے رونے لگے شاہِ کربلا
آئی جنابِ فاطمہ زہراؑ کی یہ صدا
مادر ترے نثار ہوا اے ابنِ مرتضےٰؑ
حر ہے تمھارے گھوڑے کے قدموں پہ لوٹتا
یہ تو میں جانتی ہوں کہ تم اُس سے صاف ہو
صدقے گئی قصور اب اُس کا معاف ہو

ماں کی صدا یہ سُن کے ہوئے شاہ بے قرار
گھوڑے سے جلد کود پڑے روئے زار زار
حر کو اُٹھایا خاک سے اللہ رے افتخار
چھاتی لگا لگا کے کیا خوب اُس کو پیار
فرمایا اب خوشی ہو عبث تو ملول ہے
واللہ پیشِ حق تری توبہ قبول ہے

اے حر خدائے عزّ و جل کی مجھے قسم
تیرا ہی انتظار میں کرتا تھا دم بہ دم
گنتی میں میری فوج کی تھا ایک تو ہی کم
پہلے سے تیرا نام شہیدوں میں تھا رقم
یوں شاد ہو کہ تجھ سے ہم اے باوفا ملے
بچھڑا ہوا عزیز کوئی جیسے آ ملے

یہ مرتبہ جو حُر کا ہر اک پر عیاں ہوا
مہمانِ شہ سے ہم بغل اک اک جواں ہوا
رتبہ یہ اپنا دیکھ کے حرؔ شادماں ہوا
تحسیں کا غل زمین سے تا آسماں ہوا
سب کہتے تھے یہ شخص عجب خوش نصیب ہے
دوزخ اب اس سے دور ہے جنت قریب ہے

قسمت نے اس کو راہِ ضلالت سے دی نجات
بے فضلِ حق کسی کو نہیں سوجھتی یہ بات
اب دامنِ حسینؑ ہے اور اس جواں کا ہات
مارا بھی گر گیا تو ابد تک ملی حیات
عزت دوچند کیوں نہ ہو اس خیر خواہ کی
اُس نے تو دل میں فاطمہؑ زہرا کے راہ لی

اللہ رے اس جواں کے نصیبے کی یاوری
اصحابِ مصطفےٰؐ سے ہوئی اس کو ہمسری
دینداری اختیار کی چھوڑی ستمگری
آ کر ہوا شریک جوانانِ حیدری
عصیاں سے پاک خطِ عمل یک قلم ہوا
نام اس کا دفترِ شہدا میں رقم ہوا

یوں اُس طرف سے آیا اِدھر وہ نکو سرشت
جتنے کئے تھے آج تلک اُس نے فعلِ زشت
پرسش نہ ہو گی حشر کے دن بے حساب ہے
کیونکر نہ ایسے شخص کا عالی ہو مرتبا
قسمت سے مل گیا اسے آقا حسینؑ سا
واللہ اس کو خوبیِ اعمال کہتے ہیں ؛

کل تک تو تھا یہ داخلِ افواجِ روسیاہ
یوں نکلا یہ خسوف سے جس طرح نکلے ماہ
ذی ہوش تھا سمجھ کے خطا و صواب کو
طالع نے خوابِ زشت سے اس کو جگا دیا
اقبال نے بہشت کا رستہ بتا دیا
جو راہِ راست تھی قدم اُس راہ پر گئے

یہ ہے وہی، ہوا تھا جو حضرت کا سدِّ راہ
سرزد ہوا تھا اس سے عجب طرح کا گناہ
لُطف و کرم ہے بات نہیں کچھ ملال کی
کچھ دل میں اس کے ردّ و بدل کا نہیں خیال
قلبِ امام صاف ہے آئینے کی مثال
دیں پروری تو دیکھو تم اس باوقار کی

یہ ذکر تھا فرشتوں میں بالائے آسماں
مطلب بر آئے سب مرے لے سترِ زباں !
کوئی ابھی نہ مستعدِ کارزار ہو
شہ نے کہا کہ حُر ابھی رخصت کا لے نہ نام
پر ہم تو تین دن سے ہیں بے آب بے طعام
ہرگز تسلّی جینے سے سیری نہ ہوئے گی

دوزخ سے جس طرح کوئی جائے سوئے بہشت
وہ سب صواب ہو گئے اللہ سرنوشت
ذرّے سے کم تھا کل مگر آج آفتاب ہے
عاشق ہوا یہ اُس کا جو ہے عاشقِ خدا
ورنہ کجا یہ اور پسرِ فاطمہؑ کجا
بخت اس کو کہتے ہیں اُسے اقبال کہتے ہیں

توفیق بنک آج ہوئی اس کی خضرِ راہ
خورشیدِ دیں کے سایۂ دامن میں لی پناہ
تھاما سوارِ دوشِ نبیؐ کی رکاب کو
دل نے نفاقِ کفر کا پردہ اُٹھا دیا
آنکھوں نے جلوہ نورِ خدا کا دکھا دیا
کام اُس کے جتنے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے

مظلومیِ امام پہ کی تھی نہ کچھ نگاہ
آیا ہے بہرِ معذرت اب یہ حضورِ شاہ
دیکھی رحیمی فاطمہ زہراؑ کے لال کی !
مانندِ گل شگفتہ ہے زہراؑ کا نونہال
محتاج تھا مدد کا نہ یہ شاہِ خوش خصال
ہے یہ خوشی کہ راہِ خدا اختیار کی

حُر ہاتھ جوڑے شاہ سے کرتا تھا یہ بیاں
اب دو رضائے حرب تو میداں کو ہوں رواں
اِن قدموں پر غلام ہی پہلے نثار ہو
مہماں ہے کر غریبوں کے گھر کوئی دن مقام
کی عرض حُر نے پاؤں پہ گر گر کہ یا امام !
بے زخم کھائے اب مجھے سیری نہ ہوئے گی

منّت جو حرؑ نے کی بہت آنسو بہا بہا
فضّہؑ نے آکے اتنے میں حضرتؑ سے یہ کہا
پوچھا ہے یہ کہ بھائی جُدا کس سے ہوتے ہیں
یہ سُن کے حرؑ کو خیمے کی ڈیوڑھی پہ لائے شاہ
بھیجا وہ حُرؑ ہوا تھا ہمارا جو سدِّراہ
غازی ہے حق پرست ہے اور باتمیز ہے
ڈیوڑھی پہ ہاتھ جوڑے کھڑا ہے وہ جنتی
بنتِ نبیؐ نے اس کی سفارش ہو مجھ سے کی
دونوں جہاں میں مرتبہ اس کا زیادہ ہو
جو ہے تمہارا دوست وہ ہے مجتبیٰؑ کا دوست
جو مرتضےٰؑ کا دوست ہے وہ مصطفےٰؐ کا دوست
راضی ہوئے علیؑ سۂ لولاک خوش ہوئے
حُرؑ نے سُنا یہ حضرتِ زینبؑ کا جب کلام
فضّہؑ سے تب یہ کہنے لگی خواہر امام
بھائی شریک تو جو ہوا میرے بھائی کا
آنے سے تیرے شاد تو ہوں پر ہے ایک غم
بچّوں کے مارے پیاس کے دم میں نہیں ہے دم
یہ بیکسوں پہ ظلم، خدا کا بھی ڈر نہیں
یہ سُن کے حُرؑ کی آنکھوں سے آنسو ہوئے رواں
کہنے لگے کہ کیا کہوں اے میرے میہماں
اس کی بھی مارے پیاس کے حالت تباہ ہے
اصغرؑ کا حال حُرؑ سے یہ کہتے تھے شاہِ دیں
بابا مرا بھی حال کہا حُرؑ سے یا نہیں
عاشق ہوں اس کا میں یہ بہت تشنہ کام ہے

رُوئے گلے لگا کے اُسے شاہ کربلا
در پہ کھڑی ہیں حضرتِ زینبؑ برہنہ پا
یہ کون ہے کہ جس سے گلے لگ کے روتے ہیں
زینبؑ سے جا کے کہنے لگے یوں باشک و آہ
آیا ہے اب مدد کے لئے ہو کے عذرخواہ
وہ مجھ کو بھائیوں سے زیادہ عزیز ہے
اُمیدوارِ عفوِ جرائم ہے تم سے بھی
تب شاد ہو کے کہنے لگی دخترِ علیؑ
میں اُس سے شاد ہوں مرا اللہ شاد ہو
جو مجتبیٰؑ کا دوست ہے وہ مرتضےٰؑ کا دوست
جو مصطفےٰؐ کا دوست ہے وہ ہے خدا کا دوست
حُرؑ سے خدا و پنجتنِ پاک خوش ہوئے
یوں عرض کی کہ بندگی کرتا ہے یہ غلام
تو حُرؑ سے جا کے بعدِ دُعا کہہ مرا پیام
دل تجھ سے شاد ہو گیا زہراؑ کی جائی کا
مہمانی کیا کریں کہ ہیں محجوب تجھ سے ہم
پانی بھی تین روز سے پہونچا نہیں بہم
مہماں ہیں جن کے اُن کو ہماری خبر نہیں
اصغرؑ کو لائے گود میں تب سرورِ زماں
ہم سب تو اک طرف یہ جو بچّہ ہے نیم جاں
میں کشتنی ہوں یہ تو بھلا بے گناہ ہے
جو دی سکینہؑ نے یہ صدا بادلِ حزیں
پوچھا جو اُس نے بولا یہ زہراؑ کا نازنیں
اے حُرؑ! سکینہؑ اس مری بیٹی کا نام ہے

حُر نے کہا کہ اب نہیں میرے جگر میں تاب
رَن کی بس اب غلام کو رخصت ملے شتاب
مقبول حق ہے کون تری عرض رد کرے
یہ مژدہ سُن کے شاد ہوا حُر نام دار
روئے امام بی بیاں بھی روئیں زار زار
لاکھوں تھے پر بجا نہ کسی کے حواس تھے
اللہ رے اُس دلیر کی فرّ و شکوہ و شان
کہتا تھا کوئی حُر سے مشابہ ہے یہ جواں
کیا اس قدر فروغ تھا اُس کے جمال کا
یہ شور سُن کے فوج سے حُر نے کیا کلام
آقا مرا حسینؑ ہے حُر ہے مرا ہی نام
بے وجہ حُسن کا نہیں رُخ پر ظہور ہے
اور دوسرا سبب یہ ہے اے قوم بے وفا
: اللہ ابنِ فاطمہؑ ہے نورِ کبریا
معمور نورِ حق سے مرا سینہ ہو گیا
یہ سُن کے ابنِ سعد پکارا بصد ہراس
حُر نے دیا جواب کہ اے مردِ بے حواس
کرتا ہے دشمنی تو جنابِ بتولؑ سے :
واللہ گوشوارۂ عرشِ خدا ہے وہ
ریحانۂ ریاضِ شہِ لافتا ہے وہ
مختار ہے جو روضۂ دارالسّلام کا
ہے تجھ کو کر دیا طمعِ دینوی نے کور
ہوئے گا پاس غیرِ ندامت نہ زر نہ زور
اب کیا بروزِ پُرسشِ اعمال دیکھیو

اس صبر کے نثار میں اے ابنِ بوتراب
ناچار ہو کے شاہ نے اُس کو دیا جواب
جا بھائی! تیری خالقِ عالم مدد کرے
حضرت کے گرد پھر کے ہوا گھوڑے پر سوار
پہونچا وہ مثلِ شیر بہ میدانِ کارزار
آمد کو اس کی دیکھ کے سب باہراس تھے
ہیبت سے جس کی فوج میں تھا شور الاماں
بولا کوئی یہ شخص کہاں اور حُر کہاں
یہ تو کوئی عزیز ہے زہراؑ کے لال کا
مت سمجھو تم عزیز میں ہوں شاہ کا غلام
صورت پہ میری کیوں تمھیں حیرت کا ہے مقام
اے ساکنانِ شام یہ ایماں کا نور ہے
منھ اپنا میں نے شاہ کے قدموں پہ ہے ملا
برتر ہو کیوں نہ اس کے غلاموں کا مرتبا
تاثیرِ خاکِ پا سے دل آئینہ ہو گیا
دشمن سے مل گیا نہ کیا کچھ نمک کا پاس
رکھتے ہیں پاسِ دیں کو مقدم خدا شناس
فاسق کے بدلے لڑتا ہے سبطِ رسولؐ سے
لاریب پارۂ جگرِ مصطفےؐ ہے وہ
نورِ دو چشم حضرتِ خیر النساؑ ہے وہ
پاسِ یزید کرتا کہ پاس اُس امام کا
کھل جائے گا غرورِ تکبر میانِ گور
پاسِ نمک نہ کرنے کا میرے عبث ہے شور
میرا بھی رُتبہ اپنا بھی تو حال دیکھیو

یہ سُنتے ہی عمر نے کیا فوج سے خطاب
ہاں پہلے مار ڈالو اسے گھیر کر شتاب
چمکا کے حُر نے گھوڑے کو اپنے دیا جواب
تو ہی نکل کے مجھ سے لڑ اے خانماں خراب
تا دیکھیں یہ بھی تیغیں جو مجھ پر پکڑتے ہیں
شبیر کے غلام بھی کس طرح لڑتے ہیں

یہ کہہ کے حملہ ور ہوا جوں شیرِ خشم ناک
کتنوں کو مارا خوف سے کتنے ہوئے ہلاک
زخمی ہو لوٹنے لگے کتنے بروئے خاک
کتنے جو تیر مارتے تھے اُس کو تاک تاک
وہ مضطرب تھے خوف سے یہ اپنی جانوں کے
دہشت سے کھینچ نہ سکتے تھے چلّے کمانوں کے

تلوار کھینچے شیر سا جاتا تھا جس طرف
ہو جاتی تھی اُدھر کی پراگندہ صف کی صف
نعرہ ہر ایک وار پہ تھا یا شہِ نجف!
فرماتا تھا یہ حیدرِ کرار کا خلف
تحسیں کا آسمان و زمیں پر خروش ہے
مہماں کو میرے آج شجاعت کا جوش ہے

یاں تو بیاں یہ کرتے تھے حضرت بچشمِ نم
واں اُس جری پہ ٹوٹ پڑا لشکرِ ستم
اُس نے بھی سر بدن سے کئے سیکڑوں قلم
پر آپ بھی وہ زخمی ہوا سر سے تا قدم
باران تیر ظلم سے سب جسم چھن گیا
جانباز کا سمند بھی طاؤس بن گیا

رگ رگ سے حُر کی چھٹنے لگی جب لہو کی دھار
غش میں جھکا وہ گھوڑے کی گردن پہ ایک بار
نیزہ کسی نے آکے جو مارا قضائے کار
تب یا حسینؑ کہہ کے گرا حُرِّ نامدار
یہ سُن کے ابرِ غم دلِ سرور پہ چھا گیا
اک آہ کی کہ عرشِ خدا تھرتھرا گیا

رہوار سے اُتر کے چلے مضطر و حزیں
رکھا زمیں پہ پاؤں کہیں اور پڑا کہیں
اکبرؑ نے دوڑ کر یہ کہا یا امامِ دیں!
جانا مناسب آپ کا اس فوج میں نہیں
تنہا حضور جائیں نہ حُر کی تلاش کو
ہو حکم تو غلام اُٹھا لائے لاش کو

شہ نے کہا کہ تم مجھے روکو نہ میری جاں
میرے لئے شہید ہوا میرا میہماں
ملتا ہے دوست خلق میں اس طرح کا کہاں
میرے بغیر اور نہیں کوئی اُس کا یاں
رخصت کو اُس غریب کی جانا ضرور ہے
مہماں کو گلے سے لگانا ضرور ہے

بیٹا۔ میں کیا بیان کروں حُر کا مرتبا
لاشے پہ اُس کے آئے ہیں پیغمبرؐ خدا
رو رو گلے لگاتے ہیں شفقت سے مرتضا
ہمت کی اس کے کرتے ہیں تعریف مجتبا
عزت یہ کس شہید کی دنیا میں ہوتی ہے
ماں میری حُر کے واسطے مقتل میں روتی ہے

یہ کہہ کے لاش پر گئے حُر کی بہ چشم تر
وہ زخمی لوٹتا تھا پڑا ریگِ گرم پر
اُس سے لپٹ کے رونے لگے شاہِ بحر و بر
زانو پہ اپنے رکھ لیا شفقت سے اس کا سر
تہہ جم گئی تھی چہرے پہ اُس کے . جو خاک کی
حضرت نے آستینِ مبارک سے پاک کی

مُنھ اس کا دیکھ دیکھ کے اس طرح روتے تھے
روتا ہے جس طرح کوئی فرزند کے لیے
اشکِ امام حُر کے جو رخسار پر گرے
تب اُس نے آنکھیں کھول کے کی عرض شاہ سے
آغوش میں لئے ہوئے حضرت جو روتے ہیں
واللہ ٹکڑے میرے کلیجے کے ہوتے ہیں

اس بندہ پروری پہ ہوں سو جان سے میں فدا
شفقت وہ مجھ پہ کی کہ نہیں جس کی انتہا
تشریف لائے آپ خوشا میرا مرتبا
ممتاز اس غلام کو کونین میں کیا
لغزش میں تھا قدم مرا لیکن سنبھل گیا
بیڑا مرا تباہی سے باہر نکل گیا

زخمی ہوں تیغ و تیر سے میں سر سے تا قدم
کس طرح اُٹھ کے گرد پھروں یا شہِ اُمم
کہنے لگے یہ تب شہِ بے کس بہ چشم نم
واللہ تو تو زخمی ہے اور ہے مجھے الم
کوئی نہ بچ رہے گا حسینی سپاہ میں
ہم سب شریک درد ہیں خالق کی راہ میں

مجروح جس طرح سے ہوا ہے ترا بدن
تلواریں یوں ہی کھائے گا لختِ دلِ حسنؑ
جس طرح ہاتھ کٹ گئے ہیں تیرے تیغ زن
بے دست یونہی ہوئے گا عباسؑ صف شکن
زخمِ سناں ہے تیرے دلِ دردناک پر
زخمی ہو یونہی تڑپے گا اکبرؑ بھی خاک پر

جس طرح تیرِ ظلم ہے تیرے گلے کے پار
مجروح یونہی ہوگا مرا طفلِ شیرخوار
بعد اُس کے مجھ کو زخمی کریں گے ستم شعار
جس دم گروں گا گھوڑے سے با جسمِ زخم دار
کوئی برچھی مارے گا کوئی تلوار مارے گا
چھاتی پہ چڑھ کے شمر مرا سر اُتارے گا

زخمی جو تو ہوا تو میں آیا ترے قریں
آغوش میں لیا تجھے با خاطرِ حزیں
زانو پہ تیرا سر رکھا اے حُر بایقیں
لیکن چلے گی جب مری گردن پہ تیغِ کیں
جُز یاس و بے کسی نہ کوئی پاس ہوئے گا
زانو پہ رکھ کے سر کو مرے کون روئے گا

ہوئے گا سوئے خلد رواں جب تو نیک نام
لے جاؤں گا میں لاش تری تا درِ خیام
پر اپنی بیکسی کا کہوں کیا میں تشنہ کام
روندیں گے میری لاش کو گھوڑوں سے اہلِ شام
بعدِ فنا بھی ہوئیں گے رنج و محن مجھے
چالیس دن تلک نہ ملے گا کفن مجھے

شہ نے جو حُر سے اپنی مصیبت یہ کی بیاں
اُس باوفا کی آنکھ سے آنسو ہوئے رواں
قدموں سے شہ کے ملنے لگا چشم خوں فشاں
ہچکی جو آئی موت کی غازی کو ناگہاں
آنکھیں پھرائیں زیست کا نقشہ بدل گیا
حسرت سے دیکھا شاہ کو اور دم نکل گیا

جس بیکسی سے روتے تھے حُر کو شہِ اُمم
کس دل میں تاب ہے جو بیاں کر سکے وہ غم
دریا اگر مداد اور اشجار ہوں قلم
یہ غم وہ ہے انیس کہ ہرگز نہ ہو رقم
کیا کچھ نہ لکھتے جائیں گے کیا کچھ کہا نہیں
سچ ہے غمِ حسینؑ کی کچھ انتہا نہیں

سلام

غمِ شہ کا گر داغ دل پر رہے
سلامی لحد میں منوّر رہے

اک افسانۂ بیکسی رہ گیا
نہ قاتل رہا اور نہ سرور رہے

پسر گو تھے زینبؑ کے چھوٹے بڑے
لڑائی میں دونوں برابر رہے

جنازہ اُٹھانا ہے احباب کو
مناسب ہے گر جسم لاغر رہے

چڑھائیں عدو اُس کو نیزے پہ آہ
محمدؐ کے زانو پہ جو سر رہے

کبھی لاش اُٹھائی کبھی رو دیے
اسی شغل میں شاہ دن بھر رہے

نہ پھیلائیو ہاتھ ہرگز انیس
فقیری میں بھی دل تونگر رہے

۱۷

مرثیہ

بند ۱۴۳

جب رات عبادت میں بسر کی شہِ دیں نے — سجدوں میں مہم عشق کی سر کی شہِ دیں نے
دیکھا جو سپیدی کو سحر کی شہِ دیں نے — مڑ کر رخِ اکبرؑ پہ نظر کی شہِ دیں نے
فرمایا سحر قتل کی ظاہر ہوئی بیٹا — لو اٹھ کے اذاں دو کہ شب آخر ہوئی بیٹا

سجدوں سے نمازوں سے یہ رخصت کی سحر ہے — رونے کی تذلل کی عبادت کی سحر ہے
پیارے یہ سحر رنج و مصیبت کی سحر ہے — عاشورِ محرم ہے شہادت کی سحر ہے
لٹنے کا تباہی کا پریشانی کا دن ہے — اولادِ پیمبرؐ کی یہ قربانی کا دن ہے

دنیا میں ازل سے سحر ایسی نہیں آئی — یہ صبح دکھائے گی بھرے گھر کی صفائی
دولت نہ رہے گی نہ بضاعت نہ کمائی — بیٹے سے جدا ہوگا پدر بھائی سے بھائی
آج احمدؐ و حیدرؑ کے گریبان پھٹیں گے — اٹھارہ بنی فاطمہؑ کے حلق کٹیں گے

بندہ ہے وہ جو دکھ میں رہے صابر و شاکر — اک جان ہے سو موجود ہے اک سر ہے سو حاضر
بہتر ہے اٹھے جتنا سبک بار مسافر — یہ مرحلۂ عمر کی ہے منزلِ آخر
خلقت ہمیں سر پیٹ کے روئے گی جہاں میں — اب صبح کوئی ہم کو نہ ہوئے گی جہاں میں

جو اہلِ حرم پردۂ عصمت میں ہیں مستور — کھل جائیں گے انبوہ میں ان کے سرِ پرنور
مسکن سے نئی رانڈ نہ نکلے یہ ہے دستور — ان رانڈوں کا خیمہ بھی جلا دیں گے یہ مقہور
غش ہوگی کبھی اور کبھی اشتر سے گرے گی — زہراؑ کی بہو شام میں سر ننگے پھرے گی

مرتا ہے پدر جس کا اسے دیتے ہیں پرسا — ہوئے گی یتیموں پہ مرے قید کی ایذا
آزار میں عابد پہ ستم ہوئیں گے کیا کیا — لے جائیں گے تا شام اسے کانٹوں پہ اعدا
اک حشر بپا تخت میں اور طوق میں ہوگا — بیڑی میں قدم ہوں گے گلا طوق میں ہوگا

یہ کہہ کے بڑھے بہرِ تیمم شہِ صفدر
جنگل میں اذاں دینے لگا دلبرِ سرور
وہ صوت حسن اور وہ خوش الحانی اکبر
ہر شخص کو یاد آگئی آوازِ پیمبر
ہر نخل کو اک وجد تھا اس ظلم کے بن میں
تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن میں

اکبر کی صدا سنتے ہی زینب یہ پکاری
تا حشر رہے خلق میں آواز تمھاری
قربان موذن کے نمازی کے میں واری
قائم یہ جماعت رہے یا حضرتِ باری
ہر شام یونہی طاعتِ معبود ادا ہو
ہر صبح کو اس دین کے ڈنکے کی صدا ہو

آگے تھے عبا اوڑھے ہوئے شاہِ حجازی
پیچھے تھے صفیں باندھے ہوئے سارے نمازی
ابرارِ جہاں فخرِ زماں صفدر و غازی
تھی اُن پہ خدا کو نظرِ بندہ نوازی
دُنیا میں یہ رُتبے نہ کبھی ہوں گے کسی کے
معراج میں تھے ساتھ حسین ابنِ علی کے

وہ چاند سے چہرے وہ سپید اُن کی عبائیں
وہ خشک زبانوں پہ اثردار دُعائیں
لہجے وہ عرب کے وہ خوش انداز صدائیں
مشتاق تھیں حوریں کہ یہ جلدی ادھر آئیں
اک جوشِ محبت اُنھیں دکھلاتا تھا کوثر
کیا رب کی ملاقات پہ لہراتا تھا کوثر

تسبیح و وظائف سے ہوئی جب کہ فراغت
حضرت نے پڑھی اُٹھ کے محمد کی زیارت
بس ہوگئی اک مجلسِ ماتم وہ جماعت
فرما کے یہ اُن سب سے گئے خیمے میں حضرت
باہر علمِ فوجِ خدا لاتے ہیں جلدی
سب لوگ مسلح ہوں کہ ہم آتے ہیں جلدی

یاں لشکرِ اسلام مسلح ہوا سارا
واں کفر کی فوجیں ہوئیں میداں میں صف آرا
تھا رانڈوں کے حلقے میں یداللہ کا پیارا
چلاتی تھیں سب ہائے مددگار ہمارا
پہلو سے پدر کے نہ سرکتی تھی سکینہ
لپٹی ہوئی دامن سے بلکتی تھی سکینہ

رخصت ہوئے رانڈوں سے جو شبیر بصد یاس
کاندھے پہ علم رکھ کے بڑھے حضرت عباس
مولا کے جگر بند مسلح تھے چپ و راس
وہ رنگ وہ گلدستۂ شبیر کی بو باس
ڈوبا تھا بدن عطر میں ایک ایک حسین کا
پروا جو اُٹھا کھل گیا در خلدِ بریں کا

گھوڑوں کو اڑاتے ہوئے پہنچے جو وہ صفدر
تھرا گیا مقتل میں ستمگاروں کا لشکر
ہر چند وہ دو لاکھ جواں تھے یہ بہتر
تھا رعبِ حق ایسا کہ صفیں ہوگئیں ابتر
اس فوج کا مالک پسرِ شاہِ نجف تھا
کثرت تو اُدھر تھی پہ خدا اُن کی طرف تھا

چلّوں سے ملاتے تھے جو ناوک قدر انداز ہنستے تھے اُدھر چھاتیاں تانے ہوئے جانباز
تھا عشقِ جگر گوشۂ زہرا پہ اُنھیں ناز غل تھا کہ زہے فوج زہے شاہِ سرافراز
پہلو سے جُدا سرورِ نامی کے نہ ہوں گے باہر کبھی حلقے سے غلامی کے نہ ہوں گے

ناگاہ جفا کیشوں کی جانب سے چلے تیر شہ کے رفقا ہو گئے سب دست بہ شمشیر
گھبرا کے بڑھے چند قدم حضرتِ شبیرؑ فرمایا کہ کیا ظلم ہے اے فرقۂ بے پیر
للّٰہ کرو پاس رسولِؐ عربی کا آخر میں نواسا ہوں تمھارے ہی نبیؐ کا

مہماں کو لگاتا ہے کوئی تیر بتا دو سرزد ہوئی ہے کون سی تقصیر بتا دو
کس امر پہ مُجرم ہوا شبیرؑ بتا دو شر رفع ہو ایسی کوئی تدبیر بتا دو
روئے گی اگر بنتِ نبیؐ عرش ہلے گا بربادیٔ سادات سے کیا تم کو ملے گا

بے کس جو ہو چین اہلِ جہاں دیتے ہیں اُس کو گھر چھوڑ کے جو آئے اماں دیتے ہیں اُس کو
لب تشنہ جو ہو آبِ رواں دیتے ہیں اُس کو طالب جو اماں کا ہو اماں دیتے ہیں اُس کو
مہماں سے یوں ترکِ مروّت نہیں کرتے تم لوگ تو خالی بھی محبّت نہیں کرتے

کھانے کا نہ خواہاں ہوں نہ پانی کا طلبگار کیا وجہ کہ تم سب ہو مرے درپئے آزار
یہ اُس پہ تعدی جو بلا میں ہو گرفتار حاجی بھی ہوں اور قبرِ نبیؐ کا بھی ہوں زوار
ماتم ہے بپا آلِ رسولِؐ مدنی میں پانی کو ترستا ہوں غریب الوطنی میں

بچّوں کے تڑپنے کو گوارا کیا میں نے اس گرمی میں دریا سے کنارا کیا میں نے
دُکھ درد میں کیا پاس تمھارا کیا میں نے کچھ اپنے نہ آرام کا چارا کیا میں نے
صابر ہوں نظر جانبِ دریا نہیں کرتا دو روز کا پیاسا ہوں پہ شکوا نہیں کرتا

یہ سُن کے پکارا پسرِ سعدِ جفا کار بے سود یہ تقریر ہے یا سیّدِ ابرار
ہم حکم سے حاکم کے نہیں پھرنے کے زنہار بیعت نہیں منظور تو پھر کھینچیے تلوار
جلّادوں سے خواہانِ اماں قبلۂ دیں ہیں اس جنگ میں یا ہم نہیں یا آپ نہیں ہیں

حضرت نے کہا خیر خوشی جس میں تمھاری کچھ جنگ سے فرزندِ پیمبر نہیں عاری
ہاں بے کس و بے پر تو ہوں اے فرقۂ ناری پر لے گا مرے خوں کا عوض حضرتِ باری
اللہ نے چاہا تو کبھی شاد نہ ہو گے بستی کو مری لوٹ کے آباد نہ ہو گے

اعدا سے یہ کہہ کر جو پھرے سیدِ خوش خو
یوں تو نہ رہا دل پہ کسی شخص کا قابو
منہ بھائی کا تکتا تھا کبھی گاہ پسر کا
کانپا جو کئی بار وہ حضرت کا فدائی
بڑھ کر کہا بھائی نے یہ کیا حال ہے بھائی
سیّد پہ جفا ہوتی ہے مر جانے کی جا ہے

شہزادہ کونین ہے وہ صاحبِ توقیر
بے کس کے لئے تیز ہیں تیغ و تبر و تیر
دو روز سے خاصانِ خدا تشنہ گلو ہیں
لڑتا ہوں تو برباد یٔ عقبیٰ ہے سراسر
دشمن ہو یزیدِ ستم آرا نہ لڑوں گر
سب خوش ہیں مری جان پہ دو دن سے بنی ہے

کیا شورہ تھی قسمت کہ ہوئے کس کے نمک خوار
کچھ غم نہیں سر جائے کہ تاراج ہو گھر بار
ہوں قول کا صادق جو کہا ہے وہ کروں گا
چہرہ مرا دفتر میں شہیدوں کے لکھا ہے
تم بھی جو نہ دو ساتھ تو پروا مجھے کیا ہے
سب جیتے ہی جی تک ہیں سوا آلِ نبی کے

بیٹے نے کہا آپ کو منظور ہے پھر کیا
ساتھ اس کا میں دوں گا کہ جو ہے بیکس و تنہا
یاں کفر ہے ایمان کی ادھر جلوہ گری ہے
بیٹے نے کہا شہ کی غلامی ہے سعادت
بھائی نے کہا کفر ہے حاکم کی اطاعت
مظلوم سے دو روز کے پیاسے سے لڑیں ہم

تھرا گئے مظلومیِ حضرت پہ جفا جو
آنکھوں سے مگر حُر کی ٹپکنے لگے آنسو
بسمل کا جو عالم ہو وہ نقشہ تھا جگر کا
ثابت ہوا بیٹے پہ کہ سردی سے تپ آئی
تب حُرِ جری نے اُسے یہ بات سُنائی
یہ خوفِ جہنم سے بدن کانپ رہا ہے

بے جُرم نبیؐ زادے کے درپے ہیں یہ بے پیر
کس طرح بچاؤں کوئی بنتی نہیں تدبیر
مظلوم کی اک جان ہے اور لاکھ عدو ہیں
قتلِ پسرِ فاطمہؑ ہے قتلِ پیمبرؐ
بچّے ہوں مصیبت میں گرفتار لُٹے گھر
مر جاؤں گلا کاٹ کے یہ دل میں ٹھنی ہے

اللہ کے محبوب کا دشمن ہے یہ غدّار
حق جس کی طرف ہے میں اُسی کا ہوں طلبگار
فرزندِ پیمبرؐ کی رفاقت میں مروں گا
بہکا ہوں مگر ابنِ علی راہ نما ہے
ہر شخص کے اعمال جُدا قبر جُدا ہے
تربت میں کوئی کام نہ آئے گا کسی کے

بُولا حُرِ دیندار کہ خوشنودیِ زہراؑ
فرزندِ نبیؐ نورِ خدا سیّدِ بطحا
چھوڑوں کا جو دے ساتھ وغا میں وہ جری ہے
آنکھوں سے چلیں گے کہ ہے یہ عین عبادت
کچھ ڈر نہیں بس آج سے کی ترک رفاقت
کیا خوب محمدؐ کے نواسے سے لڑیں ہم

سو سر ہوں تو زہرا کے جگر بند پہ واریں سو بیٹوں کو صدقے شہِ والا پہ اُتاریں
سو بار جئیں مر کے تو ہمت کو نہ ہاریں دنیا کے لیے بندہ مقبول کو ماریں
ہمراہیِ غدّار و بد افعال پہ لعنت دیں کھو کے جو ہاتھ آئے تو اُس مال پہ لعنت

عبدِ حُر غازی نے کہا تول کے شمشیر گر لاکھ ہوں جانیں تو نثارِ سرِ شبیرؑ
دنیا میں نہ ہوگا عمرِ سعد سا بے پیر کہیے تو کروں اس کے مٹا دینے کی تدبیر
حافظ ہے خدا زور سے تلوار کے چلیے اُس فوج میں چلیے تو اُسے مار کے چلیے

حُر نے کہا احسنت مرے عبدِ وفادار آزاد ہے دوزخ سے غلامِ شہِ ابرار
تعجیل مناسب نہیں اے صفدرِ جرّار بے توبہ ابھی تو ترا آقا ہے گنہگار
پاک اپنے گناہوں سے جو ہو لیں تو لڑیں گے پھر آگ بھی ہوئے گی تو ہم کود پڑیں گے

یہ کہہ کے گیا پاس عُمر کے وہ دلاور پوچھا ترا کیا قصد ہے اے مالکِ لشکر
بولا وہ لعیں دستِ نجس پھیر کے مُنھ پر منظور ہے تاراجیِ گلزارِ پیمبرؐ
کھولوں گا کمر لوٹ کے گھر سبطِ نبیؐ کا بچّہ بھی نہ چھوڑوں گا حسینؑ ابنِ علیؑ کا

ہیں جمع پئے دعوتِ فرزندِ پیمبرؐ یہ تیر یہ نیزے - یہ تبر اور یہ خنجر
بچ کر مرے ہاتھوں سے کہاں جائیں گے سرور پنجے میں ہے شیروں کے یہ سادات کا لشکر
دوڑاؤں گا گھوڑے جسدِ شاہِ اُمم پر چادر نہیں رہنے کی سرِ اہلِ حرم پر

تھرا کے کہا حُر نے کہ ڈر قہرِ خدا سے بس بس کہیں بجلی نہ گرے تجھ پہ سما سے
باز آ ستم و ظلم و تعدّی و جفا سے کیا وجہ عداوت کی غریب الغربا سے
شہزادوں سے اپنے کہیں دیندار لڑے ہیں سادات ہیں . یہ اُن کے حق اُمّت پہ بڑے ہیں

چھوڑا ہے پیمبرؐ نے امانت انھیں ہم میں روتے گئے دُنیا سے نبیؐ آل کے غم میں
اللہ رے ترحم میں خوشی ہے کہ ستم میں پتّے کے تنانے کا نہیں حکم حرم میں
سادات کے بدخواہ نہ پھولے نہ پھلیں گے چھد جائے گا دل کس کا جو تیر اُن پہ چلیں گے

بس زرد ہوا سُن کے یہ باتیں وہ سیہ رو بولا کہ مجھے کہتا ہے مردودِ خدا تو
میں خوب سمجھتا ہوں ہر اک بات کا پہلو اللہ یہ اوصاف یہ مدحِ شہِ خوش خو
جابر ہے یزید اس کا بھی کچھ خوف نہیں ہے ہیں لوگ رسالے کے کہیں آپ کہیں ہے

صالح ہو کہ طالع ہو کسی سے ہمیں کیا کام
مٹ جائے گا دفتر سے شجاعوں کے ترا نام
فرقہ یہ پیادوں کا ہے آفت نہ بپا ہو
برسوں سے ہے تو شام کے حاکم کا نمک خوار
مانا کہ حسین ابن علی ہیں شہ ابرار
جنگ احد و بدر ہیں کیا کھیت پڑے ہیں
حُر نے کہا اب مجھ کو کسی کا نہیں کچھ دھیان
زہرا کے جگر بند پہ صدقے ہے مری جان
جنّت ہے گھر اُس کا جو غلام شہ دیں ہے
شیطاں تجھے سُننے نہیں دیتا مری تقریر
دوزخ ہے یہ منصب تو جہنم ہے یہ جاگیر
گر سبط پیمبر پہ ترا زور چلے گا
سب لعن نہ دے گا کوئی دُنیا میں ترا نام
بربادی عقبیٰ ہے اس آغاز کا انجام
ناشاد و دل آزردہ و مغموم رہے گا
بیٹے نے کہا حُر سے کہ اب خلد میں چلیے
آنکھیں قدم قبلۂ کونین پہ ملیے
سامع سخن حق کا یہ مردود نہ ہو گا
بھائی نے کہا تول کے شمشیر شرربار
یہ پند بھی بے جا ہے نصیحت بھی ہے بے کار
بدخواہ جگر بند رسولِ مدنی ہے
چلّایا قریب آ کے غلام حُر غازی
ہم دوست ہیں یہ دشمن سلطان حجازی
منحوس نے بدنام کیا قوم عرب کو

طالب ہیں کہ ہاتھ آئے زر و خلعت و انعام
سکتے ہیں ہے سُن کر تری باتیں سپہ شام
دنگا ابھی لشکر میں جو ہو جائے تو کیا ہو
سرکار کا جو حکم مناسب نہیں تکرار
آ پڑتی ہے جب بات تو ہٹتے نہیں جرّار
وہ کون تھے آخر جو پیمبر سے لڑے ہیں
سیّد پہ مرا ہاتھ اُٹھے یہ نہیں امکاں
گھر شام میں لُٹ جائے پہ ضائع نہ ہو ایماں
لیتا ہوں وہ دولت کہ فنا جس میں نہیں ہے
بنیا وہ ہے سوجھے جسے انجام کی تدبیر
کھوتا ہے دو عالم سے تجھے حاکم بے پیر
تو تا بہ ابد نار جہنم میں جلے گا
کام آئے گا خلعت نہ پس از مرگ نہ انعام
بیکس کو ستا کر کبھی پائے گا نہ آرام
دُنیا کی تمتع سے بھی محروم رہے گا
ہوتی ہے بس اب دیر جہنم سے نکلیے
چل کر چمن فاطمہؑ میں پھولیے پھلیے
جاہل کو نصیحت سے کبھی سود نہ ہو گا
ہاں جہل مرکب میں یہ روبہ ہے گرفتار
عقبیٰ سے غرض کیا سگ دنیا ہے یہ غدار
یہ دشمن دیں خلق میں گردن زدنی ہے
عو عو یوں ہیں کرتا ہے یہ سگ چھیڑ کے تازی
ان آنکھوں نے دیکھی ہے بہت شعبدہ بازی
اس بوم کے سایے سے حذر چاہیے سب کو

تھے چار جواں ہاتھ میں تولے ہوئے شمشیر
سنتا رہا حر کا سخن سخت وہ بے پیر
نعرہ کیا شیروں نے کہ یا حضرت شبیر
سیدھے کئے گھوڑے کہ کمانوں سے چلے تیر
چاروں کے فرس بھر کے طرارے نکل آئے
بدلی سے چمکتے ہوئے تارے نکل آئے

اسلام کی سرحد میں جو پہونچے وہ نکوکار
رہواروں پہ چاروں نے رکھے گھٹنوں کے ہتھیار
بس باندھ کے ہاتھوں کو پکارا حر دیندار
یا عقدہ کشا یا شہ دیں یا شہ ابرار
کشتی ترے مجرم کی تباہی میں پڑی ہے
اے نوح غریباں یہ حمایت کی گھڑی ہے

مشہور دو عالم ہے تری ہمت عالی
سائل ترے در سے کوئی جاتا نہیں خالی
سر پر ہے گناہوں کی بلا چرخ نے ڈالی
توبہ کے لئے آیا ہوں اے خلق کے والی
انصار نہیں قوم و قبیلہ نہیں رکھتا
میں تیرے سوا اور وسیلہ نہیں رکھتا

مولا ستم لشکر اظلم سے بچا لے
انبوہ جنود الم و غم سے بچا لے
آقا غضب خالق عالم سے بچا لے
اے مالک فردوس جہنم سے بچا لے
یہ اہل جفا دشمن شاہ مدنی ہیں
ان سب میں نہیں چار جواں پنجتنی ہیں

اے خلق کے سرور ترا احسان ہے مجھ پر
اے خاصۂ داور ترا احسان ہے مجھ پر
اے سبط پیمبر ترا احسان ہے مجھ پر
اے مالک کوثر ترا احسان ہے مجھ پر
اس دن بھی کرم قبلۂ عالم نے کیا تھا
میں وہ ہوں کہ پانی جسے حضرت نے دیا تھا

حضرت سے جو رخصت کو غلام آیا تھا اُس رات
فرمایا تھا مولا نے بصد لطف و مدارات
باقی ہے اگر زیست تو پھر ہوگی ملاقات
اے مخبر صادق مجھے بھولی نہیں وہ بات
کیا وجہ جو خادم پہ تلطف نہیں ہوتا
وعدے میں کریموں کے تخلف نہیں ہوتا

ارشاد ہوا تھا مرے رونے پہ کہ بھائی
پھر بعد ملاقات نہ ہوئے گی جدائی
حضرت کی دعاؤں سے یہاں تک مجھے لائی
کر دیجیے بندھے ہاتھوں کی اب عقدہ کشائی
ہر چند گنہ ریگ بیاباں سے سوا ہیں
پر آپ حمایت پہ جو آجائیں تو کیا ہیں

حضرت نے سنا حر کا جو یہ نالۂ جانکاہ
خود ہاتھوں کو پھیلا کے پکارے شہ ذی جاہ
آ اے مرے ہمدرد مددگار ہوا خواہ
بھائی میں بڑی دیر سے تکتا تھا تری راہ
استادہ ہے کیوں دور تردد تجھے کیا ہے
پہلو میں جگہ ہے مرے دل میں تری جا ہے

جس حال میں ہو آ کے مرا گھر ترا گھر ہے
ماتم کدۂ آل پیمبر ترا گھر ہے
کاشانۂ لخت دل حیدر ترا گھر ہے
جنت میں مرے گھر کے برابر ترا گھر ہے
فیاض ہیں صادق ہیں سخی ابن سخی ہیں
مہماں ہمیں پیارا ہے کہ ہم آل نبیؐ ہیں

زندہ ہے جو مرتا ہے محبت میں ہماری
سب اجر ہے طاعت کا اطاعت میں ہماری
عفو و کرم و رحم ہے طینت میں ہماری
بگڑا ابھی سنور جاتا ہے صحبت میں ہماری
دشمن سے دل صاف ہیں کینہ نہیں رکھتے
کچھ جس میں کدورت ہو وہ سینہ نہیں رکھتے

اکبرؑ سے اشارہ کیا مہمان کو لاؤ
عباسؑ سے فرمایا کہ تم لینے کو جاؤ
حیدرؑ کے نواسے ہیں کدھر اُن کو بلاؤ
قاسمؑ سے کہا خُلق حسن اس کو دکھاؤ
اس گھر کا کرم خلق میں مشہور ہے پیارو
مہمان کے لے آنے کا دستور ہے پیارو

ارشاد پدر سُن کے چلے فوج سے اکبرؑ
ہمراہ ہوئے ماہ بنی ہاشم صفدر
قاسمؑ بھی چلے اسپ صبا دم سے اُتر کر
لینے کو پیادہ گئے زینبؑ کے بھی دلبر
ہنستے ہوئے نزدیک جو وہ گل بدن آئے
سمجھا وہ کہ لینے کو مرے پنجتن آئے

پانچوں کے قدم چوم کے بولا وہ دلاور
شہزادو! گنہگار ہے یہ بندۂ احقر
چھاتی سے لگا کر اُسے بولے علی اکبرؑ
گھبرا نہ عطا پوش و خطا پوش ہیں سرور
یہ عین عنایت ہے قسم ہم کو خدا کی
آنکھیں تری جانب ہیں امام دوسرا کی

عباسؑ نے فرمایا کہ اے حُرؑ وفادار
تو اُن کے کرم سے ابھی واقف نہیں زنہار
اللہ کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
بخشائیں ابھی تجھ سے اگر تو ہو گنہگار
ممکن ہے کہ وہ دوست کو غمناک کریں گے
دم بھر میں گناہوں سے تجھے پاک کریں گے

اکبرؑ نے لیا ہاتھ میں دست حُرِ ذی جاہ
عباسؑ نے خود فرق پہ کھولا علم شاہ
قاسمؑ تھے برادر کے برابر صفت ماہ
زینبؑ کے پسر دونوں چلے بیٹے کے ہمراہ
اکرام سے توقیر سے تعظیم سے لائے
مہماں کو بڑی عزت و تکریم سے لائے

احسنت کی آئی جو صدا چار طرف سے
حضرت بھی بڑھے چند قدم فوج کی صف سے
ممتاز ہوا قرب شہ دیں کے شرف سے
لپٹا قدم بخت دل شاہ نجف سے
زردی جو گئی رنگ مِسِ رو آ گیا منھ پر
نعلین پہ سر رکھتے ہی نور آ گیا منھ پر

چھاتی سے لگا کر اُسے بولے شہِ والا
اب خوف ہے کیا دل ہے ترا کیوں تہ و بالا
خالق نے تجھے کفر کی ظلمت سے نکالا
غفّار ہے راحم ہے گنہ بخشنے والا
اوج اُس کے لئے ہے جو جھکا جاتا ہے بھائی
یہ عجز ہی اللہ کو خوش آتا ہے بھائی

کھولے جو بندھے ہاتھ حُرِ بے سروپا کے
بولا وہ جری کانپتے ہاتھوں کو اُٹھا کے
صدقے ترے اے بندۂ مقبولِ خدا کے
سب ہیں ترے ناخن میں ہنر عقدہ کشا کے
عصیاں کی جو دہشت تھی وہ بالکل گئی مولا
صدقے سے ترے دل کی گرہ کھل گئی مولا

توبہ سے فراغت حُرِ غازی نے جو پائی
اُس وقت صدا ہاتفِ غیبی کی یہ آئی
مقبولِ خدا ہے جو کرے تجھ سے بھلائی
دی حق نے اُسے آتشِ دوزخ سے رہائی
غش یہ بڑا تھا کہ نہ جلّادوں میں لکھا
حُر کو قلمِ عفو نے آزادوں میں لکھا

شہ بولے کہ تھا رنج و تردد میں سحر سے
آرام کر اب کھول کے ہتھیار کمر سے :
مہماں نے یہ کی عرض شہِ جن و بشر سے
اب چین یہی ہے کہ لڑوں لشکرِ شر سے
دم بھر میں درِ رحمتِ غفار کھلیں گے
ہو جائے گی بند آنکھ تو ہتھیار کھلیں گے

فرمایا کہ مہمان کی دعوت کا ہے دستور
شکوہ نہ مگر کیجو کہ ہم آج ہیں مجبور
فاقہ بھی کئی دن سے ہے پانی سے بھی ہیں دور
خیر اب وہیں ہو جائے گا جو ہے ہمیں منظور
محبوبِ الٰہی تری امداد کریں گے
ہم نعمتِ عقبیٰ سے تجھے شاد کریں گے

دُنیا جسے کہتے ہیں وہ اک راہ گزر ہے
اک دم میں اُدھر ہے بشر اک دم میں اِدھر ہے
دیکھا جسے اُس میں وہ مہیائے سفر ہے
رہنا ہے جہاں تا بہ ابد گھر وہی گھر ہے
پہلے سے اُسے بھیج دے جو تجھ کو ملا ہے
اُس گھر کا چراغ آلِ محمّد کی ولا ہے

ہمسایۂ محبوبِ خدا تجھ کو ملے گا
قربِ اسدِ قلعہ کشا تجھ کو ملے گا
کھل جائیں گی آنکھیں وہ صلہ تجھ کو ملے گا
کل آج کے فاقے کا مزا تجھ کو ملے گا
سب جیتے ہی جی تک کا یہ قصّہ ہے برادر
حصّے ہیں ہمارے ترا حصّہ ہے برادر

کی دستِ ادب جوڑ کے مہماں نے یہ گفتار
بھوکا اُسی نعمت کا ہے یہ عبدِ گنہگار
باتیں یہ یہاں تھیں کہ بڑھی فوجِ ستمگار
چلّوں سے ملے تیر، علم کھل گئے اک بار
ڈنکے پہ اُدھر چوب پڑی لشکرِ کیں میں
تکبیر کے نعرے ہوئے فوجِ شہِ دیں میں

عباسؑ نے کھولا علم فوجِ پیمبرؐ
کی عرض پدر سے علی اکبرؑ نے یہ بڑھ کر
فرمایا کہ اب کیا ہے لڑو لشکرِ شر سے
ہمشکلِ پیمبرؐ جو بڑھے سُن کے یہ احکام
کی عرض بہ منت کہ مدد کا ہے یہ ہنگام
دلوادو اجازت کہ غریب الغربا ہوں

فرمایا بہ شفقت علی اکبرؑ نے کہ اچھا
کی عرض کہ اے قبلۂ دیں سیدِ بطحا
بھیجیں اِسے گر حکمِ امامِ مدنی ہو
حضرتؑ نے کہا رو کے یہ کیا کہتے ہو پیارے
بےکس کے عزیز و رفقا چھٹتے ہیں سارے
دم بھر نہیں گزرا کہ مُلاقات ہوئی ہے

پہلے بھی ملاقات میں برپا تھا تلاطم
میں بھی متردد تھا حواس اس کے بھی تھے گم
دستے جو سپاہِ ستم و جور کے آئے
اب تو ہیں بلا شبہ ہم اس کے یہ ہمارا
پیاسا کہیں دریا سے بھی کرتا ہے کنارا
محجوب ہیں راحت کا سرانجام نہیں ہے

اللہ ری عجلت ابھی آنا ابھی جانا
بےتابیِ تحصیلِ سعادت ہے یہ مانا
کیونکر ہو کہ تلواروں سے بےدم اسے دیکھیں
یہ دوست اسی طرح مدینے میں جو آتا
جس شے کی تمنا اسے ہوتی وہی پاتا
بے حسنِ طلب دیتے ہیں جو اہلِ سخا ہیں

جھومے صفتِ شیر جوانانِ دلاور
کیا حکم ہے تیر آتے ہیں اُس فوج سے سر پر
بس دیر اسی کی تھی کہ سبقت ہو اُدھر سے
شہزادے کے قدموں پہ گرا حُرِ خوش انجام
خادم جو ہراول ہو تو ہو جائے بڑا نام
حسرت ہے کہ پہلے میں ہی آقا پہ فدا ہوں

ساتھ اُس کو لیے آئے حضورِ شہِ والا
پہلے حُرِ غازی کو ہے رخصت کی تمنا
بہتر ہے کہ مہماں کی نہ خاطر شکنی ہو
تم ہم سے جدا کرتے ہو مہماں کو ہمارے
آیا ہے ابھی اور ابھی کہہ دو کہ سدھارے
باتیں نہ ابھی کچھ نہ مُدارات ہوئی ہے

دونوں طرف آمادۂ پیکار تھے مردم
آپس میں نہ صحبت ہوئی دم بھر نہ تکلم
آئے بھی جو لب پر سُخن اس طور کے آئے
پیارے جو ہم اس کو ہیں تو یہ ہے ہمیں پیارا
تکلیف کوئی دوست کی کرتا ہے گوارا
پانی نہیں کھانا نہیں آرام نہیں ہے

مشتاقِ محبت کو ستانا ہے رُلانا
سوچو تو کہ کچھ بھی ابھی گزرا ہے زمانا
یہ دیکھ لے جی بھر کے ہمیں ہم اسے دیکھیں
خود اُٹھ کے حسینؑ ابنِ علیؑ ہاتھ دھلاتا
سادات کے مسکن سے یہ محروم نہ جاتا
خیر آج تو ہم آپ گرفتارِ بلا ہیں

کس پہ ستم گردشِ دوراں نہیں ہوتا ۔۔۔ دنیا میں کسے صدمۂ ہجراں نہیں ہوتا

کس کو المِ فرقتِ مہماں نہیں ہوتا ۔۔۔ ہے کون سا مجمع جو پریشاں نہیں ہوتا

دو مر کے رہیں ایک جگہ یہ بھی نہیں ہے ۔۔۔ اک دوست کی ہے قبر کہیں ایک کہیں ہے

حُر سے علی اکبرؑ نے یہ فرمایا کہ بھائی ۔۔۔ منظور ابھی شہ کو نہیں تیری جُدائی

گر گر قدمِ شہ پہ یہ بولا وہ فدائی ۔۔۔ مر جاؤں گا پہلے جو رضا ان کی نہ پائی

اولاد بھی فیاض ہے ماں باپ سخی ہیں ۔۔۔ محروم نہ خادم کو رکھیں آپ سخی ہیں

بے مانگے تو سب طرح کی دولت مجھے بخشی ۔۔۔ توقیر عنایت ہوئی عزت مجھے بخشی

حوریں مجھے دیں آپ نے جنت مجھے بخشی ۔۔۔ حُر ہو گیا دوزخ سے وہ حُرمت مجھے بخشی

یہ سب تو ملا اذنِ وغا بھی مجھے دیجے ۔۔۔ پھیلائے ہوں دامن کہ رضا بھی مجھے دیجے

مجھ سے کوئی پوچھے تو کہ کیا لے کے چلا ہوں ۔۔۔ مقبولِ الٰہی کی دُعا لے کے چلا ہوں

سید کی غلامی کا صلا لے کے چلا ہوں ۔۔۔ کافی ہے ابد تک وہ عطا لے کے چلا ہوں

نام اس کا ہے بخشش یہ عنایت یہ مدد ہے ۔۔۔ رخصت نہیں آزادیِ دوزخ کی سند ہے

مولا سے مجھے خلد کی جاگیر ملی ہے ۔۔۔ غبطہ ہے ملائک کو یہ تقدیر ملی ہے

اکسیرِ غبارِ درِ شبیرؑ ملی ہے ۔۔۔ اس خاک پہ سونا ہے یہ توقیر ملی ہے

ہاتھ آئی وہ دولت جو زمانے میں نہیں ہے ۔۔۔ یہ زر کسی خاقاں کے خزانے میں نہیں ہے

سرکار یہ وہ ہے کہ جو مانگا وہی پایا ۔۔۔ ہونٹوں پہ کبھی حرف نہیں کا نہیں آیا

اللہ رکھے خلق میں تا حشر یہ سایا ۔۔۔ فیاضِ دو عالم ہے یداللہ کا جایا

کسریٰ ہو کہ حاتم ہو یہ ہمت نہیں رکھتا ۔۔۔ اس گھر سے کوئی بڑھ کے سخاوت نہیں رکھتا

ناجی ہے وہی آلِ پیمبرؐ جسے بخشیں ۔۔۔ فردوس میں قصر اُس کو ملے گھر جسے بخشیں

عالم کا ہو سرتاج یہ افسر جسے بخشیں ۔۔۔ سونے کا بنائے وہ محل زر جسے بخشیں

وہ کیا ہے جو محتاج کو حاصل نہیں ہوتا ۔۔۔ اس در کا گدا پھر کبھی سائل نہیں ہوتا

گھر ہو کہ زر و مال ہو یہ کیا نہیں دیتے ۔۔۔ کس کشت پہ مینہ فیض کا برسا نہیں دیتے

دیتے ہیں یہ سب کچھ مگر ایذا نہیں دیتے ۔۔۔ اس حُسن سے دیتے ہیں کہ گویا نہیں دیتے

کہہ دے کوئی یہ خیر کبھی اوروں نے کی ہے ۔۔۔ اک روٹی کے سائل کو قطار اونٹوں کی دی ہے

شاہی انھیں اللہ نے دی بعد نبی کے
ایسا نہیں دنیا میں سخی بعد نبی کے
وہ کون سی خوبی ہے جو پیدا نہیں ان میں
کی حُر نے فصاحت سے جو مداحی سرور
اکبر سے اشارے میں یہ فرمایا کہ دلبر
مداح کو مہماں کو برادر کو صلا دو
اکبر نے عبائے کے جو مہماں کو اُڑھائی
عباس پکارے کہ زہے عُقدہ کشائی
کونین کا اقبال و حشم جانیو اس کو
بولے یہ حبیب ابن مظاہر کہ خوشا حال
دم میں یہ ترقی و حشم اور یہ اقبال
سید سے بھلا کون سا رتبہ نہ ملے گا
رخصت ہوا جب سبط نبی سے حُر جرار
تسلیم جو کی جھک کے تو رونے شہ ابرار
دنیا کے سعیدوں میں ترا نام ہو بھائی
خالق الم و صدمہ و آفت سے بچائے
غفار گنہ ہول قیامت سے بچائے
گھر خلد میں ہاتھ آئے یہاں سے جو سفر ہو
رو کر جو دعائیں اُسے دیتے تھے شہ دیں
گھوڑے پہ چڑھا جب وہ بصد عزت و تمکیں
اللہ رے ضیا اختر طالع کی حسین پر
وہ اوج وہ رفعت وہ جلال و حشم اس کا
منھ دیکھتے تھے جن و بشر دم بدم اس کا
تھا ہیچ ملک ناریوں میں، نور ہے اب تو

یہ بعد علی کے ہیں علی بعد نبی کے
ہوتے یہی ہوتا جو نبی بعد نبی کے
اک مہر نبوت کے سوا کیا نہیں ان میں
نہوڑا لیا شرما کے سخی نے سرِ انور
کہہ دو کہ خوشی تیری اسی میں ہے تو بہتر
آؤ یہ عبائے کے مری حُر کو اُڑھا دو
شہ بولے کہ نانا کا تبرک ہے یہ بھائی
لے خلعت رحمت تری اُمید بر آئی
فردوس کے حُلّے سے نہ کم جانیو اس کو
قسمت کے یہ معنی ہیں اسے کہتے ہیں اقبال
کر دیتا ہے قطرے کو گہر فاطمہ کا لال
یہ گھر ہے سخی کا ابھی کیا کیا نہ ملے گا
چومے قدم شاہ پھرا گرد کئی بار
فرمایا خدا حافظ و ناصر مرے غمخوار
عقبےٰ میں تجھے راحت و آرام ہو بھائی
رب دو جہاں قبر کی وحشت سے بچائے
حافظ تجھے آہن کی جراحت سے بچائے
یہ آج کی منزل تجھے راحت سے بسر ہو
حور و ملک و جن و بشر کہتے تھے آمیں
شادی سے ہوا اور شگفتہ رخ رنگیں
آئینۂ خورشید چمکتا تھا زمیں پر
بڑھتا تھا سوئے گلشن جنت قدم اس کا
غل تھا کہ بڑھا دے جسے چاہے کرم اس کا
حُر فوج ستمگار میں تھا حُر ہے اب تو

اشعارِ رجز پڑھ کے وہ جرّار پکارا
آقا ہے مرا عرشِ معلےٰ کا ستارا
بھیجا ہے نواسے نے رسولؐ دوسرا کے
یہ سنتے ہی برسانے لگے تیر ستمگار
دہنی طرف آیا پسرِ صفدر و جرّار
کفّار کے سر تن سے گرے خاک پہ کٹ کر
لاشوں کو اُٹھا لے گئے جب قبلۂ عالم
بھائی کا بھی اندوہ تھا بیٹے کا بھی تھا غم
چمکا کے فرس لڑنے لگا فوجِ گراں سے
اللہ رے مہمانِ شہِ دیں کی لڑائی
اک برق گری تیغ چمک کر جدھر آئی
پانی میں وہ آتش تھی کہ گھبراتے تھے اعدا
حلقے سے اگر تیر کوئی جوڑ کے نکلا
چورنگ کے وہ ہاتھ جدھر چھوڑ کے نکلا
تلوار چمکتی تھی صفِ لشکرِ کیں پر
لشکر سے جو نکلا وہ قریب آ کے نہ ٹھہرا
چہرے پہ سیہ کار سپر لا کے نہ ٹھہرا
جم جائے جہاں کوہ وہاں کاہ سے کیا ہو
شعلے سے تھے ستمگر کہ دوچار اس سے ہوں کیونکر
حلقے سوا جل کے ہیں فرار اس سے ہوں کیونکر
جی ہے تو جہاں خوں میں نہایا نہیں جاتا
کس صف پہ چلی تیغ کہ آفت نہ دکھائی
کس کس کو پری بن کے شرارت نہ دکھائی
پھل اُس کا نظر بندیِ اعدا پہ تلا تھا

آیا ہے غلام اُس کا علی کا ہے جو پیارا
ہاں فوج سے نکلے جسے ہو جنگ کا یارا
اے قوم ہراول ہوں میں لشکر کا خدا کے
بھائی حُرِ غازی کا بڑھا تول کے تلوار
اک شیر سا نیزوں میں وہ تھا عبدِ وفادار
مارے گئے لشکر کی صفیں رن میں اُلٹ کر
چھیڑا حُرِ جرّار نے شبدیزِ صبا دم
پر صبر تو دیکھو کہ آنکھیں ہوئیں پُرنم
مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ گیا کون جہاں سے
فرصت نہ سنبھلنے کی خطاکاروں نے پائی
برباد کیا پھونک دیا آگ لگائی
جلتے ہوئے دوزخ میں چلے جاتے تھے اعدا
انبوہ سے شبدیز کو یہ موڑ کے نکلا
جب شیر سا نکلا تو صفیں توڑ کے نکلا
گھوڑے کے کہیں پاؤں نہ لگتے تھے زمیں پر
تلوار کا اک وار کوئی کھا کے نہ ٹھہرا
نامرد لڑائی کی جگہ پا کے نہ ٹھہرا
جب شیر کو غیظ آئے تو روباہ سے کیا ہو
سر بر ہوں دغا میں تو سوار اس سے ہوں کیونکر
ہے سیلِ فنا بیچ میں پار اس سے ہوں کیونکر
دھارا تو کجا گھاٹ پہ جایا نہیں جاتا
کس غول پہ چمکی کہ قیامت نہ دکھائی
جلوہ کیا شوبار پہ صورت نہ دکھائی
اس میں کوئی پردہ نہیں منہ صاف کھلا تھا

ہر بار تھا حملہ عُمرِ سعدِ نجس پر
رُعب اس کا نہ چھایا ہوا تھا فوج میں کس پر
سر پاؤں تلے پستے تھے بیدادگروں کے
غل تھا کہ شجاعت کا دھنی کہتے ہیں اس کو
دل توڑ نئیے صف شکنی کہتے ہیں اس کو
حیدر کے محبّوں میں نیا ڈھنگ ہے اس کا

بے سر نظر آیا وہ، جسے پا گئی شمشیر
چمکی تو اُدھر اور اِدھر آ گئی شمشیر
سکتہ تھا ہر اک دل پہ عجب ضرب پڑی تھی
جو دشمنِ دیں تھا اُسے پہچانتی تھی وہ
چار آئینہ و خود کو کب مانتی تھی وہ
اژدر تھا کہ تلوار تھی دم تھا کہ ستم تھا

بے حال عدو حول کے مارے نظر آئے
جب سن سے چلی صاف ترارے نظر آئے
الماس تیغ کا پھل کھا کے عدو خوں میں تپاں تھے
گہہ حلق کے نزدیک کبھی دل کے برابر
رن میں کوئی زخمی کوئی ساحل کے برابر
سر پر وہ تھی جب تک کہ عدو راہِ عدم لے

رہوار کی وہ چال وہ تلوار کا چلنا
غصّے میں وہ شبدیز کی آنکھوں کا اُبلنا
مارا تھا قدم اُس نے شجاعت کے چلن پر
لڑنے میں سمجھتا تھا فرس دل کا اشارا
وہ جست وہ چھل بل وہ ڈپٹ اور وہ طرارا
ایسا تو سبک رو فرسِ برق سفر ہو

اُڑ جاتا تھا سر تیغ چمک جاتی تھی جس پر
بھاگڑ میں یہ گرتا تھا جو اُس پر تو وہ اس پر
ٹکرانے سے بال آ گئے کاسوں میں سروں کے
تلوار یہ ہے تیغ زنی کہتے ہیں اس کو
ششدر ہیں پرے بے جگری کہتے ہیں اس کو
جو راکب و مرکب ہے وہ چو رنگ ہے اس کا

دم بھر میں لہو خاک پہ برسا گئی شمشیر
کیا منہ تھا کہ فولاد کو بھی کھا گئی شمشیر
پُرزے کیا اُس کو بھی زرہ لاکھ کڑی تھی
مغفر کو حباب لب جو جانتی تھی وہ
ہر وار میں جوشن کا جگر چھانتی تھی وہ
ناہیں تھیں کہ گھر موت کا پانی تھا کہ سم تھا

جو گھاٹ پہ تھے گورِ کنارے نظر آئے
جوہر کبھی چمکے تو ستارے نظر آئے
جب سامنے ڈھال آ گئی سب پھول خزاں تھے
پانی میں اثر زہرِ ہلاہل کے برابر
بسمل بھی نظر آتا تھا بسمل کے برابر
کیا دخل جو بے دم لئے دم بھر کہیں دم لے

بھاگڑ وہ پیادوں کی صفوں کا وہ کچلنا
کف منہ سے گرا کر وہ کنوتی کا بدلنا
یوں گھوڑے پہ جاتا تھا اسد جیسے ہرن پر
رہوار نے کچلا اُسے ٹھکرا کے جسے مارا
مُڑنے میں نظر شوخ کی اُڑنے میں چکارا
پتلی پہ ہو پتلی تو نہ آنکھوں کو خبر ہو

کھانے لگی گھونگھٹ جو سیاہ ستم آرا — بڑھ کر عُمرِ سعد جوانوں کو پکارا
جاتے ہو کہاں چھوڑ کے دریا کا کنارا — گھیرو اسے نیزوں میں یہ دشمن ہے ہمارا
دولاکھ جواں ایک کا سر لا نہیں سکتے — ہاں نیزے لگاؤ جو قریں جا نہیں سکتے

آواز یہ دی حُر نے کہ او ظالم غدار — غیرت ہے تو آ سامنے تو چھیڑ کے رہوار
بتلا انھیں اندازِ وغا کھینچ کے تلوار — کیوں صورتِ روباہ دبکتا ہے جفاکار
تو دشمن لختِ جگرِ شیرِ خدا ہے — اُس صف سے نکل کر جو اِدھر آ تو مزا ہے

بندہ ہوں میں اُس کا کہ جو شیروں سے لڑا ہے — پتھر پہ نشاں دین کے لشکر سے گڑے ہیں
لوہے کو وہ مانے ہیں بہادر جو بڑے ہیں — سکّے اسداللہ کی ضرب کے پڑے ہیں
شمشیرِ شہِ قلعہ شکن ہے اسی گھر میں — اس ضرب کے سکّے کا چلن ہے اسی گھر میں

وہ قلب ہے جس قلب میں نقش اُن کا بھرا ہے — ٹکسال سے باہر ہے شقی دوسرا ہے
ہر طرح پرکھ لے گا جسے فہم ذرا ہے — کھوٹا ہے سو کھوٹا ہے کھرا ہے سو کھرا ہے
بازار کے دن کوئی نہ فریاد سُنے گا — وہ سامنے مالک کے جہنم میں بھُنے گا

کہہ کر یہ سخن قلب میں لشکر کے در آیا — سمٹا ہوا لشکر نہ دبالا نظر آیا
رہوار تڑپ کر اِدھر آیا اُدھر آیا — مُضطر ہوئے سب ایک نہ صفدر سے بر آیا
باندھے تھے کمر شمر و عُمر خیرہ سری پر — بوچھار ہوئی دور سے تیروں کی جری پر

پیہم جو لگے تیر فرس بن گیا طاؤس — دم بھر میں لہو ہو گیا جرار کا ملبوس
سینہ ہے کہ تودا ہے نہ ہوتا تھا یہ محسوس — غش آنے لگے شیر ہوا جنگ سے مایوس
رُخ زرد تھا گلنار تھی پوشاک لہو سے — فوّارۂ خوں چھوٹتے تھے ہر بنِ مو سے

اس حال میں بھی رُکتی نہ تھی شیر کی تلوار — جو آ گیا زد پر اُسے بھیجا طرفِ نار
پے کر دیا گھوڑے کو جفا کار نے اک بار — مجروح ہے اب کیا ہو فرس ہو گیا بے کار
جب وقت برابر ہوا پھر ٹل نہیں سکتا — گھوڑے کا اشارا تھا کہ اب چل نہیں سکتا

جب تک کہ جری پاؤں رکابوں سے نکالے — مہمان کے سینے پہ کئی چل گئے بھالے
خود سنبھلے کہ گرتے ہوئے گھوڑے کو سنبھالے — مرکب سے جو کودا تو بڑھے برچھیوں والے
دیکھا جو فرس نے مرا مالک نہیں زیں پر — اللہ ری وفا مر گیا گرتے ہی زمیں پر

روتا تھا وفاداری مرکب پہ وہ صفدر
حضرت کو پکارا وہ جری خاک اُڑا کر
خادم نہیں، بھائی نہیں، پیارا نہیں میرا
آوازِ علیؑ آئی کہ اے حُرِّ دلاور
بالیں پہ ترے میں تو ہوں شبّیر نہیں گر
میں پاس ہوں پھر کس لیے گھبراتا ہے بھائی

پیاسا ہے تو پانی تجھے کوثر کا پلائیں
مشتاق ہو گر اُن کا تو حوروں کو بلائیں
یہ ہاتھ کہیں بند نہیں عُقدہ کُشا ہیں
اعدا نے ادھر فتح کے باجے جو بجائے
یہ دور سے حُر کو سُخن طنز سنائے
اس وقت کوئی آکے حمایت نہیں کرتا

افسوس صد افسوس عبث جان گنوائی
بتلا مجھے وہ کون سی دولت ہے جو پائی
ہاں مرتبہ اُس وقت شہیدوں میں بڑھے گا
گردن کو اُٹھا کر یہ پکارا حُرِ دیندار
پاس آکے سخن کہہ تو سُنوں میں تری گفتار
بڑھتا نہیں، یہ خوف و خطر طاری ہے تجھ پر

رُتبہ جو ملا ہے مجھے، تو کیا اُسے جانے
گھیرا ہے مجھے رحمتِ ربِّ دوسرا نے
سرِ عرش پہ اُن کا ہے جو رُتبے میں بڑے ہیں
مجھ سا بھی زمانے میں کوئی ہوتا ہے دانا
نعمت کے مزے دے گیا یہ برچھیاں کھانا
بینا ہے تو خلوت کو نہ انعام کو دیکھے

جو فرق پہ پیچھے سے پڑا گرز گراں سر
مہماں کی خبر لیجئے یا سبطِ پیمبرؐ
مولا کے سوا کوئی سہارا نہیں میرا
تیار ہے فردوس، مُصلّے ہیں ترا گھر
سر رکھ لے کہ زانو مرا حاضر ہے برادر
روتا ہے مرا صاحب بھی ترا آتا ہے بھائی

بھوکا ہے تو فردوس کے میوے ابھی آئیں
جو باغ تجھے حق نے دیا ہے وہ دکھائیں
جس درد کا درماں نہیں ہم اس کی دوا ہیں
نکلا پسرِ سعدِ لعیں چتر لگائے
کیوں ترکِ رفاقت کے مزے خوب اُٹھائے
جاہل بھی کوئی ایسی حماقت نہیں کرتا

اب رونے کو لاشے پہ نہ بیٹا ہے نہ بھائی
مہمانی ہیں تلوار پہ تلوار تو کھائی
جب نوکِ سناں پر ترا سر کٹ کے چڑھے گا
کیا ہرزہ سرائی ہے یہ او ظالمِ غدّار
زخمی ہوں مگر ہاتھ سے چھوٹی نہیں تلوار
مرتا ہوں پہ مُردہ بھی مرا بھاری ہے تجھ پر

خود کور ہے آنکھیں تجھے کب دی ہیں خدا نے
پہلو میں محمدؐ ہیں یداللہ سرہانے
ہدیئے لئے ہاتھوں میں ملک گرد کھڑے ہیں
اک جَو کے برابر تری دُنیا کو نہ جانا
صدقے ہوا اُس پر کہ نبیؐ جس کے ہیں نانا
عاقل اُسے کہتے ہیں جو انجام کو دیکھے

فرعون کو کس طرح کیا غرق خدا نے — شداد کو دم بھر کی نہ مہلت دی قضا نے
نمرود کو برباد کیا حرص و ہوا نے — کیا ہو گئے قاروں کے وہ چالیس خزانے
گر گر کسی خود سر کو سنبھلتے نہیں دیکھا — موذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

ہنگامۂ محشر کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے — دوزخ ترا مسکن ہے تو جنت مرا گھر ہے
کیا غم ہے کہ لاشے پہ نہ بھائی نہ پسر ہے — زانوئے مبارک پہ علیؑ کے مرا سر ہے
توقیر شہیدوں میں مجھے آج ملے گی — جب نیزے پہ سر ہوگا تو معراج ملے گی

غش ہو گیا یہ کہہ کے جو حُرِ جگر افگار — سر کاٹ لو اُس کا یہ پکارا وہ ستمگار
جلاد بڑھے تھے کہ ہوا شور یہ اک بار — بھاگو کہ حسینؑ آتے ہیں کھینچے ہوئے تلوار
اُٹھنے کی نہیں ضرب ولی ابن ولی کی — دیکھو کہیں بجلی نہ گرے تیغِ علیؑ کی

آمد جو سنی شیر کی پسپا ہوئے روباہ — لاشے پہ گیا راحتِ جانِ اسد اللہ
ریتی پہ تڑپتا تھا وہ حضرت کا ہوا خواہ — مہماں سے لپٹ کر یہ پکارے شہِ ذی جاہ
ٹکڑے ہے بدن زخم عجب کھائے ہیں بھائی — بے ہوش ہیں آ لاش پہ ہم آئے ہیں بھائی

کچھ مجھ سے وصیت تو کر اے حُرِ دلاور — خوں ہے ترے غم سے جگر اے حُرِ دلاور
رکھ لے مرے زانو پہ سر اے حُرِ دلاور — نزدیک ہے شاید سفر اے حُرِ دلاور
پھر بعدِ ملاقات نہ صحبت ہوئی بھائی — جی بھر کے نہ دیکھا تھا کہ فرقت ہوئی بھائی

کچھ بات کر اے یارِ وفادار ہمارے — اے عالمِ غربت کے مددگار ہمارے
اے صف شکن اے صفدر و جرار ہمارے — تا حشر تجھے روئیں گے غم خوار ہمارے
رُتبہ ہے ترا سب سے دو بالا شہدا میں — اک دن ترے حصے کا ہے ایامِ عزا میں

خم ہو کے پکارے یہ حبیب ابنِ مظاہر — آ ہوش میں اے منزلِ جنت کے مسافر
بیتاب ہے بھائی ترا صاحب تری خاطر — کر نورِ الٰہی کی زیارت دمِ آخر
دیکھ اپنے شرف آنکھ کو کیوں بند کیے ہے — فرزندِ نبیؐ سر ترا گودی میں لیے ہے

سُن کر یہ صدا حُر نے جو آنکھوں کو کیا وا — سر حضرتِ شبیرؑ کی آغوش میں دیکھا
جلدی قدمِ شاہ پہ مُنہ مل کے یہ بولا — صدقے ترے الطاف کے اے سیدِ والا
تکیہ ترے زانو کا میسر ہوا آقا — ذرہ تھا پہ اب مہرِ منور ہوا آقا

غش سے جو نہ کھلتے تھے مرے دیدۂ پُرنم
ارشاد یہ فرماتے تھے خود سیدِ عالم
شبیر کا جو دوست وہ پیارا ہے نبیؐ کا
مجھ پر حسنؑ و جعفرؑ و حمزہؑ کا ہے یہ پیار
ارشادِ علیؑ ہے ملک الموت سے ہر بار
زخمی ہے جدا کیجیو یوں روح بدن سے

غرفوں سے برابر ہیں یہ حوروں کے اشارے
ساماں ہیں مہیا ترے آرام کے سارے
شبیرؑ کا مہماں ہے سب پر ترے حق ہیں
اک سیدہ ہیں سبز ردا چہرے پہ ڈالے
چلاتی ہیں مہماں کو لگے ظلم کے بھالے
شبیرؑ پہ غربت میں ستم ہو گیا ہے ہے

ارشاد کیا شہ نے کہ سب کو ہے ترا غم
آتی ہے جو رونے کی صدا خیمے سے اس دم
احوال یہ ہے زینبؑ آوارہ وطن کا
اشک آنکھوں سے ٹپکا کے پکارا حرِ دیندار
نازاں نہ ہو کیوں اپنے شرف پر یہ گنہگار
رتبہ مرا افلاک سے برتر ہوا آقا

یہ ذکر تھا ظاہر جو ہوئے موت کے آثار
دم بند ہوا کھول دیے دیدۂ خوں بار
بس دیکھ کے دیدار امامِ ازلی کا
لاش اُس کی اٹھا کر شہِ دیں ڈیوڑھی پہ لائے
حُر کے لئے سیدانیوں نے اشک بہائے
عقبیٰ بھی سنور جاتی ہے جب کام ہو ایسا

صحبت تھی مرے گرد عجب طرح کی اُس دم
لے آئے ہیں اے حُر ترے لینے کے لئے ہم
تو آج سے مہماں ہے رسولِ عربی کا
جس طرح دمِ نزع یگانے ہوں پرستار
ہاں رفق و مدارا کہ ہمارا ہے یہ غمخوار
جس طرح اٹھاتا ہے کوئی پھول چمن سے

اے شاہ کے مہمان اب آ پاس ہمارے
دو جام بھرے رکھے ہیں کوثر کے کنارے
یہ حلۂ جنت ہیں یہ میووں کے طبق ہیں
دو حوریں ہیں لٹکی ہوئی چادر کو سنبھالے
ہے ہے پسرِ فاطمہؑ کے چاہنے والے
اک دوست بڑھا تھا سو وہ کم ہو گیا ہے ہے

یہ میرے بزرگ آئے ہیں لینے تجھے باہم
ناموسِ محمدؐ میں بپا ہے ترا ماتم
جو بھائی کے مرجانے میں عالم ہو بہن کا
صدقہ ہے یہ سب آپ کا یا سیدِ ابرار
جس کے لئے روئیں حرمِ احمدِ مختار
ہیں ثانیِ سلمانؑ و اباذرؑ ہوا آقا

تن سرد ہوا زرد ہوئے پھول سے رخسار
مڑ کر سوئے شبیرؑ کراہا وہ نکوکار
رخصت ہوا مہمان، حسینؑ ابنِ علیؑ کا
پردے کے ادھر اہلِ حرم پیٹتے آئے
حضرت کی غلامی میں بڑے مرتبے پائے
یوں عشق میں مر جائے تو انجام ہو ایسا

خاموش انیسؔ آگے نہیں طاقت گفتار
جاں کاہ ہے افسانۂ آخر جگر افگار
آقا سے یہ کر عرض کہ اے کل کے مددگار
اب روضۂ اقدس پہ بلا لیں شہ ابرار
بندہ در مولا سے کہیں دور نہ رہ جائے
محروم زیارت سے یہ مہجور نہ رہ جائے

رباعی

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں
عرش اعظم کا گوشوارا ہوں میں
سارے عالم میں روشنی ہے جس کی
اے لشکر شام وہ ستارا ہوں میں

رباعی

اے بادشہ کون و مکاں ادرکنی
اے عقدہ کشائے دو جہاں ادرکنی
اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے انیسؔ
یا حضرت صاحب الزماں ادرکنی

رباعی

کعبے کو ید اللہ نے آباد کیا
بت توڑ کے مصطفیٰ کا دل شاد کیا
اللہ رے جلال اسم اعلائے علیؑ
اصنام کو اس نام نے برباد کیا

رباعی

اب وقت سرور و فرحت اندوزی ہے
ہر دل مصروف جشن نوروزی ہے
ہے آج سے دور شاہی شاہ نجف
یہ رنگ بہار فتح و فیروزی ہے

۱۸

مرثیہ
بند ۱۰۶

جب آخری رخصت کو حسین آئے حرم سے
سب بیبیاں لپٹیں شہِ والا کے قدم سے
حضرت نے کہا قطع محبت کرو ہم سے
جینے کے نہیں ہم علی اکبرؑ کے الم سے
بابا سے نہ جب تک وہ گل اندام ملے گا
تب تک نہ ہمیں ایک دم آرام ملے گا

سب مر چکے اب کس کے لیے سر کٹائیں
ایسے نہیں بچھڑے کہ جو اکبرؑ چلے آئیں
کس طرح سے اس یوسفِ گم گشتہ کو پائیں
ہے فرق بصارت میں کدھر ڈھونڈھنے جائیں
بے ان کے نہ کھانے کا نہ پینے کا مزا ہے
فرزند سلامت ہو تو جینے کا مزا ہے

اک جانِ حزیں تابہ کجا رنج اُٹھائے
راحت اب اسی میں ہے کہ جلدی اجل آئے
زخم جگر و دل کسے شبیرؑ دکھائے
اللہ تباہی یہ کسی گھر پہ نہ لائے
تاراج نہ اس طرح سے ہو باغ کسی کا
اب مجھ کو دکھائے نہ خدا داغ کسی کا

آگے مرے مارے گئے دو بھانجے پیارے
قاسمؑ بنے دنیا سے پُرارمان سدھارے
عباسؑ کا غم پوچھے کوئی دل سے ہمارے
اکبرؑ کے تو مرنے سے ہوئے گور کنارے
اب پاس نہ بھائی نہ بھتیجا نہ پسر ہے
سو داغ اور اک دل یہ ہمارا ہی جگر ہے

اک عمر میں سو آرزوؤں سے جنھیں پالا
یاں تین پہر میں انھیں ہاتھوں سے گنوایا
پچھتاتا ہوں کیوں ساتھ وطن سے انھیں لایا
تقدیر نے کس کس کا مجھے داغ دکھایا
کیا جانتا تھا خاک میں انصار ملیں گے
تا حشر اب ایسے نہ وفادار ملیں گے

میں کہتا تھا کٹ جائے گا جب تن سے مرا سر
سب روئیں گے اور غسل و کفن دیویں گے آکر
بابا کا اُٹھائیں گے جنازہ علی اکبرؑ
سو مر گئے وہ زندہ ہے فرزندِ پیمبرؑ
روحِ علی اکبر سے ہمیں شرم بڑی ہے
میدان میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے

جس وقت سے رو پیٹ چکے اُن کے الم ہیں
اب جاتے ہیں گھر جانے کو ہم فوجِ ستم میں
جب جاتے تھے سب گھیر کے لے آتے تھے ہم کو
اب کون ہے جو دوڑ کے روکے گا مری راہ
صدمے ہیں جو مجھ پر کوئی اُن سے نہیں آگاہ
وہ سمجھے کلیجے پہ چُھری جس کے چلی ہو
اللہ کو سونپا تمہیں اے زینبؑ و کلثوم
اب جاتے ہی خنجر سے کٹے گا مرا حلقوم
مجبور ہیں ناچار ہیں مرضی خدا اسے
جس وقت مجھے ذبح کرے فرقۂ ناری
بے صبروں کا شیوہ ہے بہت گریہ و زاری
ہوں لاکھ ستم رکھیو نظر اپنی خدا پر
کہہ کر یہ سخن شاہ کے آنسو ہوئے جاری
اے سیّد مظلوم بہن ہو گئی واری
تب جائیو جب جی سے گزر جائے گی زینبؑ
دُکھیاری ہوں بھیّا نہ مری آس کو توڑو
برگشتہ زمانہ ہوا مُنھ تم تو نہ موڑو
منّت بھی کروں گی میں قدم بڑھ بھی گروں گی
نانا ہیں نہ بابا ہیں نہ ماں ظلم کی ماری
فرماتے تھے سب بہنوں میں تو ہے مجھے پیاری
دنیا میں رہیں لاکھ برس آپ سلامت
اک باقی بزرگوں میں تم اے شاہِ اُمم ہو
حضرت کی قسم مجھ کو جو بیٹوں کا بھی غم ہو
بچپن سے کبھی شہر میں بچھڑی نہ سفر میں

ہم کو بھی اُسی طرح سے رونا کوئی دم ہیں
پھر آنے کا یاں حوصلہ باقی نہیں ہم میں
وہ مر گئے جو پھیر کے لے آتے تھے ہم کو
جو پاؤں پہ گرتے تھے کوئی اُن میں نہیں آہ
واللہ نہیں جینے کا ابنِ اسد اللہ
اکبرؑ نہ ہو دنیا میں حسینؑ ابنِ علیؑ ہو
لگ جاؤ گلے تم سے بچھڑتا ہے یہ مظلوم
ہے صبر کا اماں کے طریقہ تمہیں معلوم
بھائی نہیں جی اُٹھنے کا فریاد و بکا سے
رونا نہ سُنے کوئی نہ آواز تمہاری
جو کرتے ہیں صبر اُن کی خدا کرتا ہے یاری
اس ظلم کا انصاف ہے اب روزِ جزا پر
چھاتی سے لپٹ بھائی کے زینبؑ یہ پکاری
میں جانے نہیں دینے کی حضرت کی سواری
حضرت نے کمر باندھی تو مر جائے گی زینبؑ
صدقے گئی پردیس میں بھینا کو نہ چھوڑو
مجھ سے تو نہ فرماؤ کہ ہاتھوں کو نہ جوڑو
سر ننگے مگر قید میں در در نہ پھروں گی
کس پر مجھے تم چھوڑ کے جاتے ہو میں واری
سمجھو نہ بہن مجھ کو میں لونڈی ہوں تمہاری
بس جانتی ہوں میں مرے ماں باپ سلامت
پھر آپ کے کیونکر نہ بچھڑنے کا الم ہو
دنیا میں کوئی ہو کہ نہ ہو آپ کا دم ہو
سو مرنے کو تم جاؤ میں بیٹھی رہوں گھر میں

اے بھائی جہاں جاؤ گے میں ساتھ چلوں گی
تلواروں میں بھی پاس سے ہرگز نہ ٹلوں گی
اعدا کی لڑائی سے نہ ڈر جائے گی زینبؑ
ان باتوں سے زینبؑ کی دلِ شاہ بھر آیا
اور پونچھ کے آنسو یہ محبت سے سنایا
ہم حلق پہ لیں تیغِ ستم دشتِ بلا میں
میں اور تم ایک دودھ سے بچپن میں پلا ہوں
تقدیر جدا کرتی ہے کیونکر نہ جدا ہوں
ماں باپ سخی کیسے تھے ہمت کرو تم بھی
ماں صابرہ ہے صبر تو ہے کام تمھارا
مارا گیا ہر ایک گل اندام تمھارا
جو کہتے ہیں ہم اس کو گوارا کرو زینبؑ
اس راہ میں گھر لٹنے کا کچھ دھیان نہ لانا
پردا جو نہ ہو بالوں سے چہرے کو چھپانا
مقبول بہن عجز ہے درگاہِ خدا میں
زینبؑ نے کہا جب یہ سنی بھائی کی تقریر
پر آپ کی گردن پہ چلے جس گھڑی شمشیر
در در پھروں گی قید میں بھی جاؤں گی بھائی
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ صدا رونے کی آئی
کچھ سوچ کے گردن شہِ بیکس نے جھکائی
اک داغ اٹھایا ہے جواں بیٹے کے غم کا
پاس اس کے گئے روتے ہوئے سیدِ ابرار
پیشانی بھی مجروح ہے آنکھیں بھی ہیں خونبار
پیغام جو دینا ہو سو دو وقتِ سفر ہے

جنگل میں رہوں گھر کا کبھی نام نہ لوں گی
پر آتشِ فرقت سے تمھاری نہ جلوں گی
کٹوا کے گلا تیغ سے مر جائے گی زینبؑ
رو رو کے گلے خواہرِ بیکس کو لگایا
تم نے بھی تو ہے صبر بہن ورثے میں پایا
تم رنجِ اسیری کا سہو راہِ خدا میں
تم صابر و شاکر ہو میں راضی بہ رضا ہوں
مظلوم بہن میں تری الفت پہ فدا ہوں
امت کی شفاعت میں شراکت کرو تم بھی
دکھیاری ہو بے چینی ہے آرام تمھارا
بھائی کو کرو صبر تو ہے نام تمھارا
شبیرؑ کو امت سے نہ پیارا کرو زینبؑ
چھن جائے ردا سر سے تو سر ننگے ہی جانا
بازو جو بندھیں بہرِ دعا ہاتھ اٹھانا
بندھوایا ہے حیدرؑ نے گلا راہِ خدا میں
مرضی جو یہی ہے تو رضامند ہے ہمشیر
بھینا نہ کہیں کی رہی ہے یہ مری تقدیر
سب ہوگا مگر تم کو کہاں پاؤں گی بھائی
زینبؑ نے کہا بانو کی آواز ہے بھائی
فرمایا کہ جاں کاہ ہے اندوہِ جدائی
اور دوسرا گرتا ہے پہاڑ اس پہ ستم کا
فرمایا کہ کیا حال ہے اے یارِ وفادار
ان باتوں سے اکبرؑ نہیں جی اٹھنے کے زنہار
ہم بھی وہیں جاتے ہیں جہاں تیرا پسر ہے

دے ہمارو رو کے اے شہِ والا
کیا وجہ جو اس وقت میں لونڈی کو نہ پوچھا
بہنوں سے تو رخصت ہوئے آئے بھی نہ ہم تک
اولاد تھی جب تک تو محبّت تھی ہماری
جس وقت سے فرزند کے برچھی لگی کاری
تنہا نہیں بانوؔ سے جدا ہو گئے اکبرؑ
شاہد ہے سکینہؑ کہ کہا میں نے کئی بار
قربان گئی بانوؔ سے کیوں ہو گئے بیزار
پچھتاتی ہوں کیوں آپ کے دلبر کو رضا دی
صدقے گئی سب بیبیاں موجود ہیں پوچھو
گر گر کے قدم پر مرے کہتا تھا وہ خوش خو
لب خشک تھے رخساروں پہ آنسو بھی ڈھلے تھے
بیٹے کو رضا مرنے کی دی تھی یہ سمجھ کر
سو مرنے کو حضرت بھی چلے وائے مقدّر
ان قدموں سے چھٹنے کا قرینہ نہیں اچھا
رو کر کہا حضرتؑ نے کہ اے بانوئے دلگیر
جس وقت سے اکبرؑ سوئے جنّت ہوئے رہگیر
بیٹے کو جو رو رو کے تو چلّاتی ہے بانو
جب آتا تھا میں ساتھ مرے آتے تھے اکبرؑ
دھڑکا تھا یہ دل کو مرے اے بیکس و بے پر
کس منہ سے کہوں گا کہ سفر کر گئے اکبرؑ
اے بانوؔ میں شرمندۂ احساں ہوں تمہارا
کی فاقہ کشی تم نے مرے ساتھ گوارا
دکھ درد سہے رنج اٹھایا مرے گھر میں

ثابت ہوا الفت مری کم ہو گئی آقا
قسمت کا گلہ ہے نہیں کچھ آپ کا شکوا
تھی قدر ہماری علی اکبرؑ ہی کے دم تک
بے آس کسی کو نہ کرے حضرتِ باری
پوچھا بھی نہ حضرت نے کہ کیوں کرتی ہو زاری
حضرت کو بھی ہاتھوں سے مرے کھو گئے اکبرؑ
کیا وجہ جو آتے نہیں گھر میں شہِ ابرار
کچھ ہے مری تقصیر تو کیجے اسے اظہار
ہاں یہ تو ہے تقصیر کہ اکبرؑ کو رضا دی
حضرت کے پسر کو نہ رضا دیتی بھلی میں تو
بابا ہیں اکیلے ہمیں مرنے کی رضا دو
رخصت کے نہ ملنے پہ خفا ہو گئے چلے تھے
ہیں آپ تو دنیا میں سلامت مرے سر پر
ہر طرح سے برباد ہوئی بانوئے بے پر
بے وارث و بے آس کا جینا نہیں اچھا
واللہ کہ شق ہوتا ہے اب سینۂ شبیرؑ
کچھ مجھ کو بجز مرگ نہیں سوجھتی تدبیر
آگے ترے آتے مجھے شرم آتی ہے بانو
محبوب تھا تنہا ترے پاس آتا میں کیونکر
گر پوچھے گی بانوؔ کہ کہاں ہے مرا دلبر
جیتا ہے حسینؑ ابنِ علیؑ مر گئے اکبرؑ
مجھ پر علی اکبرؑ سے جواں بیٹے کو وارا
شبیرؑ کی الفت سے کیا پر نہ کنارا
تم نے کبھی آرام نہ پایا مرے گھر میں

میکے میں تو سب کچھ تھیں دولت تھی مہیّا
گھر فاطمہؑ کے آکے کیا فاقے پہ فاقا
اک دولتِ اولاد جو خالق نے عطا کی
رو کر کہا بانو نے یہ فرماؤ نہ حضرت
اس فاقہ کشی سے کوئی افضل نہیں دولت
کسریٰ کی جو پوتی ہوں تو کچھ فخر نہیں ہے

سُسرا کسے آفاق میں حیدر سا ملا ہے
کس بی بی کو بیٹا علی اکبر سا ملا ہے
ہاتھ آئی یہ دولت مجھے قدرت سے خدا کی
ملنا خزودیبا کا تو مشکل نہیں زنہار
پر حلّۂ فردوس کا ہاتھ آنا ہے دشوار
کیونکر نہ شرف ہو مجھے اس کہنہ ردا سے

دنیا میں کسی نے بھی ہے یہ مرتبہ پایا
سر گوندھ کے سُرمہ مری آنکھوں میں لگایا
اب رانڈ بہو ہوتی ہے زہراؑ و علیؑ کی
میں جانتی ہوں ہو چکا برباد مرا گھر
بازو میں رسن ظلم کی باندھیں گے ستمگر
زنداں میں جو ہو ظلم گوارا مجھے سب ہے

یہ سُن کے بہت روئے شہِ صابر و شاکر
ہے عازمِ فردوس مدینے کا مسافر
جس دم نظر آئے مرا سر نوکِ سناں پر
کہہ کر یہ سخن شاہ چلے خیمے سے باہر
چلّا کے کوئی کہتی تھی ہے ہے مرے شوہر
بابا کو قسم دے کے بُلاتی تھی سکینہؑ

رہتا تھا سدا بر میں لباسِ خزودیبا
پیوند پہ پیوند ہیں چادر میں ہر اک جا
سو وہ بھی بُرے وقت میں سر در پہ فدا کی
کونین کی دولت ملی حضرت کی بدولت
اقبال تھا میرا کہ ہوئی آپ سے وصلت
سر تاج مرا دوشِ محمدؐ کا مکیں ہے

گھر کس کو بھلا فاطمہؑ کے گھر سا ملا ہے
شوہر کسے فرزندِ پیمبرؐ سا ملا ہے
میں اور بہو بنتِ رسولِؐ دوسرا کی
ملتا ہے انھیں جن کو ہے دنیا سے سروکار
سو آپ کے صدقے میں ملے پائے ابرار
اللہ نے پیوند کیا آلِ عبا سے

خاتونِ قیامت نے دولھن مجھ کو بنایا
پوشاک پنہا کر مجھے مسند پہ بٹھایا
لٹتا ہے مرا راج دُہائی ہے نبیؐ کی
چھن جائے گی بعد آپ کے سر سے مرے چادر
روتی ہوئی میں قید میں جاؤں گی کھلے سر
دربار میں حاکم کے بُلایا تو غضب ہے

فرمایا کہ بانو خدا حافظ و ناصر
سب ظلم اٹھا لیجیو گر ہے مری خاطر
لانا نہ کوئی حرفِ شکایت کا زباں پر
رانڈوں میں بپا ہو گیا ہنگامۂ محشر
کہتی تھی کوئی اب نہیں آئیں گے برادر
سر پیٹتی پیچھے چلی جاتی تھی سکینہؑ

چلاتی تھی قربان ہو بیٹی چلے آؤ
مر جاؤں گی بابا مجھے تم چھوڑ نہ جاؤ
صدقے گئی ننھا سا مرا دل نہ کڑھاؤ
بیتاب ہوں مڑ کر مجھے صورت تو دکھاؤ
شہ کہتے تھے ماں پاس رہو نکلو نہ گھر سے
اب حشر میں ہوئے گی ملاقات پدر سے

یہ کہہ کے قریب فرس آئے شہ ابرار
گردن کو جھکائے ہوئے روتا تھا وہ رہوار
چمکار کے حضرت نے کیا اس کو بہت پیار
فرمایا کہ تو دیکھ تو اے اسپ وفادار
فرزند نہیں بھائی بھتیجا نہیں کوئی
تھامے جو رکاب اُن کے اتنا نہیں کوئی

زہراؑ کی صدا آئی یہ باگریہ وزاری
کیا بھول گئے پالنے والی کو میں واری
پہلو میں تو حاضر ہے یہ ماں درد کی ماری
اے لال میں تھاموں گی رکاب آج تمہاری
نقش سم رہوار سے آنکھوں کو ملوں گی
سر کھولے جلو میں ترے گھوڑے کے چلوں گی

گھوڑے پہ چڑھا راکب دوش شہ لولاک
جوں برق ہوا گرم عناں توسن چالاک
جبریل نے آکر بادب تھام لی فتراک
اقبال نے چومے بہ تفاخر قدم پاک
تھا شور کہ مرنے کو حسینؑ آج چلے ہیں
معراج کو یا صاحب معراج چلے ہیں

تازی پہ عجب شان سے شہ تیغ بکف تھے
گویا کہ ہمائے وغا شاہ نجف تھے
ناقوں پہ ملک نور کی باندھے ہوئے صف تھے
سر ننگے چپ و راس رسولان سلف تھے
ہر گام پہ آتی تھی صدا روح امیں کی
بس آخری ہے آج سواری شہ دیں کی

اے اہل جہاں آج کے دن کر لو زیارت
دنیا سے محمدؐ کے نواسے کی ہے رحلت
یہ شکل نہ آئے گی نظر پھر کسی صورت
سمجھو پسر فاطمہ زہراؑ کو غنیمت
ڈھونڈو گے تو پیغمبر سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمدؐ کا نواسا نہ ملے گا

تھا احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کی یہ نشانی
افسوس ہے کچھ تم نے مگر قدر نہ جانی
سیراب ہوئے تم نہ پلایا اسے پانی
کیا شکل نہیں ساقی کوثر کو دکھانی
دشمن کا ملاتا نہیں گھر خاک میں کوئی
باقی نہ رکھا پنجتن پاک میں کوئی

اس شان سے وہ فاطمہ کا زینت آغوش
میداں میں جو پہونچا تو نقیبوں کے اڑے ہوش
مثل لب سوفار کماندار تھے خاموش
اعدا کو ہوا جنگ کا انداز فراموش
بڑھنے سے قدم رکنے لگے فوج لعیں کے
مجرے کو علم جھکنے لگے فوج لعیں کے

تنہا تھے پہ اللہ رے شکوہ شہ آفاق
دشمن بھی ہوئے حسن کے نظّارے کے مشتاق
غل تھا کہ نثار قلم قدرت خلّاق
ہوتی ہے یہاں طاقت ذہن بشری طاق
کس حسن سے شکل شہ دلگیر کھنچی ہے
گویا ورق نور پہ تصویر کھنچی ہے

پیشانی روشن ہے کہ مہتاب فلک ہے
قطروں میں پسینے کے ستاروں کی چمک ہے
اور ابروئے کج قبلۂ طاعات ملک ہے
خم سجدے کو جس کے مہ نو آج تلک ہے
پیش صف مژگاں کوئی کیا سینہ سپر ہے
پھر جائیں تو اک دم میں جہاں زیر و زبر ہے

کیا دیدۂ حق بیں سے نقاہت ہے ہویدا
ہو نرگس شہلا بھی جسے دیکھ کے شیدا
ہے نقطۂ موم دل عارف کا سویدا
پردوں سے عجب قدرت پنہاں ہوئی پیدا
گردش یہ کبھی چرخ جفا جو نے نہ دیکھی
آنکھ ایسی کبھی خواب میں آہو نے نہ دیکھی

تابندہ ہے خورشید جمال شہ خوش خو
بجلی سی چمک جاتی ہے میدان میں ہر سو
آئینے کو نظارے کا اُس رخ پہ ہے کیا رُو
چشم شہ خاور میں بھر آتے ہیں آنسو
عارض کبھی دیکھے نہیں اس حسن و صفا کے
کیا ایک سے دو آئینے ہیں نور خدا کے

اس لب سے نہ دیں لعل کو نسبت کبھی ذی ہوش
یہ آتش یاقوت کو کر دیتے ہیں خاموش
ایسے کبھی دیکھے نہ سُنے چشم و لب و گوش
حق کی کبھی جن کو نہ ہوئی یاد فراموش
اوصاف ہوں کیا اُس لب اعجاز بیاں کے
جو چوسنے والے ہیں محمدؐ کی زباں کے

پُر نور گلا شمع تجلّی سے ہے روشن
شعلہ بھی اُٹھائے نہ جہاں شرم سے گردن
اور ہاتھ ہیں شاخ شجر وادیٔ ایمن
سینہ ہے وہ آئینہ کہ حیرت میں ہیں دشمن
بوسے کے لیے لب نہیں احمدؐ نے دھرے ہیں
اسرار الٰہی اسی سینے میں بھرے ہیں

زخم دل فرزند جو یاد آتا ہے پیہم
یہ درد ہے سینے میں کہ رک سکتے نہیں دم
بار الم فرقت عباسؑ سے ہیں خم
پر بخشش اُمت پہ کمر باندھے ہیں محکم
سر کٹنے کی پروا نہیں میدان دغا میں
کس صبر سے مارا ہے قدم راہ خدا میں

کیا شان شجاعت کو رقم کر سکے خامہ
برسوں جو لکھے ختم نہ ہو مدح کا نامہ
ہے خود کی جا سر پہ محمدؐ کا عمامہ
اور بے زرہ کے فقط اک کہنہ ہے جامہ
محتاج سپر وہ ہیں جنھیں جان کا ڈر ہے
یاں سامنے تلوار کے سینہ بھی سپر ہے

پہنا نہیں چار آئینہ یہ بر میں سمجھ کر
آنکھوں کے تلے پھرتا ہے آئینۂ خنجر
ان ہاتھوں کو دستانوں کی حاجت کہو کیا ہے
ہے قبضے میں حضرت کے یہ اک تیغ دو پیکر
کاٹے ہیں اسی تیغ نے جبریل کے شہپر
منظور نہیں اس سے حفاظت تن و سر کی

جس دم یہ کھنچی دم میں جہاں زیر و زبر ہے
خود سیفِ خدا فاتحِ خیبر کا پسر ہے
ہاتھ اٹھے جو بے تیغ شہِ کون و مکاں کا
کیا سرعت توسن کو قلم کر سکے ارقام
کاوے پہ جو پھرتے اسے دیکھا سحر و شام
اس تیزی سے مرصر کو گزرتے نہیں دیکھا

ہیں یال کے بال ایسے کہ شرمندہ ہو سنبل
اسوار ہے اس کا پسرِ صاحبِ دلدل
ہے دوشِ محمد کا مکیں خانۂ زیں پر
دو روز سے لب تشنہ ہیں یہ راکبِ رہوار
دریا میں تجھے لے چلوں اے اسپِ وفادار
اعدا کو نہیں ہے کسی پیاسے سے عداوت

کہتا ہے وہ رہوار بصد اشک فشانی
صدقے ترے اے حیدرِ کرار کے جانی
پیاسا تو ہوں لیکن فرسِ شاہِ امم ہوں
رو دیتے تھے مرکب یہ سن کر شہِ خوش خو
تانے ہوئے نیزے چلے آتے تھے جفا جو
لب خشک تھے آنکھیں شہِ مظلوم کی نم تھیں

تا پردے میں رہ جائیں شجاعت کے نہ جوہر
ہر اک بنِ مو شائقِ پیکاں ہے بدن پر
فرزندِ ید اللہ تو خود دستِ خدا ہے
سو مردوں کا تمغہ ہے شجاعوں کا ہے جوہر
شمشیرِ ید اللہ پہ دم دیتے ہیں سردار
تیغ اس لئے باندھی ہے نشانی ہے پدر کی

ہاتھ اس پہ رکھا جب تو سرِ دستِ ظفر ہے
شمشیر کا محتاج نہ پابندِ سپر ہے
بس کام دو انگشت سے تیغِ دو زباں کا
صحرائے وسیعِ دو جہاں جس کا ہے اک گام
گردش کو فراموش کرے ابلقِ ایام
جوں برق کبھی اس کو ٹھہرتے نہیں دیکھا

ہم سر نہ ہو کاکل سے کبھی حور کی کاکل
کہیے جو ملک اس کو نہیں جائے تامل
اس ناز سے رکھتا ہی نہیں پاؤں زمیں پر
چمکار کے فرماتے ہیں یہ سیدِ ابرار
تو چپ رہے کہ مانع نہ ترے ہوں گے ستمگار
گر ہے تو محمد کے نواسے سے عداوت

آقا کے تو لب تر نہ ہوں اور میں پیوں پانی
صورت ہے مجھے حشر میں دلدل کو دکھانی
عباس کے گھوڑے سے بھی کیا صبر میں کم ہوں
گھوڑے کی بھی آنکھوں سے ٹپک پڑتے تھے آنسو
ہاں تیر چلیں شہ پہ یہی شور تھا ہر سو
اک دم کے لئے سینکڑوں تلواریں علم تھیں

جلتی تھی زمیں رن کی ہوا شعلہ فشاں تھی
ماہی بھی حرارت سے تہِ آب نہاں تھی
کانٹے تھے تب و تاب سے ماہی کے گلو میں
اس گرمی میں بھرتے تھے جو حضرت نفسِ سرد
تھا ضعف سے جوں مہر رُخ سبطِ نبی زرد
پانی جو نہ ملتا تھا شہِ کون و مکاں کو
مضطر تھے چرند اور پرندوں میں جاں تھی
ہوئے گی قیامت میں جو گرمی وہ عیاں تھی
بت خانے حبابوں کے پڑے تھے لبِ جو میں
ہنستے تھے عداوت سے انھیں دیکھ کے بے درد
گیسوئے معنبر بسرِ دوش تھے پُر گرد
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ پھراتے تھے زباں کو

کہتے تھے کبھی دل سے نہ گھبرائیو اے دل
ہونا کوئی دم یادِ الٰہی سے نہ غافل
سب مر گئے باقی ہے بس مظلوم رہا ہے
اب قطع مسافت ہوئی نزدیک ہے منزل
لی باگ جواب کی تو ہوئے خلد میں داخل
اک مرحلۂ خنجر و حلقوم رہا ہے

یہ کہہ کے ہوئے سرورِ دیں عازمِ پیکار
گھبرا کے لگے ڈیوڑھی کو تکنے شہِ ابرار
عریاں ہے سر چاک گریبان کیے ہے
جو شور ہوا بیبیوں کے رونے کا اک بار
دکھلا کے چلی آتی ہے فضہ جگر افگار
مُردے کی طرح ہاتھوں پہ اصغر کو لیے ہے

چلاتی تھی ڈیوڑھی سے یہ بانوئے دل افگار
کہیو شہِ والا سے کہ یا سیدِ ابرار!
فضہ مرے بچے سے خبردار خبردار
اس لال کو چھاتی سے جدا کیجو نہ زنہار
پانی کو نہ شمرِ ستم ایجاد سے کہنا
حال اس کا کسی صاحبِ اولاد سے کہنا

فضہ کو یہ گھبرا کے پکارے شہِ والا
وہ بولی کہ پردے کا کسے ہوش تھا شاہا
نامحرموں میں خیمے سے نکلی یہ کیا کیا
دم توڑتا تھا پیاس سے چھوٹے ہیں یہ بچا
میں لے کے جو اس کو نہ کھلے سر نکل آتی
زہرا کی بہو پردے سے باہر نکل آتی

سن کر یہ سخن رونے لگے شاہِ خوش اوقات
نزدیک گئے دور سے پھیلائے ہوئے ہات
فرزند کو آغوش میں لے کر یہ کہی بات
ماں سے مری جاں تم بھی جدا ہو گئے ہیہات
بانو کے بھی جینے کی مجھے آس نہیں ہے
اب کوئی سکینہ کے سوا پاس نہیں ہے

فرما کے یہ آئے صفِ اعدا کے برابر
اک اک سے کہا بچے کو ہاتھوں پہ اٹھا کر
مظلوم ہے معصوم ہے پیاسا ہے یہ دلبر
نے دودھ میسر ہے نہ پانی ہے میسر
راضی ہوں میں تیغوں سے لہو میرا بہا دو
پر تھوڑا سا پانی اسے دریا سے پلا دو

بے آبی سے یہ پھول سا کھلاتا ہے یارو
معصوم پہ کافر بھی ترس کھاتا ہے یارو
پانی کے نہ دینے کا سزاوار تو میں ہوں
راضی ہوں ہیں قیمت ہے جو منظور تو زر لو
اک چلّو سے خالی ہو اگر نہر تو بھر لو
احساں کو نہ بھولے گا یہ حیدر کا ہے پوتا

بعضوں نے ترس کھا کے کہا دو اسے پانی
کہنے لگے اُن سے یہ کئی ظلم کے بانی
مارو اسے آغوشِ دل و جانِ نبیؐ ہیں
ہے دھیان کدھر شبّر کا بچّہ ہے یہ بے شیر
قابو میں پھر آنے ہی نہیں ہیں کسی تدبیر
فرزند ہے یہ شیرِ الٰہی کے پسر کا

یہ کہہ کے ہوئے مستعدِ قتل کماں دار
پڑنے لگی معصوم پہ تیروں کی جو بوچھار
چلّاتے تھے پیہم کہ یہ کیا کرتے ہو یارو
ناگہ بنِ کاہل کی کماں سے جو چلا تیر
دم بند ہوا درد سے حالت ہوئی تغیر
زخمی تھا پدر شکلِ پسر خوں میں بھری تھی

بیٹے کے لہو سے تو بھرے تھے شہِ والا
تیر اُس کے گلے سے جو شہِ دیں نے نکالا
شہ رونے لگے چہرے سے چہرے کو ملا کر
لاش اُس کی دکھا کر شہِ مظلوم پکارے
کہہ دیجیو بانو سے کہ پیاسے گئے مارے
تا حشر نہ چونکیں گے نہ اب رویں گے اصغرؑ

گہوارے میں ہر دم اسے غش آتا ہے یارو
بچّہ مرا ہاتھوں سے مرے جاتا ہے یارو
تقصیر ہے کیا اس کی گنہ گار تو میں ہوں
تم پانی کے قطرے کے عوض مجھ سے گہر لو
پانی دو اسے اور چمنِ خلد میں گھر لو
فرزند مرا ساقیِ کوثر کا ہے پوتا

اُنیوں میں بچے ایک تو شبیر کا جانی
ہم کو تو ہے سادات کی بنیاد مٹانی
بچّہ بھی نہ باقی رہے اولادِ علیؑ میں
شیر اس کا ہوا قطع کہ لی ہاتھ میں شمشیر
ہے صاف خطا گر نہ کمانوں سے چلیں تیر
لیوے گا عوض ہو کے جواں خونِ پدر کا

صف باندھ کے چلّوں سے ملائے لبِ سوفار
خم ہو کے بچاتے تھے اُسے سیّدِ ابرار
بچّے کو جو تاکا تو خطا کرتے ہو یارو
بچّے کا گلا چھد گیا اور بازوئے شبیر
مُنھ کھول کے ہاتھوں پہ تڑپنے لگا بے شیر
بازو میں تو پیکان تھا گردن میں سری تھی

تر خون میں تھا باپ کے وہ ہنسلیوں تلا
مُنھ سے عوضِ شیر لہو بچّے نے ڈالا
دم سرد ہوا نرگسی آنکھوں کو پھرا کر
فقہ تو بس اب جا علی اصغرؑ بھی سدھارے
ہم ساتھ ہیں اب اُن کے یہ ہیں ساتھ ہمارے
آرام سے پہلو میں مرے سوئیں گے اصغرؑ

فضہ گئی سر پیٹتی باحالتِ تغییر
تلوار سے کھودی لحدِ اصغرؑ بے شیر
صابر تھے پہ اشکِ شہِ والا نکل آئے
فرماتے تھے کیونکر علی اصغرؑ تجھے پاؤں
ماں تیری جو مانگے تو کہاں ڈھونڈھ کے لاؤں
ہاتھوں سے مرے خاک گرائی نہیں جاتی
خاتون قیامت کی صدا آئی کہ شبیرؑ
اے لال مری گود میں ہے اصغرؑ بے شیر
محسنؑ کو اور اصغرؑ کو تو ہاتھوں پہ دھروں گی
سن کر یہ بیاں خاک جو اُس چاند پہ ڈالی
روتے ہوئے تربت سے اُٹھے سرورِ عالی
پڑتی تھی نظر فوج پہ شمشیر کی صورت
تھے لاکھ جواں فوجِ ستمگر میں صف آرا
تلوار جو کھینچی تو ندا آئی قضا را
ہے زورِ علیؑ ہاتھوں میں اُس سرورِ دیں کے
طاقت تھی علیؑ نے جو مرے ہاتھ سے پائی
سردارِ دو عالم نے زباں اپنی چوسائی
سب زورِ نبوت بھی ولایت بھی ہے اس میں
یاں لشکرِ اعدا میں در آئے شہِ عالی
تلوار پڑی جس پہ نظر شیر نے ڈالی
نیزے کے ہلانے میں جو رستم سے نہ کم تھے
ہر ضرب میں جو رنگ تھے سو سو ستم ایجاد
چار آئینوں میں بھی نہ رہے امن سے اجساد
ضرب اس کی کسی سے نہ رکی فوج کے دل میں

یاں دفن کی فرزند کے کی شاہ نے تدبیر
جس وقت رکھی قبر میں وہ چاند سی تصویر
نزدیک یہ تھا منھ سے کلیجہ نکل آئے
اے چاند تجھے خاک میں کس طرح ملاؤں
اس وقت کلیجے کا کسے حال سناؤں
صورت تری مٹّی میں چھپائی نہیں جاتی
صدقے تری مظلومی کے میں بیکس و دلگیر
اب بند کرو قبر کو جو خواہشِ تقدیر
یوں حشر میں اللہ سے فریاد کروں گی
فرمایا کہ مر جائے گی ماں پالنے والی
خوں بہتا تھا بازو سے پہ تلوار سنبھالی
روباہوں پہ غصّے میں جھپٹے شیر کی صورت
اور تھا تنِ تنہا اسد اللہ کا پیارا
بچّے کے لیے غیظ میں ہے شیر ہمارا
ہاں روحِ امیں تھام لے طبقوں کو زمیں کے
سو دست بدست اس کے دو حصّے ہیں ہے آئی
قوت ہے محمدؐ کی بھی رگ رگ میں سمائی
اور فاطمہؑ کے دودھ کی طاقت بھی ہے اس میں
لاشوں سے بھرا دشت صفیں ہو گئیں خالی
برچھی کا نشانہ تھا کماں جس نے سنبھالی
اک ہاتھ میں بس ہاتھ بھی نیزے بھی قلم تھے
کٹتے تھے مع کاسۂ سر مغفرِ فولاد
تھی سیلِ فنا خانۂ تن کر دیے برباد
اُتری جو زرہ کٹ کے پھنسا دامِ اجل میں

اس معرکے میں تیغ بہادر کو ملا اوج
ہر فرد کو اس صاحب جوہر نے کیا زوج
تھا قلزم خوں جوش پہ ڈوبی ہوئی تھی فوج
آتے تھے نظر دست بریدہ صفت موج
خوں میں تو بدن غرق تھے بے دادگروں کے
پہنے تھے حبابوں کی طرح خود سروں کے

وار اس کا کوئی روک نہ سکتا تھا سپر پر
چمکی تو چھری پھر گئی دشمن کے جگر پر
گہ فرق پہ گہ سینے پہ اور گاہ کمر پر
بس قطع یہ جامہ تھا اسی تیغ دو سر پر
جس پر گئی بے ڈو کئے پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو بھی اس طرح سے گرتے نہیں دیکھا

کس طرح قلم لکھ سکے اس تیغ کے اوصاف
مشہور ہے وہ برق غضب قاف سے تا قاف
ملعونوں میں تھا اپنی شجاعت کا جنھیں لاف
پہلے انھیں سفاکوں پہ ہاتھ اس نے کیا صاف
غل تھا نہیں لڑتا کوئی تشنہ دہن ایسا
تیغ ایسی نہ دیکھی کبھی تیغ زن ایسا

کیا رحم تھا مولا کا میں اس رحم کے قرباں
اس غیظ میں بھی روکتے تھے تیغ کو ہر آں
حضرت سے یہ کہتی تھی وہ تیغ شہ مرداں
کیوں روکتے جاتے ہو مجھے اے شہ ذی شاں
میدان ستم لاشوں سے بھر دینے دو مجھ کو
خون علی اصغر کا عوض لینے دو مجھ کو

مارا ہے ابھی ہاتھوں پہ بچے کو تمھارے
اصغر سے بھی کیا زیادہ ہیں تم کو یہ پیارے
دم لیجے نہ حضرت انھیں بے جان کیے مارے
اک دم میں یہ مقہور فنا ہوتے ہیں سارے
دل کھول کے جوہر مرے دکھلائیے مولا!
اب کام رحیمی کا نہ فرمائیے مولا

مشہور ہے جنگ احد و خیبر و خندق
لاکھوں تھے ادھر اور تن تنہا اسد حق
کھینچا جو مجھے رنگ شجاعوں کے ہوئے فق
جاں بر نہ ہوا کاٹ سے میری کوئی مطلق
روکے مجھے طاقت ہے یہ اس فوج لعیں کی
میں کاٹنے والی ہوں پر رنج آہیں کی

اک دم نہ کبھی مجھ کو جدا کرتے تھے حیدر
بستر پہ بھی رکھتے تھے مجھے اپنے برابر
ہوتی تھی ادھر میں تو ادھر بنت پیمبر
مخدومۂ عالم سے یہ فرماتے تھے اکثر
یہ تیغ عنایات خدائے دو جہاں ہے
تم راحت دل ہو مری یہ راحت جاں ہے

مولا مرے جب ہونے لگے عازم جنت
تب مجھ کو کیا آپ کو حضرت نے عنایت
فرمایا تھا مجھ سے کہ ہو جب وقت مصیبت
کیجو مرے شبیر کی اس روز حفاظت
اعدا کے ذبح کرنے کو تیار ہوں مولا
پہ رحم سے حضرت کے میں ناچار ہوں مولا

نیزے بنے قاسمؑ نے بھی کھائے مرے ہوتے
ہمشکل نبیؐ خوں میں نہائے مرے ہوتے

چو رنگ نہ گر آج کیا اہلِ جفا کو
اب بھی نہ مجھے روکو تو غارت انھیں کر دوں
اک دم میں یہ میدانِ ستم لاشوں سے بھر دوں
چو رنگ نہ گر آج کیا اہلِ جفا کو

گر عذر یہ اس دم ہے کہ مجروح ہیں بازو
گر چھوڑ دو قبضے کو مرے اے شہِ خوش خو
تیغِ اسداللہ کی قدرت بھی دکھا دوں

لڑنے میں جو آجاتا تھا ہنگامِ عبادت
میں گردِ علیؑ پھرتی تھی پروانے کی صورت
روکوں گی بھی اور کاٹوں گی ملعونوں کے سر بھی

حضرت نے کہا سُن کے یہ اُس تیغ کی تقریر
بے تیغ اگر چاہوں تو غارت ہوں یہ بے پیر
اصغر کا نہ بازو کی جراحت کا الم ہو
مجھ سے یہ نہ ہوئے گا کہ اُمت کو مٹا دوں
اب بھی یہ اگر سمجھیں تو دوزخ سے بچا دوں
اُمت کا سفینہ تو ڈبویا نہیں جاتا

ہر معرکے میں دیکھے ہیں جوہر ترے اکثر
تے ہے کوئی دنیا میں نہ ہوگا ترا ہم سر
وعدے کو لڑکپن کے وفا کرتا ہے شبیرؑ

کہہ کر یہ سخن شاہ نے کی میاں میں تلوار
فرمایا بصد درد کہ اے ہمدم و غمخوار
جنت کو چلے تشنہ دہن ہم تو جہاں سے

عباسؑ نے بھی ہاتھ کٹائے مرے ہوتے
تیر آپ کو اعدا نے لگائے مرے ہوتے
کس طرح میں دکھلاؤں گی مُنھ شیرِ خدا کو

جھپکے نہ پلک سیکڑوں سر کاٹ کے دھر دوں
سامانِ قیامت کے عیاں ہوں تہِ گردوں
کس طرح میں دکھلاؤں گی مُنھ شیرِ خدا کو

اعجازِ امامت پہ تو ہے آپ کا قابو
کر دیتی ہوں انبار تن و سر کے میں ہر سو
بے دینوں کو اعجازِ امامت بھی دکھا دوں

بے خوف فریضے کو ادا کرتے تھے حضرت
آتا نہ تھا پاس کوئی اہلِ شقاوت
میں آج ہوں تلوار بھی حضرت کی سپر بھی

بازو تو شکستہ ہے پہ عاجز نہیں شبیرؑ
ہر کس سے لڑوں اے اسداللہ کی شمشیر
مارا ہے جنھیں میں نے انھیں کا مجھے غم ہو
اللہ سزا دے گا میں کیا اُن کو سزا دوں
نانا کا مجھے پاس ہے ایذا انھیں کیا دوں
فرزندوں کو کھویا انھیں کھویا نہیں جاتا

رتبہ ترا پہچانتا ہے نائبِ حیدر
پر تو بھی تو دیکھ آج مرے صبر کے جوہر
سجدہ تہِ شمشیر ادا کرتا ہے شبیرؑ

اور رو رو کے بوسے لئے قبضے کے کئی بار
لیتا ہے رخصت پسرِ حیدرِ کرار
اب مہدیؑ ہادی تجھے کھینچیں گے میاں سے

فرما کے یہ گھوڑے سے اُتر بیٹھے زمیں پر — سب ٹوٹ پڑے دوشِ محمدؐ کے مکیں پر
پڑنے لگیں تلواریں سرِ سرورِ دیں پر — چھاتی پہ لگیں برچھیاں اور تیر جبیں پر
سجدے کو سرِ پاک جُھکا طاعتِ حق میں — خورشیدِ زمیں ڈوب گیا خوں کی شفق میں

پھٹتا ہے جگر حال کہوں ذبح کا کیونکر — حلقِ پسرِ فاطمہؑ اور شمر کا خنجر
وہ سینہ جو تھا رُتبے میں قرآں کے برابر — ہے قہر کی جا پاؤں دھرے اُس پہ ستمگر
جس حلق کے بوسے لئے زہراؑ و علیؑ نے — فریاد ہے کاٹا اُسے خنجر سے شقی نے

سب جانتے ہیں شرع میں ہے حکمِ پیمبرؐ — حیواں کو کرو ذبح نہ حیواں کو دکھا کر
یاں در پہ کھڑی دیکھتی تھی زینبِ مضطر — دکھلا کے اُسے شمر نے کاٹا سرِ سرور
شہ ذبح ہوئے زینبؑ دلگیر کے آگے — بھائی کا گلا کٹ گیا ہمشیر کے آگے

خاموش انیسؔ اب کہ یہ ہنگام ادب ہے — اُس حلق کا اور تیغ کا احوال غضب ہے
یہ رونا رُلانا تری بخشش کا سبب ہے — آقا سے طلب کر تجھے جس شے کی طلب ہے
کیا کچھ نہیں حضرت کے تصدق سے ملا ہے — تصنیف کا تیری گہرِ اشک صلہ ہے

رُباعی

گر لاکھ برس جئے تو مرنا ہے — پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے
ہاں! توشۂ آخرت مہیّا کر لے — غافل! تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

رُباعی

دس دن یہ وہ ہیں کہ نوحہ گر ہے زہراؑ — تھامے ہوئے ہاتھوں سے جگر ہے زہراؑ
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اُڑاؤ لوگو! — کل شام سے کھولے ہوئے سر ہے زہراؑ

۱۹

مرثیہ

بند ۹۴

جب رو چکے حضرت علی اکبرؑ سے پسر کو
تھے سوچ میں زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
صدمہ تھا عجب بادشہِ جن و بشر کو
کہتے تھے کوئی لے گیا سینے سے جگر کو
اب مرگ کا طالب پسرِ شیرِ خدا ہے
بیٹا ہی نہ ہو جب تو مزا زیست کا کیا ہے

کھویا اُسے اٹھارہ برس تک جسے پالا
رشکِ قمر آنکھوں کی ضیا گھر کا اُجالا
دنیا سے گیا ہائے مرا گیسوؤں والا
مارا اُسے اعدا نے مجھے مار نہ ڈالا
مرنے کے نہ تھے دن کہ سفر کر گئے اکبرؑ
میں پیر تو جیتا ہوں جواں مر گئے اکبرؑ

افسوس برابر کا پسر باپ سے چھوٹا
پردیس میں بیکس پہ فلک ظلم کا ٹوٹا
باقی نہ کوئی گل ہے نہ غنچہ ہے نہ بوٹا
فریاد کہ اُمت نے مرے باغ کو لوٹا
زخم اُن کو ملے داغِ جگر ہم کو ملے ہیں
وہ پھول اُنھیں اور یہ ثمر ہم کو ملے ہیں

جو غنچہ دہن تھے چمنِ دہر میں نایاب
مہتاب کی جن کے تنِ نازک کو نہ تھی تاب
بستانِ رسولِ عربی کے گلِ شاداب
دو دن نہ اُنھیں فصلِ بہاری میں ملا آب
سب گل ستمِ تیغِ خزاں سہ گئے افسوس
شبنم کی طرح رونے کو ہم رہ گئے افسوس

طاقت تو گئی قلب سے آنکھوں سے گیا نور
تھے صاحبِ مقدور پر اب ہو گئے مجبور
ایک دل کئی داغ ایک جگر اور کئی ناسور
حال اپنا دکھائیں کسے اکبرؑ ہیں بہت دور
بے حلق کٹائے ہوئے ہم جا نہیں سکتے
اور واں وہ سدھارے ہیں کہ یاں آ نہیں سکتے

مشکل ہے عجب خیمے میں جائیں کہ نہ جائیں
ڈر ہے کہ نہ سیدانیاں باہر نکل آئیں
فرزند کہاں ہے کہ اُسے ڈھونڈ کے لائیں
ممکن نہیں اب کھوئے ہوؤں کو کہاں پائیں
اکبرؑ کی ملاقات سے ہے یاس پدر کو
جیتا تھا جو یعقوبؑ نے پایا تھا پسر کو

جو کر گیا دنیا سے سفر پھر نہیں آتا
آنکھوں سے چھپا جو وہ نظر پھر نہیں آتا
جنت میں جو پہونچا وہ ادھر پھر نہیں آتا
تڑپا کریں ماں باپ پسر پھر نہیں آتا
سرور کے گلے سے علی اکبرؑ کے ملیں گے
اس آس پہ جیتے ہیں کہ اب مر کے ملیں گے

بیٹا جو سفر میں ہو تو رہتا ہے یہی دھیان
ہوتا ہے کوئی دن میں ملاقات کا ساماں
اور وصل کی اُمید نہ ہو جب کسی عنواں
پھر مرگ ہی ماں باپ کے ہے درد کا درماں
گھر ہو گیا برباد حسینؑ ابن علیؑ کا
فرزند جواں ہو کے نہ مر جائے کسی کا

یہ کہتے ہوئے خیمے میں داخل ہوئے سرور
دیکھا کہ حرم پیٹتے ہیں کھولے ہوئے سر
غش خاک پہ ہے ایک طرف زینبؑ مضطر
چلاتی ہے بانو علی اکبرؑ! علی اکبرؑ!
ماتم ہے بپا چاک گریبان کیے ہیں
شہزادیوں کو لونڈیاں حلقے میں لیے ہیں

رو کر کوئی زینبؑ کو اُٹھاتی ہے زمیں سے
سمجھاتی ہے پیٹی کوئی بانوئے حزیں سے
چلا کے سکینہؑ نے کہا شہ دیں سے
بابا مرے بھیا نہ پھرے لشکر کیں سے
دونوں غم اکبر میں نہ اک آن جئیں گی
اماں بھی جئیں گی نہ پھوپی جان جئیں گی

حضرت نے کہا کون پھر وہ تو سدھارے
بی بی انھیں نیزے ستم ایجادوں نے مارے
عباس علیؑ سوتے ہیں دریا کے کنارے
اب غیر اجل کوئی نہیں پاس ہمارے
دنیا سے سوئے خلد سفر ہے کوئی دم کو
اکبرؑ کو تو سب رو چکے اب روئیں گے ہم کو

سب بی بیاں گھبرا گئیں سنتے ہی یہ تقریر
تھراتی ہوئی غش سے اُٹھی شاہ کی ہمشیر
ایک ایک کا منہ تکنے لگی بانوئے دلگیر
سب سے کہا کیوں صاحبو دیکھی مری تقدیر
میں سمجھی تھی پرسا مجھے دیویں گے پسر کا
ہے اور ہی کچھ قصد شہ جن و بشر کا

اُجڑی ہی تھی مری کوکھ ہوا تھا مرا جایا
اک آگ نے تھا دل بھی کلیجہ بھی جلایا
کہتی تھی بھلا سر پہ ہے وارث کا تو سایا
پیغام رنڈاپے کا بھی قسمت نے سنایا
رکھا ہے تباہی نے قدم گھر میں ہمارے
در در ابھی پھرنا ہے مقدر میں ہمارے

پاس آکے یہ کہنے لگے پھر سبط پیمبرؐ
باتیں نہ کرو یاس کی اے بانوئے مضطر
دنیا میں سدا جیتے ہیں فرزند نہ شوہر
کیوں روتی ہو اللہ کا سایہ تو ہے سر پر
ہم لوگ تو مجبور ہیں مختار وہی ہے
مشکل میں غریبوں کا مددگار وہی ہے

جس خالق اکبرؑ پہ کیا بیٹے کو قرباں
مشکل بھی تمہاری وہی کر دیوے گا آساں
پردے میں رہو یا کہ پھرو یا سر عریاں
حافظ وہی گھر کا وہی عزت کا نگہباں
جو چپ ہو اثر کرتی ہے فریاد اسی کی
ایذائے اسیری میں رہے یاد اسی کی

لوٹیں گے اگر گھر کو تو گھر کس نے دیا تھا
منصف ہو تمہیں زیور و زر کس نے دیا تھا
یہ نخل تمنا میں ثمر کس نے دیا تھا
ہمشکل محمدؐ سا پسر کس نے دیا تھا
ہم تھے تو محافظ تھے امانت تھی اسی کی
بخشش تھی اسی کی یہ عنایت تھی اسی کی

گھر بار کے لٹنے کا تاسف نہیں زنہار
بہتر ہے مسافر کو جہاں تک ہو سبک بار
سب کچھ مجھے بخشا تھا مگر عاقبت کار
بھائی ہے نہ بیٹا ہے نہ لشکر نہ علمدار
جو اس کی امانت ہے وہ سب دے کے چلے ہیں
کچھ لے کے نہ آئے تھے نہ کچھ لے کے چلے ہیں

ہاں ایک امانت ابھی باقی ہے مقرر
اس سے بھی ادا مجھ کو کرے خالق اکبرؑ
ہے قول کا صادق پسر فاتح خیبر
وہ دین ہے کیا دین کہ تن پر سے کٹے سر
منزل پہ پہونچ جاؤں جو طے راہ رضا ہو
رستہ دم شمشیر پہ ہے دیکھیے کیا ہو

بانو سے یہ فرما چکے جب حضرت شبیرؑ
حسرت سے نظر کی طرف زینبؑ دلگیر
فرمایا کہ تم بھی ہمیں رخصت کرو ہمشیر
منزل ہے بہت دور مناسب نہیں تاخیر
دن وصل کے آخر ہوئے فرقت کی گھڑی ہے
شبیرؑ سے مل لو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

تم فاطمہ زہراؑ کے طریقے سے ہو آگاہ
ہر شخص کو درپیش ہے اک روز یہی راہ
زینبؑ نے کہا صدقے بہن اے شہ ذی جاہ
بے آپ کے مر جاوے گی بنت اسداللہ
جو حکم ہو کچھ منہ سے نہ ہمشیر کہے گی
یہ کہنہ ردا بھی نہ مرے سر پہ رہے گی

مظلومی زینبؑ پہ دل شاہ بھر آیا
اشکوں کے عوض خون دل آنکھوں سے بہایا
چھاتی سے کئی بار سکینہؑ کو لگایا
خیمے سے چلا احمدؐ مختار کا جایا
روتے ہوئے شبیرؑ جو باہر نکل آئے
پیچھے حرم پاک کھلے سر نکل آئے

تنہائی شبیرؑ کا کیا حال کہوں آہ
بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی دوست تھا واللہ
یا اسپ وفادار تھا یا سید ذی جاہ
زینبؑ نے رکاب آ کے جو تھامی تو چڑھے شاہ
کبراؑ قدم سید ابرار سے لپٹی
بانوئے حزیں گردن رہوار سے لپٹی

مرکب کو بھی راکب کو بھی دے کے دُعائیں
میں چھوٹے سے ہاتھوں سے سکینہ نے بلائیں
شہ کہتے تھے اعدا نہ کہیں تیر لگائیں
تم خیمے میں اب جاؤ تو ہم مرنے کو جائیں
وہ کہتی تھی بابا مجھے تم پیار تو کر لو
میداں سے کب آؤ گے اقرار تو کر لو

جاتے ہو تو صدقے گئی پھر جلدی سے آنا
عمو کی طرح سے کہیں کوثر پہ نہ جانا
ہو جائے گا تیرہ مری آنکھوں میں زمانا
اچھے مرے بابا مجھے چھاتی پہ سُلانا
جلد آؤ گے میداں سے تو رونے کی نہیں میں
دیکھو جو ہوئی دیر تو سونے کی نہیں میں

بیٹی سے کہا شہ نے بصد گریہ وزاری
صدقے میں اے مرے عاشق مری پیاری
چھاتی پہ سُلا دیں گی پھوپھی جان تمھاری
کُڑھیو نہ بہت گر نہ پھرے جلد سواری
تم کو بھی بلالیں گے جہاں ہوئیں گے بیٹی
کچھ کام ہے ہم آج وہیں سوئیں گے بیٹی

وہ بولی نہ مانی ہے نہ مانوں گی یہی بات
اب آپ کے دامن سے نہ اُٹھے گا مرا ہات
رو رو کے یہ فرمانے لگے شاہ خوش اوقات
تنہائی کی پہلی علی اصغر کی ہے یہ رات
مُنھ لاشۂ معصوم سے موڑا نہیں جاتا
دے ساتھ جو اپنا اُسے چھوڑا نہیں جاتا

مادر سے جدا ہو کے دیا ساتھ پدر کا
تنہائی پھر اُس کی مجھے کیونکر ہو گوارا
کچھ اس میں نہ ہو جائے گا کم پیار تمھارا
پیاری ہو اگر تم تو ہے وہ بھی مجھے پیارا
یاں فرش ہے سونے کو وہاں گرم زمیں ہے
تم پاس تو سب ہیں کوئی اُس پاس نہیں ہے

اس ذکر پہ سر پیٹ کے بانو یہ پکاری
ہے ہے مرے اصغر تری تنہائی کے واری
آغوش میں لے کس کو یہاں درد کی ماری
تم مر گئے ویران ہوئی گود ہماری
دل میں مرے ارمان بھرے رہ گئے بیٹا
کُرتے جو سیئے تھے وہ دھرے رہ گئے بیٹا

روتے ہوئے شبیر چلے جانب میداں
چلائے یہ ناموس کہ اللہ نگہباں
تھی تابشِ خورشید ہوا تھی شرر افشاں
اُڑتے تھے رُخِ پاک پہ گیسوئے پریشاں
قطروں کے پسینے کی یہ کثرت تھی جبیں پر
ہر گام پہ گرتے تھے ستارے سے زمیں پر

مولا کی زہے شان زہے قدرت اللہ
تنہا تھے مگر ساتھ تھی فوجِ حشم شاہ
پیدل تھے ملک اسپِ فلک سیر کے ہمراہ
باندھے تھے صفیں لشکر جن تا صفِ جنگاہ
دونوں پہ چپ و راس شہِ دیں کی نظر تھی
مرجائیں گے تنہا یہ کسی کو نہ خبر تھی

نُصرت کا تھا یہ قول کہ خاکِ کفِ پا ہوں
تیغِ دو زباں کہتی تھی میں قہرِ خدا ہوں
گو سب ہیں پہ میں ہاتھ نہ قبضے پہ دھروں گا

شبیرؑ کے ہمراہ رسولانِ سلف تھے
شاہِ شہدا بیچ میں شمشیر بکف تھے
ہے ہے مرے شبیرؑ یہ چلاتی تھی زہرؑا

بکھرے ہوئے تھے بال کلیجہ تھا دو پارا
حورانِ بہشتی کو نہ تھا صبر کا یارا
نے تاب فلک کو نہ تحمل تھا زمیں کو

کی عرض ملائک نے کہ یا سیدِ ابرار
اس طرح گُہر بار ہوئے لعلِ گہربار
کیا ابنِ علیؑ صاحبِ مقدور نہیں ہے

پیارے ہیں مجھے گو کہ انھیں میں نہیں پیارا
عباسؑ سے بھائی کا کیا داغ گوارا
مارا انھیں جس جس نے وہ ہر چند یہی ہیں

باقی ہے اب اک جانِ ستم دیدۂ شبیرؑ
یہ سینۂ بے کینہ ہے وقفِ تبر و تیر
مظلوم کا فرزند ہوں مظلوم مروں گا

کی سارے رسولوں کی مرے باپ نے امداد
راضی ہوں میں گردن پہ چلے خنجرِ فولاد
لازم ہے کرے صبر علیؑ کا پسر ایسا

جنات نے پھر عرض یہ کی قدموں پہ گر کر
فرما گئے تھے ہم سے یہی حیدرؑ صفدر
سر دے کے شریکِ شہدا ہوئیں گے مولا

اقبال یہ کہتا تھا کہ میں بالِ ہما ہوں
فرماتے تھے شبیرؑ کہ راضی بہ رضا ہوں
پیاسا ہوں کئی روز کا پیاسا ہی مروں گا

جنات و ملائک کے پرے دونوں طرف تھے
دل تھامے ہوئے ساتھ شہنشاہِ نجف تھے
سر پیٹتی ہاتھوں سے چلی جاتی تھی زہرؑا

تھامے ہوئے تھیں آسیہ و مریم و سارا
چلاتی تھیں ہے ہے اسداللہ کا پیارا
فریاد سے مردوں کی تزلزل تھا زمیں کو

ہم بھی ہیں تری راہ میں سر دینے کو تیار
بندہ ہوں میں جب کا وہی ہے مرا مددگار
اُمت کی تباہی مجھے منظور نہیں ہے

بولا نہ جب اکبرؑ سا جواں بیٹے کو مارا
شش ماہہ پسر تیرِ ستم کھا کے سدھارا
بھائی ہیں یہی اور مرے فرزند یہی ہیں

اور حلق ہے مشتاقِ دمِ خنجر و شمشیر
جس طرح سے چاہیں مجھے بسمل کریں بے پیر
کاٹیں گے گلا بھی تو گلا میں نہ کروں گا

فریاد رسِ خلق کو کیا چاہیے فریاد
گھر ہو مرا برباد پہ اُمت نہ ہو برباد
تم بھی کہو اب تک نہیں دیکھا بشر ایسا

ہم خادمِ دیرینہ ہیں یا سبطِ پیمبرؐ
کچھ مدد آفت میں پھنسے جب مرا دلبر
ہم آپ کے قدموں پہ فدا ہوئیں گے مولا

فرمایا کہ تھا فوج ملک کو بھی یہی دھیان
ہم ہوں پسر صاحب لولاک پہ قرباں
پر میں نے گوارا نہ کیا اُن کا بھی احسان
بے جاں مجھے اب ہونے دو اے قوم بنی جاں
ہرگز تمھیں لڑنے کا اشارا نہ کروں گا
مر جاؤں گا امداد گوارا نہ کروں گا

فرما کے یہ جنات سے گھوڑے کو بڑھایا
چالاکی توسن کو ہوا نے بھی نہ پایا
خورشید کا جلوہ رُخ روشن نے دکھایا
غل پڑ گیا آیا پسر فاطمہؑ آیا
ہُشیار کہ اب تیغ شرربار کھنچے گی
جو عرش سے اُتری ہے وہ تلوار چلے گی

نور رُخ روشن میں عجب جلوہ گری ہے
یاں مہر جہاں تاب کا چہرہ نظری ہے
خورشید یہ ہے اور وہ چراغ سحری ہے
راکب جو فرشتہ ہے تو مرکب بھی پری ہے
بجلی ہے جو اسوار اسے چمکا کے پھرائے
یہ قاف سے تا قاف ابھی جا کے پھر آئے

ہے عام کو مرغوب بہت وصف سراپا
حیراں ہے مگر عقل کہوں گر تو کہوں کیا
تشبیہ کی صورت کوئی بنتی نہیں اصلا
جو شے ہے سراپا میں نئے ذہن کے سو یکتا
خورشید خجل رُخ سے قمر اُس کف پا سے
کس شے کو مقابل میں کروں نور خدا سے

سچ کہتا ہے ذاکر نہیں فرق اس میں سر مو
سو پیچ ہیں کیا ہو صفت کاکل و گیسو
اُس زلف کے ہمسر ہو یہ سنبل کا نہیں رو
نے مشک میں نے عنبر سارا میں یہ خوشبو
کس طرح نہ عاجز دم تحریر قلم ہو
کچھ سلسلہ ہاتھ آئے تو تعریف رقم ہو

ہر مو ہے رگ ابر کرم یا رگ جاں ہے
یا ہے یہ شب قدر کہ قدر اس کی عیاں ہے
یا سنبل پیچیدۂ گلزار جناں ہے
یا آہ دل حسرت زہرا کا دھواں ہے
دیکھو تو ضیا چہرۂ شاہ شہدا کی
دو راتوں میں اک صبح یہ قدرت ہے خدا کی

پیشانی نورانی فرزند پیمبر
ہے مطلع نور آیت نور اقدس اطہر
آئینہ جو کہیے تو یہ روشن وہ مکدر
دو ماہ سے نسبت تو وہ داغی ہے سراسر
کہتا ہے یہ دل لطف تو حاصل نہیں ہوتا
ناقص کبھی کامل کے مقابل نہیں ہوتا

اُن ابروؤں کو کہیے جو شمشیر ہلالی
کہتی ہے طبیعت کہ یہ مضمون نہیں عالی
تشبیہ مہ نو کی ہو کاہش سے نکالی
دیکھا تو یہ پہلو بھی ہے کچھ حسن سے خالی
ابرو فلک حسن پہ یکتا نظر آئے
آنکھوں سے بھی رتبے میں دوبالا نظر آئے

نرگس سے جو تشبیہ ہو اُس چشم کی منظور
آپس میں کریں اہلِ بصارت یہی مذکور
مردم کے تو نزدیک یہ بینائی سے ہے دور
یہ چشمۂ انوارِ خدا اور وہ بے نور
بینا ہو تو عاید یہ خطا کس کی طرف ہے
تحقیر تو اعلیٰ کی ہے ادنیٰ کا شرف ہے

کس مُنھ سے بیاں کیجئے وصفِ لبِ شبیرؑ
یاقوت کا کیا مرتبہ کیا لال کی توقیر
جن ہونٹوں نے خاتونِ قیامت کا پیا شیر
پتھر نے کہاں پائی یہ اعجاز کی تقریر
ہر لب پہ ہے ذکر اُن کی جو شیریں سخنی کا
حیرت سے جگر خوں ہے عقیقِ یمنی کا

دانتوں کی ثنا اپنی زباں پر کوئی کیا لائے
ظاہر ہوں تبسم میں تو بجلی سی چمک جائے
الماس و گہر جن کی چمک دیکھ کے شرمائے
افلاک تو اس طرح سے اختر ہمیں دکھلائے
ہے فوق انھیں عقدِ ثریا سے گھنے ہیں
یہ فاطمہؑ کے دودھ کے قطروں سے بنے ہیں

جو دانت کہ تھے عرشِ معلّےٰ کے ستارے
افسوس یزید اُن پہ چھڑی بید کی مارے
زہراؑ نے صدا دُرِّ ثمین جن پہ اُتارے
دشمن کو نہ پیارے ہوں نبیؐ کو تو ہیں پیارے
سمجھا نہ کہ دانت ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں میں
سب مار کے ڈھاڑیں انھیں روتے ہیں جہاں میں

تفسیرِ حسینی ہے خطِ مصحفِ رخسار
اعجاز سے خالی نہیں حُسنِ خطِ ابرار
یا خامۂ قدرت نے لکھا ہے خطِ گلزار
دیکھو تو ادھر شام اُدھر صبح کے آثار
ظلمات کو پہلو میں اُجالے نے لیا ہے
مہتاب کو آغوش میں ہالے نے لیا ہے

ہے گردنِ شہ مملکتِ حُسن میں سردار
اُس گردنِ نازک پہ چلا خنجرِ خونخوار
مُنھ جس پہ سدا ملتے رہے احمدِ مختار
مقطع اسے سمجھے تھے کہ جو مطلعِ انوار
کیا اُس کے مقابل ہو بھلا طور کا شعلہ
وہ آگ کا شعلہ تھا یہ ہے نور کا شعلہ

آئینۂ مہتاب سے روشن ہے وہ سینہ
حق کے گہرِ راز کا معدن ہے وہ سینہ
پُر داغوں سے اولادوں کے گلشن ہے وہ سینہ
قرآں کی طرح علم کا مخزن ہے وہ سینہ
رکھ لیتے ہیں سب سر پہ یہ مصحف کا ادب ہے
واں پاؤں رکھے شمر قیامت ہے غضب ہے

آئینے سے بھی صاف تنِ شاہِ زمن ہے
خوشبو میں بہ از نافۂ آہوئے ختن ہے
مابینِ شکم ناف نہیں عکسِ ذقن ہے
اور موئے کمر رشتۂ گلدستۂ تن ہے
سر دینے کو میدانِ شہادت میں چلے ہیں
مُنھ فوجِ ملک نے انھیں قدموں پہ ملے ہیں

ناگاہ بجا طبل ہوئی تیروں کی بوچھار
دس سو جو علم ہائے سیہ کھل گئے یک بار
تلواروں سے واں برق بھی شرمائی ہوئی ہے
حضرت نے نظر کی جو سوئے قوم ستمگر
فرمانے لگے یوں بہ تبسم شہ صفدر

دُنیا میں بدوں کو نہیں کچھ نیک کی خاطر
جوڑے ہوئے تیروں کو ہیں چلّوں میں کماندار
یاں ایک گلا واں کئی سو خنجر خونخوار
دست ستم و جور بڑھائیں گے کہاں تک
دم کر گے دُعا سینے پہ اور طیش میں آ کر
سب لڑنے جو آئے ہو اکیلا مجھے پا کر

تنہا ہوں مگر فوج کی کثرت پہ نہ پھولو
مجبور نہ سمجھو مجھے اے فرقۂ ناری!
ہو جائے اشارے میں فنا فوج یہ ساری

کوسوں تلک اس بن میں کٹے سر نظر آئیں
کہہ دوں کہ سرک یاں سے تو دریا ابھی ہٹ جائے
یوں رعد بھی کڑکے کہ جگر شیر کا پھٹ جائے

برباد یہ سب خرمن ہستی نظر آئے
اُف کر دوں تو سب فوج کے نیزے ابھی جل جائیں
تلواریں تڑپ کر ابھی قبضوں سے نکل جائیں

پرواز کریں تیر پرندوں کی طرح سے
گھوڑا امراان گھوڑوں سے کر دے جو اشارے
نازاں ہو کہ راحت سے ہیں دریا کے کنارے

جلنے سے کلیجوں کو نہ راحت کوئی دم ہو

گر جا جو دہل گونج گیا گنبد دوّار:
دن ہو گیا آنکھوں میں لعینوں کے شب تار
اُڑنے سے پھریروں کے گھٹا چھائی ہوئی ہے
دیکھے کہیں نیزے کہیں تیغیں کہیں خنجر
فوجیں ہیں کہ موجیں ہیں، یہ دریا ہے کہ لشکر

اللہ یہ انبوہ ہے مجھ ایک کی خاطر
اک سینے کی خاطر یہ تردد تو ہے بے کار
پامالی تو ایک جسم کی اور اس قدر اسوار
سب نیزوں پہ اک سر کو چڑھائیں گے کہاں تک
نعرہ کیا حضرت نے یہ گھوڑے کو بڑھا کر
دیکھوں تو بچا کون مری ضرب اُٹھا کر

مجھ سے نہ بر آؤ گے شجاعت پہ نہ پھولو
ہر چیز پہ عالم میں مرا حکم ہے جاری
چل جائیں تمھیں پر ابھی تلواریں تمھاری

خنجر جو کمر میں ہیں گلوں پر نظر آئیں
دوں حکم ہوا کو تو ابھی خاک سے پٹ جائے
یوں زلزلہ آئے کہ زمیں رن کی اُلٹ جائے

باراں کی طرح آگ برستی نظر آئے
پھل برچھیوں کے شمع کے مانند پگھل جائیں
اور تم کو نیام اژدہے بن بن کے نگل جائیں

پھنس جاؤ کمانوں میں کمندوں کی طرح سے
زینوں سے گرا دیں ابھی رہوار تمھارے
میں چاہوں تو مر جاؤ وہیں پیاس کے مارے

دریا کو بھی پی لو تو کبھی پیاس نہ کم ہو

سینہ مرا اسرار امامت سے بھرا ہے
دل خالق اکبر کی محبت سے بھرا ہے
دامن مرا ایمان کی دولت سے بھرا ہے
ہر عضو بدن زور شجاعت سے بھرا ہے
خاموش ہوں خاطر سے رسول عربی کی
ہاتھ اس لیے روکا ہے کہ امت ہو نبی کی

بابا ہے مرا شیر خدا شاہ عادل
دو ہو گئے تلوار سے جس کی حق و باطل
ہوتا نہ اگر صبر تو تھی دشمنی مشکل
تم ظلم میں یکتا ہو تو ہیں صبر میں کامل
ہوتا نہ اگر صبر تو کچھ کام نہ ہوتا
مظلوم زمانے میں مرا نام نہ ہوتا

آئے تھے ابھی میری مدد کو ملک و جن
یاں عرض نہ مقبول ہوئی ایک کی لیکن
بے کس کا وہ احسان جو ہو خلق کا محسن
دنیا میں بہت جی چکے مرنا بھی ہے اک دن
سمجھا کہ یہ ساماں نہ مرے حق میں زبوں ہو
اک جان بچے اور کئی لاکھ کا خوں ہو

آئی یہ ندا چرخ سے اے شیر ہمارے
بگڑے ہوئے جو کام تھے سب تم نے سنوارے
معشوق کے عاشق ہی سمجھتے ہیں اشارے
پیارا جو ہمیں تو ہے تو ہم ہیں تجھے پیارے
ہمت ہو تو ایسی ہو مروت ہو تو ایسی
بندہ ہو تو ایسا ہو جو طاعت ہو تو ایسی

ہم حکم تجھے دیتے ہیں یاں تیغ علم کر
اور آیۂ نصرت کو دم تیغ پہ دم کر
لاکھوں سے لڑائی ہے ذرا رحم کو کم کر
نیزے کو علم کر سر اعدا کو قلم کر
جب تک کہ جہاں خلق سے آباد رہے گا
یہ معرکہ بھی حشر تلک یاد رہے گا

یہ سنتے ہی شہ نے سر تسلیم جھکایا
کی عرض کہ جو حکم ترا بار خدایا
تلوار جو کھینچی تو ہلا عرش کا پایا
قدسی یہ پکارے غضب آیا غضب آیا
کاٹا ہے اسی نے پر جبریل امیں کو
اللہ بچائے گا کمر گاو زمیں کو

چمکی جو علم ہو کے وہ شمشیر شرر بار
اک برق سی آئینہ گردوں کے ہوئی پار
دریا میں تلاطم ہوا لرزاں ہوئے کہسار
مچھلی گئی پانی میں تو دریا میں گرے مار
دہشت سے ہرن شیر کے مسکن میں چھپا تھا
شہباز کبوتر کے نشیمن میں چھپا تھا

شیروں کو نیستاں سے نکلتے ہی بن آئی
روباہوں نے چھپنے کی جگہ شیر کی پائی
جاں اپنی درندوں نے فقط تھی یہ بچائی
دیتے تھے پرندے بھی سلیماں کی دہائی
پرواز کے مشتاق تھے پر بھول گئے تھے
ہوش اڑ گئے تھے خوف سے گھر بھول گئے تھے

تھی فوجِ مخالف میں عجب طرح کی ہلچل
آفت ہے یہ پیاری ہے اگر جان تو ٹل چل
بجلی ہے یہ بجلی ہے جلا دینے کی خو ہے

حملہ جو کیا شاہ نے لشکر ہوا تر پھر
بالائے زمیں تیغ سے کٹ کٹ کے گرے سر
یوں چل گئی اجسامِ مخالف کے وسط پر

اُس صف سے جو نکلی نظر آئی صفِ ثانی
آبِ دمِ شمشیر کی دیکھی جو روانی
کٹ کٹ کے ابھی سر نہ گرے تھے بدنوں سے

افراط سے کشتوں کی لگا موت کا دربار
بجلی سے بھی بالا ہے یہ شمشیرِ شرربار
قبضے میں اسی کے ہے جو کچھ کارِ اجل ہے

وہ تیغ تھی کس گھاٹ کے پانی سے بجھائی
دیکھے نہ یہ جوہر نہ یہ تیزی نہ صفائی
پہونچے نہ کبھی سیلِ فنا گھاٹ کو اُس کے

برہم جو صفیں ہو گئیں اک جا ہوئے اظلم
برش تھی عجب اور عجب طرح کا دم خم
کیا جانے وہ پھل کون سے لوہے سے بنا تھا

بے جان تھا جو بڑھتے تھے قدم رن سے کسی کے
دو کر کے نکل جاتی تھی توسن سے کسی کے

چار آئنہ والے بھی تہِ تیغِ دو دم تھے

خوں میں صفِ دشمن کو ڈباتی ہوئی آئی
شعلے کی طرح سب کو جلاتی ہوئی آئی

ہر سو دمِ اژدر کی طرح شعلہ فشاں تھی

ایک ایک سے کہتا تھا یہ لشکر سے نکل چل
ناداں ٹھہرنے کا نہیں ہے یہ محل چل

اک ضربتِ شمشیر میں پھر ہیں ہوس نہ تو ہے
رُخ پھر گئے جب تاب ٹھہرنے کی کہاں تھی

اک چشم زدن میں صفِ اوّل ہوئی آخر
پھر جاتا ہے جس طرح قلم حرفِ غلط پر

اُس میں بھی در آیا اسد اللہ کا جانی
دہشت سے لعینوں کے جگر ہو گئے پانی
روحوں نے کنارا کیا پہلے ہی تنوں سے

غل تھا کہ عبث آئے تھے ہم چھوڑ کے گھر بار
افلاک سے اک بار وہ گرتی ہے یہ ہر بار
دستِ ملک الموت ہے یا تیغ کا پھل ہے

اک موج تھی دریائے فنا کی جدھر آئی
کٹ جائے اگر منھ پہ چڑھے ساری خدائی
جبریل کے پر جانتے ہیں کاٹ کو اُس کے

اُس تیغ نے واں بھی انھیں لینے نہ دیا دم
ہر شخص پہ بجلی کی طرح گرتی تھی پیہم
جلنے میں ہوا لگ گئی جس کے وہ فنا تھا

لگتے ہی اُڑا دیتی تھی سر تن سے کسی کے
رُکتی تھی نہ بکتر سے نہ جوشن سے کسی کے

ہر ہاتھ میں دستانے بھی یک دستِ قلم

اعدا کو جھپک اپنی دکھاتی ہوئی آئی
ہستی کے چراغوں کو بجھاتی ہوئی آئی

مقراضِ اجل تھی کہ وہ تیغِ دو زباں تھی

اک دم میں سواروں کے رسالوں کو بھی کاٹا
مانند قلم برچھیوں والوں کو بھی کاٹا
لشکر کے نشانوں کو بھی بھالوں کو بھی کاٹا
تلواریں بھی آری ہوئیں ڈھالوں کو بھی کاٹا
یارا نہ ٹھہرنے کا سمندوں میں رہا تھا
ثابت کوئی حلقہ نہ کمندوں سے رہا تھا

رہوار تھا تلوار سے چلنے میں یہ کچھ تیز
شمشیر جو بجلی تھی تو آندھی تھا وہ شبدیز
تھے حور کے گیسو کی طرح بال دل آویز
واقف ہی نہ تھا وہ کہ کسے کہتے ہیں مہمیز
عالم پہ پر پرواز کا تھا دامن زین پر
دریا پہ وہ تھا موج تو بجلی تھا زمیں پر

صرصر تھا کبھی گاہ نسیم سحری تھا
طاؤس فلک سیر دم جلوہ گری تھا
بن بن کے اٹھانے میں قدم کبک دری تھا
کاوے میں جو پرکار تو اڑنے میں پری تھا
رفتار کو کب اپنی دکھاتا تھا کسی کو
سایہ بھی نہ اس کا نظر آتا تھا کسی کو

تھا کاہ کشاں چوٹیوں سے حلقۂ گردن
سم بدر سے اور نعل مہ نو سے بھی روشن
آہو سے بڑی آنکھ مگر شیر سی چتون
ٹاپ اس کی طمانچہ تھا جل کا پئے دشمن
مست مے نخوت جو وہ مغرور ہوئے تھے
شیشوں کی طرح کاسۂ سر چور ہوئے تھے

جب بیس ہزار اہل شقاوت ہوئے بے دم
غل پڑ گیا فریاد ہے یا سید عالم
حضرت کا غضب بھی غضب حق سے نہیں کم
احمد کی قسم لو جو کبھی تم سے لڑیں ہم
اب رحم کرو تیغ شرربار کو روکو
پامال ہوئے جاتے ہیں رہوار کو روکو

برہم شہ والا کی جو تھی خاطر اقدس
شعلہ تھی وہ تیغ دو زباں اہل ستم خس
نزدیک تھا ہل کے گرے چرخ مقرنس
آئی یہ صدا عالم بالا سے کہ بس بس
ہے وقت شہادت کا شجاعت کا نہیں ہے
اب ہم بھی سمجھ لیں گے قیامت بھی قریب ہے

ہاں دی تھی ہمیں نے تجھے لڑنے کی اجازت
اب صبر دکھا اے پسر شاہ ولایت
سب ہے ترے قبضے میں مرے ہاتھ کی طاقت
منظور تجھی کو ہے کہ امت نہ ہو غارت
غم میں ترے رو رو کے جو فریاد کریں گے
ہم بھی ترے شیعوں کو بہت یاد کریں گے

اللہ ری تسلیم و رضائے شہ ابرار
آئی ادھر آواز ادھر رک گئی تلوار
گھوڑے سے اتر کر یہ پکارے بدل زار
خولی ہے کدھر اور کہاں ہے شمر ستمگار
اس حلق پہ منھ احمد مرسل نے ملا ہے
عرصہ نہ کریں ذبح میں حاضر یہ گلا ہے

ہے شوق کہ جاں اب رہِ معبود میں واریں
رگ رگ پہ مری پھیر دیں تلوار کی دھاریں
تو تیغ نہیں ہاتھ میں نیزے مجھے ماریں
چھاتی پہ چڑھیں سر کو بدن پر سے اتاریں
میرا بھی اور اُمت کا بھی مطلب نکل آئے
جلدی کریں ایسا نہ ہو زینبؑ نکل آئے

یہ سُنتے ہی بھاگے ہوئے پھر آئے جفاجو
سر زخمی ہوا ڈوب گئے خون میں گیسو
تیغوں سے کٹے ابنِ یداللہ کے بازو
پہلوئے مُبارک پہ لگے تیر سہ پہلو
سب خوں سے محمدؐ کی قبا لال ہوئی تھی
چھاتی کا یہ عالم تھا کہ غربال ہوئی تھی

جب ایک ہزار اور کئی سو زخم اُٹھائے
غش میں کئی ساعت رہے گردن کو جھکائے
چلّائی یہ زینبؑ جو لعیں ذبح کو آئے
ہے ہے مرے ماں جائے کو اب کون بچائے
روتی تھی سکینہ پہ نہ جا سکتے تھے حضرت
ہر زخم میں خیمے کی طرف تکتے تھے حضرت

تیروں سے جو مجروح ہوا چاند سا سینہ
فرماتے تھے افسوس صد افسوس سکینہؑ
نزدیک اجل ہم سے ہے اور دور مدینہ
صُغراؑ سے بھی ملنے کا نہیں کوئی قرینہ
واں تو وہ مسافر ہے یہاں اپنا سفر ہے
شبیرؑ کے احوال کی کیا اُس کو خبر ہے

تھے غش میں شہِ دیں کہ لگی فرق پہ تلوار
تیورا کے سوئے قبلہ جھکے خاک پہ اک بار
رکھنے جو لگا حلق پہ خنجر کو ستمگار
ہاتھوں کو اُٹھا کر یہ پکارے شہِ ابرار
حل کر اسے یارب کہ یہ مشکل کی گھڑی ہے
فریاد کو مادر مری سر کٹنے کی گھڑی ہے

یا حیدرِ کرار مدد کا ہے یہ ہنگام
آپ آتے ہیں مشکل میں غریبوں کے بہت کام
قاتل جو گلا کاٹے تو تھرائے نہ اندام
سر صبر سے کٹوا کے کروں خاک پہ آرام
خنجر کے تلے حال نہ کچھ غیر ہو میرا
کیجے یہ دُعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

قاتل جو مرے حلق پہ خنجر کو پھرائے
جُز شکرِ خدا لب پہ کوئی حرف نہ آئے
یہ جانِ حزیں رنج اُٹھائے تو اُٹھائے
دولت نہ شہادت کی مرے ہاتھ سے جائے
اس رنج اُٹھانے کا صلہ پا کے مروں میں
خالق سے گنہگاروں کو بخشا کے مروں میں

مقبول ہوئی شہ کی دُعا چل گیا خنجر
اک پھول کے مانند بدن پر سے کٹا سر
کونین میں اُس دن سے بپا ہو گیا محشر
تازہ ہے ابھی آج تلک ماتمِ سرور
روئی کسے یوں خلق بتائے کوئی ہم کو
ہر سال اگر ہے تو ترقی اسی غم کو

۲۰

مرثیہ

بند ۱۲۶

روئے سخن ثنائے حسینؑ شہید ہے | آرام جان لائے حسینؑ شہید ہے
خورشید نقش پائے حسینؑ شہید ہے | بالائے عرش جائے حسینؑ شہید ہے
عالم کشش شش جہت میں اُجالا ہے آپ کا | پایہ مسیحؑ سے بھی دوبالا ہے آپ کا

قاصر تری ثنا میں ہے شاہا زباں مری | قطرہ ہے گو یہ بحر ہے طبع رواں مری
کچھ مدح کر سکوں یہ حقیقت کہاں مری | عاجز ہوں جو عمر ہو صرف بیاں مری
امداد یا امامِ حجازی ضرور ہے | اے آفتاب ذرہ نوازی ضرور ہے

تیسیر تاج تارکِ عرشِ عظیم ہے | دریائے علم و حلم کا دُرِّ یتیم ہے
سائل بکف ہے بحر وہ ایسا کریم ہے | اس کی ولا چراغِ رہِ مستقیم ہے
سب خلق فیض پاتی ہے نزدیک و دور سے | عالم میں روشنی ہے اسی ایک نور سے

خلدِ بریں ہے گلشنِ کاشانۂ حسینؑ | عرش خدا ہے فرش جلو خانۂ حسینؑ
مصباح بزم خلق ہے افسانۂ حسینؑ | میکال و جبرئیل ہیں پروانۂ حسینؑ
شمس و قمر نثارِ شرار حمبند ہیں | مجمر ہے آسماں تو ستارے سپند ہیں

کونین میں محیط ہے اُس مہ جبیں کا نور | ایماں کا حسن چہرۂ دین مبیں کا نور
کرسی کی زیب مسند عرش بریں کا نور | وہ نور ہے خدائے جہاں آفریں کا نور
کس چشم کو فروغ تجلّی کی تاب ہے | بس اے زباں خموش اب آگے حجاب ہے

رضواں ہے باغبانِ گلستانِ شاہِ دیں | روح القدس ہے تابع فرمانِ شاہِ دیں
حوریں ہیں سو زباں سے ثنا خوانِ شاہِ دیں | سارے ملک ہیں بندۂ احسانِ شاہِ دیں
دم بھر کسی کا کام معطّل کیا نہیں | عقدہ وہ کون سا ہے جسے حل کیا نہیں

مشکل میں درد و غم میں یہ کس کس کے کام آئے
خلقت میں مرتضےٰ کی طرح معجزے دکھائے
جب ہاتھ اُٹھائے گردِ قمر ہالہ ہو گیا

تھا گوہرِ محیطِ کرم فاطمہ کا لال
مولا کو سب کی عقدہ کشائی کا تھا خیال
کچھ بات کی تو غنچۂ اُمید کھل گیا

قفلِ درِ نجات کلیدِ درِ نجات
عمانِ فیض آبِ رُخِ گوہرِ نجات
عالم میں تا ابد عملِ نیک و زشت کے

جس پر کرم ہو اُن کا اُسے بخش دے کریم
یہ باغِ خلد ہے یہ درِ جنت النعیم
قُربِ حسینؑ ہو تو خدا سے قریب ہو

حوریں کہیں کہ دُور نہ جاؤ حسینیو!
یہ میوۂ بہشت ہے کھاؤ حسینیو!
حاضر ہیں قصر گلشنِ عنبر سرشت کے

سب جانتے ہیں ان پہ جو تھا مصطفےٰ کا پیار
مستغنی البیان ہے خیر النساء کا پیار
بچپن سے بے نیاز کو ناز ان کے بھاتے ہیں

حاضر ہوئی وہ شے انھیں جس کی طلب ہوئی
ان کے ہر ایک کھیل میں تائیدِ رب ہوئی
آنکھوں میں اشک بھر کے جوہر کو فرو کیا

یوسفؑ پہ ایک حضرت یعقوبؑ تھے نثار
آتے تھے اہلِ شہر زیارت کو بار بار
نورِ خدا کے چاہنے والے ہزار تھے

فطرسؑ نے پر انھیں کے سبب سے پے میں پائے
مقبولِ حق ہوئی وہ دُعا جو زباں پہ لائے
اک دم میں زندہ مُردۂ صد سالہ ہو گیا

بے چین ہو گئے جو کسی نے کیا سوال
کی مسکرا کے جس پہ نظر ہو گیا نہال
بخشے گناہ جس کے بہشت اس کو مل گیا

ہے سرفراز جس کے قدم سے سرِ نجات
طغرائے کُن مقدمۂ دفترِ نجات
مالک ازل سے ہیں یہی آٹھوں بہشت کے

رضواں کہے کہ اب نہیں کچھ تجھ کو خوف و بیم
ٹھنڈی ہوا ہے سایۂ طوبیٰ میں ہو مقیم
آؤ تمھیں شرابِ طہورا نصیب ہو

کوثر قریب ہے ادھر آؤ حسینیو!
نہرِ لبن سے پیاس بجھاؤ حسینیو!
پہنو کفن اُتار کے حلّے بہشت کے

مخفی کسی بشر پہ نہیں مرتضےٰ کا پیار
ان سب کے چاہنے سے سوا تھا خدا کا پیار
جس چیز پہ ہے جی وہی جبریل لاتے ہیں

ہرنی کو دیر بچّے کے لانے میں کب ہوئی
شب کا کبھی جو دن ہوا تو دن کی شب ہوئی
روح الامیں نے آن کے موتی کو دو کیا

پروانۂ جمالِ نبوت تھے بے شمار
صدقے تھے سب مقربِ درگاہِ کردگار
زہرا کا ایک چاند تھا ہالے ہزار تھے

آتے تھے یہ رسولِؐ خدا کو پیامِ رب
رمان و سیب تازہ و زرد آلو و رُطب
ہر وقت شاخِ نخلِ تمنا ہری رہی
عُریاں نہار روزِ عید جو وہ چودھویں کا ماہ
رومال و زیرجامہ و پیراہن و کلاہ
رستے سے پھر کے آئے محمدؐ کے سامنے

بولے یہ مسکرا کے رسولِ فلک اساس
شبیرؑ واہ واہ تمھیں زیبا ہے یہ لباس
ہے روزِ عید چھاتی سے لگ جاؤ آن کے
کیا لائے عیدگاہ سے اے میرے گل بدن
پھولا ہوا ہے پیشِ نظر خلد کا چمن
موضوع ہے یہ رنگ شہادت کے واسطے

چھوٹے سے اس عمامہ و شملے کے میں نثار
قربان اس قبا و عبا پہ یہ جانِ زار
کپڑے یہ دیکھ کر شہِ مرداں نے کیا کہا
سب سے تو مل چکے مری جاں لو ادھر تو آؤ
صدقے ہوں اس دہن کے ذرا منھ تو آگے لاؤ
کس غم سے بند لب ہے کہ اب کھولتے نہیں

بولا یہ ہاتھ جوڑ کے دستِ خدا کا لال
پوشاک یہ پہن کے تو ہم خوش ہوئے کمال
عزت میں ہیں بزرگ شرف میں زیادہ ہیں
پیدل تو عیدگاہ میں جانا ہے ننگ و عار
کہنے لگے حسینؑ سے محبوبِ کردگار
ہاں آپ روٹھتے ہیں تو مشکل سے منتے ہیں

ہم بھیج دیں حسینؑ کو جس شے کی ہو طلب
جبریلؑ لائے بس وہیں مانگا زباں سے جب
میووں سے اُن کی گود ہمیشہ بھری رہی
بھیجے خدا نے حلۂ جنت بہ عز و جاہ
ہنستے ہوئے پہن کے گئے سوئے عیدگاہ
گردن جھکا کے بیٹھ گئے جد کے سامنے

کیوں آج دور بیٹھے ہو آؤ ہمارے پاس
جی چاہتا ہے ہم بھی پھر آج آس پاس
اے میرے جامہ زیب فدا تیری شان کے
شرماتے ہوں گے دیکھ کے لڑکے یہ پیرہن
اس رنگ کا نہ ہوگا کبھی جامۂ حسنؑ
جامہ یہ قطع ہے اسی قامت کے واسطے

صدقے ان آستینوں کے اے میرے گلعذار
یوسف کے پیرہن کی ہے بو جس سے آشکار
پیار سے گلے لگا کے تمھیں ماں نے کیا کہا
ننھے سے ہاتھ اُٹھا کے ہمیں تو گلے لگاؤ
دے لو جو بوسہ لب و دنداں تو گھر میں جاؤ
کیا ہم سے تم خفا ہو کہ کچھ بولتے نہیں

حضرتؑ کو برقرار رکھے ربِ ذوالجلال
ناقہ نہیں کہ جس پہ چڑھیں اب ہے یہ ملال
لڑکے تو سب سوار ہیں اور ہم پیادہ ہیں
ہم کو بھی آج اونٹ منگا دو تو ہوں سوار
معلوم اب ہوا یہی غصہ تھا میں نثار
اچھا سوار ہو جیے ہم اونٹ بنتے ہیں

فرما کے یہ کمر میں رکھا دامن قبا
رکھ کر زمیں پہ ہاتھ بنے اونٹ مصطفیٰؐ
جیب قبا میں رکھ کے قدم کو وہ مہ لقا
پشت جناب سید لولاک پر چڑھا
پائے حسینؑ عرش کا سرتاج ہو گیا
وہ روز عید کا شب معراج ہو گیا

کرسی و عرش دونوں بلندی میں ان کی پست
تھا ایک ان کے زیر قدم ایک زیر دست
پڑھ کر درود کہتے تھے مردان حق پرست
پائی ہے شہسوار نے کیا خوش نما نشست
دونوں ہیں عرش و فرش کی زینت کے واسطے
ایسا نگیں ہو مہر نبوت کے واسطے

مرکب ہے مہر اور مہ کامل ہے یہ سوار
ایسے ہی راہوار کے قابل ہے یہ سوار
وہ جان ہے جہان کی اور دل ہے یہ سوار
قرآں رسولؐ ہیں تو حمائل ہے یہ سوار
رحمت میں مرتبت میں ہدایت میں ایک ہیں
چھوٹے بڑے تو ہیں پہ حقیقت میں ایک ہیں

بولے ہلا کے پاؤں حسینؑ فلک مقام
ہے کس طرح کا اونٹ کہ جس کے نہیں لگام
گردن پھرا کے کہنے لگے سید الانام
ہاتھوں میں تھام لو مرے گیسوئے مشک فام
تم سا سوار کاہے کو دنیا میں پائیں گے
باگیں جدھر پھراؤ ادھر دوڑے جائیں گے

گیسو نبیؐ کے ننھے سے ہاتھوں میں تھام کر
کہنے لگے حسینؑ کہ یا سید البشر
لڑکوں کے اونٹ بولتے ہیں سب اٹھا کے سر
منہ سے ہمارا اونٹ نہیں بولتا مگر
اس کا نہ بولنا تو بہت دل کو شاق ہے
اب اونٹ کی صدا کا ہمیں اشتیاق ہے

الفت رسول حق کو نواسے سے تھی کمال
غم تھا کہیں نہ رونے لگے فاطمہؑ کا لال
آخر بہ پاس خاطر فرزند خوش خصال
عف عف کہا تو ہلنے لگا عرش ذوالجلال
جنباں جو یک بیک طبقات زمیں ہوئے
نازل خدا کے حکم سے روح الامیں ہوئے

کی عرض مصطفیٰؐ سے کہ اے کل کے عیب پوش
اب کی صدا سے پھر نہ رہیں گے کسی میں ہوش
اس دم ہے بحر رحمت رب علا کو جوش
ساتوں جہنم آج ہوئے جاتے ہیں خموش
جس دم رہے نہ آتش دوزخ جہان میں
دشمن علیؑ کے جائیں گے پھر کس مکان میں

امت کا آپ کی کوئی اچھا نہیں عمل
آئے گا انتظام عدالت میں پھر خلل
کیا کیا نہ شیر حق نے کیا مشکلوں کو حل
باز آئے پھر نہ مکر و دغا سے یہ بد عمل
جاتے ہیں اس طرف جو ضلالت کی راہ ہے
فسق و فجور پہ فقط ان کی نگاہ ہے

کیوں ہو نہ حسینؑ کا رتبہ ہے کیا جلیل
آسائشیں کثیر تھیں جب عمر تھی قلیل
اک روز یہ عروج تھا اور یہ وقار تھا

چلتے تھے جب نہ پاؤں سے اپنے تو تھا یہ چین
تلووں سے آنکھیں ملتے تھے سلطانِ مشرقین
نوبت جو ایک گام بھی چلنے کی آتی تھی
روتی تھی ٹوٹتا تھا جو گیسو کا ایک تار
باراں میں بوندیوں سے بچاتی تھی بار بار
یوسفؑ کی طرح اس لئے رکھا نقاب میں

تکیہ تھا سر کا بازوئے سلطانِ بحر و بر
زہراؑ کی گود حضرتِ روح الامیں کے پر
بُرجِ شرف تھے سب مہِ کامل کے واسطے

سی کر سدا پنہاتی تھیں ماں نرم پیرہن
اللہ ری احتیاطِ تنِ سرورِ زمن
وا حسرتا کہ واقفِ حالِ پسر نہ تھی

قرباں تھے جبرئیل تو خیر البشر نثار
بہنیں فدا برادرِ عالی گہر نثار
بو غیر میں بھی اس گلِ تازہ کی چھا گئی

وہ احمدؐ و بتولؑ و علیؑ کی محبتیں
وہ پرورش، وہ چین، وہ بچپن کی راحتیں
موسم تھا کچھ دنوں تو بزرگوں کے پیار کا

پہلو میں شب کو سوتا تھا جب وہ فلک جناب
چونک اٹھے جب تو پوچھتی زہراؑ بہ اضطراب
کہتے تھے رو کے دن یہ بہت یاد آئیں گے

بس اک حسنؑ سوا نہیں اُن کا کوئی عدیل
مرکب جو تھے رسولؐ تو خادم تھے جبرئیل
اک دن انہیں کے سینے پہ قاتل سوار تھا

پھیلائے پاؤں گودیوں میں آتے تھے حسینؑ
تھا سارے گھر کی آنکھوں کا تارا وہ نورِ عین
زہراؑ زمیں کو جھاڑ کے آنکھیں بچھاتی تھی

لگتی ہوائے گرم تو ہوتی تھی بے قرار
سایے سے ان کا دھوپ میں جانا تھا ناگوار
سنولا نہ جائے چاند مرا آفتاب میں

راتوں کو فرشِ خواب رہا سینۂ پدر
جا سوئے وہ توجہِ خاطر ہوئی جدھر
رحلیں کئی تھیں ایک حمائل کے واسطے

تا سرخ ہو نہ جائے مرے لال کا بدن
بدلا دہیں لباس اگر پڑ گئی شکن
تیغوں سے چور ہوں گے یہ ماں کو خبر نہ تھی

مادر ہزار جان سے صدقے پدر نثار
طفلی سے تھا حسینؑ پہ سب گھر کا گھر نثار
گودی میں جب کی ہنس کے گئے جان آ گئی

وہ حُلّۂ بہشت، وہ جنت کی نعمتیں
وہ فاطمہؑ کے دودھ کی دھاروں کی لذتیں
اک دن مزہ تھا خنجرِ قاتل کی دھار کا

نزدیک بھر کے رکھتی تھی ماں کوزہ ہائے آب
پیاسے ہوئے حسینؑ تو پانی پیو شتاب
جب تین روز پیاس میں پانی نہ پائیں گے

اب تک تو ہم پہ ایسی مصیبت نہیں پڑی
اُس دن کی پیاس کی ہمیں تشویش ہو بڑی
میداں بھی گرم ہوئے گا اور دھوپ بھی کڑی
اماں نہ دیکھیے رہیں پانی گھڑی گھڑی
ہر چند ابھی وہ روز وہ ہنگام دور ہے
پر ہم کو پیاسے رہنے کی عادت ضرور ہے

اماں تمھارے دم سے فقط ہے ہمارا چین
بعد آپ کے تو دکھ میں پھنسے گا یہ نورِ عین
بولی تڑپ کے دخترِ سلطانِ مشرقین
پانی کسے نہ دیں گے یہ کیا کہتے ہو حسینؑ
تھامو مجھے کہ دل پہ قیامت گزر گئی
اماں تو صدقے جائے کہ سنتے ہی مر گئی

قربان جاؤں مالکِ کوثر ہو جس کا جد
بابا امیرِ کون و مکاں ضیغمِ صمد
پیاسا رہے وہ اور نہ کوئی کرے مدد
منہ سے نکالتا ہے کوئی ایسی فالِ بد
میں سچ کہوں یہ بات تو مجھ کو بُری لگی
کیا جانو تم کلیجے پہ میرے چھری لگی

کہنے لگے لپٹ کے حسینؑ فلک وقار
اماں نہ روؤ دیکھتے تھے ہم تمھارا پیار
بولیں: بھلا حسینؑ بھلا تم پہ میں نثار
باتیں بنا کے مجھ کو رلاتے ہو بار بار
برچھی سی اک لگی ہے دلِ بے قرار میں
مر جاتی میں تو کون سلاتا کنار میں

لپٹی یہ کہہ کے دخترِ سلطانِ بحر و بر
شبیرؑ کو تھپکنے لگی پھر بہ چشمِ تر
آئی جو نیند کروٹیں لے کر اِدھر اُدھر
سوئے حسینؑ بازوئے زہراؑ پہ رکھ کے سر
آنکھیں کبھی کھلیں تو کبھی بند ہو گئیں
منہ تکتے تکتے حضرتِ زہراؑ بھی سو گئیں

رو کر اسی خیال میں سوئی جو وہ جناب
بس آنکھ لگتے ہی نظر آیا اُسے یہ خواب
نرغے میں ظالموں کے ہے فرزندِ بوتراب
لب برگِ گل سے سوکھ گئے ہیں بغیر آب
ملتی نہیں پناہ کہیں، نورِ عین کو
خنجر سے ذبح کرتا ہے کوئی حسینؑ کو

سید پکارتا ہے کہ کوئی ہمیں بچائے
دم لیں ذرا گلے سے جو قاتل چھری ہٹائے
سب ہیں پہ بس نہیں ہے کسی کا کہ پاس آئے
ہے شور آسمان و زمیں پر کہ ہائے ہائے
سر پر علیؑ کے دشتِ مصیبت کی خاک ہے
محبوبِ کبریا کا گریبان چاک ہے

خاتونِ حشر چونک پڑیں دیکھ کر یہ خواب
تھا یا علیؑ زبان پہ اور دل پہ اضطراب
شبیرؑ سے لپٹ گئیں بادیدۂ پرآب
جلدی گلے پہ ہاتھ پھرایا رہی نہ تاب
گھبرا کے سر سے تا بہ قدم دیکھنے لگیں
منہ رکھ کے ننھی چھاتی پہ دم دیکھنے لگیں

چونکے نہ جب تو تھا سا بازو ہلا ہلا
وسواس مجھ کو آتا ہے اے میرے مہ لقا
قربان جاؤں زیست کا کیا اعتبار ہے

انگڑائی لے کے خواب سے اُٹھا وہ دلربا
کیوں اماں جان خیر تو ہے تم پہ میں فدا
کیوں آج بے حواس ہو کیوں رنگ زرد ہے

اس خواب کے خیال سے تھا دل جو بے قرار
اُس دن کہاں تھی دختر محبوبِ کردگار
رہ رہ کے وقتِ ذبح یہ فریاد کرتے تھے

کیا راحتیں اُٹھا کے پلا ابنِ بوتراب
بس دفعتاً کیا یہ زمانے نے انقلاب
ٹھہرے دل پہ کوہِ الم ناگہاں گرا

سر پر سے اُٹھ گیا جو محمدؐ سا سرپرست
زور اپنا وہ دکھانے لگے تھے جو زیردست
تھی حملے سے کہ پہلوئے زہرا پہ در گرا

مادر نے جب کیا اسی صدمے سے انتقال
آیا اجل کا خواب اسے رکھتی تھی جو خیال
شیرِ خدا لٹا کے جو پہلو میں سوتے تھے

چندے تو حق نے سر پہ رکھا سایۂ پدر
باپ اُٹھ گیا جو سر سے تو خم ہو گئی کمر
آفت کا سامنا تھا جدا جب حسنؑ ہوئے

کلکِ قضا جو محو کرے مصرعۂ سخت
پنجہ ہے تب تلک کہ رہیں انگلیاں درست
باقی رہیں نہ چار حدیں جب تو کیا رہا

مطلع

آواز دی پسر کو کہ واری اُٹھو ذرا
کیا وجہ دیر سونے کی ماں ہو گئی فدا
لپٹو ذرا گلے سے کہ ماں بے قرار ہے

مل مل کے پشتِ دست سے آنکھوں کو یہ کہا
یہ کیا سبب کہ روتی ہو آنسو بہا بہا
اماں خدا نہ خواستہ کیا دل میں درد ہے

شبیرؑ کو بٹھا کے پھری گرد سات بار
جس دن گلا وہ چاند سا تھا اور چھری کی دھار
ماں کو حسینؑ روتے تھے اور یاد کرتے تھے

وہ سینۂ بتولؑ وہ آرام اور وہ خواب
راہی ہوئے جہاں سے رسولِ فلک جناب
گویا زمیں اُلٹ گئی اور آسماں گرا

جاتا رہا تمام جو گھر کا بندوبست
کچھ دن کے بعد اور زمانے نے دی شکست
زندہ تڑپ تڑپ کے شکم سے پسر گرا

بیکس ہوا بس اور بھی وہ فاطمہؑ کا لال
پھر کون دھوئے گرد بھرے گیسوؤں کے بال
راتوں کو ماں کے حجرے میں جا جا کے روتے تھے

آخر کیا وصیِ پیمبرؐ نے بھی سفر
اس گوہرِ یتیم کی بھائی نے لی خبر
گھر بھی چھٹا حسینؑ غریب الوطن ہوئے

بے سر ہے بیت مصرعۂ ثانی ہو گرچہ چست
مصرعے نہ چار ہوں تو رباعی ہے سخت سست
اک مصرعۂ مخمس آلِ عبا رہا

یثرب سے سوئے کعبہ گیا فاطمہؑ کا ماہ تا خانۂ خدا میں ملے گوشۂ پناہ
حج بھی نہ کرنے پائے کہ آ پہونچے روسیاہ مولا نے اضطرار میں لی کربلا کی راہ
نہ رُخ کیا نجف کا نہ سوئے نجف گئے یہ تنگ تھے کہ آپ اجل کی طرف گئے

تھا ماہِ صیف تھی یہ حرارت کہ الاماں واں کی زمیں پہ تھا کرۂ نار کا گماں
واں دھوپ سے غزال بچاتے تھے اپنی جاں اور ہانپتے تھے شیر نکالے ہوئے زباں
دریا بھی گرم عکس سے تھا آفتاب کے برپا کئے تھے آب نے خیمے حباب کے
سایے سے اشتروں کے قدم بڑھ نہ سکتے تھے چنگاریوں سے ریت میں ذرّے چمکتے تھے
جھونکے ہوا کے تھے کہ وہ شعلے لپکتے تھے لب خشک تھے جوانوں کے بچے بلکتے تھے

بستی نظر نہ آتی تھی رستے اُجاڑ تھے یا ریگ گرم راہ میں تھی یا پہاڑ تھے
بچوں کا ساتھ کوس کڑے خوف کا سفر منھ اشتروں کے خشک تو گھوڑے عرق عرق
ہر دم سکینہؑ کہتی تھی محمل سے جھانک کر پیاسی ہوں دو پہر سے چچا جان ہیں کدھر
بے چین ہے حسینؑ کی پیاری خبر نہیں ہے ہے اُنھیں ابھی سے ہماری خبر نہیں

لوگو مسافروں کو ہے درپیش کیسی راہ ڈر ہے مجھے کہ ہو نہ کہیں قافلہ تباہ
وہ کون سی گھڑی تھی جو نکلے تھے گھر سے شاہ دریا کوئی ملا ہے نہ چشمہ نہ کوئی چاہ
بیٹی پدر سے رنج و مصیبت میں چھُٹ نہ جائے بستی بتولؑ کی کسی جنگل میں لُٹ نہ جائے
یہ سُن کے روتے جاتے تھے گردن جھکائے شاہ دل تھا خدا کی سمت تو رُخ سوئے قتل گاہ

ہر دم یہی زباں پہ دُعا تھی کہ یا الٰہ دوری ہے ناگوار بس اب قطع ہو یہ راہ
مطلب یہ ہے کہ تیغِ ستم سے گلا ملے مشتاق ہوں کہ جلد کہیں کربلا ملے
اس دشت میں اُترنے کا ارمان ہے مجھے ریتی میں خیمہ کرنے کا ارمان ہے مجھے
دامن میں خون بھرنے کا ارمان ہے مجھے اُس سرزمیں پہ مرنے کا ارمان ہے مجھے

قربان تجھ پہ سبطِ رسالتؐ پناہ ہو پہونچا دے ایک دن میں جو دو دن کی راہ ہو
شاہد ہے تو کہ صادق الاقرار ہے حسینؑ یارب گلا کٹانے کو تیار ہے حسینؑ
دنیا میں اپنی زیست سے بے زار ہے حسینؑ عقبیٰ کی راحتوں کا طلب گار ہے حسینؑ
خواہش ہے یہ جہاں میں نہ میں ایک دم رہوں نانا کے، ماں کے، باپ کے، زیرِ قدم رہوں

جس سرزمیں کے شوق میں اکثر تھے یہ کلام
آگے فرس نے واں سے اُٹھایا نہ ایک گام
اُترو کہ تن سے سر کے اُترنے کی جا ہے یہ
مژدہ یہ سُن کے چہرے پہ سُرخی سی چھا گئی
زلفوں پہ آکے بادِ صبا خاک اڑا گئی
صورت بھری جو خاک میں زہرا کے جائے کی

تھا شورِ بادِ تند سے دریا کو اضطراب
اس غم سے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگے حباب
کیوں تلخ ہو نہ چشمۂ شیریں حیات کا
ناقے کھڑے ہوئے تھے حرم کے جو آس پاس
بانو میں تھا نہ ہوش نہ زینبؑ میں تھا حواس
کچھ خود بخود سکینہؑ کے آنسو نکل پڑے

محمل سے شہ کو زینبؑ بیکس نے دی صدا
کیسی ہے گرد آپ کی زلفوں پہ میں فدا
ڈر کر سکینہؑ جان مری بھی جاتی ہے
پاس آکے بولے شاہ بہن! خوف کچھ نہیں
صحرا بھی ہے ہوا بھی ہے دریا بھی ہے قریں
نانا سے سُن چکے ہیں زمیں یاں کی پاک ہے

کہنے لگی یہ شاہ سے بانوئے خوش خصال
تب سر جھکا کے کہنے لگا فاطمہ کا لال
جبریلؑ نے سخن جو کہے تھے وہ یاد ہیں
یہ کہہ کے اُترے گھوڑے سے شاہِ فلک جناب
ناموس محملوں میں گھٹے جاتے ہیں تمام
رحم آتا ہے ہمیں کہ نبیؐ کے نواسے ہیں

جا پہونچے دوسری کو محرم کی لا کلام
آئی ندائے غیب کہ منزل ہوئی تمام
اے سالکانِ راہِ خدا کربلا ہے یہ
گویا کہ اپنا رنگ شہادت دکھا گئی
اُٹھا غبارِ زرد زمیں تھرتھرا گئی
جنگل سے آئی صاف صدا ہائے ہائے کی

چکر جو تھا بھنور میں تو موجوں کو پیچ و تاب
یعنی رہے گا مالکِ کوثر بغیر آب
طوفاں میں آگیا ہے سفینہ نجات کا
آوازِ گریہ سن کے حرم کو ہوا ہراس
سُنسان دشت دیکھ کے دل ہو گئے اداس
اصغرؑ بھی ماں کی گود میں ڈر کر اچھل پڑے

بھائی رہو گے تم اسی جنگل میں آج کیا
غم دل پہ چھا گیا ہے یہ کس طرح کی جا
ہے ہے یہ کس کے رونے کی آواز آتی ہے
واقف ہوں میں بہت متبرک ہے یہ زمیں
اب اس جگہ سے آگے نہ جائیں گے ہم کہیں
شیشے میں سر بہ مُہر اسی بن کی خاک ہے

صاحب! یہاں ہمارے دلوں کو ہے کیوں ملال
دسویں کو اس مہینے کی کھل جائے گا یہ حال
خوش اور کوئی ہو کہ نہ ہو ہم تو شاد ہیں
فرمایا دیکھ کر سوئے عباسؑ نیک نام
ہاں! بھائی جان اب کہیں برپا کرو خیام
لشکر کے لوگ صبح سے سب بھوکے پیاسے ہیں

بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عباسؑ مہ جبیں
آقا کی مصلحت ہو تو خیمہ کریں نہ ہیں!
اس بن میں ایک قبر کی جا چاہیئے ہمیں
اُتریں گے واں وہ آن کے مہماں ہیں جن کے ہم
تکرار گر ہوئی تو کسے ہو گا رنج و غم
پانی کی جستجو میں کوئی تا بہ جو نہ جائے

غازی نے کی یہ عرض کہ جو مرضیٔ جناب
شمسے کا نور دیکھ کے ششدر تھا آفتاب
تھا شور تا بہ عالمِ بالا زمین سے؛
ڈیوڑھی پہ آئے جب کہ شہِ عرش بارگاہ
گردش تمام ہو چکی منزل پہ آیا ماہ
گھوڑوں سے سب رسولؐ کے پیارے اُتر پڑے

خیمے کا اوج گنبدِ خضرا سے کم نہ تھا
صحن کشادہ نور کے دریا سے کم نہ تھا
چہروں کی ضو سے چار طرف نور چھا گیا
گزری جو شب تو آمدِ فوجِ عدو ہوئی
بیعت کی چار روز تلک گفتگو رہی
ہشتم سے بابِ امن و اماں بند ہو گیا

پیاسوں کو تین روز تڑپ کر بسر ہوئے
بچوں کے خشک ہونٹ نہ پانی سے تر ہوئے
کیا کیا صدائے العطش و العطش ہوئی؛
وہ شب کہ جس کی صبح کو مولا ہوئے ہلاک
سیدانیاں اُڑاتی تھیں ہر دم سروں پہ خاک
دنیا سے تھا سفر جو شہِ مشرقین کا

دریا کا قرب خوب ہے، یا بادشاہِ دیں؛
کچھ سوچ کر امامِ اُمم نے کہا نہیں!
دریا پہ کیا ہے قربِ خدا چاہیئے ہمیں
جا کہ جو ہو فساد کی واں رکھیئے کیوں قدم
بندوں پہ اپنے یاں بھی کرے گا خدا کرم
پیاسے اگر رہیں تو رہیں آبرو نہ جائے

استادہ کر دیے وہیں خیمے بصد شتاب
چمکی بسانِ خطِ شعاعی ہر اک طناب
دیکھو سر آسماں نے نکالا زمین سے
فیضِ قدم سے کاہکشاں بن گئی وہ راہ
ناقے قریبِ خیمہ جو بیٹھے ہٹّی سیاہ
گویا قمر کے ساتھ ستارے اُتر پڑے

جلوہ کلس کا برقِ تجلّی سے کم نہ تھا
نقشِ قدم ہر اک یدِ بیضا سے کم نہ تھا
آئے جو شہ تو چاند ستاروں میں آ گیا
اور کثرتِ سپاہِ ستم چار سو ہوئی
ہفتم سے فکرِ قتلِ شہِ نیک خو ہوئی
پردیسیوں پہ آبِ رواں بند ہو گیا

دریائے آشنا نہ شہِ بحر و بر ہوئے
اصغر کو بھوک پیاس میں سولہ پہر ہوئے
تڑپی سکینہ پیاس سے یاں تک کہ غش ہوئی
کچھ روزِ حشر سے بھی زیادہ تھی خوفناک
دامن تلک سبھوں کے گریباں تھے چاک چاک
خیمے کے پیچھے شور تھا ہے ہے حسینؑ کا

ہونا وہ صبحِ قتل کا اور بی بیوں کے بین
زینبؑ کا اضطراب کہ ہے ہے چلے حسینؑ
در پر کھڑی ہوئی وہ سواری امام کی
وہ دل رندھے ہوئے وہ اُداسی وہ صبحِ غم
فریاد وہ کنیزوں کی وہ زاریٔ حرم
آگے تو منتظم تھے ملک آسمان کے

پنجے نے جلوۂ کفِ موسیٰؑ دکھا دیا
دامن نے لطفِ سایۂ طوبیٰ دکھا دیا
عباسؑ رکھ کے دوش پہ جس دم چلا پھرا
نکلا علم کے بعد نشانِ ابوتراب
چڑھنے لگا فرس پہ جو زہراؑ کا آفتاب
زیں روشنی سے خانۂ پُرنور ہو گیا

غازی چلے کہ گلشنِ باغِ ارم چلا
شیروں کے ساتھ لشکرِ جاہ و حشم چلا
گُل کر گئے سفر، دل پہ داغ رہ گیا
جب وادیِ نبرد میں پہونچے وہ گلعذار
میدانِ کیں میں تھے جو صف آرا ستم کے خار
سینوں سے اُن کے تیروں کی سریاں نکل گئیں

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے
دریا کی سمت رُخ نہ کیا تشنہ لب لڑے
بے دست بھی ہوئے تو یہ جوہر دکھا گئے
جب غول پر جھپٹ کے گئے صورتِ اسد
لاکھوں میں اُن کا وار کوئی کر سکا نہ رد
دد کرتے تھے وہ مجمعِ قومِ جہول میں

سوتے سے چونک کر وہ یتیموں کا شور و شین
وہ آخری نمازِ شہنشاہِ مشرقین؛
سجدے میں وہ تضرع و زاری امام کی
نوحہ وہ طائروں کا درختوں پہ دم بدم
ڈیوڑھی سے وہ عَلم کا نکلنا بصد حشم
سر ننگے اہلِ بیتؑ تھے پیچھے نشان کے

پرچم نے حُسنِ زلفِ چلیپا دکھا دیا
رفعت نے اوج تا بہ ثریا دکھا دیا
غُل تھا علیؑ کے لال کے سر پر ہما پھرا
خورشیدِ مشرقین خدیوِ فلک جناب
تھامی علم کو گاڑ کے عباسؑ نے رکاب
چمکی جو برقِ حُسن فلک طور ہو گیا

غنچہ حسینوؤں کا جہاں سے سہم چلا
غل پڑ گیا حسینؑ سدھارے علم چلا
وا حسرتا بہار گئی باغ رہ گیا
تھی گلشنِ رسولِ خدا پر عجب بہار؛
اک بار اُن گلوں پہ پڑے تیر دس ہزار
اُجلی قبائیں غازیوں کی خوں میں بھر گئیں

اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دو دن کی بھوک پیاس تھی لیکن غضب لڑے
لوہے کو مثلِ شیرِ ژندہ چبا گئے
بھاگے وہ لوگ چھوڑ کے دشتِ ستم کی زد
نعرہ ہر ایک ضرب میں تھا یا علیؑ مدد
گھوڑوں کو عرض میں تو سواروں کو طول میں

وہ نامراد دینِ حق سدھائے سوئے جناں
جعفر کے باغِ تازہ پہ جب آگئی خزاں
سینوں پہ زخم تیغ و سناں کھا کے مر گئے

نکلے حسینؑ و حسنؑ پھر پئے جدال
ہنگام ظہر آگیا جب فوج پر زوال
آئی صدا یہ دل سے کہ صدمے بڑے ہوئے

اب حال غیر ہے مجھے حضرت سنبھالیے
اس فوج کی بلا کہیں آگے سے ٹالیے
فرمایا وہ لڑے جسے جینے کی چاہ ہو

ہم اُن سے خوش ہیں گو انھیں ہم سے ولا نہیں
ہر چند تین روز سے پانی ملا نہیں
چاہوں تو موجزن ابھی طوفاں ہو نوحؑ کا

ایذا میں صبر اپنے گھرانے کا ہے چلن
بے دست ہوتے نہر پہ عباسؑ صف شکن؟
مارا نہ دم انھیں کی شفاعت کے واسطے

یہ کہتے تھے کہ چلنے لگے تیر یک بیک
آئی ندائے غیب کہ مشتاق ہیں ملک
سبقت ادھر سے ہو چکی اب کیا درنگ ہے

سنتے ہی یہ امام نے کھینچی کمر سے تیغ
کانپا فلک بلند ہوئی جب کہ سر سے تیغ
غل پڑ گیا شرر جو اُٹھے ذوالفقار سے

بڑھ کر ابھی کیا تھا نہ حملہ امام نے
دونوں لگے رکاب جو گھوڑے کی تھامنے
جلدی وہ سرو قد پئے تسلیم جھک گئے

رن میں لڑے عقیل کے فرزند نوجواں
سرو روانِ علیؑ کے ہوئے جنگ کو رواں
نقشہ علیؑ کی جنگ کا دکھلا کے مر گئے

ایسے لڑے کہ ہو گیا میداں لہو سے لال
لاشے تھے گرد و بیچ میں تنہا علیؑ کا لال
ہیں خاک پر کلیجے کے ٹکڑے پڑے ہوئے

کب تک یہ صبر ہاتھ کو قبضے پہ ڈالیے
للہ ذوالفقارِ علیؑ کو نکالیے
اے دل دعا یہ کر کہ نہ اُمت تباہ ہو

مارے گئے پسر تو کچھ اس کا گلا نہیں
شبیرؑ بردبار ہے کم حوصلا نہیں
پر کیا کروں کہ پاس ہے نانا کی روح کا

قاسمؑ کو ورنہ خوں میں ڈبو سکتے تیغ زن؟
مرتا رگڑ کے ایڑیاں اکبرؑ سا گل بدن؟
یہ سب ستم ہے فقط اُمت کے واسطے

شیرِ خدا کے شیر نے دیکھا سوئے فلک
دکھلا دے ذوالفقار یداللہ کی چمک
ہاں اے علیؑ کے لال یہ ہنگام جنگ ہے

رکتی کبھی نہ تھی جو فرشتوں کے پر سے تیغ
برسے اُدھر سے تیر تو چمکی ادھر سے تیغ
بھاگو منھ اژدہے نے نکالا ہے غار سے

ناگاہ دو جوان حسینؑ آئے سامنے
دیکھا انھیں حسین علیہ السّلام نے
گھوڑے کی باگ تھام کے حضرت بھی رک گئے

دونوں کی چال ایک سی اور ایک سا جمال
چہروں پہ رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
آنکھیں تھیں اُن کی اور قدم شاہِ خوش خصال
پروانے جیسے شمع کے ہوں گرد تھا یہ حال
رو کر کبھی نظر سوئے جنگاہ کرتے تھے
حضرت کی بے کسی پہ کبھی آہ کرتے تھے

کہنے لگے یہ اُن سے بہ شفقت شہِ انام
لپٹے ہو کیوں قدم سے تمھیں کیا ہے آن کام
بیکس ہوں ہیں غریب کہاں اور کہاں سلام
ہونا ہے قتل اب ہی دشمن ہے فوجِ شام
مشکل جو تم پہ ہو تو اُسے پہلے حل کروں
پھر اس ستم کی فوج سے جنگ و جدل کروں

ہو کون اپنا نام بتاؤ مجھے شتاب
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب یہ دیا جواب
ہم نصرت اور فتح ہیں یا ابنِ بوتراب
حاضر رہیں جلو میں جو ہو مرتضیٰ جناب
اس شکل سے زمیں پہ بہت کم ہم آئے ہیں
حکمِ خدا سے ہو کے مجسّم ہم آئے ہیں

کھینچی کمر سے آپ نے جس وقت ذوالفقار
بس دفعتاً ہوا یہ ہمیں حکمِ کردگار
درپیش ہے حسینؑ کو لاکھوں سے کارزار
جا کر کہو کہ ہم نے دیا تم کو اختیار
منظور زیست گر تجھے اے حق پرست ہو
تیری ظفر ہو فوجِ عدو کو شکست ہو

یہ سُن کے آب دیدہ ہوئے سرورِ اُمم
بولے زہے غلام نوازی زہے کرم
مشتاقِ قُربِ حق ہوں اُسی کی مجھے قسم
طفلی سے اشتیاقِ شہادت ہے دم بدم
ہاں وقتِ ذبح فضل کا اُمیدوار ہوں
میری یہی ہے فتح کہ اُس پر نثار ہوں

اکبرؑ نہ ہو تو جی کے بھلا کیا کرے حسینؑ
کیا زیست کا مزا ہے کہ تڑپا کرے حسینؑ
کب تک جواں بھتیجے کو رویا کرے حسینؑ
کھو کر کہاں سے بھائی کو پیدا کرے حسینؑ
گھر خالی اس فدائی سے دیکھا نہ جائے گا
رونا بہن کا بھائی سے دیکھا نہ جائے گا

دونوں نے حکمِ شاہ سے لی آسماں کی راہ
تنہا ادھر بڑھا پسرِ ضیغمِ الٰہ
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد رو سیاہ
دے حکم وہ کہ مجھ سے لڑے تیری سپاہ
ہمت کو دیکھ اور مری بے کسی کو دیکھ
مدت کے بعد جوہرِ تیغِ علیؑ کو دیکھ

وہ حملۂ حسینؑ کہ اللہ کی پناہ
ابرو پہ بل وہ غیظ سے وہ قہر کی نگاہ
تلوار تھی ہلال رخِ شاہ رشکِ ماہ
خوں کی شفق میں ڈوب گئی شام کی سپاہ
غل تھا جلال ہے پسرِ بوتراب کو
پُرزے اُڑا نہ دے سپرِ آفتاب کو

ہر ضرب میں تنوں سے لعینوں کے سر اُڑے
ترکش ہر اک قلم ہوا نیزوں کے پر اُڑے
زخموں سے خونِ گرم کے شعلے نکل گئے

تقطیع مصرعِ قدِ اعدا میں تھی وہ فرد
ناقص کیا انھیں جنھیں مولا کا تھا نہ درد
بحرِ فنا میں یہ تو برق آسمان پر

وہ تیغ آب بحرِ فنا میں بجھائی تھی
جس کے گلے لگی سر و تن میں جدائی تھی
ہر معرکے میں دین کے آگے بڑھی رہی

لوہے کو اس کی کچھ نہ کھلا کونسی تھی قسم
کیا جانے اُس پہ شاہ نے کیا دم کیا تھا اسم
مانندِ دیوگر قدِ دشمن بلند تھا

ہر اک شقی کے سر پہ صفائی سے چل گئی
ناری پکارتے تھے کہ ہم سب سے کل گئی
کس کس مزے سے خونِ عدو چاٹتی تھی وہ

غازی نے سرکشوں کو تہِ تیغ دھر لیا
لاشوں سے دشتِ ظلم نے دامن کو بھر لیا
ٹھہری نہ خود پہ نہ زرہ پہ نہ زین پر

شل خیار کٹ گئے روئیں تنوں کے سر
توڑے بنے تھے خاک پہ تیر افگنوں کے سر
گُنتے پڑے تھے خاک پہ یوں ذوالفقار کے

اللہ رے تیغِ دستِ علی کی صفائیاں
پھرتی سے گو جوانوں نے چوٹیں بچائیاں
مقدور کس کو جنگ میں ردّ و بدل کا تھا

چمکی ادھر کہ پھول سپر کے اُدھر اُڑے
لشکر پہ گر کے آگ لگا دی شرر اُڑے
تن ناریوں کے تیغ کے پانی سے جل گئے

اور نظم چار پارہ میں کامل پٹے بُرد
تھے ضربتِ ثقیل سے اس کی خفیف مرد
سیفی کا سب عروض تھا اس کی زبان پر

خم قہر تھا غضب کی برش اس نے پائی تھی
جس صف پہ گر کے برق سی چمکی صفائی تھی
مرکز کی طرح کفر کے سر پر چڑھی رہی

جوہر سے شکل آئینہ شفاف صاف جسم
اک دم میں کھول دیتی تھی ہر جسم کا طلسم
بجلی سی بس چلی کہ جدا بند بند تھا

آئی اُدھر سے تن سے اِدھر سے نکل گئی
کشتِ امانِ دامنِ شقیوں کی جل گئی
ہر عضو مثلِ حرفِ غلط کاٹتی تھی وہ

قبضہ اجل کی طرح ہر اک تن پہ کر لیا
لیتی ہوئی سپر کو جو اُتری تو سر لیا
سر سے کمر پہ تھی تو کمر سے زمین پر

شہ کے قدم پہ لوٹتے تھے دشمنوں کے سر
ہیکے کی جا پڑے تھے تلے گردنوں کے سر
سوتے ہیں جیسے بوجھ مسافر اُتار کے

ماری جو ٹنگٹی تو اُڑا دیں کلائیاں
کٹ کٹ گئیں پھکیتوں کے ہاتھوں کی گھائیاں
ضربت تھی تیغ کی کہ طمانچہ اجل کا تھا

جب مثل برق کوند کے بالائے سر گری
خود آیا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
پہونچوں سے ہاتھ کٹ کے سپر پر گری
تانسی ادھر ادھر سے چمک کر ادھر گری
ضربت کی دھوم قاف سے تا قاف ہو گئی
جو صف پئے مصاف بڑھی صاف ہو گئی

جب لڑتے لڑتے عصر کا ہنگام آگیا
خوں بہہ کے تا بہ قبضۂ صمصام آگیا
زخموں میں فاطمہ کا گل اندام آگیا
تیروں کے ساتھ موت کا پیغام آگیا
تھا شوق بندگی جو شہ سرفراز کو
گردن جھکائے گھوڑے سے اترے نماز کو

نیت میں تھی عبادت خالق جو مرتے دم
سوئے زبان خشک سے پڑھ کر بہ چشم نم
گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے ہوئے سوئے قبلہ خم
جھکنا تھا بس کہ سر پہ لگی تیغ ہے ستم
اٹھا گیا نہ پھر وہیں تیورا کے گر پڑے
سجدے کو ریگ گرم پہ غش کھا کے گر پڑے

شاہی کلاہ سر سے گری خوں بھری ہوئی
خود آیا زمیں پہ تن سے زرہ خاک پر گری
حضرت پہ ختم بیکسی و بے پری ہوئی
سر چاک تھا زمیں پہ جبیں تھی دھری ہوئی
کیوں بحر اشک فاطمہؑ آئے نہ جوش پر
پہلو پہ ایک تیر لگا ایک دوش پر

ریتی پہ جب تڑپنے لگا فاطمہ کا لال
اک بی بی نکلی خیمے سے بکھرائے سر کے بال
ملتی تھی اس کی چال سے خیر النسا کی چال
چہرے سے تھا عیاں اسد اللہ کا جلال
آلودہ تھے عذار مبارک غبار سے
غل تھا کہ فاطمہ نکل آئی مزار سے

غش میں امام نے جو بہن کی سنی صدا
گردن اٹھا کے بولے کہ بھینا یہ کیا کیا
سر تن پہ ہے ابھی مرے کیوں پھینک دی ردا
آئی صدائے فاطمہؑ بیٹی یہ ماں فدا!
کٹتا ہے ایک حلق کئی گھر اجڑتے ہیں
ہے ہے یہ تیر کس کے کلیجے پہ پڑتے ہیں

چلاتی تھی یہ ہاتھوں سے تھامے ہوئے جگر
کیوں بے چراغ کرتے ہو خیر النسا کا گھر
اس کے عوض پھرا دو چھری میرے حلق پر
اے ظالمو یہ حیدر و صفدر کا ہے پسر
شبیرؑ ذبح ہوتا ہے میں بے حواس ہوں
تو گھر میں جا کہ میں ترے بھائی کے پاس ہوں

مقتل میں بے عمامہ ہیں محبوبؐ کبریا
آتے ہیں غش پہ غش انھیں تھامے ہیں انبیا
اور سر برہنہ گرد علیؑ کے ہیں اوصیا
اک شور ہے کہ ہائے یہ امت نے کیا کیا
اٹھ اٹھ کے جب زمین پہ شبیرؑ گرتے ہیں
پروانے کی طرح سے حسنؑ گرد پھرتے ہیں

ماں کی صدا یہ سن کے پکاری وہ دل فگار
اماں یہ بیٹی آپ کی آواز کے نثار
بھائی سے چھوٹتی ہوں میں کیونکر پڑے قرار
ہے ہے یہ تن حسینؑ کا اور برچھیوں کے وار
اس بیکسی میں کام نہ بھائی کے آؤں میں
نکلی ہو تم تو قبر سے اور گھر میں جاؤں میں

رو کر بیاں یہ کرتی تھی وہ سوختہ جگر
اور پیٹتی تھیں بیبیاں ڈیوڑھی پہ ننگے سر
چلّاتی تھی سکینہؑ کہ ہے ہے مرے پدر
تھیں چھوٹے چھوٹے لڑکوں کی اشکوں سے آنکھیں تر
پردے سے منہ نکال کے میداں کو تکتے تھے
مائیں جو پیٹتی تھیں تو بچے بلکتے تھے

تیغوں کے وار چلتے تھے بیکس پہ دمبدم
کہتے تھے شکر شکر زباں سے شہ امم
بارہ لعیں تھے کھینچے ہوئے خنجر ستم
غل تھا کہ بوسہ گاہِ محمدؐ کرو قلم
کرتا تھا جب نگاہ تنِ چاک چاک پر
دلدل بھی سر پٹکتا تھا جھک جھک کے خاک پر

یاں قتل گہ میں غش ہوئے سلطانِ بحر و بر
آیا پکڑ کے خنجرِ کیں شمرِ بدگہر
فریاد ہے کہ پاؤں دھرا شہ کے سینے پر
حضرت نے شمر سے کہا پیاسا نہ ذبح کر
پانی دیا نہ ہائے نبیؐ کے نواسے کو
جلّاد ذبح کرنے لگا بھوکے پیاسے کو

قاتل نے یاں گلے پہ رکھا خنجرِ جفا
دوڑی ادھر سے دخترِ زہراؑ برہنہ پا
جنگل سے آئی فاطمہؑ کے رونے کی صدا
سر پیٹ کے فلک پہ فرشتوں نے یہ کہا
بند آنکھیں کر لو سب کہ زمیں تھرتھراتی ہے
بیٹی علیؑ کی بھائی کے لاشے پہ جاتی ہے

زینبؑ نے دی صدا کہ حسینا بہن نثار
واحسرتا یہ خشک گلا اور چھری کی دھار
دل تھام کر تڑپ گئے محبوبؐ کردگار
فرزند سے لپٹنے لگے شاہِ ذوالفقار
حیراں ہوں کیوں زمیں کا نہ طبقہ الٹ گیا
سب پیٹتے رہے سرِ شبیرؑ کٹ گیا

خوں ہو کے تیغِ کیں سے بہا فاطمہؑ کا شیر
سینے سے آن کر نہ نکالا کسی نے تیر
نیزے پہ رکھ دیا سرِ شاہِ فلک سریر
غل تھا کہ ذبح ہو گیا کونین کا امیر
خنجر چلا گلے پہ شہِ مشرقین کے
ہے ہے یتیم ہو گئے بچے حسینؑ کے

بس اے انیسؔ گریہ و زاری کا ہے محل
واللہ ہر عمل سے ہے بہتر یہی عمل
حسرت کا ہے مقام جو فرصت نہ دے اجل
اب تو وطن کو چھوڑ بس اب کربلا کو چل
پیری کا یاں مزا نہ جوانی کا لطف ہے
رو دے پہ شہ کے مرثیہ خوانی کا لطف ہے

۲۱

مرثیہ

بند

جب جاں نثار سبطِ پیمبرؐ ہوئے شہید
مظلوم کے غریب کے یاور ہوئے شہید
عباسؑ قتل ہو گئے اکبرؑ ہوئے شہید
یاں تک کہ تیر سے علی اصغرؑ ہوئے شہید
جاں باز اپنی اپنی شجاعت دکھا گئے
تنہا امام نرغۂ اعدا میں آ گئے

جب قتل رن میں ہو چکا لشکر حسینؑ کا
باقی رہا نہ یار نہ یاور حسینؑ کا
دشمن جو تھا ہر ایک ستمگر حسینؑ کا
غل پڑ گیا کہ کاٹ لو اب سر حسینؑ کا
پیاسے پہ ابر شام کے لشکر کا چھا گیا
مظلوم اہلِ ظلم کے نرغے میں آ گیا

اس خاصۂ خدا پہ ہوا اک ہجوم عام
کالی گھٹا کی طرح سے اُمڈی سپاہِ شام
نیزے لئے کوئی کوئی تولے ہوئے حسام
غل تھا کہ تیر مارو اکیلے ہیں اب امام
گھوڑے سے یاں گرا دو شہِ سرفراز کو
پانی نہ ملنے پائے امامِ حجاز کو

لشکر ہوا تمام مہیائے کارزار
نکلے پروں سے نیزوں کو تانے ہوئے سوار
تھی پشت پر تو برچھیوں والوں کی اک قطار
اور سامنے کھڑے تھے کماں دار دس ہزار
یہ ظلم تھا نبیؐ کے نواسے کے واسطے
تلواریں تیز ہوتی تھیں پیاسے کے واسطے

تھی سبطِ مصطفیٰؐ پہ عجب بیکسی و یاس
شدت تھی آفتاب کی اور تین دن کی پیاس
تھا دشمنوں میں یکہ و تنہا وہ حق شناس
بیتاب روحِ فاطمہؑ پھرتی تھی آس پاس
تنہائی پر پسر کی علیؑ اشکبار تھے
اور قبر میں رسولِ خداؐ بے قرار تھے

جن تیروں سے کہ ہوتا تھا شہ کا جگر فگار
وہ تیر ہوتے تھے جگرِ مصطفیٰؐ کے پار
پڑتی تھی جسمِ پاک پہ جب تیغ آبدار
چلتی تھی دل پہ شیرِ الٰہی کے اُس کی دھار
نیزہ جو لگتا سینے پہ سبطِ رسولؐ کے
اُٹھتا تھا دل میں درد جنابِ بتولؑ کے

اک یہ الم تھا جس سے کہ یہ بے قرار تھے
اک سر تھا اُس کے لینے کے گاہک ہزار تھے
اک تن تھا اس پہ زخم لگے بے شمار تھے
در پے اُس ایک جان کے سب نابکار تھے
تدبیرِ قتلِ شاہ وہ گم راہ کرتے تھے
اُمّت کی مغفرت کی دُعا شاہ کرتے تھے

تھا چترِ زر لگائے ہوئے شمرِ رو سیاہ
تابش میں آفتاب کی تھا فاطمہؑ کا ماہ
میداں میں چار سمت یہ تھی کثرتِ سپاہ
جانے کی خیمہ گاہ تلک ملتی تھی نہ راہ
سر ضعف سے جھکاتے تھے گھوڑے کی یال پر
فاقہ تھا تین روز کا زہراؑ کے لال پر

پیتے تھے آب نہر چرند و پرند سب
محروم ابنِ ساقیِ کوثر تھا ہے غضب
نیلے تھے مارے پیاس کے وہ برگِ گل سے لب
پڑتے تھے تیر پانی اگر کرتے تھے طلب
سولہ پہر کی پیاس کلیجہ جلاتی تھی
کچھ بات کرتے تھے تو زباں اینٹھی جاتی تھی

چھڑکاؤ سقّے کرتے تھے میداں میں جابجا
اور گھوڑوں کو بھی پانی پلاتے تھے جابجا
افراطِ آب دیکھ کے سلطانِ کربلا
دل سے بیاں یہ کرتے تھے آنسو بہا بہا
اس پانی کو ترس کے مرے لال مر گئے
اصغرؑ جہاں سے تشنہ دہن کوچ کر گئے

دریا کو دیکھ دیکھ کے فرماتے تھے یہ بات
تو ملکِ فاطمہؑ میں ہے اے چشمۂ حیات!
پیتے ہیں پانی لے کے تجھ سے زبوں صفات
قطرے کو ہم ترستے ہیں طرفہ ہے واردات
اعدا تو مشکیں بھر کے زمیں پر چھڑکتے ہیں
بچے ہمارے پانی کی خاطر سسکتے ہیں

آیا نظر جو لاشۂ عباسؑ نیک نام
ٹوٹی کمر کو تھام کے کرتے تھے یہ کلام
بھائی تمہاری لاش کے قربان ہو غلام
تم کیا تمام ہو گئے ہم ہو گئے تمام
فرزندِ فاطمہؑ کی مدد آن کر کرو
بھائی پہ تیر پڑتے ہیں سینہ سپر کرو

کچھ تم کو اپنی پیاری سکینہؑ کی ہے خبر
اب تک نہیں ہوئے ہیں لبِ خشک اُس کے تر
چلاتی ہے یہ ڈیوڑھی سے سر پیٹ پیٹ کر
لوگو بتاؤ تو مرے عمو گئے کدھر
تم سے بڑا عجب مجھے اے بھائی جان ہے
میری خبر ہے کچھ نہ سکینہؑ کا دھیان ہے

اے میرے شیر اے مرے ہمدرد و خیر خواہ
اُٹھو کمک کرو کہ ہمیں گھیرے ہے سپاہ
ساحل پہ آپ کو تو ملی سرد خواب گاہ
لاشہ زمینِ گرم پہ میرا رہے گا آہ
بے غسل اس زمیں پہ بہت دن رہیں گے ہم
چالیس روز دھوپ کی ایذا سہیں گے ہم

بھائی کی لاش سے جو نہ ملتا تھا کچھ جواب
بابا کا بھی خیال ہے کب تک کروگے خواب
گھوڑے سے نیزے مار کے اعدا گراتے ہیں
راوی نے یہ لکھا ہے کہ وقت زوال تھا
سوکھی زباں سے بات کا کرنا محال تھا
اس بات کا جواب بھی ظالم نہ دیتے تھے
کہتا تھا کوئی تیر لگاؤ حسینؑ کو
کہتا تھا شمر گھیر کے لاؤ حسینؑ کو
کیا چپکے دیکھتے ہو منہ اس تشنہ کام کا
جب تیر آکے لگتا تھا جسم حسینؑ پر
کہتے تھے دل سے رو رو کے یہ شاہ بحر و بر
بانو کو اے کریم مرے غم میں صبر دے
کرتے تھے ہاتھ اٹھا کے کبھی حق سے یہ دعا
بیٹے، بھتیجے سب تری رہ میں ہوئے فدا
پر یہ دعا قبول ہو مجھ دل ملول کی
زینبؑ نے اپنے بھائی کی جب یہ سنی صدا
دیکھا کہ شہ کو گھیرے ہے سب فوج اشقیا
کوئی قریب آکے ہے شمشیر مارتا
زینبؑ پکاریں تیر یہ مجھ پر لگاؤ تم
نیزے پہ کاٹ کر مرے سر کو چڑھاؤ تم
پانی کو تین روز سے محروم ہے حسینؑ
گر حال یہ حسینؑ کا سن پائے گی بتولؑ
دکھیا کو کیوں ستاتے ہو غم کھائے گی بتولؑ
یہ کیا سلوک کرتے ہو تم بے گناہ سے

کرتے تھے رو کے لاشۂ اکبر سے یہ خطاب
بیٹا خبر لو نرغے میں ہے ابن بوتراب
ہاتھوں کو آکے تھامو کہ ہم ڈگمگاتے ہیں
اور غلبہ پیاس کا شہ دیں پر کمال تھا
پانی جو ان سے مانگتا زہراؑ کا لال تھا
منہ پیٹنے کی جا ہے کہ منہ پھیر لیتے تھے
تلواروں سے لہو میں ڈباؤ حسینؑ کو
گھوڑے سے جلد نیچے گراؤ حسینؑ کو
سر کاٹ لو حسین علیہ السلام کا
خیمے کو تکتے جاتے تھے منہ پھیر پھیر کر
زینبؑ کہیں نہ خیمے سے نکلے برہنہ سر
زینبؑ کو اے خدا مرے ماتم میں صبر دے
تو ہے کریم بندۂ عاجز ہوں میں ترا
میں بھی اب اپنا پیاسا گلا دیتا ہوں کٹا
امت کو بخش دے مرے نانا رسولؐ کی
گھبرا کے آئی ڈیوڑھی پہ وہ غم کی مبتلا
امت کی مغفرت کی ہیں شہ کر رہے دعا
اور جسم پاک پر ہے کوئی تیر مارتا
بھائی کے بدلے خون میں مجھ کو ڈباؤ تم
فرزند فاطمہؑ پہ نہ اب ہاتھ اٹھاؤ تم
تشنہ ہے بے گناہ ہے مظلوم ہے حسینؑ
پایہ پکڑ کے عرش کا چلائے گی بتولؑ
جنت سے سر برہنہ چلی آئے گی بتولؑ
مانگو پناہ فاطمہ زہراؑ کی آہ سے

اس قوم سے یہ کہتی تھی زینبؑ تو غل مچا
زینبؑ نے سر کو پیٹ کے تب اس طرح کہا
چلتے ہیں وار فاطمہؑ کے نازنین پر
یہ بات کہہ کے رونے لگی ڈھاڑیں مار کر
پھر شاہ سے وہ کہنے لگی یوں پکار کر
اس بے کسی غریبی کے قرباں جاؤں میں
اس وقت چپکے رہنے کے قربان ہو بہن
اعدا سے کچھ نہ کہنے کے قربان ہو بہن
کیوں صدقے ہو کے آپ پہ زینب نہ مر گئی
سینہ ستم کے تیروں سے غربال ہو گیا
زینبؑ کو تم بن ایک دم اک سال ہو گیا
ناحق ہے ظلم فاطمہؑ کے نور عین پر
جس دم بہن کے رونے کی شہ نے سنی صدا
غل اس لئے ہے خیمے میں فریاد وآہ کا
تنہا سے سامنا جو ہو ساری خدائی کا
یہ کہہ کے سوچنے لگے پھر دل میں کچھ امام
پھر شاہ ظالموں سے یہ کرنے لگے کلام
خیر النسا ہے ماں مری بنت رسولؐ ہے
بیٹی کا میں تمہاری پیمبرؐ کی ہوں پسر
محبوب حقؐ نے مجھ کو چڑھایا ہے دوش پر
پیراہن رسولؐ کو کیوں خوں میں بھرتے ہو
ماں میری فاطمہؑ نہیں نانا نبی نہیں؟
اُمت میں جن کی تم ہو میں اُن کا کوئی نہیں؟
واجب ہے اعتقاد مرے نور عین سے

وہ شہ کو زخمی کرتے تھے نیزہ لگا لگا
فرمایا بنت فاطمہؑ گرتی ہے اے خدا
کیوں آسمان گر نہیں پڑتا زمین پر
سر سے زمیں پہ پھینک دی چادر اُتار کر
زینب کو مار ڈالے کوئی تم پہ وار کر
کچھ بس نہیں مرا انھیں کیونکر بچاؤں میں
یہ ظلم و جور سہنے کے قربان ہو بہن
زخموں سے خون بہنے کے قربان ہو بہن
بھائی تمہاری شکل تو سب خوں میں بھر گئی
ہے ہے یہ جسم خون سے سب لال ہو گیا
کیسی ہوئی جدائی یہ کیا حال ہو گیا
ہے ہے ستم یہ بھوکے پیاسے حسینؑ پر
سمجھے کہ مجھ پہ نرغہ جو اعدا نے ہے کیا
اعدا کو زور بیکسی اس وقت دوں دکھا
چرچا رہے جہاں میں ہماری لڑائی کا
حجت بھی اس گروہ سے کر لیجئے تمام
کیوں مجھ پہ ظلم کرتے ہو اے ساکنان شام
میرے ستانے سے تمہیں کچھ بھی حصول ہے
سبط نبیؐ ہوں شیر خدا ہے مرا پدر
نا منصفو خیال تمہارا گیا کدھر
بتلاؤ کس گنہ پہ مجھے قتل کرتے ہو
بابا مرا رسول خدا کا وصی نہیں؟
یہ بات میرے حق میں نبیؐ نے کہی نہیں؟
یعنی حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے

اصحاب سے یہ کہتے تھے اکثر سنا سنا
دشمن ہے وہ مرا جو ہے دشمن حسین کا
ہو دوست تم ہیں گر کوئی خیر الانام کا
اکبرؑ شہید ہو گیا مارا نہ میں نے دم
عباسؑ کے الم سے کمر ہو گئی ہے خم
اب بھی کہو تو یاں سے کسی سمت جاؤں میں
اس واسطے یہ کہتا ہوں اے لشکرِ جفا
بیمار ایک ہے سو مصیبت میں مبتلا
کس طرح سے مرے دلِ بے کل کو کل پڑے
اعدا نے تب کہا تمھیں پہچانتے ہیں ہم
پر دل پہ قتل آپ کا اب ٹھانتے ہیں ہم
گر ہو رسولِ حق کے نواسے تو کیا کریں
ہم تو تمھارے خون کا دریا بہائیں گے
احمدؐ کی بوسہ گاہ پہ خنجر چلائیں گے
شہ بولے خیر ہم نے تو حجت تمام کی
فرماتے تھے یہ اعدا سے سلطانِ بحر و بر
دی ہے علیؑ کے لال کو کیوں مہلت ابھی غدر
خنجر سے ذبح لختِ دلِ فاطمہؑ کرو
یہ سنتے ہی برسنے لگے شہ پہ تیر کیں
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے سینکڑوں لعیں
تم نے بہت ستایا ہے مجھ دل فگار کو
تم نے مرے رفیقوں کے کاٹے بدن سے سر
برچھی سے چھیدا اکبرِ مظلوم کا جگر
ندا اٹھائی پیاس کی شکرِ خدا کیا

جو دوست ہے حسینؑ کا وہ دوست ہے مرا
دشمن نبیؐ کی آل کا ہے دشمن خدا
پوچھو اسی سے مرتبہ مجھ تشنہ کام کا
اصغرؑ کو تیر مارا کیا میں نے کچھ نہ غم
قاسمؑ کے مرنے کا بھی مجھے سخت ہے الم
اس ریت سے ابھی خیمہ اٹھاؤں میں
اہلِ حرم کا اب کوئی وارث نہیں رہا
اہلِ حرم میں شور ہے فریاد و آہ کا
زینبؑ کہیں نہ خیمے سے باہر نکل پڑے
خیر النساؑ کے بیٹے ہو تم جانتے ہیں ہم
اس وقت تو کسی کو نہیں مانتے ہیں ہم
دو دن کے بھوکے ہو جو پیاسے تو کیا کریں
جتنا ستایا جائے گا تم کو ستائیں گے
سر کو تمھارے نیزے کے اوپر چڑھائیں گے
پر تم نے کوئی بات نہ مانی امام کی
چلّایا فوج کو عمرِ سعدِ بد گہر
ہاں جلد کاٹ لو پسرِ فاطمہ کا سر
اب پنجتن کا روز دہم خاتمہ کرو
زخمی ہوئی امام کی وہ چاند سی جبیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے امامِ دیں
لو اب حسینؑ کھینچتا ہے ذوالفقار کو
بازو اتارے بھائی کے بیرے فرات پر
مارا اسے بھی تھا چھ مہینے کا جو پسر
میں نے نہ کچھ زباں سے تمہارا گلا کیا

للّٰلہ میرے قتل سے اب ہاتھ اُٹھاؤ تم
میں جاؤں اپنے شہر میں کوفے میں جاؤ تم
کیوں خاک میں ملاتے ہو گھر بوتراب کا
واللہ میرا قتل رسولؐ زمن کا قتل
محسن کی ظالمو ہے شہادت حسنؑ کا قتل
مرنا مرا نہ ہوگا گوارا رسولؐ کو

مظلوم کو یہ ظالموں نے تب دیا جواب
حضرت کا قتل کرنا سمجھتے ہیں ہم ثواب
نیزے لگا کے گھوڑے سے تم کو گرائیں گے
یہ سُن کے آگیا شہِ مظلوم کو جلال
اس غیظ میں کھڑے ہوئے سارے بدن کے بال
تم جانتے ہو ابنِ علیؑ کو ہراس ہے

یہ کہہ کے ذوالفقار کو کھینچا نیام سے
جوں برق نکلی کوندتی وہ فوجِ شام سے
غصے میں صورتِ اسدِ حق جدھر گئے
فرمایا ہے کشندۂ خیبر مرا پدر
کچھ سوجھتا نہیں کہ موا ہے جواں پسر
وارث ہوں ذوالفقارِ جنابِ امیر کا

لاشے پہ لاشہ ڈال دیا ایک آن میں
کس طرح آسکے وہ شجاعت بیان میں
پیدل تو کیا سوار ہزاروں بھگا دیے
غصے میں آگیا زبس خلفِ شیرِ کردگار
گھوڑوں سمیت کٹ کے پڑے تھے کہیں سوار
شبیرؑ باگ اُٹھاتے تھے جب نعرہ مار کے

شبیر کو بے وطن کو نہ اتنا ستاؤ تم
جسمِ نبیؐ ہوں مجھ کو نہ نیزے لگاؤ تم
میرا لہو لہو ہے رسالت مآبؐ کا
زہراؑ کا خوں ہے اور علیؑ صف شکن کا قتل
ذبحِ حسینؑ خلق میں ہے پنجتنؑ کا قتل
مجھ کو کیا شہید تو مارا رسولؐ کو

ہے آپ کو جو بیعتِ حاکم سے اجتناب
حیدر شہید ہوں کہ رسولِ فلک جناب
پانی نہ دیں گے حلق پہ خنجر چلائیں گے
غصے سے ہوگیا رخِ انور کا رنگ لال
فرمایا ظالموں سے کہ اے قومِ بدخصال
مجھ کو فقط رسولؐ کی اُمت کا پاس ہے

ظاہر ہوا یہ معجزہ دستِ امام سے
دم میں ہٹا دیا انھیں اُن کے مقام سے
بن تیغ کتنے شاہ کی دہشت سے ڈر گئے
لنگر اکھاڑ دوں کوہ کا ٹوٹی ہے گو کمر
لرزہ ہو شیر کو جو کروں غیظ سے نظر
رگ رگ میں میرے زور ہے زہراؑ کے شیر کا

اک تہلکہ سا پڑ گیا کون و مکان میں
ایسا لڑا نہیں کوئی پیاسا جہان میں
کشتوں کے پشتے رن میں ہر اک جا لگا دیے
بے سر کہیں تھے خاک پہ اک سمت نیزہ دار
ہرگز کماں کشوں کے نہ لاشوں کا تھا شمار
لگتے نہ تھے زمیں پہ قدم راہوار کے

جوں برقِ تیغِ شاہ سروں سے گزر گئی
جس جس کو چھو گئی بس اُسے خوں میں بھر گئی

اک دم میں شہ نے خون کے دریا بہا دیے
جس شخص کے پڑا الفِ تیغ فرق پر
با وصفِ چار آئینہ و جوشن و سپر
ہر صف بصورتِ صفِ باطل قلم ہوئی
گوشوں میں جا چھپے تھے کماں دار دس ہزار
دستِ اماں اُٹھاتی تھیں تلواریں بار بار
خود صاحبِ کمند اسیرِ کمند تھے
کشتوں کے ڈھیر دشتِ ستم میں لگا دیے
ہر حملے میں سواروں کے ٹکڑے اُڑا دیے
اللہ ری ضربِ راحتِ جانِ بتولؑ کی
بہرِ مدد فرشتے بھی آئے تھے بے شمار
سب کہتے تھے کہ اے خلفِ شیرِ کردگار
شہ کہتے تھے کہ گو مرا تن زخم دار ہے
میری مدد کو کافی ہے سر پہ مرا خدا
حلّالِ مشکلات پدر جس کا ہو بھلا
کٹوا کے اقربا کو نہ خاطر ملول کی
اور اس گھڑی جو فوجِ مخالف سے میں لڑا
لیکن فقط یہ تھا بشریّت کا مقتضا
طاقت تو دیکھ لی مری غربت بھی دیکھ لو
یہ سُن کے سب ملائکہ کرنے لگے بُکا
کیا لڑا ہے آج مرا شیر واہ واہ
پر اے حسینؑ! مہرِ پیمبر بھی یاد ہے؟

سب دیکھتے رہے کدھر آئی کدھر گئی
اک دو ہوئے جو دو تھے انھیں چار کر گئی
حیدرؑ کی ذوالفقار کے جوہر دکھا دیے
تھا لام الف کی طرح وہ دو ٹکڑے تو دو کمر
اعدا کے جوں نقاطِ غلط کٹ گئے تھے سر
ایسی بھی جنگ صفحۂ عالم میں کم ہوئی
چادر ملا رہے تھے شجاعانِ نامدار
نیزے بلند کرتے تھے انگشتِ زینہار
دم خنجروں کے تیغ کی دہشت سے بند تھے
دریا کے پاس خون کے دریا بہا دیے
پیدل بھی ایک دم میں ہزاروں بھگا دیے
چلّاتے تھے عدو کہ دُہائی رسولؑ کی
اور قومِ جن بھی حرب کی تھی بس اُمیدوار
گر حکم ہو تو آپ پہ ہو جائیں ہم نثار
فرزندِ مرتضےٰ کو مدد ناگوار ہے
جُز ذاتِ حق کسی کا نہیں ہم کو آسرا
پھر غیر کی مدد کا وہ محتاج کب رہا
اولاد سے عزیز ہے اُمّت رسولؐ کی
فریادِ اہلبیتؑ نے تھا مضطرب کیا
اب دیکھو کیسے صبر سے کٹواتا ہوں گلا
دیکھا غضب تو صبرِ شہادت بھی دیکھ لو
ناگاہ آئی پردۂ گردوں سے یہ صدا
سرور ہو کوئی تجھ سے جہاں میں مجال کیا
کچھ تم کو اپنے خون کا محضر بھی یاد ہے

سب طرح کا دیا ہے تجھے ہم نے اختیار
تو چاہے گر تو ہوں ابھی غارت یہ نابکار
پھرے گا تو نہ حلق پہ گر تیغ کیں کی دھار
تو اُمتِ نبی نہیں ہونے کی رستگار
موقوف تیرے قتل پہ اُن کی نجات ہے
حُرمت گناہ گاروں کی اب تیرے ہات ہے

سُن کر صدا یہ کانپ گئے شاہِ نامدار
رکھ لی میان میں وہیں شمشیر آبدار
کی عرض کبریا سے بصد عجز و انکسار
شبیر تیری راہ میں سو جان سے نثار
ہر امر میں تجھ ہی سے عنایت ہوں چاہتا
اور اُمتِ نبی کی شفاعت ہوں چاہتا

تیری مدد سے جرأت و ہمت دکھا چکا
دو دن کی بھوک پیاس کی لذت اُٹھا چکا
اولاد کا بھی داغ کلیجے پہ کھا چکا
اصغر ملک کو قبر کے اندر سُلا چکا
اب آرزو یہ ہے کہ یہ خادم نثار ہو
سجدے میں سر ہو حلق پہ خنجر کی دھار ہو

یہ کہہ کے بس ٹھہر گئے سلطانِ کربلا
ماتھے پہ ہاتھ پھیر کے گھوڑے سے یہ کہا
بس تو مری سواری کا حق کر چکا ادا
تیرا سوار ہوتا ہے بس تجھ سے بھی جدا
یہ بات کہہ کے شاہِ حجازی نے رو دیا
حضرت کے منہ کو دیکھ کے تازی بھی رو دیا

یہ کہہ کے ظالموں کو پکارے امامِ دیں
کیوں بھاگتے ہو آؤ کہ لڑنے کے ہم نہیں
تن پر لگاؤ نیزہ و شمشیر و تیرِ کیں
حاضر ہے سر کٹانے کو زہرا کا نازنیں
اب رحم بھی نہ مجھ پہ کوئی مطلقاً کرے
قاتل کہاں ہے آکے مرا سر جدا کرے

سُن کر سخن یہ ٹوٹ پڑی فوجِ نابکار
نورانی جسم برچھیوں سے ہو گیا فگار
تیرِ ستم گزر گئے سینے سے بے شمار
نیزوں کے چار سو سے کئے ظالموں نے وار
تیغوں سے پیچ سارے عمامے کے کٹ گئے
گیسو لہو میں ڈوب کے رُخ سے لپٹ گئے

تھے دو ہزار جسمِ شہِ بحر و بر پہ زخم
ماتھے پہ زخم تیر کے تیغوں کے سر پہ زخم
گردن پہ زخم سینے پہ زخم اور کمر پہ زخم
اور اُس کے ماورا تھے سب جگر پہ زخم
گھوڑے پہ گہہ سنبھلتے تھے گہہ ڈگمگاتے تھے
غش آتا تھا تو ہرنے پہ سر کو جھکاتے تھے

گھوڑے پہ جب سنبھلنے کی باقی رہی نہ تاب
ہاتھوں سے باگ چھوٹ گئی پاؤں سے رکاب
گرنے لگا زمیں پہ جو وہ آسماں جناب
مرقد میں بے قرار ہوئی روحِ بوتراب
غل تھا کہ خاک پہ شہِ کون و مکاں گرا
بس اب زمیں اُلٹ گئی اور آسماں گرا

راوی یہ شہ کے زخموں کا لکھتا ہے ماجرا   کب دو ہزار زخموں کی ہوتی ہے انتہا
تفصیل اس کی سُن کے کلیجہ ہے کانپتا   یعنی جو زخم تیغِ تن شاہ پہ لگا
اُس زخم میں بھی سینکڑوں نیزوں کے وار تھے   ہر زخم نیزہ میں کئی سو تیر پار تھے

ہرگز ہجوم زخم سے تن میں رہی نہ تاب   بیٹھا زمیں پہ جھومتا تھا ابن بوتراب
ہونٹوں پہ پھیرتا تھا زباں کو بغیر آب   چلاتی تھی یہ ڈیوڑھی سے زینبؑ جگر کباب
ہے ہے ترس حسینؑ پہ کھاتا نہیں کوئی   مرتا ہے میرا بھائی بچاتا نہیں کوئی

ظالم کھڑے تھے گرد وہ بیٹھا تھا خاک پر   ڈوبا ہوا تھا خون میں ملبوس سر بسر
آنے لگا جو غش تو جھکایا زمیں پہ سر   سجدے میں عرض کی یہ خدا سے بچشم تر
یارب تو میرے نانا کی اُمّت کو بخش دے   اور میرے بھی قصورِ عبادت کو بخش دے

شرمندہ ہوں میں کس لئے آیا تھا کیا کیا   جو حق بندگی تھا نہ وہ بھی ادا کیا
تو نے کرم حسینؑ پہ لاانتہا کیا   یاں تک کہ ساری خلق کا مشکل کشا کیا
صدمہ ہے آج فاطمہؑ کے نورِ عین پر   آسان کر دے ذبح کی مشکل حسینؑ پر

رو رو دُعا یہ حق سے ابھی کرتے تھے امام   جو ظالموں نے شہ پہ کیا اور اژدہام
اُس وقت شمر سے یہ عمر نے کیا کلام   ہاں جلد کاٹ تن سے سرِ سیّدِ انام
ڈریو نہ سُن کے فاطمہ زہراؑ کی آہ کو   گل کر دے شمع قبر رسالت مآب کو

یہ سُنتے ہی چڑھائی ستمگر نے آستیں   خنجر کمر سے کھینچ کے آگے بڑھا لعیں
تھے قبلہ رو جھکے ہوئے سجدے میں شاہِ دیں   لب ہلتے دیکھے شاہ کے آ پہنچا جب یہیں
سمجھا کہ تشنگی سے جو صدمے گزرتے ہیں   اس وقت بد دُعا مجھے شبیرؑ کرتے ہیں

جھک کر قریب کان جو لایا تو یہ سُنا   حق میں گناہ گاروں کے شہ کرتے ہیں دُعا
جاری زبانِ خشک سے ہے یہ کہ اے خدا   کر حاجتوں کو میری محبوں کی تو روا
شیعوں کا حشر روز جزا میرے ہات ہو   میرا یہ خوں بہا ہے کہ ان کی نجات ہو

یہ سُن کے مستعد ہوا وہ شہ کے قتل پر   زانو رکھا حسینؑ کی چھاتی پہ بے خطر
گردن پہ پھیرنے لگا خنجر وہ کینہ ور   آئی صدا علیؑ کی کہ ہے ہے مرا پسر
زہراؑ پکاری کچھ بھی نبیؐ سے حجاب ہے   ظالم یہ بوسہ گاہِ رسالت مآبؑ ہے

کیوں ذبح میرے لال کو کرتا ہو بے گناہ
کیوں کاٹتا ہے میرے کلیجے کو روسیاہ
کشتی کو اہل بیتِ نبی کی نہ کر تباہ
میں فاطمہؑ ہوں عرش ہلا دے گی میری آہ
جس سینے میں ہیں علم الٰہی بھرے ہوئے
تو پائے چکمہ دار ہے اُس پر دھرے ہوئے

آواز اپنی ماں کی یہ زینبؑ نے جب سُنی
دوڑی نکل کے خیمے سے وہ پیٹتی ہوئی
دیکھا کہ ذبح کرتا ہے خنجر سے وہ شقی
سر پیٹ کر یہ کہنے لگی وہ جگر جلی
ہے ہے نہ تین روز کے پیاسے کو ذبح کر
ظالم نہ مصطفیٰؐ کے نواسے کو ذبح کر

بانو پکارتی تھی یہ کیا کرتا ہے لعیں؟
پیاسا ہے تین روز سے زہراؑ کا نازنیں
چلاتی تھی سکینہؑ کہ جینے کی میں نہیں
بابا کو ذبح کرتا ہے کیوں اے عدوِ دیں
خنجر نہ پھیر شاہ کی گردن پہ رحم کر
بابا کو چھوڑ دے مرے بچپن پہ رحم کر

زخموں سے چور چور ہے زہراؑ کا یادگار
جس چھاتی پر میں سوتی تھی اُس پر ہو تو سوار
باباکے حلق پر تو نہ پھیر اب چھری کی دھار
بدلے پدر کے سر کے مرے سر کو تو اُتار
سید پہ تشنہ لب پہ ستم اس قدر نہ کر
پڑتی ہوں فاطمہؑ کی مجھے بے پدر نہ کر

رو کر بیان کرتی تھی بچی وہ تشنہ کام
دے کر دہائی پیٹتی تھیں بیبیاں تمام
کرتا تھا ذبح شاہ کو وہ نطفۂ حرام
سوکھی زباں دکھا کے یہ فرماتے تھے امام
خنجر ابھی نہ حلق پہ دھرتا تو خوب تھا
پانی پلا کے ذبح جو کرتا تو خوب تھا

یہ کہتے تھے حسینؑ کہ بس حلق کٹ گیا
نورانی جسم ریگ بیاباں میں اٹ گیا
ننھا سا دل سکینہؑ کا سینے میں پھٹ گیا
اک شور تھا کہ دفتر عالم اُلٹ گیا
فوجِ لعیں تو فتح کے باجے بجاتی تھی
فریاد فاطمہؑ کی صدا رن سے آتی تھی

سر کٹ گیا جو سبطِ رسالت پناہ کا
غارت گروں نے قصد کیا خیمہ گاہ کا
بس اے انیسؔ شور ہے فریاد و آہ کا
عرض اُس سے کر غلام ہے جس بادشاہ کا
خلقت کے درد و رنج و مصیبت کو رد کر
آقا مدد کرو مرے مولا مدد کرو

۲۲

مرثیہ

۷

جب باغ حسینی پہ خزاں آ گئی رن میں
پھولوں کی اجل خاک پہ بکھرا گئی رن میں
پانی نہ ملا تھا جو کسی غنچہ دہن کو
جس باغ پہ تھا سایۂ ابر کرم رب
پانی جو نہ پایا کئی دن اور کئی شب
لوٹا گیا گلشن چمن آرائے جہاں کا

پانی سے درختوں میں بھرے رہتے ہیں تھالے
پھولی ہوئی ڈالی پہ کوئی ہاتھ تو ڈالے
قطرے انھیں شبنم کے میسر نہ ہوئے تھے
جو نخل کہ ہیں گلشن ہستی میں ثمردار
پتا کوئی توڑے یہ گوارا نہیں زنہار
یہ غم ہے جو غنچوں کے گریبان پھٹے ہیں

کیوں بلبل نالاں نہ کرے مرثیہ خوانی
اور دیدۂ نرگس کو بجا ہے نگرانی
نہریں ہیں رواں خلق میں چشمے بھی بھرے ہیں
آ جاتا ہے جب ذکر علی اکبرؑ گل رو
ہوتا ہے اگر تذکرۂ قامت دلجو
کہتی ہے یہ بلبل کسے دیکھے گی کہاں ہے

کھیتی تھی جو زہراؑ کی وہ مرجھا گئی رن میں
غم کی دل زہراؑ پہ گھٹا چھا گئی رن میں
بس یاس سے تکتے تھے حسینؑ اپنے چمن کو
تھی دھوپ کی گرمی کی بھلا تاب اُسے کب
مرجھا گئے برگ و ثمر و غنچہ و گل سب
تھی فصل بہاری کہ ہوا دخل خزاں کا

رکھتے ہیں تر و تازہ انھیں سینچنے والے
یاں سب گل زہراؑ تھے زبانوں کو نکالے
دو روز تلک خشک گلے تر نہ ہوئے تھے
کرتے ہیں ریاض اُس پہ سدا صاحب گلزار
اُن پھولوں پہ تلواروں کے پھل لگتے ہیں بار
نخل چمن فاطمہؑ تیغوں سے کٹے ہیں

مرجھا گیا قاسمؑ سا گل باغ جوانی
حسرت ہے کہ پایا گل زہراؑ نے نہ پانی
حیدرؑ کا چمن خشک ہوا کھیت ہرے ہیں
شبنم کے رخ گل پہ ٹپک پڑتے ہیں آنسو
شمشاد سے قمری کی صدا آتی ہے کو کو
وہ سرو رواں خاک کے پردے میں نہاں ہے

وہ باغ تو سب تین پہر میں ہوا پامال
دشمن تو ہیں نو لاکھ اور اک فاطمہؑ کا لال

پہونچا نہیں دو روز سے پانی جو دہاں میں
عمامۂ محبوبِ خدا خون میں تر ہے
بہتا ہے لہو سر سے گلا خون میں تر ہے
گرمی کی بھڑک تھی کہ پھکے جاتے تھے شبیرؑ
ہجرِ علی اکبرؑ سے بصارت ہے بہت کم
دل ٹکڑے کئے دیتا ہے داماد کا ماتم

کہتے ہیں نظر یاس سے ششماہے پسر پر
قبضے میں ہے مولا کے ید اللہ کی شمشیر
ہر زخم پہ ہے شکر ہر اک تیر پہ تکبیر
کھانے کی نہ پانی کی نہ راحت کی طلب ہے
وہ دھوپ کی تیزی غضب اور لوں کا وہ چلنا
ہر ایک بدن سے وہ پسینے کا نکلنا
جنگل کے چرندے سبھی جھیلوں میں پڑے تھے
گر خاک پہ گرتا ہے تو بھن جاتا ہے دانا
پیاسے ہیں حسینؑ اور ہے سیراب زمانا
کیا بے کس و مظلوم ذوی القدر ہوئے ہیں
وہ دھوپ ہے جس میں کہ ہرن تپتے ہیں کالے
گرمی سے زدِ دام میں منھ آب میں ڈالے
آہن کی بھی تھی موم صفت نرم ہوئی ہے
پتوں میں طیور اپنے بدن کو ہیں چھپائے
جنگل میں مسافر بھی نہیں چھاؤنی چھائے
نے دامنِ زہراؑ نہ محمدؐ کی عبا ہے

اب سروِ گلستانِ محمدؐ کا سنو حال
سر تیغوں سے زخمی ہے بدن تیروں سے غربال
ہیں پیاس سے کانٹے گلِ زہراؑ کی زباں میں
مخدومۂ عالم کی ردا خون میں تر ہے
سارے تنِ اطہر کی قبا خون میں تر ہے
رہوار کی گردن پہ جھکے جاتے تھے شبیرؑ
غم ہے کہ برابر کا پسر ہو گیا بے دم
بارِ غمِ عباسؑ سے ہے پشت دوہر خم
اک زخم تو بازو پہ ہے اک زخم جگر پر
پر صبر کے جوہر انھیں دکھلاتے ہیں شبیرؑ
فرماتے ہیں راضی ہوں میں اے مالکِ تقدیر
یارب مجھے امت کی شفاعت کی طلب ہے
وہ دوپہر اس دشت کی اور دن کا وہ ڈھلنا
اور تن پہ حرارت سے وہ ہتھیار کا جلنا
اور دھوپ میں پیاسے شہِ مظلوم کھڑے تھے
کیا قہر ہے اس آگ میں پانی کا نہ پانا
یہ جانِ محمدؐ ہے لعینوں نے نہ جانا
امت میں محمدؐ کی عجب غدر ہوئے ہیں
اور ہانپتے ہیں شیر زبانوں کو نکالے
ریتی پہ دھریں پاؤں تو پڑ جاتے ہیں چھالے
پتھر ہیں چٹکتے یہ زمیں گرم ہوئی ہے
مسکن سے چرائی کو پرندے نہیں جاتے
اس دھوپ میں حضرت کہیں سایہ نہیں پاتے
ہاں سر پہ فقط سایۂ الطافِ خدا ہے

چھڑکاؤ سے ہوتی ہے ادھر خشک زمیں تر
ہے چتر کا سایہ تو پسر سعد کے سر پر
نرغہ ہے لعینوں کا امام ازلی پر
کہتا ہے کماں داروں سے شمر ستم آرا
سواب تو اکیلا ہے ید اللہ کا پیارا
اس وقت نشانے کو جو چوکے تو خطا کے
تھے برچھیوں والوں سے اشارے یہی باہم
شبیر پہ کاری کوئی پڑتی نہیں تلوار
دست شہ دیں کاٹ کے شانے سے گرا دو
یہ سن کے ہوئے مستعد قتل وہ نامرد
ناگاہ بیاباں میں اٹھی دور سے اک گرد
خورشید نہ ہنگام تمازت نظر آیا
آندھی غضب آئی کہ لرزنے لگا میداں
ڈر ڈر کے پہاڑوں میں چرندے ہوئے پنہاں
ملتی تھی کسی کو نہ جگہ امن و اماں کی
حضرت نے سنی گھوڑوں کے ٹاپوں کی جو آواز
سمجھے کہ یہ کچھ فوج کی آمد کا ہے انداز
اس وقت میں کس نے یہ کیا قصد کمک کا
مقتل کے قریب آکے چھٹی گرد جو اک بار
وہ ساز وہ گھوڑے وہ چمکتے ہوئے ہتھیار
کچھ فوج زمیں پر ہے تو کچھ فوج ہوا پر
جب فوج سے وہ دشت ستم بھر گیا سارا
بس رک کے لو باگوں کو یہ سردار پکارا
مقتل ہے یہی وہ شہ ذی جاہ کھڑے ہیں

مرتا ہے عطش سے پسر ساقی کوثر
اور دھوپ میں ہے زینت آغوش پیمبر
تلواروں کی ہے چھاؤں حسین ابن علی پر
ہے فتح جگر گوشۂ زہرا کو جو مارا
ہاں تیروں سے بیکس کا بدن چھان دو سارا
تاکے رہو سینے کو امام دو سرا کے
ہاں پہلوئے شہ پر کسی پہلو سے کرو وار
کہتا تھا سواروں کو سنا کر وہ جفا کار
سب مل کے اکیلے کو سنانوں سے گرا دو
بے دینوں کو درد دل زہرا کا نہ تھا درد
جس گرد سے صحرائے پر آشوب ہوا زرد
مینائے فلک شیشۂ ساعت نظر آیا
دریا سے اٹھا شور کہ طوفان ہے طوفاں
طائر بھی درختوں سے اڑے ششدر و حیراں
غل تھا کہ دہائی ہے سلیمان جہاں کی
تکنے لگے دریا کی طرف شاہ سرافراز
بیکس کی مدد کرنے کو آیا کوئی جانباز
جنات کی ہے فوج کہ لشکر ہے ملک کا
دیکھا شہ دیں نے کہ چلے آتے ہیں اسوار
کثرت سے ہے پر ایسی کہ شمار ان کا ہے دشوار
لشکر ہے کہ دریا کی ہے اک موج ہوا پر
تھا گھوڑوں کی کثرت سے نظر کا نہ گزارا
آگے نہ بڑھو اب یہی آقا ہے ہمارا
ٹکڑے یہیں زہرا کے کلیجے کے پڑے ہیں

سب تھم گئے میداں میں پرا باندھ کے اسوار
شبدیز فلک سیر سے اُترا وہ نکوکار
مُجرے کو غلاموں کی طرح خم ہوا اک بار
آنکھوں سے لگائے قدمِ سیّدِ ابرار
عاشق اُسے سمجھے جو امامِ اُمم اپنا
مولا نے رکھا پُشت پہ دستِ کرم اپنا

یوں کہنے لگا جوڑ کے ہاتھوں کو وہ ذی جاہ
میں کون ہوں پہچانا مجھے آپ نے یا شاہ
حضرت نے کہا ضعفِ بصارت پہ ہو واللہ
تجھ سے بھی ترے جدّ و پدر سے بھی ہوں آگاہ
جو دوست ہمارا ہے اُسے جانتے ہیں ہم
تو زعفرِ جن ہے تجھے پہچانتے ہیں ہم

آجاتا تھا جنّات کا مذکور کبھی گر
تعریف ترے باپ کی فرماتے تھے حیدر
ہوتا ہے وفادار، وفادار کا دلبر
فرزندِ علیؑ سے تجھے الفت نہ ہو کیونکر
سب عقدوں کو کھولا ہے امامِ ازلی نے
دی ہے ترے آنے کی خبر مجھ کو علیؑ نے

ہے خوب مجھے یاد ترے باپ کا آنا
اور مسئلہ کچھ پوچھ کے دربار سے جانا
وہ اور زمانہ تھا یہ ہے اور زمانا
ماں اُٹھ گئیں دنیا سے سفر کر گئے نانا
اب بےکس و بےپر خلفِ شاہِ عرب ہے
تو پوچھنے آیا ہمیں اس کا بھی عجب ہے

تھا کون جو مظلوم کی تسلیم کو آتا
ہم سے تو کوئی آج نہیں آنکھ ملاتا
برگشتہ ہے قسمت کسے حال اپنا سناتا
منظور مدد ہوتی تو خود تجھ کو بُلاتا
انداز زمانے کی یہ گردش کے نئے ہیں
جو میرے شناسا تھے وہی بھول گئے ہیں

سُن کر یہ سخن کہنے لگا زعفرِ دیندار
ہے سخت خجالت مجھے یا سیّدِ ابرار
خاک اس مرے آنے پہ تب آیا یہ گنہگار
تلواروں سے جب کٹ گیا سب آپ کا گلزار
زندہ شہِ ذی جاہ کے پیاروں کو نہ دیکھا
مہتاب کو دیکھا پہ ستاروں کو نہ دیکھا

تھا جشن میں شادی کی میں اے قبلۂ عالم
جو قاف میں ناگاہ یہ پہونچی خبرِ غم
بس تخت سے اُٹھا میں وہ صحبت ہوئی برہم
پریوں کی جماعت میں بپا ہو گیا ماتم
ہے تیرہ و تاریک جہاں سب کی نظر میں
روتا ہوا ایک ایک کو چھوڑ آیا ہوں گھر میں

لشکر لئے پہلے میں نجف کی طرف آیا
تھا ابرِ الم روضۂ پُرنور پہ چھایا
آتی تھی صدا قبر سے ہے ہے مرا جایا
فرمایا کہ شبیرؑ نے پانی بھی نہ پایا
بےزار ہیں محبوبِ خدا اُمّتِ جد سے
غل تھا کہ علیؑ آج نکلتے ہیں لحد سے

اک حشر تھا واں ہیں جو ٹھہرتا تو غش آتا
لگتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
بتلائیے مولا کسے منھ اپنا دکھاتا
تنہائی میں آقا کو مرے کون بچاتا
سب کہتے کہ حیدرؑ نے سدا جن کی مدد کی
ان لوگوں نے کچھ اپنے نہ محسن کی مدد کی

اب اذنِ وغا دیجئے مجھے یا شہِ ذی جود
سارا مرا لشکر ہے فدا ہونے کو موجود
کیا بود و نمود اُن کی ابھی ہوتے ہیں نابود
لڑ سکتے ہیں احمدؐ کے نواسے سے یہ مردود
بڑھ کر ابھی پنجے میں دبا لیتا ہے سب کو
اک جن کو جو دوں حکم تو کھا لیتا ہے سب کو

پھیلی ہوئی ہے فوج مری قاف سے تا قاف
سب شیعہ ہیں دیندار ہیں وہ قوم کے اشراف
رُخ مہر سے روشن ہیں دل آئینے سے شفاف
تسبیح زباں پنجتنِ پاک کے اوصاف
ہے آج کے دن عید فدا ہونے کی ان کو
یہ وہ ہیں کہ پیاری نہیں جاں آپ سے ان کو

زعفر سے یہ فرمانے لگے سیّدِ ابرار
مشہور ہے عادل خلفِ حیدرِ کرار
تم دیکھو انھیں اور تمہیں دیکھیں نہ ستمگار
یہ جنگ و جدل شرع میں جائز نہیں زنہار
جو حق ہے کیے جاؤں گا گو تشنہ دہاں ہو
احمدؐ کا نواسا ہوں امامِ دو جہاں ہوں

ہے دورِ شجاعت سے اگر یوں انھیں مارا
یہ امرِ مروت نہیں کرتی ہے گوارا
لازم ہے مجھے رحم نبیؐ کا ہوں نواسا
دشمن پہ بھی ہے خلق میں احسان ہمارا
ہر چند نہیں نیک عمل اُمتِ بد کا
شرم آتی ہے پڑھتے ہیں یہ کلمہ مرے جد کا

کی دستِ ادب جوڑ کے زعفر نے یہ گفتار
مشہور جہاں جنگِ اُحد کے ہیں یہ اخبار
کی فوج ملک نے مددِ احمدِ مختار
اُن کو بھی تو لڑنے میں نہ تھے دیکھتے کفار
کافر ہیں یہ سب ترکِ مروت نہیں اس میں
خادم بھی لڑا اگر تو قباحت نہیں اس میں

فرمایا شہِ دیں نے بصد گریہ و زاری
اُس دن تھی یہی مصلحتِ ایزدِ باری
بھیجا تھا انھیں حق نے تو فوج آئی تھی ساری
تو آیا ہے اُلفت سے مدد کرنے ہماری
انسان سے جنات کو گر حکمِ وغا دوں
عادل کوئی پوچھے تو جواب اس کا میں کیا دوں

بولا قدمِ شاہ پہ سر رکھ کے وہ ذی شاں
آقا ترے قربان ترے عدل کے قرباں
کہیئے تو متشکل ہوں ابھی صورتِ انساں
وہ ہم کو کریں قتل کریں ہم انھیں بے جاں
سب کو یہی حسرت ہے لڑیں راہِ خدا میں
گر مر گئے ہو جائیں گے داخل شہدا میں

شہ بولے کہ دے تجھ کو جزا خالقِ اکبر
تو چاہتا ہے قتل نہ ہو سبطِ پیمبرؐ
لیکن نہ بچے گا پسرِ ساقیِ کوثر
یہ اہلِ ستم تیغ سے کاٹیں گے مرا سر
معلوم ہے مجھ کو نہ اجل آج ٹلے گی
اللہ کے سجدے میں چھری مجھ پہ چلے گی

تب زعفرِ جن بولا کہ یا سیّدِ ابرار
یہ قتل کریں گے تمھیں اب جان کے ناچار
شہ نے کہا میں ہوں خلفِ حیدرِ کرار
کونین میں مشہور ہیں ہم قاتلِ کفار
دیکھی نہیں احمدؐ کے نواسے کی لڑائی
ہاں دیکھ تو اب بھوکے پیاسے کی لڑائی

یہ کہہ کے بڑھے بحرِ وغا سرورِ عالی
غصے میں نظر شیر سی اُس شیر نے ڈالی
پھر نادِ علیؑ پڑھ کے جو تلوار نکالی
بجلی سی چمکنے لگی شمشیر ہلالی
حیدر کی طرح آئے صفِ لشکرِ کیں پر
بجلی سی گری تیغ ہر اک دشمنِ دیں پر

دم تن سے جوانوں کا نکلتے ہوئے دیکھا
وہ سرد ہوا جس نے کہ چلتے ہوئے دیکھا
تن شمع کے مانند پگھلتے ہوئے دیکھا
نیزوں کی سنانوں کو اُچھلتے ہوئے دیکھا
اُس تیغِ شرربار سے بیتاب تھے ناری
تلوار جو تھی آگ تو سیماب تھے ناری

روکا جو سپر کو تو سپر کاٹ کے نکلی
سر پر جو پڑی کاسۂ سر کاٹ کے نکلی
سینے میں در آئی تو جگر کاٹ کے نکلی
اُتری جو جگر سے تو کمر کاٹ کے نکلی
ٹھہری نہ کمر پہ نہ رُکی خانۂ زیں پر
رہوار کو دو کر کے گری روئے زمیں پر

ناگاہ صدا چرخ سے پیدا ہوئی پیہم
اب روک لے تلوار کو اے سیّدِ عالم
کون ایسا ہے جو سامنا تیرا کرے اس دم
آگے سے ترے بھاگ گیا لشکرِ اظلم
بس خوب لڑے تیغِ شرربار کو روکو
سب فوج جلی جاتی ہے تلوار کو روکو

آواز کا آنا تھا کہ تلوار کو روکا
فرمایا کہ جو حکم ترا اے مرے مولا!
کیا دخل جواب میں کروں لڑنے کا ارادا
ہیں بندۂ ناچیز تو کونین کا آقا
سر تیغ سے میداں میں کٹانے کی خوشی ہے
دربار میں تیرے مجھے آنے کی خوشی ہے

یہ کہہ کے رکھی میاں میں شمشیر دوپیکر
پھر زعفرِ جن سے یہ کہا با دلِ مضطر
کیوں دیکھی شجاعت مری اور تیغ کے جوہر
مجبور نہیں ہے خلفِ حیدرؑ و صفدر
اُمت مرے نانا کی ہے کیا ان کو سزا دوں
اب بھی یہ اگر مانیں تو دوزخ سے بچا دوں

اے زعفرِ جن تجھ سے رضامند ہے غفّار
اس بیکسی میں آ کے ہوا میرا مددگار
راضی ہوا تجھ سے خلفِ حیدرِ کرّار
ہر ایک سخن یاد رہے اے مرے غمخوار
جب پیاس میں تو پانی کبھی پیجیو بھائی
تب تشنگی تو یاد مری کیجیو بھائی

تو دل میں نہ کڑھنا کہ مری عرض مانی
بیزار ہے دنیا سے یداللہ کا جانی
مرجائے جب اکبرؑ سا پسر یوسفِ ثانی
جینے کا مزا تلخ ہے اور خاک ہے پانی
جا اب تو کہ جلدی کہیں سر تن سے اُتر جائے
یہ بارِ امانت مری گردن سے اُتر جائے

اس سعی کا بدلا تجھے دے ایزدِ باری
رخصت ہو کہ اب آئے گی اماں کی سواری
ہر سال کیا کیجو مری تعزیہ داری
جب پیاس لگے یاد رہے پیاس ہماری
رونے میں تجھے اجرِ شہادت کا ملے گا
تربت میں مزا میری محبت کا ملے گا

سب لشکرِ جن رونے لگا سُن کے یہ تقریر
برپا ہوا اک شور کہ ہے ہے شہِ دلگیر
غل سُن کے یہ چلّانے لگی شاہ کی ہمشیر
لوٹی گئی میں کٹ گیا شاید سرِ شبیرؑ
سنتی ہوں جدھر ہائے حسینا کی صدا ہے
دنیا میں قیامت نہیں آئی ہے تو کیا ہے

اب گھر سے نکلتی ہوں میں ہے ہے مرے بھائی
فریاد ہے فریاد دُہائی ہے دُہائی
زعفر نے یہ جنّات کو آواز سُنائی
بند آنکھیں کرو دخترِ زہراؑ نکل آئی
سیدانی ہے واجب بہ خدا اس کا ادب ہے
سر ننگے کسی نے اُسے دیکھا تو غضب ہے

ہمشیر کو گھبرا کے شہِ دیں نے پکارا
نکلو نہ بہن ہم کو کسی نے نہیں مارا
یہ زعفرِ جن آیا ہے لشکر لئے سارا
پر مجھ کو کسی کی نہیں امداد گوارا
کرتا ہوں میں رخصت وہ جُدا ہوتا ہے زینبؑ
یہ لشکرِ جن میرے لئے روتا ہے زینبؑ

حضرت کی صدا سُن کے وہ ناشاد پکاری
تنہائی کے صدقے میں اس آواز کے واری
گر بہرِ مدد آئی ہے زعفر کی سواری
عرض اس کی نہ رد کیجیو اے عاشقِ باری
اعدا کو نہ اب قہرِ الٰہی سے بچاؤ
کشتی کو غریبوں کی تباہی سے بچاؤ

اس وقت میں کیونکر یہ تمھیں چھوڑ کے جائے
ہے دوست وہ جو کام بُرے وقت میں آئے
زہراؑ کا پسر قتل ہو اور یہ نہ بچائے
اب ساتھ جو چھوڑے تو کہاں پھر تمھیں پائے
کیوں کر نہ ہو رُتبے شہِ مرداں نے دیے ہیں
اس پر بھی تو احساں مرے بابا نے کیے ہیں

رحم ان پہ نہ کیجے کہ یہ ہیں ظلم کے بانی
ہے ہے نہ دیا اصغرؑ معصوم کو پانی
زعفر سے کہے جا کے کوئی میری زبانی
ہیں درپئے جاں شاہ کے یہ دشمن جانی
آفت سے یداللہ کی جانی کو بچا لے
میں دوں گی دعائیں مرے بھائی کو بچا لے

یاں ہو چکا تھا سب مرے لٹ جانے کا ساماں
چلائی تھیں زہراؑ مرا گھر ہوتا ہے ویراں
سن لی مری فریاد میں اللہ کے قرباں
مر کر بھی نہ بھولوں گی ترا آج یہ احساں
فرزند علی گھر گیا تھا فوج ستم میں
اس وقت تو کیا آیا کہ جاں آ گئی دم میں

سیدانی ہوں بیکس ہوں میں گردوں کی ستائی
جب سے ہوئی پیدا کبھی راحت نہیں پائی
رکھتی ہوں میں دولت نہ بضاعت کی کمائی
دنیا میں بس اب ایک یہی ہے مرا بھائی
یثرب میں نہ کوفے میں نہ مقتل میں رہوں گی
میں بھائی کو لے کر کسی جنگل میں رہوں گی

شبیرؑ کی اک جان کا دشمن ہے زمانا
اس وقت ہوا ہم کو غنیمت ترا آنا
واجب ہے یداللہ کے پیارے کا بچانا
اب چھوڑ کے حضرت کو کہیں یاں سے نہ جانا
شبیرؑ کے دشمن ہیں سب اس فوج کی صف میں
پہونچا دے محمدؐ کے نواسے کو نجف میں

اس وقت اگر تو نہ مدد کرنے کو آتا
ہے ہے مرے ماں جائے کو پھر کون بچاتا
میں دیکھتی اور سبط نبیؐ برچھیاں کھاتا
ہوتی جو ذرا دیر تو حضرت کو نہ پاتا
زانوئے لعیں سینۂ صد چاک پہ ہوتا
سر نیزے پہ ہوتا تو بدن خاک پہ ہوتا

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے رونے لگا زعفر
کہتا تھا میں اس صبر کے صدقے ترے سرور!
کچھ کام نہ مجھ سے لیا اے سبط پیمبرؐ
حضرت نے کہا اب ترا پھر جانا ہے بہتر
کام آئے گا مجھ بے کس و بے آس پہ رونا
جب بھیجو پانی تو مری پیاس پہ رونا

جب حکم امام دوجہاں سے ہوا ناچار
سر پیٹتا گھر اپنے چلا زعفر دیں دار
سب اور بھی جن پھاڑے گریباں دل زار
چلاتے تھے ہے ہے خلف حیدر کرار
آقا ترے اس صبر و شکیبائی کے صدقے
اے سبط پیمبرؐ تری تنہائی کے صدقے

گھر پہونچا تو زعفر نے کہا تخت اٹھاؤ
اب فرش کہاں کا صف ماتم کو بچھاؤ
پوشاک سیہ لا کے مجھے جلد پنہاؤ
سب ہائے حسینا کہو اور خاک اڑاؤ
ہر غم سے غم سرور عالی ہے زیادہ
ماتم سے سلیماںؑ کے یہ ماتم ہے زیادہ

ماتم کی خبر زعفرِ نادر نے جو پائی
پوچھا کہ ہوا کیا صفِ ماتم جو بچھائی
گھبرائی ہوئی گھر سے وہ باہر نکل آئی
زعفر نے کہا لٹ گئی زہراؑ کی کمائی
گھیرا ہے ستم گاروں نے فرزندِ علیؑ کو
چھوڑ آیا ہوں تیغوں کے تلے سبطِ نبیؐ کو

سر پیٹ کے ماں زعفر جن کی یہ پکاری
واجب تھی تجھے سیّدِ کونین کی یاری
تو نے پسرِ فاطمہؑ پر جان نہ واری
عزت نہ رہی آ گئے محمدؐ کے ہماری
اب محکمۂ حشر میں جاؤں گی میں کیونکر
منھ فاطمہؑ کو جا کے دکھاؤں گی میں کیونکر

حیدر نے ترے باپ پہ کیا کیا کیے احساں
جاں بخشی بھی کی اور اسے دی دولتِ ایماں
کیا رحم ہے اس عقدہ کشائی کے میں قرباں
مشکل جو پڑی دم میں اسے کر دیا آساں
فرزند پہ آج اس کے بڑا وقت پڑا ہے
تو سائے میں بیٹھا ہے وہ میداں میں کھڑا ہے

باپ آج ترا ہوتا تو چین اس کو نہ آتا
اعدا کا نشاں صفحۂ ہستی سے مٹاتا
فرزندِ پیمبرؐ کے عوض برچھیاں کھاتا
شہزادے کے قدموں پہ گلا اپنا کٹاتا
جو اہلِ وفا ہوتے ہیں مر جاتے ہیں بیٹا
یوں چھوڑ کے آقا کو چلے آتے ہیں بیٹا

رو کر کہا زعفر نے میں تھا لڑنے کو تیار
فرمایا مدد ابنِ علیؑ کو نہیں درکار
حکمِ شہِ کونین سے میں ہو گیا ناچار
ورنہ مری شمشیر سے بچتے نہ ستمگار
میں کیا کروں سر مجھ کو کٹانے نہیں دیتے
امّت پہ تو وہ ہاتھ اٹھانے نہیں دیتے

اس نے کہا پھر جا کے تو حاضر ہو مری جاں
ایسا نہ ہو سر رن میں کٹا دیں شہِ ذی شاں
میداں میں سلامت جو وہ ہو دیں کا سلطاں
میں دودھ نہ بخشوں گی جو تو ہوگا نہ قرباں
چلتی ہے چھری شیرِ الٰہی کے جگر پر
میں نے تجھے صدقے کیا زہراؑ کے پسر پر

یہ سنتے ہی میداں میں وہ کہتا ہوا آیا
زندہ مجھے دکھلائیو پھر شہ کو خدایا
یاں ہو چکا تھا قتل یداللہ کا جایا
اس وقت وہ پہونچا کہ تڑپتا ہوا پایا
سر کاٹ کے نیزے پہ چڑھاتے تھے ستمگر
سیدانیوں کو لوٹنے جاتے تھے ستمگر

خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا پانی
دیکھی ترے دریائے طبیعت کی روانی
بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی
مداحیِ حضرت تو کرے منھ ترا کیا ہے
امدادِ محمدؐ ہے یہ الطافِ خدا ہے

۲۳

مرثیہ

بند ۳۸

جب کہ خاموش ہوئی شمعِ امامت رن میں
اور تڑپنے لگا وہ سرو سا قامت رن میں
چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی
شور تھا فاطمہ کا راحتِ جاں قتل ہوا
حق کے سجدے میں امامِ دوجہاں قتل ہوا
ظلمِ اعدا سے ہوا یثرب و بطحا خالی
تشنہ لب بیکس و مظلوم مسافر رہے ہے
تابعِ مرضیِ حق صابر و شاکر رہے ہے
سر لئے جاتے ہیں نیزے پہ چڑھانے کے لئے
بی بیاں ڈیوڑھی پہ چلاتی ہیں کھولے ہوئے سر
کہتی تھی پیٹ کے سر زینبؑ تفتیدہ جگر
تم نے پردیس میں منھ بہنوں سے موڑا بھائی
گھر میں زہرا کے تو ماتم ہے ستمگاروں میں عید
قتل تھا سجدے میں ہوا فاطمہ کا لال شہید
قتل فرزند ہوا غالب ہر غالب کا
اپنے خیمے میں اُدھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
لے مبارک ہو کہ مارا گیا زہرا کا پسر
خیمے کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی ہیں

دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثار قیامت رن میں
نالۂ فاطمہ زہرا کی صدا آتی تھی
بوند پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا
قبلۂ دیں شرفِ کون و مکاں قتل ہوا
ہو گئی پنجتنِ پاک سے دنیا خالی
بوند پانی کی نہ پائی دمِ آخر رہے ہے
روضۂ احمدِ مرسل کے مجاور رہے ہے
کوئی آتا بھی نہیں لاش اٹھانے کے لئے
ہائے فرزندِ علی ہائے محمدؐ کے پسر
سبطِ احمدؐ تری مظلومی کے صدقے خواہر
آپ جنت کو سدھارے ہمیں چھوڑا بھائی
روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روزِ سعید
آلِ احمدؐ پہ ظفریاب ہوئی فوجِ یزید
کٹ گیا باغ علیؑ ابنِ ابی طالب کا
کہ خبرداروں نے ناگاہ یہ دی آکے خبر
فاطمہؑ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
بیٹیاں فاطمہؑ کی رن میں چلی آتی ہیں

کہہ کے یہ کرسیٔ زر سے اُٹھا وہ بے دیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمر لعیں
کہتا تھا احمدؐ مختار کا گھر خاک ہوا
تیرا اقبال تھا یاور کہ لڑائی ہوئی سر
خنجر ظلم سے کاٹا ہے محمدؐ کا جگر
نالۂ شیر الٰہی کی صدا آیا کی
اس نے دیکھا جو سر پاک امام خوش خو
بولا یہ شمر سے وہ آل پیمبرؐ کا عدو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
جب میں نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجر کیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدۂ خالق میں جبیں
عرش تھراتا تھا جب فاطمہؑ چلاتی تھی
زانو اس سینۂ پُرنور پہ رکھنے لگا جب
تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے تھے سلطان عرب
تجھ کو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
گردن سبط پیمبرؐ پہ جو رکھا خنجر
پھر گئی آنکھ تلے گردش چشم حیدرؑ
اوٹ کچھ کر لے کہ وہ جی سے گزر جائے گی
ذبح کے وقت کا احوال سناؤں تجھے کیا
سر برہنہ تھے نبیؐ پیٹتے تھے شبر خدا
جب علیؑ ہاتھ پکڑتے تھے تو ہٹ جاتی تھی
ماں کے احوال پہ روتا تھا علی کا جانی
مجھ سے دو مرتبہ منہ پھیر کے مانگا پانی
زیر شمشیر گلوئے شہ خوش خو دیکھا

شکر ہے قتل ہوا بادشہ عرش نشیں
سر تھا اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں تھا خنجر کیں
کہ عمر خاتمۂ پنجتن پاک ہوا
اس کا یہ سر ہے جو تھا فاتح خیبر کا پسر
آج گل ہوگئی شمع لحد پیغمبرؐ
میرا خنجر نہ رکا فاطمہ چلایا کی
چاہتا تھا کہ ہنسے پر نکل آئے آنسو
کس طرح ذبح کیا مجھ سے مفصل کہہ تو
اُس نے رو کر کہا اُمت کی دُعا کرتے تھے
قبلہ رو بیٹھے تھے خاموش شہ عرش نشیں
آستیں میں نے جو اُلٹی تو لرزتی تھی زمیں
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب
میرا سینہ ہے یہ اس سینے کا لازم ہے ادب
سر شبیرؑ کو خنجر سے جدا کرتا ہے
شہ بیکس نے عجب یاس سے کی مجھ پہ نظر
رو کے فرمایا کہ زینبؑ تو نہیں ڈیوڑھی پر
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جاوے گی
زینبؑ آ پہونچی تھی شبیرؑ تلک ننگے پا
رکھے دیتی تھی گلا تیغ کے نیچے زہراؑ
پھر تڑپ کر شہ بیکس سے لپٹ جاتی تھی
ہونٹھ سوکھے ہوئے تھے پیاس کی تھی طغیانی
سبط احمدؐ کی کوئی بات نہ میں نے مانی
آسماں ہل گئے جب سینے پہ زانو دیکھا

ضرب اوّل میں شہِ دیں نے کہا بسم اللہ
دوسری بار پکارے کہ مدد یا جدّاہ!
تیسری ضرب میں آئی یہ صدائے جانکاہ
بخش دے حشر میں یا رب مرے شیعوں کے گناہ
پھر نہ کچھ حضرتِ شبیرؑ کی آواز آئی
جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

شمرِ ظالم سے خوشی ہو کے لگا کہنے عُمر
شکر صد شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر
حکم دے فوج کو کوئی نہ ابھی کھولے کمر
جلد غارت کریں ابنِ اسد اللہ کا گھر
دن بہت کم ہے بس اب فکرِ زر و مال کرو
لُٹ چکے خیمے تو پھر لاشوں کو پامال کرو

شمر چلّایا یہ سُنتے ہی کہ اے لشکرِ شام
غارتِ خیمہ کا ہے حکم چلے فوج تمام
دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام
جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسباب تمام
پاس ناموسِ نبیؐ کے زر و زیور نہ رہے
ہاں سرِ زینبؑ و کلثومؑ پہ چادر نہ رہے

یہ سخن سن کے چلے خیمے پہ اعدا کے پرے
شور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
کاٹ کر لاشوں کے سر نوکوں پہ نیزوں کی دھرے
نہ خدا سے نہ علیؑ سے نہ پیمبرؐ سے ڈرے
آلِ احمدؐ پہ عجب طرح کی آفت آئی
فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

پیٹتی پھرتی تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر کے اطفال
خوف کے مارے سکینہؑ کا عجب تھا احوال
ماں سے لپٹی ہوئی چلّاتی تھی وہ نیک خصال
جاں بلب ہوں شہِ والا کو بُلا دے کوئی
ارے لوگو مرے بابا کو بُلا دے کوئی

ارے لوگو مرے بھیّا علی اکبرؑ ہیں کہاں
کس سے بلواؤں پھوپھی جان کے دلبر ہیں کہاں
لوٹی جاتی ہے دُلھن قاسمؑ مضطر ہیں کہاں
اُن کے قربان میں عباسؑ دلاور ہیں کہاں
ظلم تو لشکرِ اعدا ہے دکھاتا مجھ کو
کوئی اس وقت بچانے نہیں آتا مجھ کو

یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر
اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر
شور تھا جلد بتا دو کہ خزانہ ہے کدھر
مخفی رکھی ہے کہاں سبطِ نبیؐ کی دولت
کیا ہوئی احمدؐ و زہراؑ و علیؑ کی دولت

بی بیاں کہتی تھیں بکھرائے ہوئے چہروں پہ بال
گھر سخی کا ہے یہ بے جا ہے یہاں زر کا خیال
کرتا تھا فاقے پہ فاقہ اسد اللہ کا لال
نہ دفینہ ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے نہ مال
اب حسینؑ ابنِ علیؑ سے ہے زمانا خالی
ہو گیا آج محمدؐ کا خزانا خالی

غش میں بستر پہ جو سجادؑ پڑے تھے تنہا
تھے سے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا
جی مرا ڈرتا ہے چھاتی سے لگا لو مجھ کو
اُٹھو صدقے گئی دیکھو کہ یہ کیسا ہے ستم
کھول کر آنکھ پکارے یہ امامِ عالم
رہ گئے ہم اسد اللہ کا پیارا نہ رہا

کہتے تھے یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اُٹھ او مغموم
اونٹ موجود ہیں ناموس کے بٹھلانے کو
آگیا غیظ میں فرزندِ علیؑ کا دلدار
شمرِ اظلم سے یہ فرمایا کہ او ناہنجار!
او لعیں صاحبِ شمشیر کا پوتا ہوں میں

اُس کا بیٹا ہوں میں دو لاکھ سے کی جس نے جدال
پاٹ دوں لاشوں سے اک دم میں صحرائے قتال
ہم وہ ہیں جن سے رسولوں نے مدد چاہی ہے
بیچ میں آگئیں سب بیبیاں کھولے ہوئے سر
کہا زینبؑ نے پھوپی صدقے ہو اے نورِ نظر
جنگ کا قصد نہ اے سیدِ سجادؑ کرو!

لے کے بھائی کی بلائیں یہ پکاری کبرا
خطِ وصیت کا ہے تم اس کو تو پڑھ لو بھیا
بولے دیکھوں خطِ شبیرؑ میں کیا لکھا ہے
خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمدِ خدا
ہم تو اب جاتے ہیں خنجر سے کٹانے کو گلا
تابعِ مرضیِ حق عابد و زاہد رہنا

بے حواسی میں سکینہؑ گئی دوڑی اُس جا
پھوپھی اماں کی ردا چھن گئی اُٹھو بھیا
تیرے گوہر نہ کوئی چھینے چھپا لو مجھ کو
برچھیاں تانے ہوئے گھر میں گھسے ہیں اظلم
ہائے شاید یہ سرِ شبیرؑ ہوا تن سے قلم
لٹ گئے خلق میں سرتاج ہمارا نہ رہا

قتل اس کو بھی کرو تھی ملعونوں میں دھوم
باپ مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم
بیڑیاں آتی ہیں بھاری ترے پہنانے کو
کانپتے ہاتھوں سے بستر سے اُٹھالی تلوار
تیری سب فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار
قید ہونے کا نہیں شیر کا پوتا ہوں میں

قید کرلیوے مجھے کیا ترے لشکر کی مجال
غضب آجاتا ہے جس دم ہمیں آتا ہے جلال
دستِ بیمار میں بھی زورِ یداللّٰہی ہے
بانو چلائی کہ ہے ہے مرے بیمار پسر
کچھ تمہیں یاد ہے کیا کہہ گئے تھے تم سے پدر
صدقے میں باپ کی باتوں کو ذرا یاد کرو!

وقتِ رخصت تمہیں کچھ لکھ کے ہے بابا نے دیا
لے کے اس نامے کو سجادؑ نے آنکھوں پہ دھرا
اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے
مرے عابدؑ تری تنہائی کے صدقے بابا
سب کو سونپا تمہیں اور تم کو خدا کو سونپا
باپ کی بیکسی و یاس کے شاہد رہنا

لوٹنے آئے مرے بعد جو فوجِ دشمن
طوق لادیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن
گھر کے لٹنے کا نہ اے لال تأسف کرنا
رکھیو اُمت پہ نبیؐ کی نظرِ لطف و کرم
ہم کو سب طرح کی قدرت تھی یہ مار انہیں دم
مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہووے گا

پڑھ چکا باپ کی تحریر کو جب وہ بیمار
دیکھ کر لشکرِ کفار کو یہ کی گفتار
ہاتھ باندھو یہ گرفتارِ بلا حاضر ہے
سُن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہلِ جفا
ہوئی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
میں تو صابر ہوں پہ حضرت یہ ستم دیکھتے ہیں

اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطانِ اُمم
دوڑا معصوم سکینہؑ کی طرف اک اظلم
خوں میں گُرنے کو بھرا دیکھ کے تھراتی تھی
گود میں لے کے اُسے رونے لگی بانوئے زار
اونٹ ٹھلائے تو چلائی یہ زینبؑ اک بار
گرد اونٹوں کے قنات آ کے لگا دو بیٹا!

اونٹ آئے ہیں سواری کو یہ اے نورِ نظر
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
سر پہ چادر نہیں ہے شان ہماری دیکھو
یہ جو زینبؑ نے کہا رونے لگے خرد و کلاں
بس انہیں جگر افگار نہیں تاب و تواں
توبہ کرتا ہوں گناہوں سے پشیماں ہوں میں

منھ سے نکلے نہ بجز شکر کوئی اور سخن
کیجو اُمت کی دُعا باندھیں جو ہاتھوں میں رسن
میری مسند بھی جلا دیں تو نہ تم اُف کرنا
کھینچیو تیغ نہ جھنجھلا کے مرے سر کی قسم
اے مری جان، ڈگے راہِ رضا سے نہ قدم
شام تک ساتھ تمہارے مرا سر ہووے گا

اشک آنکھوں سے بہے ہاتھ سے رکھ دیا لکھا
طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار
پاؤں سوجے ہوئے حاضر ہیں گلا حاضر ہے
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پُرنور گلا
جب بندھے ہاتھ تو فرمایا کہ یا عقدہ کشا
آئی آوازِ یداللہ کہ ہم دیکھتے ہیں

بچے لے لے کے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دونوں کانوں سے گہر چھین لیے وا ستم
ہاتھ کانوں پہ دھرے باپ کو چلاتی تھی
غل ہوا اہلِ حرم جلد ہوں اونٹوں پہ سوار
کس طرف ہو علی اکبرؑ یہ پھوپی تم پہ نثار
ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھا دو بیٹا

نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جن پر
اپنی ماں جائی کی لیتے نہیں اس وقت خبر
آج ناموس محمدؐ کی سواری دیکھو
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے ہوئے آنسو رواں
عرض کر حق سے بصد عجز کہ ربِ دو جہاں
عفو کر جرم کہ آلودۂ عصیاں ہوں

۲۴

مرثیہ
۶۰ بند

جب تیغ کیں حسینؑ کی گردن پہ چل چکی
اور فوج شام گھوڑوں سے لاشے کچل چکی
آتش سے مسند شہِ لولاک جل چکی
زینبؑ حرم سرا سے کھلے سر نکل چکی
چادر کسی کے پاس نہ تھی اژدہام میں
سیدانیاں اسیر ہوئیں فوجِ شام میں

رُتبے میں جو کہ خانۂ کعبہ سے تھا نہ کم
اُس خیمے کو جلادیا آتش سے ہے ستم
اونٹوں پہ بے عماری و ہودج چڑھے حرم
رونے نہ پائے لاشوں پہ بھی وہ اسیرِ غم
جو دست گیرِ خلق تھا وہ دست گیر تھا
پوتا علیؑ کا طوق و رسن میں اسیر تھا

رانڈوں کو ساتھ لے کے چلے جب وہ اہلِ شر
زینبؑ پکاری اونٹ سے سر پیٹ پیٹ کر
لے چل خدا کے واسطے مقتل میں اے عمر
تا دیکھ لیں عزیزوں کے لاشوں کو اک نظر
پائیں گے پھر نہ لاش شہِ مشرقین کو
سب مل کے ہم وداع تو کر لیں حسینؑ کو

سُنتے تھے کب اسیروں کی زاری وہ بدشعار
دم بھر ٹھہرنے پائی نہ اونٹوں کی واں قطار
پھر پھر کے دیکھتے گئے لاشوں کو سوگوار
زینبؑ پکارتی تھی کہ بھیّا بہن نثار
کیونکر بلائیں لاشوں کی لوں دسترس نہیں
بس میں ستمگروں کے ہوں کچھ میرا بس نہیں

آئی حسینؑ کے تنِ بے سر سے یہ صدا
بھینا تری اسیری و غربت کے میں فدا
زینبؑ سے تب یہ کہنے لگا شمرِ بے حیا
بس رو چکی خموش ہو اے بنتِ مرتضیٰؑ
وہ سوگوار بھائی کو چلّا کے رہ گئی
لاشِ حسینؑ خاک پہ تھرّا کے رہ گئی

وہ قافلہ دمشق کی جانب ہوا رواں
تیروں پہ تھے شہیدوں کے سرہائے خونچکاں
رسّی لئے تھے اونٹوں کی سجادِ ناتواں
ہے ہے حسینؑ کہتی تھیں سر کھولے بیبیاں
بچّے بھی ماں کی گودیوں میں بے قرار تھے
عابدؑ پیادہ پا تھے ستمگر سوار تھے

منزل پہ کس تعب سے پہونچتے تھے تا بہ شام
تھا ایک کوس ضعف کی شدت سے ایک گام
کہتی تھی ناتوانی کہ رو اب یہیں مقام
گرتے تھے جب تو اُٹھتے تھے لے کر علیؑ کا نام
دم رُک گیا جو طوق سے گھبرا کے گر پڑے
کانٹا چبھا تو خاک پہ تھرا کے گر پڑے

منزل پہ جا کے سوتے تھے راحت سے بد صفات
غم میں پدر کے روتے تھے عابدؑ تمام رات
جُز حمدِ حق زباں پہ نہ آتی تھی کوئی بات
ہر دم تھا شکرِ نعمتِ معبودِ پاک ذات
کٹتی تھی راہ بندگیِ بے نیاز میں
شب کو جب اُٹھ کے دیکھا تو پایا نماز میں

رانڈوں کو اک گھڑی کسی منزل نہ تھا چین
رہتا تھا تا بہ صبح بپا شورِ وا حسینؑ!
اصغرؑ کے غم میں پچھلے کو کرتی تھی ماں بین
جنگل میں کس طرح سے رہا میرے نورِ عین
کس کو سُلاؤں سینے پہ میں آہ تم نہیں
اُترا ہے دودھ چھاتی میں اے ماہ تم نہیں

کرتا ہے ایک راویِ شیریں سخن بیاں
پہونچا قریبِ قلعۂ شیریں وہ کارواں
فوجِ امیرِ شام فروکش ہوئی وہاں
تھک کر زمیں پہ گر پڑے سجادِؑ ناتواں
اس دشت میں اُتر کے حرم نوحہ گر ہوئے
نیزوں پہ پھر نصب وہ شہیدوں کے سر ہوئے

شیریںؔ کو تھا جو آٹھ پہر شاہ کا خیال
اس طرح خواب میں نظر آیا اسے جمال
زخمی ہے سر سے تا بہ قدم شاہِ خوش خصال
اصغرؑ کی لاش گود میں کپڑے لہو سے لال
زخمی گلا ہے تیغ سے پیشانی تیر سے
بوندیں لہو کی گرتی ہیں حلقِ صغیر سے

شیریںؔ نے شاہِ دیں کو نہ پہچانا مطلقاً
حیرت سے شہ کو دیکھتی تھی سر سے تا بہ پا
کہنے لگا تب اُس سے یہ مظلومِ کربلا
افراطِ زخم سے مرا نقشہ بدل گیا
صدمے جو ہم پہ گزرے اُسے جانتی نہیں
میں ہوں حسینؑ تو مجھے پہچانتی نہیں!

شیریںؔ قدم پہ گر کے پکاری کہ میں نثار
یہ حال کیا ہے آپ کا یا شاہِ باوقار
فرمایا تب حسینؑ نے باچشمِ اشک بار
شیریں مرے گلے پہ چلی تیغِ آبدار
کس سے کہیں جو پیاس کے صدمے اُٹھائے ہیں
وعدہ کیا تھا تجھ سے سو ہم مر کے آئے ہیں

دشتِ بلا میں لُٹ گیا سارا ہمارا گھر
یاں تک کہ قتل ہو گیا ننھا سا یہ پسر
زینبؑ اسیر ہے تجھے اس کی نہیں خبر
بی بی ہے تیری فوجِ ستمگر میں ننگے سر
جس نے غنی کیا تھا تجھے وہ فقیر ہے
آزاد کرنے والی تری خود اسیر ہے

شیریں تب اٹھی جو دیکھ کے یہ خواب ہولناک
شوہر پکارا آپ کو کرتی ہے کیوں ہلاک
چلائی وہ کہ تختِ امامت اُلٹ گیا
اُس نے کہا کہ مُنھ سے نہ یہ فالِ بد نکال
آتی ہے یاں سدا خبرِ شاہِ خوش خصال
اُمت ستائے گی شہِ ذوالاحترام کو
مشکلکشا ہے خلق دو عالم کا پیشوا
ایسے بزرگ پر کوئی کرتا نہیں جفا
سید کے سر کو تیغ سے ناحق اُتاریں گے
شیریں نے تب کہا کہ قلق ہے مجھے شدید
ہے ذبحِ ابنِ فاطمہ کی اس شقی کو عید
کوئی نہ پنجتن میں رہے یہ مراد ہے
فوجیں اُدھر ہیں یاں نہیں سامانِ کارزار
دنیا نہ ہاتھ میں نہ ریاست نہ اقتدار
اُن کو نظر ہے کچھ نہ ریاست نہ جاہ پر
یہ بین کر کے روتی تھی وہ غم کی مبتلا
شیریں خبر نہیں ہے تجھے اس خوشی کی کیا
اب داخلہ ہے فاطمہ کے نورِ عین کا
دیکھ آئے لوگ خیمۂ زنگاریِ امام
کہتے ہیں ساتھ آئے ہیں اہلِ حرم تمام
بستی کے لوگ شہ کی زیارت کو جاتے ہیں
شیریں پکاری اُٹھ کے منھ کے میں نثار
اُس نے کہا غلط نہ کہوں گی میں زینہار
آنکھوں سے سیلِ اشک جو جاری تھی رک گئی

چھاتی پہ ہاتھ مار کر تڑپی بروئے خاک
کیا سانحہ ہوا جو گریباں کیا ہے چاک
ہے ہے مرے امام کا سر تن سے کٹ گیا
دیکھا ہے خواب کچھ تو ہے اس کا عبث خیال
حج کو گیا ہے کعبے میں خیر النساء کا لال
کعبے میں کون قتل کرے گا امام کو
محبوبِ کبریا کی زباں حجتِ خدا
فرزندِ فاطمہ نے کسی کا ہے کیا کیا
کس جُرم پر نبی کے نواسے کو ماریں گے
سُنتی ہوں میں بغی مرے آقا سے ہے یزید
ڈر ہے کیا نہ ہو شہِ ذی جاہ کو شہید
دشمن سوا یزید سے ابنِ زیاد ہے
کچھ ہیں عزیز ساتھ تو کچھ ہیں رفیق و یار
حاصل فدک کا بھی نہیں دیتے ستم شعار
تکیہ کیا ہے قبرِ رسالت پناہ پر
اتنے میں آن کر کسی عورت نے یہ کہا
ہے شورِ آمد آمدِ فرزندِ مصطفےٰ
یاں سے قریب اُترا ہے لشکر حسینؑ کا
اُس رُکنِ دیں نے آج کیا ہے یہیں مقام
ہے زیرِ قلعہ فوجِ حسینی کی دھوم دھام
یاں صبح سے ہے شور کہ شبیرؑ آتے ہیں
سچ ہے قریب آئے شہنشاہِ نامدار
مژدہ یہ سُن کے شاد ہوئی وہ نکو شعار
مارے خوشی کے خاک پہ سجدے کو جھک گئی

سجدے سے اُٹھتے ہی کہے شوہر سے یہ کلام
آیا مدینے سے مرا آقا مرا امام
دعوت کا میں کروں گی تکلف سے اہتمام
بہتر ہو جتنی جلد ہو تیاری طعام
کیونکر خوشی نہ ہوں کہ یہ روزِ سعید ہے
آئے حسینؑ آج مرے گھر میں عید ہے

فرزندِ فاطمہؑ کی عنایت کے میں فدا
منظور تھا کنیز کا اعلیٰ ہو مرتبا
یہ گھر کہاں کہاں قدم ابنِ مرتضےٰ
آنکھوں کو آج فرش کروں گر تو ہے بجا
بالوں سے اپنے گھر کی زمیں کو بہاروں گی
شہزادیوں پہ آپ کو صدقے اُتاروں گی

یہ کہہ کے اُس نے فرش کیا گھر میں سر بسر
مومن کے دل کی طرح مصفا ہوا وہ گھر
مسند بچھائی بہرِ شہنشاہِ بحر و بر
تکیوں کو صاف کرکے لگایا اِدھر اُدھر
کہتی تھی میرے گھر میں ابھی سے جو نور ہے
یہ آمدِ امامِ زمن کا ظہور ہے

دالان ہے یہ شاہ کی خواہر کے واسطے
یہ نرم فرش ہے علی اکبرؑ کے واسطے
جھولے کی جا یہ ہے علی اصغرؑ کے واسطے
یہ گھر ہے شاہِ دیں کے برادر کے واسطے
راحت سے شہ نشیں پہ امامِ زمن رہیں
حجلہ یہ اس لئے ہے کہ دولھا دولھن رہیں

کرسی کو لا کے جلد کسی جا بچھاتی تھی
تحفوں کو کشتیوں میں کبھی وہ لگاتی تھی
سجدے میں بہرِ شکر کبھی سر جھکاتی تھی
گھبرا کے صحن سے کبھی ڈیوڑھی پہ آتی تھی
چہرے پہ اک خوشی تھی پہ دل بے قرار تھا
فرزندِ فاطمہؑ کا اُسے انتظار تھا

جا کر کبھی خواصوں سے کرتی تھی یہ کلام
کھانے پکاؤ جلد کہ اب آتے ہیں امام
بھر بھر کے آبِ سرد کے رکھ دو ہوا میں جام
لبریز آبِ گرم کے کر دو سبو تمام
پردیسیوں کو خیر سے جب گھر میں لاؤں گی
ہاتھوں سے اپنے پاؤں سبھوں کے دھلاؤں گی

ہمسائیوں سے کہتی تھی ہنس ہنس کے بار بار
اب کیجیو زیارتِ سلطانِ نامدار
ہے باغِ فاطمہؑ پہ عجب حسن کی بہار
رشکِ ریاضِ خلد ہے اک ایک گلعذار
سب نونہالِ گلشنِ دیں لاجواب ہیں
قد سروِ باغِ حسن ہیں رُخ آفتاب ہیں

شمشادِ بوستانِ پیمبرؐ کو دیکھیو!
سرورِ ریاضِ حضرتِ شبیرؑ کو دیکھو!
کیا نوجواں ہے شہ کے برادر کو دیکھیو!
سب ایک سمت تم علی اکبرؑ کو دیکھیو
ہوگا کبھی یہ حسن مَلک کا نہ حور کا
جلوہ ہے اس جری میں محمدؐ کے نور کا

خالق رکھے اُسے صد وسی سال برقرار
بہنیں فدا ہیں باپ تصدق ہے ماں نثار
چہرے کے آگے نیّرِ تاباں بھی ماند ہے
اب خیر سے گزرے گا اٹھارواں جو سال
زینبؑ کو اُس کے بیاہ کا ارمان ہے کمال
آتی ہیں نسبتیں حلبؔ و شامؔ و رومؔ سے
جب ڈھل گئی اُسے انھیں باتوں میں دوپہر
اب تک نہ آئے گھر میں شہنشاہِ بحر و بر
بستی سے ساتھ لے کے ہر اک اپنے بھائی کو
کہیو مری طرف سے یہ تو چوم کر قدم
کرتے ہیں اغنیا غربا پر سوا کرم
کچھ آج ہے طپش سی دل بے قرار میں
قربان ہو گئی مرا گھر کچھ نہیں ہے دور
ہم لوگ مُشتِ خاک ہیں حضرت خدا کے نور
کہنا حضور راہِ ہدایت کی شمع ہیں
عرصہ ابھی ہے آپ کے آنے میں کچھ اگر
ڈیوڑھی پہ بندوبست ہے یا شاہِ بحر و بر
محمل میں گھٹتی ہوویں گی زہراؑ کی پیاریاں
للہ اپنے جلد برادر کو بھیجیے
نورِ نگاہِ حضرتِ شبیرؑ کو بھیجیے
آئیں تو شاہزادوں پہ اپنے نثار ہوں
گھر سے خوشی عزیز چلا سُن کے یہ پیام
روکا سپاہیوں نے تو اُس نے کیا کلام
ہے اشتیاق فاطمہؑ کے نور العین کا

نام خدا ہے شادی کے قابل وہ گلعذار
سر پر پھوپی نے پیار سے گیسو رکھے ہیں چار
عالم کی روشنی ہے اندھیرے کا چاند ہے
شادی کریں گی بیٹے کی بانوئے خوش خصال
ہر دم یہی دُعا ہے کہ دولھا بنے یہ لال
شادی خدا جو چاہے تو ہووے گی دھوم سے
شوہر سے پھر یہ کہنے لگی وہ نکو سیر
اُترے کہاں کسی سے مفصّل سُنی خبر
جا پیشوائے خلق کی تو پیشوائی کو
لونڈی کو سرفراز کرو یا شہِ اُمم
اب بے حضور چین نہیں مجھ کو ایک دم
آنکھیں سپید ہو گئی ہیں انتظار میں
خاصہ تناول آن کے اس جا کریں حضور
ہو گا یہ کوہ آپ کے آنے سے رشکِ طور
پروانے یاں سحر سے زیارت کو جمع ہیں
آنے میں کیوں حرم کے ہوئی دیر اس قدر
گڑھ وار کھی ہیں میں نے قناتیں اِدھر اُدھر
عباسؑ لے کے آئیں زنانی سواریاں
ہمراہ اُن کے عترتِ حیدرؑ کو بھیجیے
مشتاق ہوں بہت علی اکبرؑ کو بھیجیے
عابدؑ کے دیکھنے کے لئے بے قرار ہوں
پہونچا اُتر کے کوہ سے نزدیکِ فوجِ شام
ہیں بھی تمہارے شاہ کا ادنیٰ سا ہوں غلام
بتلا! کس طرف کو ہے خیمہ حسینؑ کا

ہنس کر زروئے طعن یہ بولا کوئی شریر
جا پوچھ اُن سے خاک پہ بیٹھے ہیں جو اسیر
اس ساری فوج کا پسرِ سعد ہے امیر
وہ سب ہیں رشتہ دارِ امامِ فلک سریر
خیمہ ادھر نہیں شہِ عالی مقام کا
تجھ کو پتہ انھیں سے ملے گا امام کا

آگے بڑھا عزیز تو دیکھا یہ اُس نے حال
کچھ بیبیاں ہیں خاک نشیں کھولے سر کے بال
روتے ہیں مارے بھوک کے اطفالِ خردسال
اک نوجوان ضعف کی شدت سے ہے نڈھال
طاقت نہیں جو دھوپ سے آ بیٹھے چھاؤں میں
گردن میں بھاری طوق ہے زنجیر پاؤں میں

یہ دیکھ کر عزیز کے آنسو ہوئے رواں
کی عرض اپنا حال تو کچھ کیجئے بیاں
چہرے پہ تو امیروں کی سب ہے شکوہ وشاں
گردن جُھکا کے بولے یہ سجادؑ ناتواں
ہوں گے کبھی امیر یہ اب تو فقیر ہیں
بے کس ہیں بے وطن ہیں یتیم و اسیر ہیں

اُس نے کہا بتایئے خادم کو اپنا نام
فرمایا رو کے بیکس و مظلوم و تشنہ کام
مضطر عزیز مُردہ اسیرِ سپاہِ شام
کنبہ شہید ہو گیا اک دشت میں تمام
قیدی ستم کی فوج میں بچوں سمیت ہوں
میں ساربانِ قافلۂ اہلِ بیتؑ ہوں

بولا وہ تب کہ خیمۂ شبیرؑ ہے کدھر
شیریں کو انتظار میں گزری ہے دوپہر
کہنے لگے یہ عابدؑ بے کس بچشمِ تر
جا دیکھ لے حسینؑ کا نیزے پہ ہے وہ سر
خنجر گلوئے سبطِ پیمبرؐ پہ چل گیا
رہتے تھے جس میں شاہ سو وہ خیمہ جل گیا

دشتِ بلا میں لُٹ گیا زہرا کا سب چمن
جیتا بچا ہوں ایک میں بیمار خستہ تن
ہے جن کے بازوؤں میں بندھی ظلم کی رسن
بیٹی ہے ان میں کوئی کوئی شاہ کی بہن
مظلوم ہوں یتیم شہِ مشرقین ہوں
عابدؑ ہے میرا نام میں ابنِ حسینؑ ہوں

جس دم سُنی عزیز نے ماتم کی یہ خبر
سر پیٹتا ہوا وہ چلا واں سے اپنے گھر
شیریں کھڑی تھی آس لگائے قریبِ در
دھیان اُس کو تھا کہ آتے ہیں سلطانِ بحر و بر
شوہر کو روتے دیکھ کے دل کو نہ کل پڑی
ڈیوڑھی سے ہٹتی ہوئی باہر نکل پڑی

چلّا کے دی صدا کہ ارے کیا غضب ہوا
اُس نے کہا کہ سانحہ بی بی عجب ہوا
برباد خاندانِ امیرِ عرب ہوا
خنجر سے ذبح سبطِ نبیؐ تشنہ لب ہوا
زینبؑ ہوئی اسیر حسینؑ اُس سے چھُٹ گئے
یثرب سے آ کے راہ میں سجادؑ لُٹ گئے

میں تجھ سے کیا کہوں کہ جگر کو نہیں ہے تاب
جو تو بیان کرتی تھی وہ سچ تھا تیرا خواب
بی بی حسینؑ کو نہ ملا تین روز آب
لے خاک اُڑا کہ ذبح ہوا ابنِ بوتراب
اُترا ہے یاں جو آکے وہ لشکر ہے شام کا
لائے ہیں سر حسینؑ علیہ السلام کا

عابدؑ بچا ہے ایک سو وہ بے پر اسیر ہے
کبرؑا اسیر بانوؑ مضطر اسیر ہے
عاشق تھے جن کے شاہ وہ دختر اسیر ہے
سب اک طرف ہیں شاہ کی خواہر اسیر ہے
نامحرموں میں پردۂ آلِ عبا نہیں
زہراؑ کی بیٹیوں کے سروں پر ردا نہیں!

شیریںؑ پکاری ٹوٹ گئی ہائے میری آس
یہ کس کا ذکر کرتا ہے مجھ میں نہیں حواس
کس نے قلم کیا سرِ شبیرؑ حق شناس
ہے ہے ردا نہیں مری شہزادیوں کے پاس
لے چل مجھے کہ روؤں گی اور خاک اڑاؤں گی
رانڈوں میں میں حسینؑ کے پُرسے کو جاؤں گی

روتی چلی اسیروں کی جانب وہ نوحہ گر
زیور جو پہنے تھی اُسے ٹپکا زمین پر
پہونچی قریب رانڈوں کے جس وقت ننگے سر
سر پیٹنے لگے حرمِ شاہِ بحر و بر
ماتم کا اہلبیتِ محمدؐ میں جوش تھا
شیریںؑ کو تھا نہ ہوش نہ بانوؑ کو ہوش تھا

شیریںؑ یہ رو کے کہتی تھی بانوؑ سے بار بار
بتلاؤ تم کدھر مری بی بی ہیں میں نثار
شیریںؑ سے رو کے بولیں یہ کبرؑا جگر فگار
کیا کہتی ہے یہی تو ہیں بانوئے نامدار
قیدی ہیں گھر اُجڑ گیا اور مانگ جل گئی
وارث شہید ہو گیا صورت بدل گئی

قدموں پہ گر کے تب وہ پکاری بدرد و غم
یہ حال ہو گیا مری بی بی کا ہے ستم
پہچانوں کیا کہ بال ہیں بکھرے کمر ہے خم
ماتھے سے خون بہتا ہے آنکھوں پہ ہے ورم
چھاپے ہیں خاک کے رُخِ نیکو پہ ہے غضب
نیلے نشاں ہیں چاند سے بازو پہ ہے غضب

بانوؑ پکاری کیا کہوں شیریںؑ میں اپنا حال
زہراؑ کا باغ ہو گیا مقتل میں پائمال
اکبرؑ جوان تھے علی اصغرؑ تھے خُرد سال
بے جُرم قتل ہو گئے سب میرے نونہال
دونوں کے سر قریب سرِ شاہِ زمن کے ہیں
برچھی کے پھل پہ پھول ہمارے چمن کے ہیں

بولی یہ رو کے زینبؑ ناشاد و نامراد
شیریںؑ یزید کو شہِ بیکس سے تھا عناد
مشہور تو ہے اہلِ وفا اور خوش اعتقاد
بھولی کبھی نہیں مرے بھائی کو تیری یاد
ہم سب کو ساتھ لے کے جو تشریف لائے ہیں
مر کر حسینؑ وعدہ وفائی کو آئے ہیں

یہ سُن کے دوڑی جانبِ نیزہ وہ ننگے سر
نیزے پہ آفتاب سا آیا اُسے نظر
تب دونوں ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ نوحہ گر
لونڈی نثار آپ کے یا شاہِ بحر و بر
ندی لہو کی چاند سی گردن سے بہہ گئی
لونڈی کو میہمانی کی حسرت ہی رہ گئی

اس خوں بھرے ہوئے رُخِ انور کے میں نثار
نیلے ہیں اب تلک لبِ اطہر کے میں نثار
آنکھوں کے صدقے زُلفِ معنبر کے میں نثار
اے مصطفیٰ کے لال ترے سر کے میں نثار
کیا بن گئی حضور کہاں کربلا کہاں
نیزے کی نوک ہائے کہاں یہ گلا کہاں

مجھ سے تو عورتوں نے کہا تھا یہ آن کر
آتے ہیں آج گھر میں ترے شاہِ بحر و بر
آراستہ کیا تھا خوشی سے تمام گھر
یوں آپ آئیں گے مجھے اس کی نہ تھی خبر
یاں سے جو خاک اُڑاتی ہوئی گھر میں جاؤں گی
اب فرش اُٹھا کے میں صفِ ماتم بچھاؤں گی

اعجاز سے یہ دی سرِ شبیرؑ نے صدا
شیریں نہ رو کہ تھا یہی منظورِ کبریا
وعدہ جو تجھ سے تھا اُسے ہم نے ادا کیا
لازم تجھے یہ ہے کہ غریبوں کے پاس جا
پُرسا ہمارا زینبِ عالی ہمم کو دے
دعوت ہے بس یہی کہ رِدائیں حرم کو دے

پایا نہیں کفن تو کچھ اس کا نہیں الم
زینبؑ ہے بے ردا ہمیں اس کا بہت ہے غم
شیریں کسی بشر پہ یہ ہوتا نہیں ستم
مقتل میں تین روز کے پیاسے موئے ہیں ہم
ماتم میں میرے نالہ و فریاد کیجیو
جب پانی پیجیو تو مری یاد کیجیو

یہ کہہ کے جھک گیا سوئے شیریں سرِ حسینؑ
غُل پڑ گیا کہ ہائے شہنشاہِ مشرقین
بس اے انیسؔ آگے نہ کہہ بیبیوں کے بین
راحت جگر کو ہے کوئی ساعت نہ دل کو چین
دُنیا میں کیا کسی سے مقدر کا زور ہے
شیریں تو ہے کلام مگر بخت شور ہے

رُباعی

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے
نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو انیسؔ
دُر ایک طرف نورِ خدا ملتا ہے

۲۵

مرثیہ
بند ۸۸

اے مومنو کیا صادق الاقرار تھے شبیرؑ
خوشنودیٔ خالق کے طلب گار تھے شبیرؑ
چاہا جو خدا نے وہی چاہا شہِ دیں نے
تھا قول کا صادق پسرِ مخبرِ صادق
کیوں خوش نہ ہو اس طرح کی مخلوق سے خالق

فرماتے تھے سر تن پہ امانت ہے خدا کی
سر دینے کا اقرار کیا تھا جو خدا سے
سر نذرِ خدا کر دیا تسلیم و رضا سے
وعدہ فقط اک سر کا تھا درگاہِ خدا میں
محتاجوں کی دعوت تھی یتیموں کی مدارات
کیا بات کے پورے تھے شہنشاہِ خوش اوقات
اس طرح کے صادق کبھی دیکھے ہیں کسی نے؟

شیریں رقمانِ صحفِ حسنِ بلاغت
زینت دہِ بیت الشرفِ خاص تھے حضرت
بانو سے جو مانوس شہنشاہِ زمن تھے
شیریں پہ جو حضرت کی نظر جا پڑی اک بار
خوش چشم ہے کس مرتبہ شیریں خوش اطوار
فرمائی جو یہ بات شہنشاہِ امم نے

دریائے وفا کے دُرِ شہوار تھے شبیرؑ
اقلیمِ صداقت کے جہاں دار تھے شبیرؑ
کیا وعدۂ طفلی کو نباہا شہِ دیں نے
معشوقِ خدا وہ تو یہ اللہ کا عاشق
بچپن سے رہے حق کی ملاقات کے شائق
یہ دَین ادا ہو تو عنایت ہے خدا کی
آپ آئے کٹانے کو گلا تیغِ جفا سے
پانی نہ کئی روز ملا مر گئے پیاسے
حضرت نے بہتّر دیے سر راہِ خدا میں
تھا وعدہ وفائی کا خیال آپ کو دن رات
فرق اس میں نہ آیا کبھی جو منہ سے کہی بات
مر کر کیا وعدے کو وفا سبطِ نبیؐ نے

اس طرح رقم کرتے ہیں شیریں کی روایت
اور سامنے تھی شیریں بھی حاضر پئے خدمت
کچھ پیار کی باتیں تھیں محبت کے سخن تھے
بانوؑ سے یہ بولے بہ تبسم شہِ ابرار
اس طرح کی آنکھیں کبھی دیکھی نہیں زنہار
نہوڑا لیا سر دخترِ سلطانِ عجم نے

سوچی کہ یہ میلان شہ جن و بشر ہے
کی آنکھوں کی تعریف تو منظور نظر ہے
پھر دل سے کہا عاشق صادق تو اگر ہے
معشوق جو راضی ہو تو اس میں ضرر ہے
فرزند نبیؐ ابن شہنشاہ نجف ہے
شیریں کی کنیزی میں مجھے دیں تو شرف ہے

یہ کہتی ہوئی واں سے وہ اک حجرے میں آئی
شیریں کو اشارے سے بلاتی ہوئی آئی
شانا کیا سُرمہ کیا پوشاک پنہائی
حیرت ہوئی شیریں کو تو یہ بات سُنائی
کُھلتا نہیں کچھ مجھ پہ یہ اسرار ہیں صدقے
کیوں کرتی ہو لونڈی کو گنہ گار میں صدقے

وہ بولی کہ میں نے تجھے بچپن سے ہے پالا
آزاد کیا سب کو پہ تجھ کو نہ نکالا
اب تجھ پہ پڑی ہے نظر سیّد والا
رُتبہ ترا شہزادیوں سے اب ہے دوبالا
جو کچھ تری خدمت کروں واللہ وہ کم ہے
لونڈی تری اب دختر سُلطان عجم ہے

آراستہ جب ہو چکی شیریں وفادار
بانوؑ گئی واں بیٹھے تھے جب جا شہ ابرار
کی عرض کہ لونڈی کا فدا آپ پہ گھر بار
کچھ کہنا ہے اُٹھیئے تو کروں حال دل اظہار
شہ سمجھے گلہ ہوگا دل افسردہ ہے بانوؑ
تعریف پہ شیریں کی کچھ آزردہ ہے بانوؑ

اُٹھ کر گیا زہراؑ کا پسر بانوؑ کے ہمراہ
پردہ جو اُٹھا حجرے کا کیا دیکھتے ہیں شاہ
ہے موتیوں میں شیریں ستاروں میں جوں ماہ
فرمانے لگے بانوؑ سے ہنس کر شہ ذی جاہ
جو سمجھی ہو تم اس کا مجھے دھیان نہیں ہے
جب تم سی ہو بی بی تو کچھ ارمان نہیں ہے

بانوؑ نے کہا صدقے میں اے سرور والا!
کچھ لونڈی کی آزردگی کا دھیان نہ لانا
حاضر ہے یہ میں نے بہ دل وجاں اسے بخشا
فرمانے لگے تب یہ شہ یثرب و بطحا
تم نے تو دیا ہم کو کہ صادق ہو وفا میں
ہم نے اسے آزاد کیا راہ خدا میں

بانوؑ نے سُنی جب شہ والا کی یہ گفتار
خوش ہو کے پھری گرد محبت سے کئی بار
اور اس کو دیا زیور و زر درہم و دینار
حضرتؑ نے کہا اس کا سبب کیا مری غمخوار
اوروں کو نہ اتنا زر و زیور دیا تم نے
شیریں سے یہ اُلفت کہ غنی کر دیا تم نے

بانوؑ نے کہا ان سے ہو کیونکر یہ برابر
آزاد کیا تھا اُنھیں میں نے مرے سرور
ہر چند کہ سلطان عجم کی ہوں میں دختر
پر فاطمہ زہراؑ کی کنیزوں سے ہوں کمتر
خود صدقے ہوں شیریں پہ گر میں تو بجا ہے
فرزند نبیؐ نے اسے آزاد کیا ہے

شبیر کے یہ سن کر ہوئے اشک آنکھوں سے جاری
لیں ہاتھوں سے بانو کی بلائیں کئی باری
سجاد کو لے گود میں بولی کہ میں واری
اب تم سے جدا ہوتی ہے یہ لونڈی تمھاری
خط بھیج کے اپنا مرا دل شاد کرو گے
اس پالنے والی کو کبھی شاد کرو گے
صدقے گئی خدمت کو مری بھول نہ جانا
جب ہونے لگے بیاہ تو لونڈی کو بلانا
سہرا مجھے اس چاند سی صورت پہ دکھانا
اُس سمت سفر ہو تو مرے گھر میں بھی آنا
نزدیک جو آنے کی خبر پاؤں گی واری
چھاتی مری اُنڈے گی میں آپ آؤں گی واری

پھر پاؤں پہ سر حضرت زینب کے جھکایا
شفقت سے گلے شاہ کی خواہر نے لگایا
جب آپ کو اُس نے قدم شہ پہ گرایا
سب روتے تھے حضرت کو بھی رونا بہت آیا
مولا کے نہ قدموں سے جدا ہوتی تھی شیریں
نعلین سے منہ ملتی تھی اور روتی تھی شیریں

کہتی تھی یہ جانا ہے جہاں سے مرا جانا
ان قدموں سے چھوٹی تو کہاں میرا ٹھکانا
فرماتے تھے شبیر کہ یہ دھیان نہ لانا
ہم آئیں گے اک ایسا بھی ہووے گا زمانا
کہہ کر نہ کریں اپنا یہ دستور نہیں ہے
نزدیک ہے تو دل سے تو کچھ دور نہیں ہے

لے لے کے بلائیں کہا شیریں نے کہ یا شاہ
جیسا ہے قلق مجھ کو خدا اس کا ہے آگاہ
اب عرض یہ لونڈی کی ہے اے سرور ذی جاہ
آپ آئیں تو ناموس بھی ہوں آپ کے ہمراہ
فرمایا نہ کُڑھ پورے سب ارماں ترے ہوں گے
ہم ساتھ حرم کو لیے مہماں ترے ہوں گے

یہ بات تو فرمائی پہ رونے لگے حضرت
آخر مع اسباب کیا شیریں کو رخصت
کچھ لوگ کیے ساتھ کہ پہنچے بحفاظت
محمل میں وہ چڑھ کر گئی با عزت و حرمت
تھا پاس کنیزوں کا یہ جس شاہ امم کو
ملعونوں نے بے پردہ کیا اہل حرم کو

اک کوہ پہ تھا قلعہ کہ گھر اُس کا تھا اُس جا
واں پہنچی تو شیریں کے ہوا حسن کا چرچا
تھا ایک یہودی کہ وہ طالب ہوا اس کا
شیریں نے سنا جب تو پیام اُس کو یہ بھیجا
گر ہے مری وصلت کی تمنا ترے جی میں
تو کفر کو تو چھوڑ کے آ دین نبیؐ میں

پڑھ کر کلمے کو وہ ہوا دل سے مسلماں
عقد اُس سے ہوا ہاتھ لگی دولت ایماں
آباد یہودی کا ہوا خانۂ ویراں
وہ دونوں وہاں رہنے لگے خرم و خنداں
شیریں کو محبت تھی زبس آل نبیؐ کی
تھی آٹھ پہر یاد حسینؑ ابن علیؑ کی

کہتی تھی کہ یارب مرا گھر شہ کو دکھانا
شبیرؑ ادھر کو کہیں جلدی ہوں روانا
آقا مرے کیا جانیے کب آئیں ادھر کو
کہتی کبھی ہمسایوں سے بیٹھ کے باہم
خاتونِ قیامت جو ہے مخدومۂ عالم
احمدؐ کی زیارت شہِ والا کی ملاقات

اے بیبیو! آقا ہے مرا صادق الاقرار
زہراؑ کے چمن سے یہ مکاں ہووے گا گلزار
آنکھیں قدمِ سبطِ پیمبرؐ پہ ملیں گے
رہتا تھا یہی اُس کو تردّد سحر و شام
جو میوے تھے مرغوبِ امامِ ذوی الاکرام
شوہر کوئی تحفہ جو اُسے دیتا تھا لا کر

تھا دھیان کہ آویں گے سفر سے شہِ والا
دن ڈھلتا تو شوہر سے یہ کرتی تھی تقاضا
آمد ہو اگر لشکرِ حضرت کی ادھر سے
یہ شہ کے ہے لشکر کا نشاں اور یہ آثار
ہوئیں گے عزیز و رفقا گھوڑوں پہ اسوار
ملبوسِ رسولِ عربیؐ ہووے گا بر میں

ناموس کی کچھ فاصلے سے ہوگی سواری
ہودج میں سوار آئے گی شہزادی ہماری
آگے یہ نقیبوں کا سخن ہووے گا سب سے
حضرت کا تصور تھا ادھر شبیرؑ کو دن رات
دستور ہے مہماں کی کرتے ہیں مدارات
دسویں کو محرم کی لڑے شاہِ اُمم سے

وہ دن ہو کہ ہو زینبؑ و کلثومؑ کا آنا
اس لونڈی پہ اب شاق ہے تشریف نہ لانا
پھر بھی کبھی دیکھوں گی میں زہراؑ کے پسر کو
آویں گے مدینے سے یہاں سیدِ اکرم
اب بیٹیوں سے اُن کی ملاویں گے تمہیں ہم
زینبؑ کی ملاقات ہے زہراؑ کی ملاقات

آنے کو کہا ہے مرے گھر آئیں گے اک بار
فرزندِ نبیؐ کا تمہیں دکھلائیں گے دیدار
ہم دور تلک لینے کو مولا کے چلیں گے
اندوختہ کرتی تھی ضیافت کا سرانجام
اُن میووں کو منگواتی تھی دے دے کے وہ انعام
حضرت کے لئے رکھتی وہ کشتی میں لگا کر

کورے گھڑوں میں پانی بھرا رکھتی تھی ٹھنڈا
شہ آتے نہ ہوں شہر کے ناکے پہ ذرا جا
میں بھی چلوں شہزادیوں کے لینے کو گھر سے
آگے علمِ سبز لئے ہو گا علمدار
اور بیچ میں ہو گا خلفِ حیدرِ کرار
تیغِ اسد اللہ لگی ہو گی کمر میں

آوے گی نظر حضرتِ زینبؑ کی عماری
اور محملوں میں ہوویں گی سیدانیاں ساری
خاموش چلے جاؤ تفاوت سے ادب سے
واں کوفے کو شبیرؑ نے بھیجے گئے شاہ خوش اوقات
سو فاطمہؑ کے لال کی پوچھی بھی نہ کچھ بات
سر کاٹ لیا پیاسے کا شمشیرِ دو دم سے

جب قتل ہوا حضرتِ زہراؑ کا وہ پیارا
سیدانیاں قیدی ہوئیں گھر لُٹ گیا سارا
دُرِ گوشِ سکینہ سے لعینوں نے اُتارا
روئی وہ تو جھنجھلا کے طمانچہ اُسے مارا
یہ ظلم تھا ناموسِ شہِ جن و بشر پر
مُنھ ڈھانپنے کو تھی نہ ردا ایک کے سر پر

گھر آگ سے خاتونِ قیامت کا جلایا
شہزادیوں کو ناقۂ عُریاں پہ بٹھایا
سرِ سیدِ مظلوم کا نیزے پہ چڑھایا
اور طوقِ گراں گردنِ عابدؑ میں پنھایا
دفن اپنے تو لاشے کیے، رانڈوں کو دکھا کے
بے غسل و کفن رہ گئے لاشے شہدا کے

جب لے چلے مقتل سے اسیروں کو کھلے سر
سر پیٹ کے چلّانے لگی زینبؑ مضطرؑ
اے ظالمو! ٹھہراؤ مرے اونٹ کو دم بھر
ہوئے تنِ شبیرؑ سے رخصت تو یہ خواہر
پاؤں گی نہ پھر لاشِ شہِ تشنہ دہن کو
رو لینے دو بھائی کے گلے مل کے بہن کو

بانوؑ نے کہا اونٹ کو میرے بھی بٹھا دو
لوگو مجھے لاشہ علی اکبرؑ کا دکھا دو
بچھڑے ہوئے فرزند کو مادر سے ملا دو
اصغرؑ کو بھی لا کر مری چھاتی سے لگا دو
اُلفت نے پسر کی مجھے بے چین کیا ہے
بچّے نے مرے دودھ نہیں کل سے پیا ہے

زینبؑ سے یہ تب کہنے لگا شمرِ بد ستمگار
منزل ہے کڑی اونٹ نہ یاں ٹھہرے گا زنہار
تب لاش کو بھائی کی پکاری وہ دل افگار
بے بس ہے بہن اے خلفِ حیدرِ کرّار
حضرت کی زیارت مجھے کرنے نہیں دیتے
اُشتر سے جفا کار اُترنے نہیں دیتے

لاشِ شہِ مظلوم سے آواز یہ آئی
بھینا تری مظلومی کے صدقے ہو یہ بھائی
تم کیا کرو لکھی ہے مُقدر میں جُدائی
جاؤ تمہیں دے قید سے اللہ رہائی
اب تم ہو بہن اور اسیری کی جفا ہے
ہم ہیں یہ بیابان ہے اور یادِ خدا ہے

سُن کر یہ صدا بیبیاں کرنے لگیں فریاد
نزدیک تھا اشتر سے گرے زینبؑ ناشاد
نیزے کو دکھا بولا یہ شمرِ بد ستم ایجاد
اونٹوں کو بڑھا جلد اب اے سیدِ سجّادؑ!
بن آیا نہ کچھ سیدِ بے کس کے پسر کو
تسلیم بندھے ہاتھوں سے کی جُھک کے پدر کو

اونٹوں کو چلا کھینچتا عالم کا خوزادہ
صدمے سے ہوئی شدّتِ تپ اور بھی زیادہ
اسوار تھے گھوڑوں پہ لعیں اور وہ پیادہ
جب ضعف سے کرتے تھے ٹھہرنے کا ارادہ
شانوں پہ سنانوں کو جھکاتے تھے ستمگر
بیمار کو کھینچے لیے جاتے تھے ستمگر

اونٹوں پہ نبی زادیاں تھیں گردن ڈالے — اور پیاس سے بچے تھے زبانوں کو نکالے
عابدؑ تھے بندھے ہاتھوں سے زنجیر سنبھالے — دل میں بھی پھپھولے تھے کف پا میں بھی چھالے
منزل پہ اُتر کر بھی نہ سوتے تھے سحر تک — بابا کے لئے شام سے روتے تھے سحر تک
اعدا تو لگاتے تھے زمیں جھاڑ کے بستر — اور خاک پہ گر رہتے تھے ناموس پیمبرؐ
بھر بھر کے گھڑے رکھتے تھے پانی کے ستمگر — یاں پھیرتے تھے پیاس سے زبانوں کو لبوں پر
تیاری ہی میں کھانے کی ادھر اہل ستم تھے — فاقوں کے سبب قیدیوں کے ہونٹوں پہ دم تھے

جب طے اسی صورت میں ہوئیں منزلیں چار — اک جا پہ دوراہا ہوا رستے میں نمودار
اک راہ سوئے دشت تھی اک جانب کہسار — صحرا کو چلے لے کے سر شاہ ستمگار
پہونچا جو دوراہے کے قریب رُک گیا نیزہ — جس سمت کو تھا کوہ اُدھر جھک گیا نیزہ
گھبرا کے لگے کہنے یہ عابدؑ سے ستمگار — رُکنے کا سر شاہ کے ظاہر کرو اسرار
فرمانے لگے رو کے یہ تب عابد بیمارؑ — ہے مخبر صادق کا پسر صادق الاقرار
اعجاز ہوا یہ جو سر سبط نبیؐ سے — اس راہ میں مہمانی کا وعدہ ہے کسی سے

یہ سُن کے اُسی سمت چلے سب ستم آرا — لشکر کا ہوا کوہ کے دامن میں اُتارا
شیریں سے کہا جا کے کسی نے یہ قضا را — آیا مع لشکر اسد اللہ کا پیارا
ناموس بھی ہمراہ ہیں اور بھیڑ بڑی ہے — جنگل میں کئی کوس تلک فوج پڑی ہے
اس مژدے کو سُنتے ہی جو خوش ہوگئی شیریں — بولی کہ ہوئی اب دل بیتاب کو تسکیں
صد شُکر کہ خالق نے نہ دیکھا مجھے غمگیں — وعدہ جو کیا تھا اُسے بھولے نہ شہ دیں
اب چل کے قدم پر شہ والا کے گروں گی — دن میرے پھرے گرد میں آقا کے پھروں گی

عورات محلہ کو بُلا کر یہ سُنایا — دو تہنیت لے بیبیو آقا مرا آیا
یہ روز مُبارک مجھے قسمت نے دکھایا — اب عرش کے پائے سے ہے بڑھ کر مرا پایا
کونین میں ممتاز کیا شاہ زمن نے — لونڈی کو سرافراز کیا شاہ زمن نے
سب نے کہا خوش ہو کے ہمیں بھول نہ جانا — ہم کو بھی بہن حضرت زینبؑ سے ملانا
شہزادی کا اپنی ہمیں دیدار دکھانا — قسمت سے ہوا فاطمہؑ کے لال کا آنا
حضرت کی سواری کا حشم دیکھیں گے ہم بھی — سردار دو عالم کے قدم دیکھیں گے ہم بھی

عباسؑ علی کے قد و قامت کے ہیں مشتاق
اور قاسمؑ مہرو کی بھی طلعت کے ہیں مشتاق
زینبؑ کے جگر بندوں کی صورت کے ہیں مشتاق
ہمشکل پیمبرؐ کی زیارت کے ہیں مشتاق
گل رو ہے کوئی ان میں کوئی غنچہ دہن ہے
کہتے ہیں بڑے حسن پہ زہراؑ کا چمن ہے

تھی شیریں تو اس ذکر سے پھولے نہ سماتی
کرسی کو کہیں اور کہیں مسند کو بچھاتی
یہ کہہ کے کبھی صحن کے دروازے پہ جاتی
دیکھ آؤں سواری تو نہیں شاہ کی آتی
دعوت کا سرانجام تو تیار ہوا ہے
کیوں دیر لگی فاطمہؑ کے لال کو کیا ہے

مطبخ میں تقید کبھی کرتی تھی یہ جا کر
کھانے کے رکھو خوان قرینے سے لگا کر
شربت بھی بناؤ کہ مسافر پئیں آ کر
حجرے میں رکھیں نذر کی سب کشتیاں لا کر
کہتی تھی تصدق نہ اتاروں گی میں پہلے
شہزادیوں پر آپ کو واروں گی میں پہلے

دن ڈھل گیا اور جب نہ ہوئی آمد سرورؑ
شوہر سے کہا اب تو نہایت ہوں میں مضطر
جا دیکھ تو اترا ہے کہاں شاہ کا لشکر
کہیو قدم پاک کو آنکھوں سے لگا کر
شیریں کی یہ ہے عرض کہ اب آئیے مولا
لونڈی کو قریب آ کے نہ ترسائیے مولا

مدت میں بر آئی ہے مرے دل کی تمنا
صدقے گئی نوش آج یہیں کیجئے کھانا
آپ آئیں یہ ہر چند نہیں ہے مرا رتبا
عزت مگر اس لونڈی کی ہو جائے گی شاہا!
روشن مرا گھر کیجئے گر فیض قدم سے
کچھ دور نہیں آپ کے الطاف و کرم سے

یہ سن کے چلا شوہر شیریں طرف شاہ
پوشاکیں بدل اہل محلہ ہوئے ہمراہ
فوج اتری نظر آئی اسے دور سے ناگاہ
نزدیک جو پہونچا وہ شہ دیں کا ہوا خواہ
لشکر میں عجب طرح کا عالم نظر آیا
شادی کہیں دیکھی کہیں ماتم نظر آیا

جس جا پہ تھا خیمہ عمر سعد کا برپا
واں جا کے یہ ڈیوڑھی کے نگہبانوں سے پوچھا
کب ہوگا بر آمد پسر فاطمہ زہراؑ
فرماتے ہیں آرام کہ بیدار ہیں مولا
گر اتنی خبر کر دو تو احسان بڑا ہے
اک تازہ غلام آپ کا مجرے کو کھڑا ہے

گر یہ نہ ہو تو شہ کے رفیقوں سے ملا دو
عباسؑ علمدار کے خیمے کا پتا دو
سجادؑ کو اور عون و محمدؑ کو بلا دو
ہمشکل پیمبرؐ کی مجھے شکل دکھا دو
بتلاؤ قسم تم کو رسول عربیؐ کی
ڈیوڑھی ہے کدھر خیمۂ ناموس نبیؐ کی

وہ بولے کہ اے شخص کدھر دھیان ہے تیرا
یہ شام کی ہے فوج یہ خیمہ ہے عمر کا
اب گھر ہے کہاں سبطِ رسولِ عربی کا
مارے گئے سادات ہوئی فتح لڑائی
عباسؑ نے اک بوند بھی پانی کی نہ پائی
کوئی نہ رہا فوجِ شہِ جن و بشر میں
کر لائے ہیں ناموسِ محمدؐ کو گرفتار
دفن اُن کو کیا یاں کے جو مارے گئے اشرار
بند آنکھیں ہیں لب خشک ہیں مُنھ خوں سے بھرے ہیں
سیدانیاں بیٹھی ہیں وہ چہروں پہ ملے خاک
وہ بانوئے بیکس ہے گریباں کئے چاک
کبرؑا ہے وہ زانو پہ جھکائے ہوئے سر کو
یہ سُنتے ہی سینے میں جگر پھٹ گیا اُس کا
دے ٹپکا عمامے کو گریبان کو پھاڑا
میں لینے کو آیا تھا نہ پایا شہِ دیں کو
شیریںؑ تھی جو یاں منتظرِ سبطِ پیمبرؐ
دیکھا کہ چلا آتا ہے سر پیٹتا شوہر
چلا کے کہا کس نے تمہیں لوٹ لیا ہے
سر پیٹ کے تب شوہرِ شیریںؑ یہ پکارا
زہراؑ کا پسر خلق سے جنت کو سدھارا
بھیجا تھا جہاں تو نے وہ لشکر ہے شقی کا
تو منتظر اب کس کی ہے کون آئے گا بی بی
شیریںؑ نے کہا پیٹ کے سر کو ٹکے چھاتی
لٹوا کے گھر اور تیغ سے کٹوا کے سر آئے

اس حال کی شاید نہیں تجھ کو خبر اصلا
مدت ہوئی مارا گیا لختِ دلِ زہراؑ
خیمہ تو جلا آئے حسینؑ ابنِ علیؑ کا
تصویر بنی صفحۂ ہستی سے مٹائی
لوٹی گئی سب شیرِ الٰہی کی کمائی
گھر فاطمہؑ کا صاف کیا تین پہر میں
ہے قید میں حضرت کا پسر عابدؑ بیمار
بے سر ہے پڑی دشت میں لاشِ شہِ ابرار
وہ دیکھ بے سر نیزوں کی نوکوں پہ دھرے ہیں
زینبؑ ہے وہی ماتمی پہنے جو ہے پوشاک
بیٹھی ہے وہ کلثومؑ بہن شاہ کی غمناک
وہ بالی سکینہؑ ہے جو روتی ہے پدر کو
تھرانے لگا بید کی مانند سراپا
کہتا تھا یہ کیا ہو گیا وا حسرت و دردا
تقدیر نے جیتا نہ دکھایا شہِ دیں کو
رونے کا جو اک شور سنا ہو گئی ششدر
ڈیوڑھی سے سراسیمہ نکل آئی کھلے سر
جلدی ارے لوگو کہو یہ ماجرا کیا ہے
بی بی ترے آقا کو ستمگاروں نے مارا
سادات کا تو قافلہ لوٹا گیا سارا
سر کاٹ کے لائے ہیں حسینؑ ابنِ علیؑ کا
عابدؑ ہے سو بیمار ہے رانڈیں ہیں سو قیدی
ہے ہے مرے سیّد مرے آقا مرے والی
فرمایا تھا آؤں گا سو یوں میرے گھر آئے

یہ کہہ کے چلی پیٹتی اور دیتی دُہائی
اک بار یہ آنے کی شیریں کے جو پائی
پُرسے کو وہ آئی ہے سو یاں گھر بھی نہیں ہے
یہ کہتی تھی زینبؑ کہ وہ آ پہونچی کھُلے سر
شیریں کا یہ تھا حال کہ گرتی تھی وہ مضطر
چلاتی تھی ہے ہے شہِ ذی جاہ کو مارا
کیا فاطمہؑ کے لال سے ایسی ہوئی تقصیر
فریاد ہے بے پردہ ہوئے صاحبِ تطہیر
گودی بھری اولاد سے خالی ہوئی ہے ہے
یہ کہہ کے پچھاڑیں کبھی کھاتی تھی وہ مضطر
جس نیزے پہ آلودۂ خوں تھا سرِ سرور
تھی ہیں تو قدم دیکھنے آئی مرے مولا!
آقا زری اس خوں بھری تصویر کے واری
اس بین سے شیریں نے جو کی گریہ و زاری
پیدا یہ لبِ خشک سے حضرت کے صدا تھی
صد شکر کہ ہم تجھ سے ہوئے صادقُ الاقرار
فاقے سے کئی روز کے ہے عترتِ اطہار
دشمن کے بھی بچّوں پہ نہ یوں فاقہ کشی ہو
ہے تین برس کا نوسن اور تشنہ دہانی
ہر بار گھڑکتے ہیں اسے ظلم کے بانی
کی جاتی نہیں بات بھی اس تشنہ دہن سے
زینبؑ کی خبر لے کہ ہے قیدی مری خواہر
ہے خاک سے کبرا نے چھپایا رُخِ انور
احسان کا یہ وقت ہے عبرت کی یہ جا ہے

رستے میں کہیں گر پڑی ٹھوکر کہیں کھائی
زینبؑ نے کہا ہائے سلامت نہیں بھائی
مُنھ کا ہے سے ہم ڈھانپیں کہ چادر بھی نہیں ہے
سب اُٹھ کے لگے پیٹنے ناموسِ پیمبرؐ
بانوؑ کے قدم پہ کبھی زینبؑ کے قدم پہ
کس جُرم پہ اعدا نے مرے شاہ کو مارا
کیوں حلقِ شہِ دیں پہ چلی ظُلم کی شمشیر
ہے ہے مرا شہزادہ ہے پہنے ہوئے زنجیر
بی بی مری بے وارث و والی ہوئی ہے ہے
ہاتھوں سے کھڑی ہو کے کبھی پیٹتی تھی سر
داں جاتی تھی اور کہتی تھی بولی تھ اُٹھا کر
لونڈی کو یہ کیا شکل دکھائی مرے مولا
ہیں مر نہ گئی ہائے بلالے کے تمھاری
نیزے پہ سرِ شاہ کے آنسو ہوئے جاری
کیوں روتی ہے شیریں یہی مرضیٔ خدا تھی
دعوت ہے ہماری یہی اے مونس و غم خوار
اور پیاس سے مرتی ہے سکینہ مری دلدار
پانی اسے پلوا کہ مری روح خوشی ہو
ہو جاتی ہے غش مانگتے ہی مانگتے پانی
کیا ضد ہے کہ بچّوں کے بھی ہیں دشمنِ جانی
ننھا سا گلا شمر نے باندھا ہے رسن سے
بنتِ اسد اللہ کے سر پر نہیں چادر
شہزادی تری آج ہے بلوے میں کھُلے سر
وہ قید ہے جس نے تجھے آزاد کیا ہے

سیدانیوں کو چادریں کچھ لا کے اڑھا دے
رانڈوں کی مدد کر کہ خدا تجھ کو جزا دے
راضی ہوں نبیؐ صاحبِ تطہیر دعا دے
محشر میں تجھے حلۂ فردوس خدا دے
بے وارث و والی ہیں گرفتارِ بلا ہیں
محتاجِ کفن ہم ہیں یہ محتاجِ ردا ہیں

سن کر یہ سخن زینبِ دلگیر پکاری
ان باتوں کے صدقے میں آواز کے واری
یاد آئی مصیبت تمھیں اے عاشقِ باری
شیریں سے سناں پر بھی سفارش ہے ہماری
تم تشنہ دہن ذبح ہوئے مجھ کو یہ غم ہے
اور آپ کو بھینا کی اسیری کا الم ہے

جیتی ہے بہن کس لیے کڑھتے ہو برادر
تن پر تو ہے سر گو مرے سر پر نہیں چادر
گردن پہ تو بھینا کی پھرایا نہیں خنجر
لاشہ تو مرا دھوپ میں جلتا نہیں دن بھر
غم کھاؤ نہ چادر جو نہیں پاتی ہوں بھائی
بالوں سے تو منھ ڈھانپے چلی جاتی ہوں بھائی

زینبؑ تو یہ کہتی تھی سرِ شاہ سے رو کر
چلاتی تھی شیریں کہ میں صدقے مرے سرورؐ!
ان آنکھوں کی تعریف کیا کرتے تھے اکثر
کیوں ہو نہ گئے کور مرے دیدۂ انور
ہوتیں نہیں سیر آپ کے دیدار سے آنکھیں
لاؤ تو ملوں چاند سے رخسار سے آنکھیں

اللہ رے اعجاز سرِ سیدِ ابرار
اس خادمہ کے ہاتھوں پہ بس آ گیا اک بار
شیریں کے کفِ دست ہوئے مطلعِ انوار
ہاتھوں سے ضیائے یدِ بیضا تھی نمودار
سب دیکھ کے شہ کے رخِ روشن کی تجلّی
کہتے تھے یہ ہے وادیِ ایمن کی تجلّی

آنکھوں سے لگا کر کہا شیریں نے سرِ شاہ
صدقے میں اس اعجاز کے اے سرورِ ذیجاہ
پھر جا کے عمر سے کہا مت رو کو مری راہ
گھر تک سرِ سرور مجھے لے جانے دو للّٰہ
خدمت حرمِ شہ کی مجھے مدِّنظر ہے
لے مجھ سے زر و مال اگر طالبِ زر ہے

لونڈی ہوں میں آقا ہے مرا یہ شہِ عالم
پیٹوں گی سر و سینہ بچھا کر صفِ ماتم
شب بھر مرے گھر میں رہیں سیدانیاں باہم
پھر صبح کو لے بھیجو سرِ سیدِ اکرم
دن سخت بہت گردشِ ایام سے گزرے
اک رات تو مظلوموں پہ آرام سے گزرے

لالچ میں ہوا زر کی رضامند وہ غدار
منگوا دیا شیریں نے اُسے صرۂ دینار
سب قیدیوں کو لے گئی گھر میں وہ دل افگار
اور رکھ دیا مسند پہ سرِ سیدِ ابرار
حلقے میں حرم کے سرِ شبیرؑ تو کھلا تھا
غل ہائے حسینا کا تھا اور شورِ بکا تھا

چلاتی تھی بانو مرے سید مرے سرور
لپٹی ہوئی کہتی تھی سرِ شاہ سے خواہر
غیرت سے موئی جاتی ہے صدمہ ہے بہن پر
جب رونے سے فارغ ہوئے وہ شہ کے عزادار
رو رو کے یہ کی سیدِ سجاد سے گفتار
سو مر گئے بھوکے یہی مرضی تھی خدا کی

یہ سن کے اٹھے روتے ہوئے عابدِ ناکام
جب دینے لگے فاتحہ شاہِ خوش انجام
جس وقت لیا نام شہِ تشنہ دہاں کا
رو کر کہا زینب نے بہن ہو گئی واری
کیا پیاس تھی جس دم تھا لہو زخموں سے جاری
جب تم تھے تو ملتا تھا نہ پانی کہیں بھائی

روتی ہوئی اتنے میں اٹھی بانوئے بے پر
سجاد سے رو رو کے کہا اے مرے دلبر!
مارے گئے کس ظلم و جفا سے مرے بچے
سجاد نے جب فاتحہ سے پائی فراغت
تب بیبیوں سے شیریں نے کی عرض بہ منت
اس کھانے پہ ہے فاتحہ خوانِ روحِ نبیؐ کی

فاقہ شکنی کا جو اسیروں نے لیا نام
زینب نے کہا کھانے کا ہے کون سا ہنگام
کیا کھانے کو ہم کھائیں کہ دل غم سے بھرا ہے
بھائی تو ہو بے گور و کفن کھاؤں میں کھانا
بے سر علی اکبر کا ہو تن کھاؤں میں کھانا
رونا مجھے دیکھے سے چلا آتا ہے لوگو!

شیریں کے گھر آئے مجھے اس حال سے لے کر
مہمان بہن آئی ہے سر پر نہیں چادر
ثابت نہیں کرتا ہے سکینہ کے بدن پر
شیریں نے چنے خوانِ طعام آن کے اک بار
کھانے یہ کئے تھے شہِ دیں کے لئے تیار
ان کھانوں پہ دو فاتحہ شاہِ شہدا کی

پانی کے بھی شیریں نے کئی بھر کے رکھے جام
یہ جوش تھا رقت کا کہ تھراتا تھا اندام
اک شور ہوا رانڈوں میں فریاد و فغاں کا
میں جیتی ہوں اور فاتحہ ہوتی ہے تمہاری
پانی نہ کسی نے دیا مانگا کئی باری
اب پانی تو موجود ہے اور تم نہیں بھائی!

اک دودھ کا کوزہ رکھا اک پانی کا ساغر
ان دونوں پہ دو فاتحہ اکبرؑ و اصغرؑ
تھے تین شب و روز کے پیاسے مرے بچے
تا دیر رہی شہ کے عزاداروں میں رقت
فاقہ شکنی کیجو کہ رونے کی ہو طاقت
یہ حاضری ہے سبطِ رسولِ عربیؐ کی

پیٹے یہ سر و سینے کہ برپا ہوا کہرام
نے چین محمدؐ کو نہ زہراؑ کو ہے آرام
لاشہ تو ابھی بھائی کا جنگل میں پڑا ہے
بے دفن ہو فرزندِ حسنؑ کھاؤں میں کھانا
پامال ہو زہراؑ کا چمن کھاؤں میں کھانا
لے جاؤ کہ کھانا مجھے یہ کھاتا ہے لوگو

ناچار ہو اک جام کو شبیرؑ نے اُٹھایا
پاس آن کے ہونٹوں سے سکینہؑ کے لگایا
بولی کہ پیو دارسی دم آنکھوں میں ہے آیا
مُنھ پھیر کے شبیرؑ کو سکینہؑ نے سُنایا
پیاسے مرے بابا موئے میں بھی نہ پیوں گی
عباسؑ چچا آئیں گے جب پانی پیوں گی

جس دم یہ سکینہؑ نے کہا پڑ گیا کہرام
اور پیٹنے رونے میں ہوا صبح کا ہنگام
آئی سرِ شبیرؑ کو لینے سپہِ شام
رخصت ہوئے شبیرؑ سے حرم بادلِ ناکام
تجھ پر ہے انیسؔ اب یہ کرم ربِّ غنی کا
شہروں میں ہے شہرہ تری شیریں سُخنی کا

رُباعی

منظوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا
مینہ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ
یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

رُباعی

میزانِ عمل میں جُرم تُل جاتے ہیں
فردوس میں مثلِ بوئے گُل جاتے ہیں
انگشتِ علیؑ میں بابِ خیبر کی طرح
عُقدے جو ہزاروں ہوں تو کُھل جاتے ہیں

رُباعی

جبرئیلؑ اِس کو فخر دربانی ہے
حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں۔ کور کی بھی آنکھیں روشن
وہ خاک بھی سُرمہ سلیمانی ہے

۲۶

مرثیہ

بند ۱۶۲

جب قیدیوں کو خانۂ زنداں میں شب ہوئی
گھٹ گھٹ کے دخترِ شہِ دیں جاں بلب ہوئی
آفت کا سامنا تھا نئی وارِدات تھی

پہلے پہل کی قید وہ اور وارثوں کے داغ
رونے سے اہلِ بیتؑ کو اک دم نہ تھا فراغ
غل تھا کہ ایسے گھر بھی الٰہی جہاں میں ہیں

یوں وہ شکستہ حال تڑپتے تھے ہر نفس
جانوں کی تھی بدن سے نکل جانے کی ہوس
دل چھاتیوں میں صورتِ بسمل پھڑکتے تھے

اس گھر میں اہلِ بیتِ محمدؐ ہوئے تھے بند
تنگی سے ایک ایک کو تکلیف تھی دو چند
وہ بیبیاں اسیر تھیں اُس قصرِ زشت میں

زنداں میں جب کہ آلِ پیمبرؐ ہوئے اسیر
سب رشتہ دارِ احمدؐ و حیدرؑ ہوئے اسیر
وہ بیبیاں اسیر تھیں اُس قصرِ زشت میں

بستی وہ فاطمہؑ کی کہاں اور وہ گھر اجاڑ
کیا دل کھلیں کہ شام سے جب بند ہوں کواڑ
گھبرا کے چھت کو بیبیاں ہر بار تکتی تھیں

بچوں کی مارے خوف کے حالت عجب ہوئی
مضطر کمال بنتِ امیرِ عرب ہوئی
زہراؑ کی بیٹیوں پہ قیامت کی رات تھی

یہ رنگ تھا کہ ہوئے خزاں دیدہ جیسے باغ
بے چاندنی نہ شمع نہ مشعل نہ واں چراغ
ثابت نہیں کہ قبر میں ہیں یا مکاں میں ہیں

دشوار جیسے صید پہ ہو تنگیِ قفس
بازو بندھے ہوئے تھے نہ تھا کچھ کسی کا بس
زنداں کے در سے جا کے سروں کو پٹکتے تھے

جز گھنگی جسے نہ کسی نے کیا پسند
تھوڑی سی جا مگر کہیں پست اور کہیں بلند
ہیں جن کی لونڈیوں کے لئے گھر بہشت میں

کونین کے امیر کھلے سر ہوئے اسیر
وحشت سرا میں عرش کے گوہر ہوئے اسیر
ہیں جن کی لونڈیوں کے لئے گھر بہشت میں

جانوں پہ تھی بنی ہوئی قسمت کا تھا بگاڑ
دیواریں تھیں بلند کہ چھاتی پہ تھے پہاڑ
ٹوٹے مکاں کی رات کو کڑیاں کڑکتی تھیں

کیجے شکستگیٔ خرابے کا کیا بیاں
ثابت نہ جس میں سقف نہ در اور نہ ٹاٹیاں
وحشت کا گھر ہراس کی جا خوف کا مکاں
وہ شب کہ الحذر وہ حرارت کہ الاماں
ظلمت سرائے گور تھی زنداں کا گھر نہ تھا
حجرے یہ تنگ تھے کہ ہوا کا گزر نہ تھا

مثلِ دلِ یزید تھا وہ سب مکاں سیاہ
تاروں کی روشنی کو بھی ملتی تھی واں راہ
چھایا تھا دل جلی ہوئی رانڈوں کا دردِ آہ
حجرے سے چشمِ تر کے نکلتی نہ تھی نگاہ
دیکھے کسی کی شکل کوئی یہ مُحال تھا
روزن بھی تھا کوئی تو وہ چشمِ غزال تھا

شب کا تو ذکر کیا ہے کہ لگتا تھا دن کو ڈر
ظاہر تھے جا بجا حشراتِ زمیں کے گھر
تھے وقفِ آشیانِ ابابیل سقف و دَر
نکلا وہ مر کے قید ہوا اس میں جو بشر
گھر تھا اجل کا خانۂ رنج و بلا نہ تھا
برسوں سے واں چراغ کسی شب جلا نہ تھا

وہ تیرگی کہ ہو شبِ ظلمات اس سے دنگ
ہر در بسانِ حجرۂ چشمِ بخیل تنگ
تھی واں کی صبح شام سوادِ دیارِ زنگ
دیوار اور سقف و بامِ زمیں سب سیاہ رنگ
قید اس میں تھے حرم شہِ گردوں مقام کے
کیا صبح ڈھل گئی تھی خرابے کو شام کے

گرمی کی فصل اور ہوا کا وہ احتباس
وہ ضیق اس مکان کی اور قید کا ہراس
اندوہ کا وفور دلوں پر ہجومِ یاس
مائیں جو تھکلے ہیں تو بچے تھے بے حواس
دیواریں بھی شکستہ تھیں در بھی جھکے ہوئے
جانیں بھی غم سے تنگ تھیں دل بھی رُکے ہوئے

ہر دم زمیں سے واں کی نکلتا تھا یوں بُخار
جیسے دھواں تنور سے اٹھتا ہے بار بار
گرمی سے یوں زمیں پہ تڑپتے تھے سوگوار
جس طرح سے سپند ہو آتش پہ بے قرار
جھک جھک کے آسماں کو حسرت سے تکتے تھے
کیسے ہوائے سرد کو بچے بلکتے تھے

جھڑتی تھی واں کی سقف سے ہر دم خاک
تھے گرد سے بھرے ہوئے رانڈوں کے جسمِ زار
بھاگی تھی روشنی بھی یہ حجرے تھے ہولناک
کہتے تھے اب مکاں یہ گرا اب ہوئے ہلاک
قسمت میں ہے کہ قبر اسی جا نصیب ہو
اچھا تو ہے جو خاک کا پردہ نصیب ہو

ایک ایک سے یہ کہتی تھی زینبِ جگر فگار
لائق نہ اس مکان کے تھے ہم گناہ گار
مجبور جو غریب ہوں کیا اُن کا اختیار
سایہ تو ہے سروں پہ کرو شکرِ کردگار
ہے جائے گریہ حالِ شہِ مشرقین پر
کیا گزری ہوگی دھوپ میں لاشِ حسینؑ پر

غارت گروں نے لوٹ لیا کُہنہ پیرہن
ہے ہے وہ شب پہاڑ سی اور کربلا کا بن
پیاسا گلا کٹا کے موئے جس کی راہ میں
رسّی مرے گلے کی کوئی کھول دے اگر
نکلی میں جب تو پھر نہیں درکار راہ بر
ممکن ہے یہ کہ لاش کو زینبؑ نہ پائے گی

کہنے لگی یہ اُٹھ کے سکینہؑ جگر فگار
چھُپ کر چلی گئیں تو میں روؤں گی زار زار
مر جاؤں گی اگر نہ پدر سے ملاؤ گی
رو کر تب اُس یتیم سے زینبؑ نے یہ کہا
بے کس، اسیر، دامِ بلا، غم کی مبتلا
بھائی کی لاش پاس اگر رہنے پاتی میں

ہے دشتِ کربلا تو کئی دن کی یاں سے راہ
گھر میں یزید کے ہے سرِ شاہِ دیں پناہ
ہم سا کوئی جہاں میں نہ آفت نصیب ہو
یہ تفرقہ بھی ہوتا ہے کم زیرِ آسماں
ہم ہیں کہیں کہیں ہے سرِ شاہِ انس و جاں
بے بس ہیں رشتہ دار شہِ ذوالفقار کے

کہنے لگی یہ سُن کے سکینہ بہ چشمِ تر
حاکم کے گھر میں قید ہیں سلطانِ بحر و بر
سچ کہتی ہوں نہ شاہِ خوش انجام آئیں گے
جب رو کے پوچھتی ہوں کہ بابا گئے کدھر
کہتا ہے کوئی دور نہیں شاہِ بحر و بر
خاطر کی بات کیا کوئی پہچانتا نہیں

وہ ریگ گرم اور وہ عُریانیٔ بدن
کس طرح جائے بھائی تلک کیا کرے بہن
سونپی ہے میں نے لاش اُسی کی پناہ میں
مقتل کو ڈھونڈھتی ہوئی جاؤں برہنہ سر
رستے میں پوچھ لوں گی کہ ہے کربلا کدھر؟
بھائی کے خوں کی بو مجھے کوسوں سے آئے گی

لیتی چلو مجھے بھی پھوپھی تم پہ میں نثار
تم نے بھی کیا بھُلا دیا دل سے ہمارا پیار
کیا اس اندھیرے گھر میں مجھے چھوڑ جاؤ گی
واری کہاں میں اور کہاں دشتِ کربلا
قیدی کو کون جانے کی دے گا بھلا رضا
زنداں میں قید ہونے کو کاہے کو آتی میں

ایسے کہاں نصیب کہ حاصل ہو وصلِ شاہ
ہم قید اس مکاں میں ہیں بے جرم و بے گناہ
ممکن نہیں کہ سر کی زیارت نصیب ہو
ہے ایک شہر پائے ہیں لیکن الگ مکاں
ہیں کس کے آگے اپنی مصیبت کریں بیاں
حاکم کے ڈر سے رو نہیں سکتے پکار کے

ہے ہے پھوپھی نہ آئیں گے کیا اب مرے پدر
اب مجھ کو نیند کاہے کو آئے گی رات بھر
اماں تو کہتی تھیں کہ سرِ شام آئیں گے
فرماتی ہیں مجھے کہ سدھارے ہیں نہر پر
روؤ نہ تم اب آئیں گے اب آئیں گے پدر
سُن لیتی ہوں میں سب کی پہ دل مانتا نہیں

سمجھاتی ہیں چچی کہ اب آنسو نہ تم بہاؤ
اب عنقریب ہے کہ چچا اور پدر کو پاؤ
سچ ہے اگر تو کس لیئے بیتاب ہوتی ہے
ماں سے جو پوچھتی ہوں کہ تم بھی تو کچھ کہو
اس شب کو اور شہ کی جدائی کا غم نہ ہو
دل صبح سے اُچاٹ ہے بستی اُجاڑ ہے
معلوم ہو گیا مجھے بہلاتے ہیں یہ سب
کیا حاصل اس چھپانے سے شاید جیوں گی اب
یہ لوگ تو کبھی نہ مفصّل بتائیں گے
یہ ذکر تھا ابھی کہ ہوا بند قفلِ در
گھبرا کے دیکھنے لگیں رانڈیں اِدھر اُدھر
تڑپے یہ دل کہ سینوں میں سانسیں اُکھڑ گئیں
نظروں سے صورتیں جو ہوئیں یک بیک نہاں
چلّائی بے حواسی میں بانوئے خستہ جاں
دل پر سکینہؑ جان کے صدمے گزر نہ جائیں
پھرتا تھا گھٹنیوں ابھی یاں میرا نونہال
کہنے لگی یہ زینبؑ بے کس بصد ملال
ملتا نہیں ہے پھر جسے ہاتھوں سے کھوتے ہیں
چھاتی کو پیٹ کر یہ پکاری وہ سوگوار
ہے دور مجھ سے ہائے مرا طفلِ شیر خوار
اے لال دامنِ شہِ خوش خو میں سوتے ہو
راتوں کو اُٹھ کے دودھ پلاؤں اب کسے ہائے
آجاؤ ماں کے پاس اگر نیند واں نہ آئے
اُلفت جو ہے پدر کی تو ماں کا بھی درد ہو

آرام سے سلاؤں میں گودی میں میری آؤ
کہتی ہوں اُن سے میں کہ بھلا تم قسم تو کھاؤ
کیوں مُنھ کو پھیر کر مری جانب سے روتی ہے
وہ کہتی ہیں کہ آؤ مری جان سو رہو
کہیو تب ہی جو شہ سے ملاقات کل نہ ہو
مجھ کو تو کاٹنا اسی شب کا پہاڑ ہے
تا مر جائے قید میں گھٹ کر یہ تشنہ لب
میں کس بلا میں پھنس گئی یاں آگیے ہے غضب
میں اپنی جان دوں گی جو بابا نہ آئیں گے
زنداں میں اور ہوگئی ظلمت زیادہ تر
جز تیرگی کسی کو نہ آتا تھا کچھ نظر
ماؤں سے بچے بچوں سے مائیں بچھڑ گئیں
ہاتھوں سے ڈھونڈھنے لگیں بچوں کو بیبیاں
دیکھو تو بیبیو کہ ہے اصغر مرا کہاں
بچے مرے دل کے اندھیرے میں ڈر نہ جائیں
بچے کا میرے صاحبو رکھیو ذرا خیال
کس کی تلاش میں ہو کہاں ہے تمھارا لال
تم جن کو ڈھونڈھتی ہو وہ مقتل میں سوتے ہیں
تو جانتی تھی میں کہ یہیں ہے وہ گلعذار
اصغرؑ تمھارے ننھے سے لاشے کے میں نثار
ماں سے بچھڑ کے باپ کے پہلو میں سوتے ہو
کس کی بلائیں پیار سے لے کس کے صدقے جائے
اُن چھوٹے چھوٹے پاؤں کو ہاتھوں سے ماں دھلائے
گو دُن کی گرم ہو مری چھاتی بھی سرد ہو

بانو کے اس بیاں پہ بلکتے تھے سب حرم
چلاتی تھی سکینہؑ کہ گھٹتا ہے میرا دم
کھولے گا قفل کون جو عباسؑ آئیں گے

ٹکرا کے سر اندھیرے میں چلائیں گے اسیر
گرمی کے مارے اور بھی گھبرائیں گے اسیر
دربانوں کو پکارو ہمیشہ کے واسطے

زنداں کا در کدھر ہے مجھے لے چلو شتاب
دادا مرا ہے شہرِ علوم نبیؐ کا باب
پھر کل سے قیدیوں کو نظر بند کیجئو

بولا نہ جب کوئی تو ہوا غم زیادہ تر
پٹ کو ہلا ہلا کے پکاری وہ نوحہ گر
بے کس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں

بولا کوئی کہ کون ہے تو اے نحیف و زار
اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ دل فگار
چھوٹے سے سن میں قیدیٔ زندانِ شام ہوں

پوتی ہوں اس کی جو کہ ہے کونین کا امیرؑ
ایسا کریم تھا وہ دو عالم کا دستگیر
شہرت جہاں میں ہمت مشکل کشا کی ہے

کہتی نہیں میں یہ کہ کرو قید سے رہا
کھانے کی کچھ طلب ہے نہ پانی کی التجا
جائیں گے ہم کہاں کہ تمہارے حوالے ہیں

اصغر ہے اُن کے ساتھ یقیں ہے کہ جلد آئیں
چوکی کے لوگ سب رہیں در پر مجھے بٹھائیں
نیند آئے گی نہ مجھ کو بہت بے قرار ہوں

باقرؑ پکارتے تھے کہ کیونکر جئیں گے ہم
زنداں کا در بھی ہو گیا معمور ہے ستم
لو اب پدر کدھر سے مرے پاس آئیں گے

اب روشنی کہاں سے بھلا لائیں گے اسیر
ہے ہے یہ کیا غضب ہوا مر جائیں گے اسیر
کھلوا دو قفل فاتحِ خیبر کے واسطے

دربانوں سے کہوں گی میں با دیدۂ پُر آب
مجھ پر کرو گے رحم تو ہو گا تمہیں ثواب
آئیں میں بابا جان تو در بند کیجئو

دیوار پکڑے پکڑے گئی وہ قریبِ در
دربانو جاگتے ہو کہ سوتے ہو بے خبر
کچھ تم سے اپنا حال میں کہنے کو آئی ہوں

دل ہو گیا ہے تیری صدا سُن کے بے قرار
آفت زدہ اسیر و پریشان و سوگوار
میں دخترِ حسین علیہ السلام ہوں

شیرِ الٰہؑ بادشہِ آسماں سریر
جس نے ہزاروں قید سے چھڑوا دیے اسیر
ہم آج ہیں اسیر یہ قدرت خدا کی ہے

چھُٹ جائیں گے کبھی کہ اسیروں کا ہے خدا
ہاں قفل کھول دو گے تو دوں گی تمہیں دعا
بابا حسینؑ آج کی شب آنے والے ہیں

ایسے نہیں ہیں وہ کہ مجھے رات بھر رلائیں
دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کہیں آ کے پھر جائیں
بھاگے کوئی اسیر تو میں ذمہ دار ہوں

منظور ابھی نہ ہو تمھیں در کھولنا اگر — آ کر پکاریں شاہ تو تم کھول دیجو در
دے جاتی ہوں پتا تمھیں اُن کا میں نوحہ گر — معلوم ہوگا صاف کہ طالع ہوا قمر
بوئے زلف مشک فام کی مہکے گی دور سے — چھٹکے گی چاندنی رُخِ روشن کے نور سے

باندھے ہیں مصطفےٰ کا عمامہ وہ تاجدار — اور ہے نشانِ سجدہ ستارہ سا آشکار
ہالہ سا گرد ماہ کے ہے خط مشک بار — زیب کمر ہے شیر الٰہی کی ذوالفقار
گہ ذکرِ حق ہے گاہ زباں پر درود ہے — سوکھے لبوں سے پیاس کی شدت نمود ہے

ساتھ اُن کے ہوئے گا علی اکبر سا گلعذار — گیسو لٹکتے ہیں رُخِ روشن پہ اس کے چار
تصویر ہے نبیؐ کی سراپا وہ ذی وقار — یوسف ہیں مصرِ حُسن کے بھائی کے ہیں نثار
نجم فلک پسینے کے قطروں سے ماند ہیں — دُنیا کی روشنی ہیں اندھیرے کا چاند ہیں

ہوں گے جلو میں حضرتِ عباسؑ نوجواں — ہوتا ہے جس سے دبدبۂ شیرِ حق عیاں
اس شیر کا نشاں یہ ہے اور یہ شکوہ و شاں — اک دوش پر تو مشک ہے اک دوش پر نشاں
قمری تو قد پہ چال پہ صدقے تدرو ہیں — نامِ خدا علیؑ کے گلستاں کے سرو ہیں

مجھ بن نہ سوئے ہوں گے شہنشاہ خوش خصال — بے خواب میں ہوں ان کو بھی ہوگا مرا خیال
تم دیکھ لیجو مجھ سے ہے اُلفت انھیں کمال — آتے ہی تم سے پوچھیں گے پہلے ہی میرا حال
میں خود کہوں گی مجھ پہ جو آفت گزر گئی — مر جائیں گے پدر یہ نہ کہنا کہ مر گئی

ہوتے نہیں عزیز کسے دختر و پسر — پر مجھ کو چاہتے ہیں وہ سب سے زیادہ تر
سوتی تھی اُن کی چھاتی پہ منہ رکھ کے رات بھر — زنداں میں اب زمیں پہ تڑپتی ہوں تا سحر
موقوف ان پہ میری حیات و ممات ہے — آنے کا ہے یہ دن یہی وعدے کی رات ہے

بولے نگاہباں کہ ترا دھیان ہے کدھر — جا ماں کے پاس بیٹھ کہاں تو کہاں پدر
بے صبح کے ہوئے نہیں کھلنے کا قفلِ در — کیا شمر کے طمانچوں کا تجھ کو نہیں ہے ڈر
دن کو بھی روتی رہتی ہے شب کو بھی رُتی ہے — نے ہم کو سونے دیتی ہے نے آپ سوتی ہے

ناحق ابھی سے کرتی ہے کاہے کو شور و شین — جا قفل کھول دیں گے بھلا آئیں تو حسینؑ
رونے سے تیرے شب کو بھی ملتا نہیں ہے چین — ہر وقت کے سُنے نہیں جاتے ہیں تیرے بین
بلوائیں شمر کو تری تعزیر کے لئے — رونا نہ کم کرے گی تو شبیرؑ کے لئے

ماں بہنیں قید ہو گئیں آتش سے گھر جلا
آیا بچانے کوئی برے وقت میں بھلا
کھائے طمانچے جب تو ترا زور کب چلا
کس دیوے آ کے شمر نہ رسّی سے پھر گلا
ماں سے چھٹے تو اور بھی صدمہ دوچند ہو
ایسا نہ ہو جدا کسی حجرے میں بند ہو

یہ بات سن کے سہم گئی وہ جگر فگار
دروازے سے سرک کے لگی رونے زار زار
دالان سے پکاری یہ بانوئے نامدار
بی بی کدھر گئیں ادھر آؤ یہ ماں نثار
کھولے گا کون در، کسے چلاتی پھرتی ہو
واری کہاں اندھیرے میں ٹکراتی پھرتی ہو

زنجیر در نہ رات کو کھولیں گے یہ لعیں
ماں صدقے جائے گھڑکیاں کھانے کو کیوں گئیں
پست و بلند خانۂ زنداں کی ہے زمیں
گھبرا کے گر پڑو نہ اندھیرے میں تم کہیں
دشمن ہر اک ہے لشکرِ اہلِ عناد میں
سونا بھی آج بھول گئیں شہ کی یاد میں

بولی سکینہؑ جان ہے تن میں یا کہ جائے
بیٹھی ہوں جب تلک کہ سواری پدر کی آئے
بے جرم کان زخمی ہوئے اور طمانچے کھائے
جو چاہے مجھ فلک کی ستائی کو پھر ستائے
واں کیا ہے یاں نہ بیٹھ کے آنسو بہاؤں میں
اچھا مجھے پدر سے ملا دو تو آؤں میں

اکبرؑ کے صدقے جاؤ بھلاؤ ہمارا پیار
سمجھو کہ ایک بیٹی ہوئی باپ پر نثار
مشکل ہے صبر دل پہ مرا کیا ہے اختیار
اب کوئی دم میں تن سے نکلتی ہے جانِ زار
راحت بہت نصیب میں کم لے کے آئے ہیں
اتنی ہی عمر خلق میں ہم لے کے آئے ہیں

اصغرؑ کو اپنی گود میں لو مجھ سے کیا ہے کام
پیاری تھی سارے گھر کی میں جب تلک امام
تم اپنے دل میں سمجھو کہ میں ہو گئی تمام
اماں بس اب پکارو نہ لے کے مرا نام
سبطِ رسولؐ سے مجھے پیارا نہیں کوئی
بابا ہی جب نہیں تو ہمارا نہیں کوئی

بیٹی سے رو کے بولی یہ بانوئے تشنہ لب
ہاں بی بی سچ ہے میری ہی تقصیر ہے یہ سب
میں نے ہی شہ سے تم کو چھڑایا ہے بے سبب
لو آؤ بس معاف کرو جرم ماں کا اب
جو چاہو کہہ لو ایسی ہی تقصیر وار ہوں
سمجھو نہ ماں یہ جانو کہ خدمت گزار ہوں

صدقہ ہے جان تک مری گھر بار کیا ہے چیز
میں اک تمھارے باپ کی ادنیٰ سی ہوں کنیز
سب سے سوا ہے یوسفِ زہراؑ تمھیں عزیز
میں جانتی ہوں کیا مجھے اتنی نہیں تمیز
واری گلہ جو ماں کا کیا سب بجا کیا
میں نے تمھارے باپ کو تم سے جدا کیا

بابا کے آگے سچ ہے بھلا ماں کی قدر کیا
بے زار تم ہو مجھ سے ہیں اصغرؑ سے ہوں خفا
بیٹیوں کا کیا گلہ ہے بھلا وہ تو دور ہیں
مشہور ہے کہ چاہتے ہیں باپ کو پسر
اک بدنصیب ہم ہیں کہ مر جائیں ابھی اگر
گو ہم نہ ہوں عزیز وہ ہم کو تو پیارے ہیں

روتی ہوئی یہ کہہ کے اُٹھی بانوئے حزیں
روتی تھی مُنھ کو کُرتے سے ڈھانپے وہ مہ جبیں
سر کو جھکا کے پہلے تو وہ پیچھے ہٹ گئی
لے آئی ماں گلے سے لگا کر بہ چشم تر
بیٹھیں اسیر بیبیاں سب گرد آن کر
ماں لیتی تھی بلائیں پھوپھی صدقے جاتی تھی

ماں کہتی تھی تھپک کے مری جان سو رہو
فرماتی تھیں پھوپھی کہ میں قربان سو رہو
جی چاہتا ہے چین ملے کوئی دم تمھیں
کہتی تھی ایک ایک سے رو کر وہ ماہرو
کیا نیند آئے غم سے جگر ہو گیا لہو
تھوڑا ستم سہا ہے بچھڑ کر حسینؑ سے

لوگو بس اب رکھو نہ مری زندگی کی آس
ماں نے کہا کرو نہ مری جاں کلام یاس
اصغرؑ کو جا کے بھول گئے ماں کی یاد کو
بی بی تمھیں بتاؤ بھلا ماں کا کیا قصور
صادق ہے اپنے قول کا وہ کبریا کا نور
کیا دو گی ہم کو آج جو بابا کو پاؤ گی

کبرائی ہیں وہ احمدؐ مرسل کا دلربا
پوچھی خبر نہ ماں کی دیا ساتھ باپ کا
تقصیر وار ہیں ہمیں، سب بے قصور ہیں
بیٹی کو ماں سے ہوتی ہے اُلفت زیادہ تر
بیٹوں کو کچھ خیال نہ بیٹی کو کچھ خبر
ماں سمجھیں یا نہ سمجھیں سب آنکھوں کے تارے ہیں

بیٹی کو ڈھونڈھتی ہوئی دروازے تک گئیں
پاس آ کے ماں نے سر سے قدم تک بلائیں لیں
پھر ننھے ہاتھ اُٹھا کے گلے سے لپٹ گئی
چُپ ہو کے لیٹی گود میں ماں کی وہ نوحہ گر
ہاتھوں سے کوئی پاؤں دباتی تھی کوئی سر
بابا بغیر نیند اُسے لیکن نہ آتی تھی

زخمی ہیں پھر نہ دُکھنے لگیں کان سو رہو
کبرئ یہ کہتی تھیں بہن اک آن سو رہو
بابا جب آئیں گے تو جگا دیں گے ہم تمھیں
تھی شہ کے ساتھ شام سے سونے کی مجھ کو خو
سینہ کہاں وہ چاند سا اور اب کہاں وہ بو
سوؤں گی اب تو قبر میں جا کر میں چین سے

بابا تو آچکے ہمیں جائیں گے اُن کے پاس
باتیں یہ سُن کے اور ہیں ہوتی ہوئی ہواس
کیا تم بھی بھول جاؤ گی اس نامُراد کو
بابا اگر ہیں دور تو میں تو نہیں ہوں دور
اتنا کہوں گی میں کہ حسینؑ آئیں گے ضرور
پر یاد رکھیو یہ کہ ہمیں بھول جاؤ گی

تم کو سکھائے رکھتی ہوں جس دم پدر ملے
صدقے گئی نہ آنے کے کیجو بہت گلے
ہاں واری سچ ہے غنچۂ دل کس طرح کھلے
یوں اُس کو بھول جاتے ہیں جو باپ سے ملے
دفتر مصیبتوں کا بھی اپنے نہ کھولوں گی
تم جب تلک نہ بولو گی میں بھی نہ بولوں گی

سچ ہے کہ صاحب اُن کی یہ بھائی نہ مجھ کو بات
بچّی کو میری غم ہے مجھے تلخ ہے حیات
بوسے جو مُنھ کے لینے لگیں شاہِ خوش صفات
رکھ لیجو اپنے چہرے پہ تم چھوٹے چھوٹے ہات
آزردگی کی ہے یہ جگہ کیوں چلے گئے
اصغر کو ساتھ لے گئے تم کو نہ لے گئے

اک آہ سرد بھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
امّاں میں چُپ رہوں گی بھلا آئیں تو پدر
رونے لگیں گے ڈھونڈھ کے جب وہ اِدھر اُدھر
اُس وقت گر پڑوں گی میں قدموں پہ دوڑ کر
اتنا تو کہہ دو مجھ سے اگر مر نہ جاؤں گی
صدقے تمھارے مُنھ کے میں بابا کو پاؤں گی

میرے طمانچے کھانے کا اُن سے نہ کہیو حال
امّاں بہت کُڑھیں گے شہنشاہِ خوش خصال
ہوئے گا غیظ سے علی اکبرؑ کا رنگ لال
عباسؑ نامدار کو آجائے گا جلال
منظور ہے کہ قیدِ ستم سے رہائی ہو
ایسا نہ ہو کہ پھر کہیں اُن سے لڑائی ہو

کیوں امّاں جان قبلۂ عالم ابھی جو آئیں
رو کر کس اشتیاق سے مجھ کو گلے لگائیں
جیتا خدا کرے علی اصغر کو ساتھ لائیں
صدمے جو گزرے ہیں ابھی سب مجھ کو بھول جائیں
سو جاں سے ہیں نثار شہ خوش خصال کے
کیا سوؤں ہاتھ چاند سی گردن میں ڈال کے

لے کر بلائیں بانوؑ بے کس نے یہ کہا
اے عاشقِ پدر تری باتوں کے میں فدا
سمجھو یہیں تم اب انھیں عرصہ نہیں ذرا
آئے کوئی گھڑی میں شہنشاہِ کربلا
بابا سے ہم بغل تمھیں ہو نا نصیب ہو
چھاتی پہ اُن کی رات کو سونا نصیب ہو

صدقے گئی جب آئیں شہنشاہِ انس و جاں
میرا گلا نہ کیجو تم اُن سے سکینہؑ جاں
تقصیر جو ہوئی وہ تمھیں بخشو واری ماں
آزردہ مجھ سے ہوں گے بہت سرورِ زماں
لشکر یزید کا دمِ غارت نہ ٹل سکا
سیلی لگائی جب تو مرا بس نہ چل سکا

بیٹی سے ماں نے کیں جو یہ باتیں بچشم تر
جاگی بہت تھی سو رہی وہ عاشقِ پدر
سب ہوگئے خموش اسیرانِ نوحہ گر
بدلی نگاہ بانوں نے چوکی بجا پہر
فاقوں میں قیدیوں نے ادھر شکرِ رب کیا
اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

زنداں میں مضطرب تھے اسیران نوحہ گر
بیٹھی تھیں فرش خاک پہ رانڈیں برہنہ سر
فاقوں میں قیدیوں نے ادھر شکر رب کیا

مطلع

وہ ہولناک شب وہ اندھیرا کہ الحذر
بدلی نگاہبانوں کی چوکی بجا پہر
اور اس طرف یزید نے خاصہ طلب کیا

جلدی محل سرا میں روانہ ہوا طعام
خاصہ چنا خواصوں نے بازینت تمام
تب اک کنیز خاص نے اس سے کیا کلام
ہاں! ہند کو بلاؤ یہ بولا امیر شام
بی بی سحر سے آج کئی بار روئی ہیں
خاصہ نہ ون کو نوش کیا ہے نہ سوئی ہیں

بیٹی رہی ہیں منہ کو لپیٹے بصد ملال
چہرہ ہے زرد رونے سے آنکھیں ہیں دونوں لال
کیوں دل گرفتہ ہیں نہیں کھلتا کسی پہ حال
کنگھی نہ سر میں کی ہے نہ سرمے کا ہے خیال
مہندی کے بدلے وہ کف افسوس ملتی ہیں
حمام نے کیا ہے نہ کپڑے بدلتی ہیں!!

گہنا اتار ڈالا ہے یوں جی میں آئی ہے
بے وجہ سوگواروں کی صورت بنائی ہے
مسند پہ بیٹھنے کی قسم کل سے کھائی ہے
تکیہ ہے تر یہ اشکوں کی ندی بہائی ہے
جیسے سنانی آئے کسی کے عزیز کی
یہ شکل رنج و غم کی ہے اس باتمیز کی

بولا خبر یہ سنتے ہی وہ بانی ستم
جا کر کہو کہ دیر سے یاں منتظر ہیں ہم
دوڑیں یہ حکم سن کے خواصیں کئی بہم
ناچار ہند آن کے بیٹھی بہ چشم نم
ہرگز یزید کی تو نہ جانب نگاہ کی
دیکھا! طعام گرم تو اک سرد آہ کی

پوچھا یزید نے کہ ہے کچھ بدمزہ مزاج
بولی یہ ہند ہوتا ہے ہاں درد دل میں آج
ہے ظلم اور ستم کا ترے عہد میں رواج
اپنے جگر کے زخم کا میں کیا کروں علاج
تجھ کو تو عید ہے مجھے صدمے گزرتے ہیں
یہ کون ہیں جو راتوں کو فریاد کرتے ہیں

بتلا یہ سب اسیر مسلماں ہیں یا نہیں
قوم ان کی کیا ہے صاحب ایماں ہیں یا نہیں
محبوب کبریا کے ثناخواں ہیں یا نہیں
آیا یہ لوگ قائل قرآں ہیں یا نہیں؟
سنتی ہوں بے کس ان سے نہ ہوں گے زمانے میں
یہ کس خطا پہ قید ہوئے قید خانے میں

ہیں کیا یہ لوگ منکر پیغمبر الہ!
شاید نہیں علی کے گھرانے سے ان کو راہ
کیوں ہاتھ سب کے باندھے ہیں کھلتا نہیں ہے آہ
کاٹا ہے کس کا سر کسے لوٹا ہے بے گناہ
کافر ہے وہ عناد جسے پنجتن سے ہے
کیا دشمنی کچھ ان کو حسین و حسن سے ہے

کوئی اگر کہے بھی تو میں مانتی ہوں کب
میں سُن چکی ہوں آپ صدائے نمازِ شب
گرمی سے گو کہ سینوں میں دم اُن کے رُکتے ہیں

قیدی ہیں پر قضا کبھی ہوتی نہیں نماز
آواز میں سُنا نہیں یہ سوز یہ گداز
چھوٹے بڑوں کی عادت طاعت گزاری ہے

قیدی ہے ظاہرا کوئی بیمار و ناتواں
آواز اک ضعیف سی آتی تھی ہر زماں
یہ درد ہے صدا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے ہیں

کرتا ہے جب تلاوتِ قرآں وہ حق کا نور
رشتہ کچھ اُس کو مُصحفِ ناطق سے ہے ضرور
تقریر کیا فصیح ہے کیا خوش بیان ہے

دن بھر تو اُس کو رہتا ہے غش اور دردِ سر
واللہ کیا دُعاؤں کے فقروں میں ہے اثر
شاید کوئی عزیزِ شہِ مشرقین ہے

کہتے ہیں صبر و شکر اسے اللہ رے حوصلہ
جاری ہے صبح و شام عبادت کا سلسلہ
گردن جھکی ہوئی ہے خدا پر نگاہ ہے

سُنتی ہوں ننھے بچے بھی دو چار ہیں اسیر
رونے سے اُس کے لگتے ہیں میرے جگر پہ تیر
دُکھ دے کسی کو یہ نہیں عادت کریم کی

اے سُست رائے قلب کو اتنا بھی کر نہ سخت
رہتے ہیں سر جھکائے ہوئے بار ور درخت
حاکم کو خوف چاہیے قہرِ الٰہ سے

ابرار و حق پرست ہیں قیدی یہ سب کے سب
فاقوں میں بھی وہ کرتے تھے تا صبح شکرِ رب
ماؤں کے ساتھ سجدے میں بچے بھی جھکتے ہیں

رکھتے ہیں پانچوں وقت زمیں پر سرِ نیاز
سجدے میں حق سے کہتے ہیں کچھ اپنے دل کا راز
آٹھوں پہر درود زبانوں پہ جاری ہے

معلوم کچھ نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا جواں
کیا کراہتا ہے سحر تک وہ نیم جاں
رونے پہ اُس کے لوگ محلے کے روتے ہیں

ہوتا ہے لحنِ حضرتِ داؤدؑ کا ظہور
قرآں کے حرف حرف کے معنے پہ ہے عبور
گویا زبان اس کی خدا کی زبان ہے

کرتا ہے نصف شب سے مُناجات تا سحر
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
صوتِ حَسن میں حسن صدائے حسینؑ ہے

شکوہ نہ طوق کا ہے نہ زنجیر کا گلہ
ہر دم رواں ہے چشم سے اشکوں کا قافلہ
لب پر کبھی تو آہ کبھی لا الٰہ ہے

لڑکی بھی کوئی قید ہے رشکِ مہِ منیر
کیا قہر ہے یہ ظُلم غریبوں پہ اے امیرؔ
قرآں میں حق نے کی ہے سفارش یتیم کی

عقبےٰ میں رو سفید ہوا اور سیاہ بخت
ڈر ہے مجھے کہیں نہ اُلٹ جائے تیرا تخت
اکثر گری ہے برق یتیموں کی آہ سے

کرتے ہیں لطف و رحم فقیروں پہ اغنیا
خالق نے اپنے ملک کا حاکم تجھے کیا
زنداں میں قیدیوں کا بہت حال غیر ہے
قاروں کا گنج اور ستم ایجاد کیا ہوا
تھا پہلے وہ جو بانیٔ بے داد کیا ہوا
وہ قبر میں ہیں آج، جو کل تھے رواق میں
گرمی کی فصل اور یہ مکاں تنگ ہائے ہائے
فاقے سے ہوں وہ قید میں اور نعمتیں تو کھائے
دل سے بھلا نہ وعدۂ روزِ نخست کو
کھانے کو میں نہ ہاتھ لگاؤں گی کیسی بھوک
ان کے بغیر مجھ کو یہ کھانا ہو مثلِ خوک
خوش ہوگا حق دلوں کو یتیموں کے شاد کر!
کافر کے گھر کو بھی کبھی لوٹا نہ بعدِ جنگ
جو ہاتھ آیا دے دیا سائل کو بے درنگ
اس بادشاہِ دیں کو نہ کچھ فکر اور تھی
یکساں تھا خلق آپ کا شاہ و فقیر سے
باتیں تھیں پرورش کی یتیم و اسیر سے
ہر شب کو قیدیوں کی خبر لینے جاتے تھے
تھا حالِ فاطمہ بھی علیٰ ہٰذہ القیاس
دنیا میں تھی اگر تو انھیں اک فدک کی آس
دو دن نہ جسمِ پاک میں پوشاکِ نو رہی
ہے آج تک جہاں میں علیؑ کے کرم کا شور
تھا بازوئے رسولؐ میں دستِ خدا کا زور
کی اُس نے کچھ زباں سے شکایت تو ڈر گئے

عقبیٰ میں کام آتا ہے یاں کا لیا دیا!
جز نامِ نیک کون جہاں میں سدا جیا
کچھ خیر کر کہ خیر سے عقبیٰ بخیر ہو
نمرود کس طرف گیا شداد کیا ہوا
فرعونِ بد نہاد سا جلاد کیا ہوا
ڈھونڈو تو خاک بھی نہیں کسریٰ کے طاق میں
اب رحم کر ارے کوئی معصوم مر نہ جائے
پانی تو پیاس میں کوئی جا کر انھیں پلائے
بیمار کو دوا نہ غذا تندرست کو
اُٹھتی ہے بار بار کلیجے میں میرے ہوک
یہ بیکسوں پہ ظلم غریبوں سے یہ سلوک
کیا رحم تھا کرم کو محمدؐ کے یاد کر!
چادر گلے میں ڈال کے کھینچا ہوئے یہ ننگ
عسرت یہی کہ فاقوں میں باندھا شکم پہ سنگ
رانڈوں کی پرورش تھی یتیموں کی غور تھی
بٹھلاتے تھے فقیر کو برتر امیر سے
کرتے تھے سیر انھیں رطب و شہد و شیر سے
دو دن کے بعد نانِ جویں آپ کھاتے تھے
صرفِ رہِ کریم تھا جو کچھ تھا اُن کے پاس
جب چھن گیا تو کرتی تھیں فاقے وہ حق شناس
خود اُٹھ گئیں جہان سے چادر گرو رہی
ہر ایک کی زباں پہ ہے نقلِ فقیرِ کور
پر واہ رے کرم نہ گوارا تھا رنجِ مور
کاندھے پہ رکھ کے مشک ضعیفہ کے گھر گئے

رانڈوں کے وارث اور یتیموں کے تھے مددگار
ہر دم حسینؑ پر یہ تقید تھی اے پسر
راضی نہ اس کے قتل پہ مشکل کشا ہوئے
خلق خدا ہے معترف خلق مجتبیٰ
یادش بخیر ذکر کروں کیا حسینؑ کا
دونوں جہاں میں کیا برکت ایک دم سے ہے
دنیا ہو اور حسینؑ ہیں اس نام کے نثار
ہے بات بات میں کرم شاہ ذوالفقار
جو ہے پیمبروں کی سرشت مشرقین میں
تھی میں بھی فیض صحبت مولا سے بہرہ ور
نیلے نشاں ہیں چاند سے کاندھوں پہ جلوہ گر
اس پر بھی ہر گھڑی یہ دعا ہے اللہ سے
اُس سالک طریق ہدایت کے میں فدا
ناقے تو پیچھے ہوتے ہیں آگے وہ مقتدا
اس سال بھی سنا ہے کہ تشریف لائے ہیں
کیا جانے حج کے بعد سدھائے ہیں وہ کدھر
رہتی ہوں اس خیال میں پہروں میں نوحہ گر
ہے دھوم کچھ دنوں سے جدال و قتال کی
اس خانداں میں کون رہا ہے سوائے شاہ
آگاہ ہوں کہ شاہ سے کینہ تجھے تھا آہ
بیتاب ہوں خیال شہ نیک نام میں
وسواس کا مقام تردد کی ہے یہ جا
پھرتا نہ شک مجھے کوئی ہوتا جو دوسرا
اس نام پاک سے برکت ہے جہان میں

قاتل پہ مرتے مرتے رکھی رحم کی نظر
قیدی کے بھی طعام کی رکھیو ذرا خبر
مشکیں جو باندھ دیں تو حسنؑ سے خفا ہوئے
دریائے فیض ابر کرم منبع سخا
آقا کو دیر گاہ سلامت رکھے خدا
قائم جو ہے زمیں تو انھیں کے قدم سے ہے
فیض نبی تو عصمت خاتون روزگار
اور خلق میں نظیر حسنؑ ہے وہ ذی وقار
ہیں جمع کس قدر حسنات ایک حسینؑ میں
پیدا کیا ہے حق نے عجب طرح کا بشر
لے کر اناج جاتے ہیں خود بیکسوں کے گھر
یارب بچائیو مجھے بار گناہ سے
اکثر سے حج کو آتے ہیں اکثر پیادہ پا
خالق نے اُن پہ ختم کیا زہد و اتقا
کعبے میں اہل بیتؑ بھی ہمراہ آئے ہیں
لونڈی نے پھر سنی نہیں آقا کی کچھ خبر
کعبے میں گھر گئے نہ ہوں سلطان بحر و بر
یارب تو خیر کیجیو زہراؑ کے لال کی
قائم رکھے جہان میں شہ کو مرا اِلٰہ
ہے ہے کہیں نہ ہو کہیں زہراؑ کا گھر تباہ
شہزادیاں اسیر نہ ہوں فوج شام میں
رٹتے ہیں نام لے کے یہ قیدی حسینؑ کا
گر ہے تو اک حسینؑ ہے زہراؑ کا دلربا
عقدے وہ کھول دیتے ہیں سب ایک آن میں

کہیں ہندؔ نے یہ درد کی باتیں جو ایک بار
اللہ رے جوشِ ماتمِ سلطانِ نامدار
خنجر غمِ حسینؑ کا دشمن پہ چل گیا

رو کر پھر اُس سے کہنے لگی ہندِ خوش سیر
گر کہہ تو دیکھ آؤں انھیں جا کے اک نظر
ہیں غیر یا عزیزِ شہِ انس و جاں کے ہیں
ناچار ہو کے ہندؔ سے ظالم نے یہ کہا
واں جا کے اور ہوئے گا تجھ کو قلق سوا
پہلو میں مضطرب تھا دل اُس حق پرست کا

سب عورتوں کو لے کے چلی جب وہ حق شناس
کپڑے یہ ملگجے ہیں بدل ڈالیے لباس
اک دم میں سوگواروں کو میں دیکھ آتی ہوں
میلے ہی کپڑے چاہئیں جب دل پہ ہو ملال
کنگھی وہ کیا کرے کہ پریشاں ہو جس کا حال
جی چاہتا ہے یہ کہ گریبان چاک ہو

لازم ہے بزمِ غم میں عزادار بن کے جائیے
واں وارثوں کا سوگ ہو کپڑے کئے دکھائیے
کپڑے بدل کے رانڈوں میں جانا روا نہیں
نکلی محل سرا سے یہ کہہ کر وہ خوش سیر
پہونچی جنابِ حضرتِ زینبؑ کو یہ خبر
اپنا نہیں خیال بزرگوں کا پاس ہے

ہے شرم کی جگہ کہ میں ہوں خواہرِ امام
ہم ہیں فقیر ہم میں امیروں کا کیا ہے کام
پوچھے جو وہ کسی سے کہ زینبؑ کدھر گئی

ہر قلب پر ستم کی چلی تیغ آب دار
رویا جھکا کے سر کو یزیدِ زبوں شعار
کیا نام میں اثر ہے کہ پتھر پگھل گیا

ہوں بے قرار صورتِ بسمل میں نوحہ گر
شاید انھیں سے شہ کی مفصّل سنوں خبر
دریافت تو کروں کہ یہ قیدی کہاں کے ہیں
جا دیکھ آ انھیں مرا نقصان ہے اس میں کیا
سنتے ہی یہ کلام، اُٹھی ہندِ باوفا
اُٹھتے ہی جلد حکم دیا بندوبست کا

کہنے لگیں یہ تب جو کنیزیں تھیں آس پاس
اُس نے کہا کہ ہے مرے دل پر ہجومِ یاس
کیسا لباس، کیا کسی شادی میں جاتی ہوں
کچھ سوچ ہے مجھے تمھیں کچھ اور ہے خیال
ہے سر کا گوندھنا بھی مجھے اس گھڑی وبال
کپڑے تو سب سیاہ ہوں اور سر پہ خاک ہو

خود رو کے پیٹے بین کرے اور انھیں رلائے
رونا ہے دل مقام ہے عبرت کا ہائے ہائے
اُن میں چلی ہوں جن کے سروں پر ردا نہیں
تھیں ساتھ ساتھ چند خواصیں بھی نوحہ گر
رنگ اُڑ گیا یہ کہنے لگیں سر کو پیٹ کر
ہے ہے کہاں چھپوں وہ مری رو شناس ہے

غمگین و سوگوار و پریشان و تشنہ کام
لوگو بتا نہ دیجو کہیں اُس کو میرا نام
کہہ دیجو کہ بھائی کے ہمراہ مر گئی

رو کر ہر اک سے بانوئے ناشاد نے کہا
کیا حاصل اضطراب ہے قسمت کا جو لکھا
لوگو! خدا کے واسطے چپکے رہو ذرا
رو رو کے سو گئی ہے ابھی میری دلربا
پھر حشر قید خانے میں ہوگا جو روئے گی
چونکی اگر تو صبح تلک پھر نہ سوئے گی

چپ ہو گئے یہ سُن کے اسیرانِ نوحہ گر
جا بیٹھی ایک گوشے میں زینبؑ جھکا کے سر
آئی سواری زنِ حاکم قریبِ در
درباں بھی دُور ہٹ گئے دروازہ کھول کر
وحشت پہ قید خانے کی جس دم نگاہ کی
ہاتھوں پہ ہاتھ رکھ کے خواصوں نے آہ کی

دل ہند کا تو رُندھ گیا تھرا گیا جگر
بولی ٹھہر کے ڈیوڑھی پہ یہ قہر ہے کہ گھر
دیکھا نہیں مکاں کوئی تاریک اس قدر
پوچھو کوئی کسی سے کہ ہیں بیبیاں کدھر
ایسا بھی ظلم کرتا ہے کوئی جہان میں
بندے خدا کے بند ہیں ایسے مکان میں

بڑھ کر کسی کنیز نے تب یہ کیا بیاں
بی بی کوئی اسیروں میں زندہ نہیں ہے یاں
چلیے محل میں آپ بھلا جائیں گی کہاں
قابل نہیں حضور کے جانے کے یہ مکاں
گر غش ہوئے تو آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم سے تو اس خرابے میں جایا نہ جائے گا

آزردہ ہو کے کہنے لگی ہند نوحہ گر
عبرت کا ہے مقام اے لونڈی خدا سے ڈر
آخر جو اس میں قید ہیں وہ بھی تو ہیں بشر
تاراج یوں جہاں میں نہ ہوئے کسی کا گھر
جانے وہی کلیجے پہ جس کے چھُری لگے
ایسی نہ بات کہہ کہ خدا کو بُری لگے

یہ بات کہہ کے آگے بڑھی وہ بصد الم
اک آفتابِ دیں نظر آیا اسیرِ غم
حلقہ گلے میں طوق کا زنجیر میں قدم
بولی ٹھہر کے وہ کہ زہے شوکت و حشم
انساں ہے یہ اندھیرے میں یا شمعِ طور ہے
آئی ندائے غیب کہ خالق کا نور ہے

بڑھتی ہوئی درود گئی جب قریب تر
اللہ رے حُسن کرنے لگی خیرگی نظر
غل عورتوں میں تھا یہ فرشتہ ہے یا بشر
اُترا ہے آسماں سے خرابے میں یا قمر
رُتبے میں ہے بزرگ نسب میں جلیل ہے
ثابت ہے ضُعف سے کہ نہایت علیل ہے

کوئی بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
اے بیکس و اسیر و بلاکش ترے نثار
ہے ہے گلا یہ چاند سا اور طوقِ خاردار
یہ گوری گوری پنڈلیاں زنجیر سے فگار
لوگو! بزرگ اُس کے مقرر اسیر ہیں
گویا جنابِ یوسفِ کنعاں اسیر ہیں

بولی کوئی کہ عابد و زاہد ہے یہ جواں گھستا جبیں پہ کثرتِ طاعت کا ہے نشاں
ایماں کا نور چہرۂ انور سے ہے عیاں دیکھا نہیں حیا سے کہ ہیں کون بیبیاں
برحق شریف قوم یہ گردوں اساس ہے اشراف کو ہر ایک کی حرمت کا پاس ہے
جو غیر کی طرف نہ حیا سے کرے نظر ماں بہنیں ایسے شخص کی ہووے ہیں ننگے سر
یہ خیر ہووے جس کی طبیعت ہو اُس سے شر ٹوٹے غضب خدا کا لعینوں کی جان پر
تقویٰ پہ اُس کے عفّت و عصمت گواہ ہے قرآن ہم اُٹھا لیں کہ یہ بے گناہ ہے

افسوس ایسے بندۂ صالح پہ یہ تعب زنداں میں کاٹتا ہے تڑپ کر تمام شب
بستر زمیں کا اور یہ تن زار ہے غضب آنکھیں جو بند ہیں یہ نقاہت کا ہے سبب
ہے خامشی دلیل عبادت کے شوق کی گردن جھکی ہوئی ہے گرانی سے طوق کی
باتیں یہ کر کے بی بیاں روتی تھیں زار زار سینے میں تھا مگر نہ دلِ ہند کو قرار
کہتی تھی دیکھ کر رُخِ اقدس کو بار بار کس ملک کا رئیس ہے یارب ذوی وقار
آنکھوں میں صاف پھرتی ہے صورت امام کی تصویر ہے حسینؑ علیہ السّلام کی

آخر دبا کے پاؤں یہ بولی وہ نیک نام اُٹھیے کہ دیر سے میں کھڑی ہوں پئے سلام
بولے یہ آنکھیں کھول کے مولائے خاص و عام اس بےکس و یتیم و بلاکش سے کیا ہے کام
ہجرِ پدر میں تلخ ہے لذّت حیات کی طاقت نہ آنکھیں کھولنے کی ہے نہ بات کی
بولی یہ ہند کب سے علالت ہے میں نثار فرمایا ساتویں سے محرّم کے ہے بخار
اُس نے کہا طبیب کو دکھلاؤ حالِ زار فرمایا خیر شافیِ مطلق ہے کردگار
راضی ہیں اُس پہ ہم جو رضائے حبیب ہے دی ہے یہ تپ اُسی نے جو سب کا طبیب ہے

رنج و بلا کو لطفِ خدا جانتے ہیں ہم دُکھ میں کراہنے کو گلا جانتے ہیں ہم
ہر دردِ جانستاں کو دوا جانتے ہیں ہم عارض ہو عارضہ تو شفا جانتے ہیں ہم
کچھ غم نہیں مرض سے اگر حال غیر ہے صحت ہماری یہ ہے کہ عقبےٰ بخیر ہے
ایذا کو چین، رنج کو راحت سمجھتے ہیں شیریں کو تلخ شور کو لذّت سمجھتے ہیں
صابر ہیں نانِ جَو کو بھی نعمت سمجھتے ہیں مرنے کو راہِ حق میں سعادت سمجھتے ہیں
عسرت ہو دکھ ہو قید ہو فاقہ کشی رہے دولت یہی بڑی ہے کہ خالق خوشی رہے

یہ ذکر سُن کے رونے لگیں ہندِ باوفا
کی عرض کیا ہے اسم مبارک حضور کا
گردن جھکا کے قبلۂ چارم نے یہ کہا
بیکس اعزّہ مُردہ گرفتار و بےنوا
کیا پوچھتی ہے نام و نشاں خاکسار کا!
اک بندۂ حقیر ہوں پروردگار کا

زیبا ہے نام پاک پئے خالقِ ودود
روزی رسانِ عالمیاں واجب الوجود
جو معرضِ فنا میں ہیں کیا اُن کی ہست و بود
قطروں کی کیا بساط حبابوں کی کیا نمود
در پیش منزلِ لحدِ خوفناک ہے
آغاز اپنا خاک ہے انجام خاک ہے

تھے مرتضےٰ علی کے جہاں میں بہت خطاب
شیرِ خدا امیرِ عرب مالکِ الرقاب
کارہ تھا پر ترقّیٔ ظاہر سے وہ جناب
ہوتے تھے شاد کہتا تھا جو اُن کو بوتراب
جس کو فروتنی ہے وہی سربلند ہے
خالق کو خاکساریٔ انساں پسند ہے

اُس نے کہا بتایئے والد کا اپنے نام
فرمایا فاقہ کش وطن آوارہ تشنہ کام
مقتولِ نیزہ و تبر و خنجر و حُسام
جس کو ملا نہ پیاس میں پانی کا ایک جام
بے گور و بے کفن جسدِ پاش پاش ہے
سر یاں ہے کربلائے معلّیٰ میں لاش ہے

پوچھا وطن کو اُس نے تو بولے شہِ زمن
دارِ فنا مقامِ فنا منزلِ محن
بیٹھے فقیر تھک کے جہاں ہے وہی وطن
بے خانماں اسیر و پریشان و خستہ تن
پردیس میں تباہ ہوئے شہر چھُٹ گیا
جنگل میں ہم بھی لُٹ گئے اور گھر بھی لُٹ گیا

اُس نے کہا کہ طوق سے ہوئے گا دم فنا
فرمایا جس میں خالقِ کونین کی رضا
گھٹتا ہے گر گلا تو کچھ اس کا نہیں گلا
بندے ہیں امرِ حق میں ہمیں اختیار کیا
صابر ہیں غیر شکرِ خدا کیا سخن کریں
ہم وہ نہیں کہ شکوۂ طوق و رسن کریں

وہ بولی اور بھائی بھی کیا تھے مہِ مُنیر
فرمایا ہاں جوان تھا اک اور اک صغیر
جُرأت میں بے عدیل تھے صورت میں بے نظیر
دونوں کو تین روز نہ پانی ملا نہ شیر
اعدا کو دشمنی تھی صغیر و کبیر سے
برچھی سے ایک قتل ہوا ایک تیر سے

غش ہو گئے یہ کہہ کے امامِ فلک اساس
تھرّا کے واں سے آگے بڑھی ہند بے حواس
پہونچی ٹھہر ٹھہر کے جو سیدانیوں کے پاس
رانڈوں کی شان دیکھ کے بولی وہ حق شناس
چہرے سبھوں کے غیرتِ خورشید و ماہ ہیں
گویا کہ اہلِ بیتِ رسالت پناہ ہیں

پیدا ہے ان کی شان سے سیدانیوں کی شان
ظاہر ہے صبر و شکر سے سادات کا نشاں
یا ہاشمی ہیں یا علوی ہیں خستہ جاں
کس میں یہ معرفت کے سخن اور یہ بیاں
یہ لاکھ گر چھپائیں تو کب مانتی ہوں میں
خوشبو کو اہلِ بیت کی پہچانتی ہوں میں

مٹی میں گو بھرے ہوئے ہیں ان کے رخ پاک
چھپتا ہے کوئی چاند پہ ڈالے ہزار خاک
ہر چند ہیں صعوبتِ زنداں سے سب ہلاک
روشن ہے قید خانۂ تاریک و ہولناک
میں کس طرح کہوں کہ یہ آلِ عبا نہیں
ہاں! فرق اتنا ہے کہ سروں پر ردا نہیں

چہروں کی آب و تاب پہ لوگو کرو تو غور
دیکھا ہے قیدیوں کا کسی نے کبھی یہ طور
بازو ہیں ایک رسی میں ہے یہ ظلم و جور
بچے بھی ہیں بندھے ہوئے دیکھو ستم ارے
مٹی میں مل گیا یہ چمن وا مصیبتا
ان گوری گردنوں میں رسن وا مصیبتا

آکر قریب کہنے لگی ہند خوش خصال
اے بی بی ہٹا دو ذرا رخ سے اپنے بال
مجھ سے تو کچھ بیان کرو اپنے دل کا حال
کھیتی تمھاری ہو گئی کس بن میں پائمال
کیوں لے گئے عدو تمھیں بلوائے عام میں
کس جرم پر اسیر ہوئے ملکِ شام میں

سنتی ہوں میں مدینے میں ہے آپ کا وطن
للہ کچھ کہو خبرِ سرورِ زمن
ہیں خیریت سے حضرت شبیر کی بہن
زندہ رکھے جہاں میں انھیں ربِ ذوالمنن
وہ بی بی روحِ بنت رسالت پناہ ہے
عصمت پہ جس کی خالق اکبر گواہ ہے

کیوں بی بیو بتاؤ خدا کے لیے ذرا
ہے خیر سے مدینے میں فرزند مرتضےٰ
سنتی ہوں اب جوان ہیں ہمشکلِ مصطفےٰ
سرسبز رکھے باغ جہاں میں انھیں خدا
شہرت ہے ابنِ فاطمہ زہرا کے ماہ کی
حسرت تو شہ کو ہوئے گی اکبر کے بیاہ کی

حق سے یہی ہے شام و سحر اب مری دعا
آقا مرے جہاں میں سلامت رہیں سدا
اکبر کا سہرا بانو کو دکھلائے اب خدا
گھر میں بہو کو لائے جگر بند مصطفےٰ
ارمان نکلے بادشہِ مشرقین کا
آباد گھر ہو فاطمہ کے نور عین کا

جب ہند ختم کر چکی رو رو کے یہ کلام
بانو کے پاس آکے یہ بولی وہ نیک نام
صدقے گئی بتائیے کیا آپ کا ہے نام
للہ کچھ کہو میں ہوئی جاتی ہوں تمام
زنداں میں سب اسیروں کی سردار آپ ہیں
اب قیدیوں کی قافلہ سالار آپ ہیں

بانو نے اُس سے پھر یہ کہا تھام کر جگر
زینبؑ کو پھر بتا کے یہ بولی بچشم تر
تو دل میں جانتی ہے کہ ان کی عزیز ہوں
وہ بولی کے ہیں آپ کے فرزند خوش سیر
تیر و سناں سے قتل ہوئے رن میں دو پسر
ٹکڑے جگر کے صدمۂ فرقت سے ہوتے ہیں
یہ سُن کے ہند رونے لگی تب بہ اشک و آہ
رُخ سے ہٹائے بال تو حالت ہوئی تباہ
ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے
کہنے لگی یہ ہند سے زینبؑ جگر فگار
اے ہند اُن کا نام نہ لے بہر کردگار
اعدا تو مجھ کو لے گئے بلوائے عام میں
وہ شاد کام اور میں بے کس جگر فگار
بلوے میں لے گئے مجھے اعدا بحالِ زار
وہ بی بی پردہ دار ہے اور خوش خصال ہے
یہ سُن کے بے قرار ہوئی ہند خوش خصال
اے میری شاہزادی چھپاؤ نہ مجھ سے حال
تم کو قسم ہے فرقِ شہِ مشرقین کی
یہ کہہ کے پیٹنے جو لگی ہند با وقار
چلائیں سر کو پیٹ کے باچشمِ اشکبار
پانی دیا نہ سبطِ رسالت پناہ کو
اے ہند کیا کہوں خبر شاہ تشنہ لب
مطلق ڈرا نہ خالقِ اکبر سے بے ادب
رونے نہ پائے ماتمِ شاہِ شہید میں

ہم قیدیوں کے نام ہیں مظلوم و نوحہ گر
بی بی یہ جو کہ روتی ہیں نہوڑائے اپنا سر
مختار۔ یہ مری ہیں میں ان کی کنیز ہوں
فرمایا رو کے لُٹ گیا بی بی ہمارا گھر
زنداں میں اک اسیر ہے مظلوم و نوحہ گر
جو گود میں پلے تھے وہ جنگل میں سوتے ہیں
پھر مُڑ کے روئے حضرت زینبؑ پہ کی نگاہ
بے ساختہ کہا کہ زہے قدرتِ آلہ
زینبؑ تمہیں ہو خالقِ اکبر گواہ ہے
کیوں فالِ بد نکالتی ہے مُنھ سے بار بار
نسبت نہ اُن سے دے کہ وہ ہے فاطمہؑ کا
دشمن نہ اُن کے قید ہوں زندانِ شام میں
آباد وہ ہیں اور میں زنداں میں سوگوار
باہر کنیز اُن کی نہیں نکلی زینہار
زینبؑ میں ہی ہوں یہ ترا بے جا خیال ہے
دیکھا بغور رُخ تو یہ بولی بصد ملال
زینبؑ تم ہی ہو خواہرِ شبیرؑ باکمال
جلدی کہو خبر مرے آقا حسینؑ کی
فرطِ قلق سے دل ہوا زینبؑ کا بے قرار
اے ہند کٹ گیا سرِ شبیرؑ نامدار
حاکم نے بے گناہ کیا قتل شاہ کو
ہنگامِ عصر کٹ گیا زہراؑ کا باغ سب
چوبِ یزید اور لبِ شبیرؑ ہے غضب
سر ننگے لے گئے ہمیں بزمِ یزید میں

کیا پوچھتی ہے تو خبرِ شاہِ بحر و بر
باندھا درخت میں کبھی خولی نے بے خطر
یاں تک تھی دشمنیٔ سپہِ بد خصال کو
اے ہند رن میں شاہ کے یاور ہوئے شہید
بن بیاہے دشت میں علی اکبر ہوئے شہید
مرجھا کے فاطمہؑ کی نہ کھیتی ہری ہوئی
میداں میں بے کفن ہے ابھی لاشِ شاہِ پاک
وا حسرتا وہ گرم ہوا اور وہ فرشِ خاک
چہلم تلک ہوا نہ سرِ مشرقین کا
منگوایا ہند نے جو سرِ شاہِ بحر و بر
جب سر پہ شاہِ دیں کے سکینہؑ نے کی نظر
دنیا سے تشنہ کام سفر کر گئے حسینؑ
پھر سر کو پیٹتی ہوئی دوڑی وہ سوگوار
منہ رکھ کے منہ پہ شہ کے جو روئی وہ دل فگار
دنیا میں اس کی زیست کا نقشہ بدل گیا
بانو نے سر کو پیٹ کے تب یہ کیا بیاں
اے نورِ عین بس نہ کرو نالہ و فغاں
بچھڑے ہیں کب سے بادشہِ مشرقین سے
اٹھی یہ کہہ کے بانوئے بیکس برہنہ سر
زینبؑ کو پھر دکھا کے یہ بولی بہ چشمِ تر
زنداں کے تھے وہ ظلم کہ عاجز تھی جان سے
بی بی تمہاری ننھی سی میت کے میں نثار
جی بھر کے تجھ کو دیکھ لے مادر جگر فگار
فرصت کبھی نہ ہو گی ہمیں شور و شین سے

فرقِ حسینؑ تھا کبھی نیزے پہ جلوہ گر
لٹکا درِ یزید پہ سبطِ نبیؐ کا سر
پتھر لگائے راہ میں زہراؑ کے لال کو
عباسؑ قتل ہو گئے اصغرؑ ہوئے شہید
شبیرؑ کا لال اور مرے دلبر ہوئے شہید
بچوں سے گود ہو گئی خالی بھری ہوئی
ہے ہے وہ اوس اور وہ میدان ہولناک
کس طرح دل نہ ہو مرا سینے میں چاک چاک
اب تک پڑا ہے دھوپ میں لاشہ حسینؑ کا
مجرے کو اٹھ کھڑے ہوئے قیدی بہ چشمِ تر
چلائی رو کے ہائے غضب مر گئے پدر
لو مجھ پہ اب یہ راز کھلا، مر گئے حسینؑ
دامن میں لے لیا سرِ شبیرؑ نامدار
صدمہ ہوا نکلنے لگی تن سے جانِ زار
جنبش ہوئی لبوں کو بس اور دم نکل گیا
بس! مل چکیں حسینؑ سے قربان جائے ماں
ایسا نہ ہو کہ گھٹ کے نکل جائے تن سے جاں
ہم بھی تو ملیں فاطمہؑ کے نورِ عین سے
دیکھا پڑی ہے خاک پہ بے جان وہ نوحہ گر
بچی کو میری لے گئے سلطانِ بحر و بر
افسوس! چل بسی مری بچی جہان سے
منہ سے اٹھاؤ کرتے کا دامن پھر ایک بار
اماں کو اپنے پاس بلا لو تو ہو قرار
تم یاں سے جا کے قبر میں سوؤ گی چین سے

ہے ہے اُٹھائے قید میں کیا کیا نہ رنج و غم
باندھا گلے کو شمر نے رسّی سے ہے ستم
بابا کو یاد کرکے جو روتی تھیں دم بدم
دیتے تھے گھرکیاں تھیں یہ بانیِ ستم
زخمی ہیں کان پھولوں سے عارض کبود ہیں
اب تک نشاں طمانچوں کے رُخ پر نمود ہیں

بی بی خدا پہ خوب ہے روشن ہمارا حال
چادر تلک نہیں ہے چھپاؤں جو سر کے بال
کس طرح دوں کفن تجھے اے میری خرد سال
نادار ہوں میں پاس نہ دولت ہے اور مال
تنگِ الم سے شیشۂ دل پاس پاش ہے
دو گز کفن کے واسطے محتاج لاش ہے

ہوتا جو واری پاس مرے کچھ بھی مال و زر
تُربت بناتی ننھی سی میں سوختہ جگر
تابوت پر میں باندھتی سہرا بہ چشم تر
جو پوچھتا تو بس یہی کہتی میں نوحہ گر
میّت یہی ہے بنتِ شہِ مشرقین کی
دُنیا سے آج اُٹھ گئی عاشق حسینؑ کی

بس اے انیس بزم میں ہے گریہ و بکا
وقتِ دُعا ہے خالقِ اکبر سے کر دُعا
یارب بحقِ احمدؐ و زہراؑ و مجتبیٰؑ
دکھلادے جلد روضۂ سُلطانِ کربلا
دم لب پہ ہے زیارتِ مولا نصیب ہو
بیمارِ غم کو قُربِ مسیحا نصیب ہو

رُباعی

لائق تیرے کس نے کی عبادت تیری
مجرم پہ بھی ہردم ہے عنایت تیری
دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی
عصیاں میرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

رُباعی

مڑ کر کب اِدھر اُدھر دیکھوں میں
حیراں ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو۔ فلک ہو کہ زمیں
تو ہی تو ہے۔ جدھر جدھر دیکھوں میں

مرثیہ

بند ۳۶

دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی
بے تاب ہیں بے صبر ہیں جی کھوتے ہیں قیدی
منھ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی
بچوں کو لیے گودیوں میں روتے ہیں قیدی
فاقوں میں کھڑے ہونے کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستم گاروں کی لرزہ ہے بدن میں

دل ہول کے مارے نہیں سینوں میں سماتے
ہیں خاک بھرے بالوں سے چہروں کو چھپاتے
زینبؑ کا یہ عالم ہے کہ ہیں غش پہ غش آتے
سہمے ہوئے بچے ہیں یہ ماؤں کو سناتے
دم ہونٹوں پہ ہے قید کی ایذا و محن سے
کیا گردنیں پھر باندھیں گے جلاد رسن سے

جی ڈرتا ہے اماں ہمیں گودی میں چھپا لو
کپڑا کچھ اُڑھا کر ہمیں چھاتی سے لگا لو
سُن لے نہ کوئی مُنھ سے سُخن کچھ نہ نکالو
سجادؑ کہاں ہیں اُنھیں پاس اپنے بُلا لو
مارے نہ طمانچے کوئی یہ خوف بڑا ہے
دروازے پہ شمرِ ستم ایجاد کھڑا ہے

تھا شور کہ اے قیدیو! دربار میں جاؤ
کیا بیٹھے ہو زنداں میں قدم جلد اُٹھاؤ
خالق نے کیا رحم اب آنسو نہ بہاؤ
حلقے رسنِ ظلم کے ڈھیلے کریں آؤ
حاکم کو دُعا دو کہ تمھیں شاد کرے گا
اب قتل نہیں کرنے کا آزاد کرے گا

سُن کر یہ سُخن کہنے لگی زینبؑ ناچار
اک بار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہگار
کیا کام ہے اب کیوں ہے بُلایا سرِ دربار
نے سر پہ ردائیں ہیں نہ ہے طاقتِ رفتار
لے جاؤ نہ بلوے میں اسیرانِ ستم کو
گھُل گھُل کے اسی قید میں مر جانے دو ہم کو

میں سوگ میں ہوں کیسی خوشی کیسی رہائی
کس سے ملوں گی چھوٹ کے جیتے نہیں بھائی
ماں جائے نے گردن تہِ شمشیر کٹائی
بھائی سے تو اب تا بہ قیامت ہے جدائی
کیا لُطف چھُٹے قید سے گر پیاروں کو کھو کر
دکھلاؤں گی صورت کسے بن بھائی کی ہو کر

مشہور ہوں میں فاطمہؑ کے لال کی شیدا
اب قید کا غم ہے نہ رہائی کی تمنا
چرچا ہو کہ دُنیا سے سفر کر گئی زینبؑ

جب وہ نہ ہوئے قید سے چھوٹی بھی تو پھر کیا
مر جاؤں میں زنداں ہی میں تو رہ جائے پردا
چہلم نہ ہوا بھائی کا اور مر گئی زینبؑ

مارے گئے عباسؑ دلاور مرے آگے
بھائی کے چلا حلق پہ خنجر مرے آگے
غم کھاتی ہے اور خون جگر پیتی ہے زینبؑ

دنیا سے گئے اکبرؑ و اصغرؑ مرے آگے
خالی ہوا زہراؑ کا بھرا گھر مرے آگے
وہ شیر تو مارے گئے اور جیتی ہے زینبؑ

بتلاؤ خوشی چھوٹنے کی قید سے اب کیا
قاسمؑ ہیں کہ دکھلائیں گے آکر مجھے سہرا
لاشے بھی ابھی تک نہیں پیاروں کے گڑے ہیں

بیٹے ہیں کہ پھر جن سے ہو ملنے کی تمنا
اکبرؑ ہیں جنھیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو کلیجا
آباد تھا گھر جن سے وہ جنگل میں پڑے ہیں

جو بھائی کے مرنے سے ستم میں نے اُٹھائے
تیر مرے شانوں میں لعینوں نے چبھائے

دشمن کو بھی یہ ظلم نہ اللہ دکھائے
بازو مرے باندھے مجھے دربار میں لائے

بھائی کی عزادار ہوں اور خستہ جگر ہوں
کہہ دو مجھے دربار میں حاکم نہ بُلائے
گر قتل ہو منظور تو قاتل یہیں آئے
فکرِ غم و اندوہ سے آزاد ہو زینبؑ

عاشورِ محرم سے ہیں اب تک کھلے سر ہوں
خلقت کو دوبارہ نہ مری شکل دکھائے
موجود ہوں خنجر مری گردن پہ پھرائے
سر اس تن سے جُدا ہو تو بہت شاد ہو زینبؑ

فرمانے لگے رو رو کے تب عابدِ بیمار
کیا بس ہے اسی طرح چلو پھر سرِ دربار
کب سے نہیں کی سبطِ پیمبرؐ کی زیارت

اس وقت پھوپھی جان مناسب نہیں تکرار
دیکھیں تو کہ کیا کہتا ہے اب حاکمِ غدار
شاید ہو میسر سرِ سرور کی زیارت

رو کر کہا زینبؑ نے جو مرضی تری پیارے
سُن کر یہ سخن خاک سے قیدی اُٹھے سارے
نورانی بدن گردِ غریبی سے اَٹے تھے

مختار ہو تم اب تو ہوں میں گور کنارے
پر سب کے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے

اس حال سے پہونچے جو وہ بیکس سرِ دربار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوق گراں بار
صدمے سے جو اشکِ شہِ خوش خو نکل آئے

تعظیم کو مسند سے اُٹھا حاکمِ غدار
گردن کو جھکا رونے لگے عابدِ بیمار
اُس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

بعد اُس کے یہ عابدؑ سے لگا کہنے وہ جلّاد
محجوب نہایت ہوں میں اے سیدِ سجاد
تھا دشمنِ شہ ابنِ زیادِ ستم ایجاد
میں خانۂ زہراؑ کو نہ کرتا کبھی برباد
بے کس کے ستانے میں مجھے فائدہ کیا تھا
لیکن وہ ہوا جو کہ مقدر میں لکھا تھا

عابدؑ نے کہا گو کہ ہیں ہم بے سر و ساماں
پر یہ نہیں منظور کہ لیں غیر کا احساں
سب مشکلیں بندوں کی خدا کرتا ہے آساں
چھٹنے کی خوشی ہے نہ وطن جانے کا ساماں
اک گھر دے وہاں ماتمِ شبیرؑ کریں ہم
سامانِ عزائے شہِ دلگیر کریں ہم

بابا جو ہوئے قتل تو ہم قید میں آئے
اعدا کی تقیّہ تھی کوئی غل نہ مچائے
آنکھیں ہمیں دکھلائیں اگر اشک بہائے
جی بھر کے کبھی باپ کو رونے نہیں پائے
ناموسِ نبیؐ خوف سے اک دم نہیں روئے
زنداں میں بہن مر گئی اور ہم نہیں روئے

اور دوسرے ہیں آلِ نبیؐ با سرِ عریاں
لوٹا ہوا اسباب منگا دے ہمیں اس آن
میں اپنے بزرگوں کے تبرک کا ہوں خواہاں
بس اب یہی ہم بے سر و سامانوں کا ساماں
حیدرؑ کا عمامہ ہے محمدؐ کی عبا ہے
اور کہنہ سی اک فاطمہ زہراؑ کی ردا ہے

لوٹا ہوا اسباب جو حاکم نے منگایا
تب شمر لباسِ شہِ دیں کشتی میں لایا
سجادؑ کا دل سینے میں اُس وقت بھر آیا
سر پیٹ کے یہ زینبِؑ بے کس نے سنایا
اس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو!
بھائی کے مجھے خون کی بو آتی ہے لوگو

ہے ہے مجھے پوشاک برادر کی دکھا دو
پیراہنِ شبیرؑ کی بو مجھ کو سنگھا دو
عمامۂ گلگوں مری آنکھوں سے لگا دو
عابدؑ نے کہا جلد یہ پوشاک چھپا دو
واللہ ابھی جی سے گذر جائے گی زینبؑ
ان کپڑوں کو دیکھے گی تو مر جائے گی زینبؑ

حاکم نے جو دیکھی شہِ مظلوم کی پوشاک
ٹکڑے تھا ہر اک جا سے وہ ملبوس تہِ خاک
عابدؑ سے یہ تب کہنے لگا حاکمِ سفّاک
یہ رختِ کہن پہنے تھے سبطِ شہِ لولاک؟
حیرت ہے مجھے جامۂ شاہِ شہدا پر
دعوے تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پر؟

رو کر کہا عابدؑ نے کہ او حاکمِ غدّار
معراج میں پہنے تھے اسے احمدِ مختار
ایسی نہ تھی واللہ قبائے شہِ ابرار
یہ تیروں کے اور نیزوں کے روزن ہیں نمودار
تلواروں سے ٹکڑے جسدِ پاک ہوا ہے
یوں ہی مرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے

اکبرؑ کی جو پوشاک تھی تر خون سے ساری
مشکل پہ میسر ترے شملے کے میں واری
طے کر کے بہت جلد یہ منزل گئے بیٹا
کپڑے سحرِ قتل کے بدلے تھے جو دلبر
وہ چاند سے رخسار وہ گیسوئے معنبر
اب سمجھی! کہ دولت مری کھونے کو چلے ہو

شملے کو اُٹھانے جو گئی بانوئے غم خوار
لپٹا کے کلیجے سے پکاری بدلِ زار
مارے گئے دامن میں شہِ تشنہ گلو کے
کچھ حال مجھے دردِ گلو کا نہ سنایا
مادر نے تو اُجلا تمہیں کرتا تھا پنہایا
پیکاں کے نکلنے کا جو دکھ تم نے سہا ہے

صدقے گئی آباد کیا باپ کا پہلو
تھی شب کو بہت دودھ کے پینے کی تمہیں خو
مجھ کو تو جدائی تری تڑپاتی ہے اصغرؑ
اک کشتی میں تھا رانڈوں کا لوٹا ہوا زیور
تب پیٹ کے چھاتی یہ لگی کہنے وہ مضطر
زنداں سے سوئے خلد سفر کر گئی ہے ہے

زخمی ہوا ہے ہے اسی بُندے کیلئے کان
دن رات تھا بابا کی نشانی کا تمہیں دھیان
ہاں تم کو کہاں ڈھونڈھنے اب جائے سکینہ
جب دے چکا لوٹا ہوا اسباب ستمگر
اور حضرت زینبؑ سے کہا اوڑھ لو چادر
ہے چاک گریبانِ علیؑ بیٹے کے غم میں

دیکھا جو اُسے بانوئے بیکس یہ پکاری
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر تمہاری
کپڑے تو ہیں اور خاک میں تم مل گئے بیٹا
کیسے ہی یہ قامت کو بھلے لگتے تھے اکبرؑ
دولھا سے بنے خیمے سے تم نکلے تھے باہر
تم! قبر کی آغوش میں سونے کو چلے ہو

اصغرؑ کا شلوکا نظر آیا اُسے اک بار
اصغرؑ ترے کُرتے پہ فدا ماں جگر افگار
ننھے سے گریباں میں دھبے ہیں لہو کے
چپکے رہے اور تیرِ ستم حلق پہ کھایا
دودھ اُس پہ ہے کیا ہچکیاں لے لے کے گرایا
ہے ہے یہ مرا دودھ لہو ہو کے بہا ہے

ویراں مری گودی ہوئی اے اصغرؑ مہرو
اُٹھ اُٹھ کے یہ ماں ڈھونڈھتی ہے راتوں کو ہر سو
مجھ بن تمہیں کس طرح سے نیند آتی ہے اصغرؑ
پازیب بھی کبریٰ کی سکینہ کا تھا گوہر
ہے ہے مری بچی ترے قربان یہ مادر
گوہر یہ پنھاؤں کسے تو مر گئی ہے ہے

کیا قید سے تھا چھوٹنے کا بی بی کو ارمان
گوہر مرے دلوادو یہی کہتی تھیں ہر آن
گوہر تو ملا تم نہ ملیں ہائے سکینہؑ
عابدؑ سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پہ
عابدؑ نے کہا سر پہ عمامہ رکھوں کیونکر
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے الم میں

ملبوس نہ درکار ہے اب نے زر و زیور
بہر حسنؑ و حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ
منگوا دے مجھے میرے پدر کا سرِ انور
تا دفن کروں قبر میں لاشے سے ملا کر
بابا سا بھی میرا کوئی مظلوم نہیں ہے
جس کا سرِ پُرنور کہیں لاش کہیں ہے

سُن کر یہ سُخن کہنے لگا حاکمِ بے پیر
سب کچھ دیا پر ایک نہ دوں گا سرِ شبیرؑ
جو شیر کہ بی بی کے پلا فاطمہؑ کا شیر
طاقت ہے کہ کوئی اُسے کرتا تہِ شمشیر
کچھ اور نہیں بعدِ ظفر ہاتھ لگا ہے
زر میں نے لُٹایا ہے تو سر ہاتھ لگا ہے

سجادؑ نے فرمایا کہ او کاذب و مکار!
وہ عُذر ابھی تھا ابھی یہ کرتا ہے گُفتار
خود تو نے کیا قتل کا شبیرؑ کے اقرار
خونِ شہدا ہے تری گردن پہ ستمگار
اُس دن تجھے محجوب یہ بے داد کرے گی
جب فاطمہؑ اللہ سے فریاد کرے گی

حاکم نے بگڑ کر کہا جلاد کو لاؤ
سجادؑ حزیں کو تہِ شمشیر بٹھاؤ
زینبؑ نے کہا یا اسد اللہ اب آؤ
بابا! مرے بیمار بھتیجے کو بچاؤ
کیسا ہے عیاں زور ولایت نہیں کرتے
صدقے گئی پوتے کی حمایت نہیں کرتے

تلوار کو کھینچے ہوئے آیا جو ستمگار
سجادؑ سے لپٹے حرمِ احمدِ مختار
آوازِ یداللہ یہ پیدا ہوئی اک بار
کیوں! تخت اُلٹ دوں ترا او ظالمِ غدار
قائم رہی دُنیا کی بنا جس کے قدم سے
اب اُس کا گلا کاٹتا ہے تیغِ دو دم سے

سُن کر یہ صدا کانپ گیا حاکمِ اظلم
عابدؑ کو دیا اُس نے سرِ سرورِ عالم
بیٹے نے لیا باپ کا سر ہاتھ میں جس دم
دربار سے قیدی چلے کرتے ہوئے ماتم
دل غم سے انیسؔ جگر افگار تپاں ہے
دفنِ شہدا لکھنے کی اب تاب کہاں ہے

رُباعی

دیں داروں نے امن کفر و شر سے پایا
کعبے نے شرف اپنے گھر سے پایا
ہاتھوں پہ علیؑ کو دے کے احمدؐ نے کہا
یہ دُرِّ نجف خدا کے گھر سے پایا

مرثیہ ۲۸

بند ۱۲۶

خورشید حقیقت رخِ زیبائے علیؑ ہے
معراج امامت قدِ بالائے علیؑ ہے
ایماں جسے کہتے ہیں تولائے علیؑ ہے
اکسیر جو ہے خاک کفِ پائے علیؑ ہے
ہے نام رقم عرش پہ ہم نامِ خدا کا
کیا مرتبہ ہے زوجِ بتولِ عذرا کا

کہتے ہیں جسے عرش وہ ہے منزلِ حیدر
خلوت گہِ خلاقِ جہاں ہے دلِ حیدر
ہر حال میں ہے قدرتِ حق شاملِ حیدر
ہے نورِ خدا روشنیِ محفلِ حیدر
وہ حجتِ خالق ہے چراغِ رہِ دیں ہے
پروانہ اُسی شمع کا جبریلِ امیں ہے

وہ گل ہے کہ جس سے چمنِ دیں کو ہو رونق
معنیِ کلامِ حق اُسی سے ہیں محقق
شمشیر سے اس کی جگرِ کفر ہوا شق
ہے بعد محمدؐ کے علیؑ ہادیِ بر حق
اللہ رے شرف ختم ہے یہ رتبہ علیؑ پر
کعبے میں دھرا اُس نے قدم دوشِ نبیؐ پر

بے فصل وہی بعدِ نبیؐ صدر نشیں ہے
انگشتریِ پیغمبرؐ خاتم کا نگیں ہے
گنجینۂ اسرارِ الٰہی کا امیں ہے
وہ کعبۂ دیں قبلۂ اربابِ یقیں ہے
کرتے ہیں ملک فخر کراماتِ علیؑ پر
ہے عرشِ معلّیٰ کو شرف ذاتِ علیؑ پر

کرسی نے بھی پایا ہے اُسی شاہ سے پایا
خورشید اُسی کے رخِ انور کا ہے سایا
اوصافِ علی لکھنے کو جس وقت جھکایا
سر لوح سے تا دیر قلم نے نہ اُٹھایا
لکھا کہ ہر اک سرِ خفی اس پہ جلی ہے
اللہ کا عاشق ہے محمدؐ کا وصی ہے

تحقیق کہ وہ شاہِ دو عالم ازلی ہے
روشن ہے کہ شمعِ حرمِ لم یزلی ہے
قرآں سے ہے ثابت کہ خدا کا وہ ولی ہے
یہ اُس کی بزرگی کے لئے نصِ جلی ہے
پوشیدہ نہیں مرتبہ ظاہر ہے علیؑ کا
خارج ہے وہ ایماں سے جو منکر ہے علیؑ کا

تھا تارکِ لذاتِ جہاں شاہِ ولایت
جز نانِ جویں تھی نہ کسی کھانے سے رغبت
مسکینوں سے اُلفت تھی فقیروں سے محبت
اندھوں کی ضعیفوں کی کیا کرتے تھے خدمت
دے آنا کھلا آنا یہ کام آٹھ پہر تھے
رانڈوں کے تو وارث تھے یتیموں کے پدر تھے

مغموموں کے مظلوموں کے گھر آپ پہنچ جاتے
اور ہاتھ سے اپنے انھیں کھانا تھے کھلاتے
سر اپنے شفقت سے کبھی پاؤں دباتے
آہستہ اُٹھاتے انھیں آہستہ بٹھاتے
عسرت میں فقیروں کو کھلا آتے تھے اکثر
ننگوں کو ردا اپنی اُڑھا آتے تھے اکثر

جو شہرِ علوم شہِ لولاک کا ہے در
واللہ وہ حیدر ہے وہ حیدر ہے وہ حیدر
وہ قاتلِ عنتر ہے وہ ہے فاتحِ خیبر
قبضے میں اُسی شاہ کے ہے تیغِ دو پیکر
حائل کبھی ہوتے نہ جو پر روحِ امیں کے
اک دم میں گزر جاتی وہ طبقے سے زمیں کے

تھی ضرب یہ اور زور خداداد تھا ایسا
جنبش ہوئی سب قلعے کو اور در کو گرایا
دو انگلی سے حلقہ درِ خیبر کا جو کھینچا
حضرت نے اُٹھا کر طرف در اُسے پھینکا
چالیس گز اس طرح گرا دور وہ جا کے
جس طرح سے پتا اُڑے جھونکے سے ہوا کے

خندق میں کیا وار سرِ عمرو پہ جس دم
احسنت کی آتی تھی صدا چرخ سے پیہم
ضربِ اسدِ حق سے ہوا دم میں وہ بیدم
کرتا تھا مباہات خداوندِ دو عالم
سُرخی تھی خوشی سے رُخِ انور پہ نبیؐ کے
جبرئیلِ امیں چومتے تھے ہاتھ علیؑ کے

جس وقت اُحد میں ہوئے کفار صف آرا
اصحابِ نبیؐ کر گئے دُنیا سے کنارا
جب حضرت حمزہؓ کو ستمگاروں نے مارا
اسلام کا لشکر متفرق ہوا سارا
انصار و مہاجر سب ہی اُس وقت جدا تھے
یا احمدِ مختار تھے یا شیرِ خدا تھے

کفار کا نرغہ تھا رسولِ عربی پر
منظور ہر اک شخص کو تھا خونِ پیمبر
تلوار لگاتا تھا کوئی اور کوئی پتھر
ٹوٹے درِ دنداں ہوئے پرخوں لبِ اطہر
ہر غول پہ للکار کے جا پڑتے تھے حیدر
احمدؐ کو بچا لیتے تھے اور لڑتے تھے حیدر

اک غول سے کرتے تھے وغا حیدرِ کرار
جو ٹوٹ پڑا دوسرا غول آن کے اک بار
اُس غول میں تھا ابنِ قمیصہ کوئی سرا
تلوار کا اس نے سرِ احمدؐ پہ کیا وار
لیکن ! نہ لگا زخم سرِ سرورِ دیں پر
پر ! ضرب سے غش کھا کے گرے روئے زمیں پر

وہ مشرقِ ایماں کا ہے خورشیدِ درخشاں ہے نورِ علیؑ روشنیٔ اَمینِ ایماں
اور رُتبۂ احمدؐ کے لئے حجّت و بُرہاں تھا طور پہ وہ راہ برِ موسیٰ عمراں
اعجاز عصا و یدِ بیضا جو وہاں تھا وہ دستِ یداللہ سے سرِ دست عیاں تھا

عالم پہ شرف بیتِ مقدس کا ہے مشہور گر نور تھا کعبہ تو علیؑ نورِ علےٰ نور
بے شبہ وہ ہے مولدِ شاہنشہِ جمہور فرق اس میں نہیں کچھ یہ تجلّی تھا وہ طور
اُس سے اُنھیں رُتبہ ہے اُسے ان سے شرف ہے یہ گوہرِ یکتا ہے وہ پاکیزہ صدف ہے

دی جس نے اذاں کعبے میں پہلے بہ فصاحت اللہ کے گھر میں ہوئی ہے جس کی ولادت
وہ حیدرؑ صفدر ہے وہ ہے شاہِ ولایت مصروفِ عبادت رہے تا روزِ شہادت
خود اگرچہ گرفتار رہے رنج و بلا میں بندے بہت آزاد کئے راہِ خدا میں

مقبول یہ تھی پیشِ خدا اطاعت حیدر تھا ظہر کا وقت آئے جو ناگاہ پیمبرؐ
آرام کیا زانو پہ سر بھائی کے رکھ کر یاں تک کہ ہوئی شام چھپا مہرِ منوّر
احمد کو جگا تو نہ سکے پاسِ ادب سے پر غم تھا کہ محروم رہے طاعتِ رب سے

جب احمدِ مختار ہوئے خواب سے بیدار یہ حکم فرشتوں کو خدا کا ہوا اک بار
مغموم ہے طاعت کے لئے حیدرِ کرّار ہاں جلد کرو مہر کو مغرب سے نمودار
لازم ہے کہ واجب جو علیؑ پر ہو ادا ہو منظور ہے ہم کو نہ نماز اُس کی قضا ہو

جس دم یہ فرشتوں کو ہوا حکم خدا کا تب آہنی زنجیروں سے خورشید کو کھینچا
پنہاں ہوئی تاریکیٔ شب دن ہوا پیدا مولا نے خوشی ہو کے کیا شکر کا سجدہ
خالق کو یہ خاطر کسی مخلوق کی کب تھی پڑھ کر جو نماز اُٹھے مصلّے سے تو شب تھی

واللہ کہ ہے حُبِّ علیؑ اعظمِ طاعات مقبولِ خدا ہے وہ شہنشاہِ خوش اوقات
سُلطانِ اُمم ختمِ رسل قبلۂ حاجات اُمّت کے لئے کرتے تھے جس وقت مناجات
معراج میں دیکھا تھا جو قُربِ اپنے وصی کا محبوبِ خدا واسطہ دیتے تھے علیؑ کا

کیا اسمِ مقدس ہے میں اس نام کے قرباں یہ نام تو ہے نامِ خدا رونقِ ایماں
کیسی ہی مصیبت میں گرفتار ہو انساں جب نام علیؑ کا لیا مشکل ہوئی آساں
صحت میں تو اُن کو حفاظت کی دُعا ہے بیماری میں واللہ وہ تعویذِ شفا ہے

یہ نام رہا حضرتِ آدمؑ کا مددگار
اس نام ہی نے نوحؑ کے بیڑے کو کیا پار
آتش میں گرے جب کہ خلیلِ جگر افگار
تھا نام یہی لب پہ جو آتش ہوئی گلزار
یوسفؑ کو نکال آئے علیؑ چاہِ الم سے
یونسؑ کو رہا کر دیا ماہی کے شکم سے

افلاک پہ اَورادِ ملائک ہے یہی نام
انسان کو مشکل میں اسی نام سے ہے کام
یہ اسم جنوں کا ہے وظیفہ سحر و شام
اس کی برکت سے ہے خدائی کا سرانجام
اس نام سے دل جانوروں کے بھی قوی ہیں
مُرغانِ بر و بحر ہوا خواہِ علیؑ ہیں

لکھتا ہے مناقب میں یہ راویٔ دل آگاہ
گردوں سے ملک آن کے جبریلؑ کے ہمراہ
حلقہ درِ جنت کا ہلاتے ہیں جو ناگاہ
آتی ہے صدا اُس سے علیٌّ ولی اللہ
خالی کوئی شے اُلفتِ حیدرؑ سے نہیں ہے
اس نام کے سب خلقِ خدا زیرِ نگیں ہے

انساں سے بیاں ہو سکے کیا رُتبۂ حیدرؑ
قرآں میں ثنا جس کی کرے خالقِ اکبر
تھا جمعے کا دن بیٹھے تھے مسجد میں پیمبرؐ
نازل ہوئے جو روحِ امیں کھولے ہوئے پر
اک بازو پہ تو نامِ شہنشاہِ اُمم تھا
اور دوسرے پر نامِ علیؑ صاف رقم تھا

سلماں سے یہ فرماتے تھے سُلطانِ رسالت
کیا تجھ سے کہوں مرتبۂ شاہِ ولایت
ہے ذاتِ علی روشنیٔ شمعِ ہدایت
اللہ نے کھولا ہے یہ دروازۂ جنت
اس در میں جو ہے خلد میں اُس شخص کا گھر ہے
باہر ہے جو اس سے نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے

ہے دوست مجھے خانۂ کعبہ کی قسم ہے
شیعہ جو ہیں اُن کو نہیں کچھ حشر کا غم ہے
ناجی ہیں وہ اُن لوگوں پہ خالق کا کرم ہے
وہ لوگ ہیں اور سیرِ گلستانِ ارم ہے
دشمن جو علیؑ کے ہیں وہ روئیں گے لحد میں
جو دوست ہیں آرام سے سوئیں گے لحد میں

ضامن ہوں میں واللہ محبانِ علیؑ کا
نے سختیٔ مرگ اُن کو ہے نے قبر کی ایذا
کیا خوف ہے کیا غم ہے جو دیکھا نہیں رستا
لے جائے گا فردوس میں رہبر انھیں مجھ سا
ٹھہرے گا جو خورشید سوا نیزے پہ آکے
سایے میں کھڑے ہوئیں گے وہ عرشِ خدا کے

تھے زہد و ورع میں بھی وہ یکتائے دوعالم
فُرصت نہ تھی قرآں کی تلاوت سے کوئی دم
تسبیح تھی تکبیر تھی تہلیل تھی پیہم
صائم وہ نہ ہوں ہوتا تھا ایسا کوئی دن کم
فاقوں میں بھی احسانِ الٰہی کا بیاں تھا
ہر ایک مہینا اُنھیں ماہِ رمضاں تھا

حافظ تھا محمدؐ کا زبس حضرت یزداں
اُس نور کو اعدا کی نظر سے کیا پنہاں
بیتاب ہو سکانِ سموات نے اُس آن
کی عرض خالق سے کہ گر ہو ترا فرماں
امداد کو ہم جائیں رسولِ عربی کی
تنہائی تو دیکھی نہیں جاتی ہے نبیؐ کی

درگاہِ الٰہی سے صدا آئی یہ اُس دم
جو قصد کیا تم نے ہے اجر اُس کا مقدّم
محتاج مدد کا نہیں پر سیّدِ عالم
ہم جس کی طرف ہوں اُسے تنہائی کا کیا غم
موجود ہے واں صاحبِ شمشیر ہمارا
اُس فوج کو کافی ہے فقط شیر ہمارا

کرتے تھے ملک عالمِ بالا سے نظارا
اور فوج میں تھے شیرِ خدا معرکہ آرا
ناگاہ یہ ابلیسِ جفا کار پکارا
اے قوم مبارک ہو محمدؐ گیا مارا
پہنچی جو یہ پُرہول صدا گوشِ علیؑ میں
طاقت نہ رہی صبر کی احمدؐ کے وصی میں

پھر پھر کے لگے دیکھنے ہر سو شہِ صفدر
نے فوج پیمبرؐ نظر آئی نہ پیمبرؐ
خود بیچ میں اور گرد ستم گاروں کا لشکر
تلواریں نظر آتی تھیں یا نیزہ و خنجر
نظروں سے جو شاہنشہِ کونین نہاں تھے
دل! سینے میں بیتاب تھا، اور اشک رواں تھے

مارے نہ گئے ہوں کہیں احمدؐ تھا یہ وسواس
جھک جھک کے ہر اک لاش کو تکتے تھے بصد یاس
احمدؐ سے جو تھے دور نہ تھا جان کا کچھ پاس
گھبرائے ہوئے ڈھونڈتے پھرتے تھے چپ و راس
حملوں سے پراگندہ صفِ فوجِ ستم تھی
تھا! منھ میں کف، اور ہاتھ میں شمشیرِ علم تھی

اُس فوج میں ملتے جو نہ تھے سیّدِ والا
کفار کے لشکر کو کیا تھا تہ و بالا
دل! فرطِ قلق سے جو نہ جاتا تھا سنبھالا
کہتے تھے اُٹھا لے مجھے اللہ تعالےٰ
زندہ ترے محبوبؐ کو پھر پاؤں گا کیونکر
منھ فاطمہؑ کو جا کے میں دکھلاؤں گا کیونکر

وہ باپ کی عاشق ہے وہ ہے باپ کی شیدا
جب! مجھ سے وہ پوچھے گی کہاں ہے مرا بابا
کیوں لائے نہ تشریف شہِ یثرب و بطحا
کیا بنتِ پیمبرؐ سے میں اُس وقت کہوں گا
یارب! نہ جدا ہوں میں رسولِ دوسرا سے
یارب! نہ خجل کیجو بتولِ عذرا سے

یارب! تو اُسے باپ کے غم میں نہ رُلانا
یارب! تو اُسے داغِ یتیمی سے بچانا
محبوب ترا بیٹوں کا زہراؑ کے ہے نانا
نانا کے الم میں انھیں روتے نہ دکھانا
نانا کے جو مرنے کی خبر پائیں گے دونوں
جینے کے نہیں رو رو کے مر جائیں گے دونوں

بے احمدِ مرسل مرا کس کام کا جینا
ہیں خلق میں ہوں اور نہ ہوں سلطانِ مدینہ
نزدیک ہے اب شق ہو قلق سے مرا سینا
کوئی نظر آتا نہیں راحت کا قرینا
بے تاب ہوں فرقت سے رسولِ مدنی کی
اب ہاتھ میں طاقت نہیں شمشیر زنی کی

یہ کہتے تھے اور لڑتے تھے جوں شیرِ غضبناک
ہر حال میں کفار کی ہوتی تھیں صفیں چاک
ہلتی تھی زمیں خوف سے تھراتے تھے افلاک
اک غار میں ناگہ نظر آئے شہِ لولاک
جاں آگئی گویا تنِ بے جاں میں علیؑ کے
جلدی سے گرے دوڑ کے قدموں پہ نبیؐ کے

دل جوشِ محبت سے محمدؐ کا بھر آیا
رو رو کے گلے شوہرِ زہراؑ کو لگایا
اور چوم کے پیشانیِ انور یہ سنایا
صد شکر کہ تم نے مجھے میں نے تمھیں پایا
دیکھا مری ہمراہی سے منھ موڑ گئے سب
کفار کے نرغے میں مجھے چھوڑ گئے سب

اس عالمِ ایجاد میں پھر ہوگا نہ زنہار
تجھ سا نہ جواں نہ تری تلوار سی تلوار
زیبا ہے اگر فخر کرے احمدِ مختار
خود آج ثنا خواں ہے ترا ایزدِ غفار
آتا تھا کئی بار خوشی چرخِ بریں سے
پوچھے تری الفت کو کوئی روحِ امیں سے

فرما کے یہ ناقے پہ چڑھے احمدِ مختارؐ
اور تیغ بکف آگے بڑھے حیدرِ کرار
پھر لشکرِ کفار میں یہ غل ہوا اک بار
جیتا ہے محمدؐ نہیں مارا گیا زنہار
یاں نکلے پئے جنگ دلاور جو کوئی ہے
ناقے پہ فقط آپ ہے اور آگے علیؑ ہے

یہ سن کے بڑھی جنگ کو پھر فوجِ ستمگر
تھا قلزمِ آتش کی طرح جوش پہ لشکر
کھنچے یہ فلک نیزوں نے آتش کی طرح
ہنگامہ ہوا جب کہ چمکنے لگا خنجر
پھل تیغوں کے جوں برقِ درخشاں نظر آئے
چنگاریوں سے نیزوں کے پیکاں نظر آئے

اس فوج میں اک ایک نمودار جواں تھا
تھا پیل دماں کوئی کوئی شیرِ ژیاں تھا
دیکھا جسے تولے ہوئے اک گرزِ گراں تھا
ہر شخص کے اسپِ دورکابہ تہِ راں تھا
ٹاپوں سے قدم کانپتے تھے گاوِ زمیں کے
غل نعروں کا جاتا تھا پرے چرخِ بریں کے

پھر فوج نے سلطانِ رسالت کو لیا گھیر
سمجھے شہِ لولاک کہ مرنے میں نہیں دیر
فرمایا علیؑ سے کہ بچا مجھ کو مرے شیر
یہ سنتے ہی کھینچی اسد اللہ نے شمشیر
پاس آنہ سکا کوئی رسولِ عربیؐ کے
پروانہ سے پھرتے تھے علیؑ گرد نبیؐ کے

خالد بن سفیاں تھا جو اس فوج میں سردار
مشہور تھا وہ خلق میں زور آور و جرار
غالب کبھی اس پر نہ ہوا تھا کوئی زنہار
للکارا وہ حیدر کو کہ آتا ہوں میں ہشیار
کیا منھ جو سپر کوئی دم ضرب اٹھا دے
طاقت ہے یہ کس میں جو مری ضرب اٹھا دے

یہ لاف زنی سن کے بڑھے حیدر صفدر
کی دست مبارک میں علم تیغ دو پیکر
خوں جوشِ غضب سے ہوئیں چشمان منور
گویا تھا مجسم غضبِ خالقِ اکبر
فرمایا کہ ہاں وار کر اب تیغ زن اپنا
تیغ! اپنی چلے پہلے نہیں یہ چلن اپنا

یہ سنتے ہی خالد نے کیا وار علیؑ پر
اس ضرب کو رد کر کے یہ کہنے لگے حیدر
لے اب مری باری ہے خبردار ستمگر
سنبھلا بھی نہ تھا وہ کہ چلی تیغِ غضنفر
یہ غل ہوا صمصامِ یداللہ کی چمک سے
تلوار نہیں آئی قضا سر پہ فلک سے

بیٹھی سر دشمن پہ جو وہ صاعقہ کردار
دو ہو کے چپ و راست گرے راکب رہوار
سردار کو مارا تو چلی فوج سے تلوار
لڑتے ہوئے لشکر میں دھنسے حیدر کرار
دہشت سے تلاطم یہ ہوا فوجِ عدو میں
زندے بھی تڑپنے لگے کشتوں کے لہو میں

ہر سو تھے علیؑ فوج میں لڑتے ہوئے جاتے
ہر وار میں تھے لاش پہ واں لاش گراتے
حملوں سے کبھی دور تک اعدا کو بھگاتے
الفت سے کبھی پاس محمدؐ کے پھر آتے
سینہ تھا سپر ہاتھ میں شمشیر دو سر تھی
دل! سوئے نبیؐ تھا طرفِ فوج نظر تھی

جل جل گئے جب آتشِ شمشیر سے ناری
جمعیتِ کفار پریشاں ہوئی ساری
پھیری اسداللہ نے میداں سے سواری
اس وقت ندا چرخ سے آئی کئی باری
تو ایسا ہی تھا جب تجھے رتبہ یہ دیا ہے
شاباش! مرے شیر عجب کام کیا ہے

آ پہونچے مع فتح و ظفر حیدر کرار
ناقے کو بٹھا کود پڑے احمدِ مختار
حیدر کو بہت چھاتی سے لپٹا کے کیا پیار
فرمایا! فدا تجھ پہ ہیں اے میرے مددگار
کس کو یہ محبت ہے رسولِ عربی سے
جو تو نے کیا آج یہ ہوتا نہ کسی سے

کس منھ سے میں تعریف کروں اے مرے بھائی
آگہ ہے شجاعت سے تری ساری خدائی
تنہا کوئی کرتا نہیں یوں فتح لڑائی
واللہ! یہ جرأت ترے حصے میں ہے آئی
قبضے میں ترے قبضۂ شمشیرِ خدا ہے
دشمن ترے روباہ ہیں تو شیرِ خدا ہے

اے مومنو کچھ تم نے سُنے رُتبۂ حیدر
یہ لطفِ خدا جس پہ یہ الطافِ پیمبرؐ
کیا بعدِ نبیؐ ظلم و ستم ہو گئے اُس پر
پُرسا بھی کسی نے نہ نبیؐ کا دیا آ کر
باطل کیا حق ظلم سے احمد کے وصیؐ کا
آئے بھی تو دروازہ جلانے کو علیؑ کا
گمرہ ہوئے واللہ وہ اُمت کو چھوڑا
مائل بہ ضلالت ہوئے منھ دین سے موڑا
جس جا پہ ادب قدسیوں نے ہاتھوں کو جوڑا
افسوس کہ وہ درِ لگد ظلم سے توڑا
اُس در کے تلے دب گئی بیٹی جو نبیؐ کی
چلّائی دُہائی ہے رسولِ عربیؐ کی

تھی حمل سے محسن کے جو خاتونِ قیامت
پہلوئے مبارک پہ لگی چوب بہ شدت
غش آنے لگے اور نہ رہی رونے کی طاقت
بچے کی بھی زہراؑ کے شکم میں ہوئی رحلت
وہ سیدہ جس وقت تڑپتی تھی زمیں پر
سر اپٹیا تھا روحِ امیں عرشِ بریں پر

ہیہات نہ اُس ظلم پہ بھی ہاتھ اُٹھایا
کوڑا بہ ستم بازوئے زہراؑ پہ لگایا
مظلومہ نے اک آہ کی ایسی کہ غش آیا
آرام لحد میں بھی محمدؐ نے نہ پایا
رسّی تو اُدھر بندھتی تھی گردن میں علیؑ کی
مرقد میں اُدھر روح تڑپتی تھی نبیؐ کی

نزدیک تھا شق ہوئے مزارِ شہِ لولاک
پھٹ جائے زمیں گر پڑے یہ گنبدِ افلاک
فرزندوں نے کُرتوں کے گریبان کیے چاک
تھے لوٹتے مادر کے برابر بہ سرِ خاک
جب ا کرتی تھی وہ آہ تو چلاتے تھے دونوں
رو کر کبھی مادر سے لپٹ جاتے تھے دونوں

فرمایا جو تھا صبر کو شاہِ دوسرا نے
دم مارا نہ اس ظلم پہ بھی شیرِ خدا نے
گردن میں بھی بندھوائی رسن عقدہ کشا نے
تلواریں بھی کیں سر پہ علم اہلِ جفا نے
کس شخص نے دستِ ستم اُس پر نہ اُٹھایا
اُس صابر و شاکر نے مگر سر نہ اُٹھایا

اُن میں سے اگر پوچھتا حضرت کا کوئی نام
فرماتے تھے گمنام ہوں ہے نام سے کیا کام
ہر صبح کو جینے کا بھروسا نہیں تا شام
آغاز مرا خاک ہے اور خاک ہے انجام
اے شخص بھلا نام و نسب کیا فقرا کا
درویش ہوں محتاج ہوں بندہ ہوں خدا کا

طالب نہیں دنیا کا خدا خوب ہے آگاہ
تم لوگوں کی خدمت میں کیا کرتا ہوں واللہ
مسکین کو مسکین سے ہوتی ہے بہت راہ
غربت زدہ ہوتا ہے غریبوں کا ہوا خواہ
آگاہ رہِ حق سے کم و بیش ہوں میں بھی
درویش جو تم ہو تو جگر ریش ہوں میں بھی

ہے ایک سا واللہ مرا باطن و ظاہر
جاں دینے کو موجود ہوں میں دوست کی خاطر
مہماں ہیں یاں زیرِ زمیں جائیں گے ہم بھی
فاقوں میں جو کھانا کبھی آتا تھا میسّر
آدم ہوئے اُس کے لیے جنّت سے جو باہر
کیا صبر تھا قبضے میں تو سب روئے زمیں تھی

رہتا تھا سدا رختِ کہن زیبِ تنِ پاک
تھے صاحبِ مسند وہ وصی شہِ لولاک
فرماتے تھے یوں کیا کروں پوشاک بنا کے
اک روز کسی شخص نے کی عرض کہ مولا
واللہ کہ ہیں آپ شہِ یثرب و بطحا
آرام غلام آپ کے پاتے ہیں جہاں میں

سُن کر یہ سخن رونے لگے حیدرِ کرار
نوش اُس کا ہے نیش اور گل اس باغ کا ہے خار
اک روز نہ جاں ہے نہ یہ ملبوسِ بدن ہے
ہے خوفِ خدا جسم کی کیونکر کروں زینت
اک روز یقیں ہے کہ اجل دے گی نہ مہلت
کیا حکم ہو کیا جانے جنابِ احدی کا

پوشاکِ تکلف سببِ طولِ عمل ہے
غفلت نہیں خوب آج کے دن حشر بھی کل ہے
ہوگا عملِ نیک سبب لطفِ خدا کا
کس زیست پہ اسبابِ جہاں کا ہوں میں پابند
سب نعمتِ دُنیا کا میں مختار ہوں ہر چند
بس تا بہ کجا گور کے مہمان کی خاطر

کام آوے مرا سر بھی تو واللہ ہے حاضر
رکھتا ہے بہت اُنس مسافر سے مسافر
جانا ہے جہاں تم کو وہیں جائیں گے ہم بھی
سائل کو کھلا دیتے تھے تب کھاتے تھے حیدرؑ
گندم کی نہ روٹی رکھی حضرت نے زباں پر
تھا زور تو یہ اور غذا نان جویں تھی

تھے اس میں بھی پیوند یہ تھی آپ کی پوشاک
آرام سے سو رہتے تھے لیکن سرِ خاک
سب خاک ہے مرنے پہ سوا ذاتِ خدا کے
یہ جامۂ بوسیدہ نہیں آپ کو زیبا
سب طرح کا اسباب ہے حضرت کو مہیا
اور آپ یہ تکلیف اُٹھاتے ہیں جہاں میں

فرمایا مجھے زینتِ دُنیا نہیں درکار
راحت ہے زمانے کی مرے واسطے آزار
گھر قبر ہے تن خاک ہے پوشاک کفن ہے
محشر میں حساب آہ نہیں دینے کی طاقت
دُنیا سے اک بار ہی اُٹھنا ہے غنیمت
تن کانپتا ہے خوفِ قیامت سے علیؑ کا

گر سیر شکم ہو تو عبادت میں خلل ہے
اور محکمۂ حشر تردّد کا محل ہے
واں مرتبہ یکساں ہے شہنشاہ و گدا ہے
ہو جائے گا اک روز تنِ خاک کا پیوند
پر نان جویں کھانے سے دل ہو مرا خرسند
دو رخت نہیں چاہیے اک جان کی خاطر

واللہ بضاعت نہیں کچھ گھر میں ہمارے
پوشاک نہیں اور سوا ایک ردا کے

مالک تھا فدک کا فقط اسباب جہاں سے
اعدا نے مرے حق کو کیا ظلم سے باطل
کیا کرتا اگر ملتا فدک کا مجھے حاصل

مرنا ہوا جب دولت دُنیا ہوئی تو کیا
کیا فقر تھا کیا صبر تھا اللہ ری قناعت
دُنیا کے خزانے کے تو مختار تھے حضرت

دن آب کشی کر کے گزرتا تھا علیؑ کو
سیّد بن طاؤس سے ہے ایک روایت
ہاتھ آتی تھی کچھ آب کشی کی بھی نہ اُجرت

لب خشک تھے اور زرد رُخ شیر خدا تھا
زہرؑا سے یہ فرمایا کہ اے بنت پیمبرؐ
کچھ کھانے کو لے آؤ جو آیا ہو میسر

کیا لا کے کھلاؤں تمھیں ہے کیا مرے گھر میں
ہیں بھوک کے مارے حسنینؑ آج بلکتے
بستر سے نقاہت کے سبب اُٹھ نہیں سکتے

دو دن تک اُنھیں جب نہ ملے پارۂ ناں تک
میں کیا کہوں ہوتا ہے جو اُس دم مرا احوال
کہتے ہیں کہ یوں بھوکے نہ ہوں گے کوئی اطفال

کون ایسا ہے جس شخص کے کھانا نہیں گھر میں
حیدرؑ نے سنی فاطمہؑ کی جب کہ یہ تقریر
کچھ گھر میں اثاثہ بھی نہیں کیا کروں تدبیر

ناچار ہیں اب فاقے کی طاقت نہیں رکھتے
کرتی ہے صدا بنت نبیؐ فاقے پہ فاقے
بچے بھی مرے رو رو کے سو رہتے ہیں بھوکے

سو چھن گیا اب قوت میسّر ہو کہاں سے
رازق ہے خدا صبر کچھ اتنا نہیں مشکل
حالانکہ ہے کل میرے لئے گور کی منزل

راحت ہوئی تو کیا۔ اگر ایذا ہوئی تو کیا
تھی قاسم رزق دو عالم پہ یہ عسرت
پر فاقے پہ فاقہ تھا مشقت پہ مشقت

کام آسیہ گردانی سے تھا بنت نبیؐ کو
دو دن سے گرسنہ تھے شہنشاہ ولایت
مسجد سے گئے گھر میں تو تھا ضعف بہ شدت

فاقے سے شکم پشت مبارک سے لگا تھا
طاقت نہیں غلبہ ہے بہت بھوک کا ہم پر
فرمانے لگیں فاطمہؑ اشک آنکھوں میں بھر کر

یہ تیسرا دن ہے کہ ہے فاقہ مرے گھر میں
ہر دم مرا منھ تر گسی آنکھوں سے ہیں تکتے
دیکھ اُن کو مری آنکھوں سے آنسو ہیں ٹپکتے

معصوم ہیں بچے ہیں کریں صبر کہاں تک
جب چھوٹے سے ہاتھوں کو یہ گردن میں مرے ڈال
اماں! ہمیں کھانے کو دو اب تو ہے بُرا حال

تم ایسی ہو نادار کہ دانا نہیں گھر میں
فرمایا کہ اے والدۂ شبّرؑ و شبیرؑ!
دو رہن کو یا اپنی ردا یا مری شمشیر

کچھ اس کے سوا اور بضاعت نہیں رکھتے

زہراؑ نے کہا تیغ ہیں دوں رہن کو کیونکر
اعدا سے جہاد آپ کیا کرتے ہیں اکثر
لے جایئے حاضر ہے یہ سر کی مرے چادر
زہراؑ سے ردا لے کے چلے حیدرؑ صفدر
فاقے سے نہ غمگیں تھے نہ عسرت کا گلا تھا
ہر گام پہ تسبیح تھی اور شکرِ خُدا تھا

پوشیدہ کئے زیرِ عبا چادرِ زہراؑ
پاس ایک یہودی کے گئے سیّدِ والا
جب اُس نے وصیِ شہِ لولاک کو دیکھا
مولائے دو عالم کی وہ تعظیم کو اُٹھا
کی عرض کہ آپ آئیں یہ رُتبہ مرا کب ہے
فرمایئے کیا آنے کا اس وقت سبب ہے

فرمانے لگے اُس سے شہنشاہِ دو عالم
ہر چند کہ سب خلق کے ہیں عُقدہ کُشا ہم
رغبت ہے مگر راحتِ دُنیا سے بہت کم
ان روزوں کئی گزرے ہیں فاقے ہیں پیہم
شاکی نہیں شرمندۂ احسانِ خدا ہیں
ایذا وہی سہتے ہیں جو خاصانِ خدا ہیں

آرام کی جا گہ نہیں یہ دارِ مُصیبت
مومن کے لئے رنج ہے کافر کو ہے راحت
انساں سے روا ہوتی ہے انساں کی ضرورت
پاس اپنے تو رکھ چادرِ خاتونِ قیامت
حق راضی ہو خوشش بنتِ رسولؐ عربی ہو
جو دے مجھے ایک صاع کہ فاقہ شکنی ہو

رکھ لی وہ یہودی نے ردا جو دیے لا کر
دامن میں اُنھیں لے کے چلے حیدرِ صفدر
طے کر چکے تھے راہ کچھ اک فاتحِ خیبرؑ
اک بار پکارا وہ کہ اے خویشِ پیمبرؐ
تصدیع تو ہو گی پہ ادھر لایئے تشریف
سُن لیجیے کچھ عرض تو لے جایئے تشریف

پاس آئے یہودی کے شہِ یثربؐ و بطحاؐ
اُس نے کہا یا شاہ تعجّب کی یہ ہے جا
فرمایا گیا ہے ابنِ عم اس طرح تمھارا
ہے حضرتِ آدم سے زیادہ مرا رُتبا
ہیں خاصۂ خالق ہوں میں محبوبؐ خدا ہوں
رُتبے میں رسولانِ سلف سے میں سوا ہوں

جو قُربِ خدا ہے مجھے وہ اور کو کب ہے
جو کچھ مری مرضی ہے وہی خواہشِ رب ہے
ہونا مرا پیدائشِ عالم کا سبب ہے
عالم میں مرا صاحبِ لولاک لقب ہے
مختار ہوں جو چاہوں سو دوں راہِ خُدا میں
مقبول دُعا ہے مری درگاہِ خدا میں

مقدور یہ جس کا ہو یہ کچھ جس کے ہوں رُتبے
افسوس وصی اُس کا کرے فاقے پہ فاقے
ہوں جس کے غلاموں کے لئے خُلد کے حُلّے
پیوند پہ پیوند لگیں جامے میں اُس کے
محبوبؐ خدا بادشہِ روئے زمیں ہو
کھانے کو میسّر نہ تمھیں نانِ جویں ہو

سُنتا ہوں کہ ہے حضرتِ زہرؑا کا عجب حال
جز ایک ردا پاس ہے زیور نہ زر و مال
چکّی ہی اُنھیں پیستے کٹتا ہے مہ و سال
سبطینِ نبیؐ کا نظر آتا ہے یہ احوال
ثابت کبھی کُرتے نہیں دیکھے بدنوں میں
وہ چاند سے پھرتے ہیں پھٹے پیرہنوں میں

ہے فیض دو عالم میں رسولِ عربی سے
کیوں عرض نہیں کرتے جنابِ احدی سے
جو دیوے نجات آپ کو اس فاقہ کشی سے
اور دُور ہو افلاس کا غم بنتِ نبی سے
ہو جس کا لقب شیرِ خدا کون و مکاں میں
محتاج ہو وہ نانِ شبینہ کو جہاں میں

یہ سُن کے کہا اس سے شہِ عقدہ کُشا نے
سب نعمتیں اپنی ہمیں بخشی ہیں خدا نے
عُسرت نہ سمجھ کیا کوئی اس راز کو جانے
چاہیں تو ابھی خلد کے کھانے لگیں کھانے
رتبہ نہ سمجھ فاقے سے کم آلِ نبیؐ کا
واللہ کہ یہ فقر تو ہے فخر علیؑ کا

یاں رنج ہے جس کے لئے راحت اُسے واں ہے
دُنیا سے جو بیزار ہے وہ اہلِ جناں ہے
ہو طالبِ عُقبیٰ یہی مومن کا نشاں ہے
پوشاکِ کُہن پہنی تو کیا اس میں زیاں ہے
اک دن بغلِ گور ہیں محتاج و غنی ہیں
یہ صورتیں سب خاک میں ملنے کو بنی ہیں

یہ نعمتِ دُنیا میں ملی کب ہے حلاوت
جس طرح کی فاقوں میں ہمیں ملتی ہے لذت
ان کپڑوں میں معبود نے بخشی ہے وہ عزت
بانٹیں گے محبّوں کو ہمیں حُلۂ جنّت
خالق کی عبادت کے سزاوار ہمیں ہیں
جنّت کے بھی کوثر کے بھی مختار ہمیں ہیں

ہو کس سے بیاں وصف بزرگی کا خدا کی
بخشا ہے جنھیں صبر وہ ہوتے نہیں شاکی
معبود نے بندوں کو یہ طاقت ہے عطا کی
گر چاہیں تو دیوار یہ ہو جائے طلا کی
ذرّہ پہ کریں مہر تو خورشیدِ مُبیں ہو
قطرے کو جو کہہ دیں تو ابھی دُرِّ ثمیں ہو

مولا کی ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار
جو ہو گئی اعجاز سے سونے کی وہ دیوار
اور آئی صدا اُس سے کہ یا حیدرِ کرّار
حاضر ہوں میں ہیں آپ مرے مالکِ مختار
فرمایا کہ مجھ پر نظرِ لطفِ خدا ہے
ہیں آپ غنی ہوں مجھے پروا تری کیا ہے

دیکھا جو یہودی نے یہ اعجازِ نمایاں
قدموں پہ گرا اور ہوا دل سے مسلماں
کی عرض کہ ہیں تجھ پہ فدا اے شہِ مرداں
حضرت کے تصدّق سے ملی دولتِ ایماں
شہ نے کہا ہر بندے کا مالک وہی رب ہے
یہ چادرِ زہرؑا کی زیارت کا سبب ہے

عسرت میں بھی تھا فیض یداللہ کا جاری
فاقوں میں بھی تھی مصلحت حضرت باری
کس مرتبہ تھا لطف و کرم رب غنی کا

ہے دفتر دیوان دو عالم میں علیؑ فرد
ہے گرمی بازار شجاعان جہاں سرد
شیر دں کے جگر آب ہیں صمصام علیؑ سے

بے اذن کوئی گھر میں کسی کے نہیں جاتا
و ہ ید کہ یداللہ اگر ہاتھ اٹھاتا
ہو زیر کیا جس نے زبردستیوں کو لڑ کے

اعدا یہ سمجھتے تھے پہ زنہار نہ سمجھے
مختار کے گھر کا اُسے مختار نہ سمجھے
کیا قہر ہے داماد نبیؐ پر یہ ستم ہو

تھا ایک تو غم فاطمہؑ کو ہجر پدر کا
حیدرؑ کو پکڑ لے گئے وارث جو تھا گھر کا
پھر اُٹھ کے نہ دروازے سے باہر گئی زہراؑ

غل پڑ گیا ہے ہے ہوئے تنہا شہ دلگیر
سر پیٹ کے کی زینبؑ بیکس نے یہ تقریر
اب دست ستم کس پہ اٹھا دیں گے ستمگر

ہے ہے مری اماں تری صورت کے میں باں
بی بی گئیں جنت کو یہ گھر ہو گیا ویراں
تم مر گئیں اب کون دلاسا ہمیں دے گا

اس ظلم و ستم پر بھی نہ باز آئے ستمگر
ماہ رمضاں تھا کہ ہوا شور یہ گھر گھر
مسجد میں کسی نے اسد اللہ کو مارا

ہر امر میں حیدر کی خدا کرتا ہے یاری
کافر کو مسلماں کیا ناجی ہو ناری
تھا زہد یہ اور زور تھا خیبر شکنی کا

آفاق میں حیدرؑ سا نہیں کوئی جوانمرد
دہشت سے اُسی کے رخ خورشید ہوا زرد
تھراتا ہے مریخ فلک نام علیؑ سے

بے پردہ ہوں ناموس تو کیا طیش ہے آتا
تلوار کی تاب اس کی جہاں میں کوئی لاتا
طاقت تھی کہ لے جاتے اُسے گھر سے پکڑ کے

کچھ مرتبہ حیدرؑ کرار نہ سمجھے
افسوس کہ حق دار کو حق دار سمجھے
ممکن ہے کہ تربت میں محمدؐ کو نہ غم ہو

اور دوسرے اسقاط ہوا حمل پسر کا
اُس دن سے عجب حال تھا اُس خستہ جگر کا
جس حجرے میں بیٹھی تھی وہیں مر گئی زہراؑ

ماں مر گئی بن ماں کے ہوئے شبرؑ و شبیرؑ
لو وہ ہوا جو چاہتے تھے ظالم بے پیر
اب پہلو پہ در کس کے گرا دیں گے ستمگر

صدقے ترے پہلوئے شکستہ کے مری جاں
تنہائی کا کچھ بیٹوں کی ہرگز نہ کیا دھیاں
اب کون خبر شبرؑ و شبیرؑ کی لے گا

چاہا کہ نہ دنیا میں رہے خویش پیمبرؐ
تلوار لگی سجدے میں زخمی ہوئے حیدرؑ
بے جرم دو عالم کے شہنشاہ کو مارا

سر پیٹ کے گردوں پہ یہ جبرئیل پکارا
سر شیرِ خدا کا ہوا سجدے میں دو پارا
کہتے ہیں محمدؐ مرا گھر لُٹ گیا سارا
ظالم نے علیؑ کو نہیں مارا مجھے مارا
آواز یہ آتی ہے بتولِ عذرا کی
مارا مرے شوہر کو دُہائی ہے خدا کی

میں لُٹ گئی ہے ہے مرے بچے ہوئے برباد
سمجھاتا تھا باپ اُن کو جو کرتے تھے مجھے یاد
پردیس میں جاویں گے کدھر ہائے وہ ناشاد
اب قتل یتیموں کو کریں گے ستم ایجاد
بچھڑے ہوئے تھے مادرِ تفتیدہ جگر سے
اک باپ کا سایہ تھا سو اب اُٹھتا ہے سر سے

گھبرا گئی گھر میں یہ صدا سنتے ہی کلثومؑ
بیدار ہوئے خواب سے زہراؑ کے وہ معصوم
زینبؑ نے پکارا ارے لوگو یہ ہے کیا دھوم
بابا ہوئے زخمی مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
خوں ہو گیا سجدے میں محمدؐ کے وصی کا
ہر سمت ہے غُل ہائے علیؑ ہائے علیؑ کا

بابا کا سُنا حال جو فرزندوں نے اک بار
سر پیٹتے مسجد میں گئے وہ جگر افگار
دیکھا کہ نمازی تو کھڑے روتے ہیں سرشار
اور خوں میں تڑپتے ہیں پڑے حیدرِ کرار
کچھ ذکر زباں پر نہیں جز طاعتِ حق ہے
سر تا بہ جبیں ضربتِ شمشیر سے شق ہے

گر اُٹھتے ہیں سر ہیں کبھی سجدے میں جھکاتے
اُمت کی دعا کو ہیں کبھی ہاتھ اُٹھاتے
خوں لے کے ہیں ریشِ مبارک میں لگاتے
بند آنکھیں ہیں اور غش پہ غش ہیں متصل آتے
ہوش آتا ہے جب کہتے ہیں جس وقت مروں گا
احمدؐ سے اسی طرح ملاقات کروں گا

مسجد میں تڑپنے لگے وہ فاطمہؑ کے لال
سنبل سے بھرے گیسوؤں کے خاک سے سب بال
چلاتے تھے بابا سے لپٹ کر یہ وہ اطفال
اے قبلۂ کونین یہ کیا آپ کا ہے حال
ہم گھر میں رہے ہم کو خبر کی نہ کسی نے
بابا تمہیں زخمی کیا مسجد میں شقی نے

ہے ظلم نبیؐ زادوں پہ فریاد خدایا
اعدا نے ہمیں عید کے نزدیک رُلایا
اماں سے تو چھوٹے تھے پدر سے بھی چھڑایا
سید کا لہو ماہِ مبارک میں بہایا
اس سن میں یتیمی کا ہمیں داغ دیا ہے
روزوں میں نمازی کو ترے قتل کیا ہے

قاتل کو محبانِ علیؑ لائے پکڑ کر
مشکیں تھیں بندھی سر کو جھکائے تھا ستمگر
جس دم پڑی اُس پر نظرِ خویشِ پیمبرؐ
قاتل سے یہ فرمانے لگے حیدرؑ صفدر
کیا میری خطا تھی جو ستایا مجھے تو نے
کس جرم پہ یہ داغ لگایا مجھے تو نے

تبلا مجھے کچھ میں نے اذیت تجھے دی تھی
کچھ بات کبھی سخت تجھے میں نے کہی تھی
بے کس کیا پیاروں کو رسولؐ دوسرا کے
رونے لگا سر شرم سے نہوڑا کے ستمگار
کیا رحم ہے فرمانے لگے حیدرِ کرار
یہ چاہتا ہے بند سے رسی کے رہا ہو ں
بازو ہیں بندھے اس کے ہے بے چین مرا دل
دشمن نہیں میں اس کا یہ گو ہے مرا قاتل
کی اس نے برائی تو ضرر کیا ہے ہمارا
اے لال قسم ہے تمھیں غصے میں نہ آنا
جس وقت میں ہوں عالم فانی سے روانا
جو کھاؤں میں کھانا وہی پہونچا ئیو اس کو
دشمن پہ بھی مولا کا یہ تھا لطف و مدارا
وہ لوگ تھے کیسے کرو انصاف خدارا
قاتل پہ یہ احسان تھا جس حق کے ولی کا
لکھا ہے چڑھا چھاتی پہ جب شمرِ بد اختر
کہتے تھے کہ دو روز کا پیاسا ہوں ستمگر
رحم آیا نہ دل میں یہ شقاوت تھی شقی کے
قاتل کے ید اللہ نے کھلوائے بندھے ہات
باندھے ہوئے تھے بازوئے زینبؑ کو بھی بد ذات
ظالم ہمیں دربار میں جب لے کے چلے تھے
القصہ یہ فرزندوں سے جب کہہ چکے حیدر
چاہا کہ اٹھیں اٹھ نہ سکے فاتح خیبر
جانِ زینب و کلثوم کی ہوئے گی پدر میں

یا تجھ سے علیؑ نے کبھی نیکی نہیں کی تھی
ثابت مری تقصیر کوئی تجھ پہ ہوئی تھی
مارا مجھے کیوں آن کے سجدے میں خدا کے
چاہا یہ حسنؑ نے کہ لگا دیں اُسے تلوار
مارو نہ اسے قید کروا نے مرے دلدار
تم کھول دو ہاتھ اس کے کہ میں عقدہ کشا ہوں
ہم وہ ہیں کہ حل کرتے ہیں سب خلق کی مشکل
دیوے گا سزا اس کی اسے خالقِ عادل
دشمن پہ کریں رحم یہ شیوا ہے ہمارا
جب تک کہ میں زندہ ہوں نہ ہاتھ اس پہ اٹھانا
اک وار سے تم اس پہ زیادہ نہ لگانا
پیاسا ہو تو پانی سے نہ ترسائیو اس کو
پیاسا رہے قاتل نہ علیؑ کو تھا گوارا
پیاسا جنھوں نے حضرتِ شبیرؑ کو مارا
پانی سے ترستا رہا فرزند اُسی کا
تھی پیاس سے حضرت کی زباں ہونٹوں کے باہر
کر ذبح پہ تھوڑا سا مجھے پانی پلا کر
پیاسا ہی کیا ذبح نواسے کو نبیؐ کے
اور بازوئے کلثومؑ بندھے رسی میں ہیہات
فرماتے ہیں یہ سیدِ سجادؑ خوش اوقات
اک رسی تھی اور بارہ اسیروں کے گلے تھے
رونے لگے بابا سے وہ شہزادے لپٹ کر
بہنوں سے کہا باندھو عمامہ مرے سر پر
مسجد سے اٹھا کر مجھے اب لے چلو گھر میں

روتے ہوئے سبطینِ نبیؐ باپ کو لائے
سر پیٹتے ناموسِ محمدؐ نکل آئے؛

زینبؑ نے کہا ہائے پدر خوں میں نہائے
نانا نہیں زینبؑ یہ ستم کس کو دکھائے

برباد ہوئیں بیٹیاں بھی بیٹے بھی گھر بھی
بن ماں کی تھی چھوڑ چلے ہائے پدر بھی

بابا مرے زخمی ہوئے ہے ہے مری قسمت
دو ٹکڑے ہے ہے سر خوں میں بھری چاند سی صورت

اماں کے بھی ماتم سے ہوئی تھی نہ فراغت
آنسو بھی نہ سوکھے تھے کہ ٹوٹی یہ مصیبت؛

دن روتے گزرتا تھا تو شب آہ و فغاں میں
ماتم کے لئے خلق ہوئی تھی میں جہاں میں

نانا موئے اور ہائے مجھے موت نہ آئی
اماں کے لئے ماتمی صف میں نے بچھائی

اب اور اک آفت یہ مقدّر نے دکھائی
درپیش ہے پردیس میں بابا سے جدائی

کس سے کہوں جو مجھ پہ جفا ہو گئی لوگو!
فریاد ہے تقدیر مری سو گئی لوگو!

سن سن کے بیاں بیٹیوں کے روتے تھے حیدرؑ
ایک ایک کو سمجھاتے تھے چھاتی سے لگا کر

سر دے دے پٹکتے تھے جو سبطینِ پیمبرؐ
اس صدمے سے ہو جاتے تھے غش فاتحِ خیبر

ہوش آتا تو کہتے نہیں مرنے کا الم ہے
ان روزوں سے محروم رہے ہم یہ ستم ہے

مرغوب تھا ماہِ رمضاں کا ہمیں آنا
سو آہ ہمیں ہوتے ہیں جنت کو روانا

اس عید کا افسوس پڑھیں گے نہ دوگانا
خوں سے عوضِ غسل تھا قسمت میں نہانا

مسجد میں بغل گیر جو ہوویں گے نمازی
شبیرؑ سے لپٹ کر ہمیں روئیں گے نمازی

دو دن رہا اُس سیدِ عالم کا یہ عالم
رخ زرد تھا لب خشک تھے غش آتے تھے پیہم

سر تا بہ قدم پھیل گیا تھا اثرِ سم
گھٹتی تھی جو طاقت تو دم بڑھتا تھا ہر دم

آئی جو شب بست و یکم مر گئے حیدرؑ
غل پڑ گیا دنیا سے سفر کر گئے حیدرؑ

ہاں! اہلِ عزا رو کہ یہ وقت بکا ہے
پیٹو کہ محمدؐ کا وصی قتل ہوا ہے

ہادی جو تمہارا ہے وہ دنیا سے اُٹھا ہے
دن آج کا سوچو تو قیامت سے سوا ہے

اک شور ہے ماتم کا بپا گھر میں نبیؐ کے
بیٹے لئے جاتے ہیں جنازے کو علیؑ کے

خاموش انیسؔ اب کہ جگر ہو گیا پانی
دیکھی تری دریائے طبیعت کی روانی

بے مثل ہیں ہر چند یہ الفاظ و معانی
تعریف مگر خوب نہیں اپنی زبانی

مداحِ حیدرؑ تو کرے منھ ترا کیا ہے
امدادِ محمدؐ ہے یہ تائیدِ خدا ہے

۲۹ مرثیہ نمبر ۱۲۸

جس دم حسینؑ دلبرِ شبرؑ کو رو چکے
غربت میں یادگارِ برادر کو رو چکے
پالا تھا جس کو اُس مہِ انور کو رو چکے
صفدر کو تشنہ لب کو دلاور کو رو چکے
دل پر ہجومِ حسرت و اندوہ و یاس تھا
اک بھائی اور ایک پسر شہ کے پاس تھا

رعشہ تنِ ضعیف میں لب خشک رنگ زرد
سینے میں گاہ ہوک اُٹھی گاہ دل میں درد
چھینٹیں قبا پہ خون کی تھیں گیسوؤں پہ گرد
خالی پروں کو دیکھ کے بھرتے تھے آہِ سرد
غم تھا کہ ابنِ فاطمہؑ آفت میں کیا کرے
اب ہم سے دیکھئے کسے قسمت جدا کرے

بھرتے تھے آہِ سرد کبھی تھام کر جگر
روتے تھے گاہ زانوے اقدس پہ رکھ کے سر
تکتے تھے مسکرا کے کبھی جانبِ پسر
کرتے تھے یاس سے کبھی عباسؑ پر نظر
وہ نونہال اور یہ پھولے پھلے ہوئے
حضرت کی ایک گود کے دونوں پلے ہوئے

ماتم ادھر تھا فوج کے باجوں کی دھوم اُدھر
یاں بیکسی تھی فوجِ عدو کا ہجوم اُدھر
باہم تھے سرکشانِ رے و شام و روم اُدھر
زر بانٹتا تھا خود پسرِ سعدِ شوم ادھر
ہر شخص نعمتوں سے اُدھر کامیاب تھا
گرمی میں تین روز سے یاں قحطِ آب تھا

عباسؑ چاہتے تھے کہ پہلے ہوں میں نثار
اکبرؑ کا عزم تھا کہ بس اب سر ہے تن پہ بار
بھائی کے غم میں روئیں نہ آقائے نامدار
عمو سے پہلے جائیں ہمیں بہرِ کارزار
جاتا ہے وقت ہاتھ سے گر اب فدا نہ ہوں
حضرت یہ چاہتے ہیں کہ دونوں جدا نہ ہوں

اُٹھتا ہے اہلِ بیت سے جب شورِ العطش
شہ کہتے ہیں قریبِ ہلاکت ہیں فاقہ کش
کرتے ہیں عرض رو کے علمدارِ ماہوش
شاید سکینہؑ جان کو پھر آگیا ہے غش
کس سے کہیں جو قلب پہ صدمے گزرتے ہیں
افسوس ہم تو جیتے ہیں معصوم مرتے ہیں

دیکھا ہے جب سے لاشۂ قاسمؑ کو پائمال
چھریاں جگر پہ چلتی ہیں یا شاہِ خوش خصال
گر قبلۂ امم سے ملے رخصتِ جدال
دشتِ نبرد کو ابھی کر دیں لہو سے لال
رو کے غلام کو یہ کسی کا جگر نہیں
دریا نہ چھین لیں تو علیؑ کے پسر نہیں

جائیں جدھر لہو کی اُدھر ندیاں بہائیں
ظالم کسی پرے میں سلامت نظر نہ آئیں
کاٹے سروں کے ٹھوکریں اک اک قدم پہ کھائیں
مشکیزہ بھر نہ لیں تو نہ مُنھ آپ کو دکھائیں
چھوٹے نہ تیغ ہاتھ سے جب تک کہ دم رہے
چھاتی پہ مرتے وقت بھی مشک و علم رہے

شہ نے کہا کہ اس میں کسی کو ہے کیا کلام
تم غیظ میں جو آؤ تو ہل جائے روم و شام
بھائی مگر یہ غیظ و غضب کا نہیں مقام
میری تو یہ دُعا ہے کہ ہو صابروں میں نام
پہلے مروں میں تم نہ اگر سدِ راہ ہو
مجھ کو نہیں قبول کہ اُمت تباہ ہو

بولے بہا کے اشک علمدارِ نامدار
ھل من مُبارز کی ہے اُس فوج میں پکار
یاں ایک شاہزادہ ہے اور ایک جاں نثار
آخر حضور دیں گے کسے اذنِ کارزار
دیکھیں تو آپ اُن کے نشانوں کے اوج کو
اتنا تو ہو کوئی کہ نہ بڑھنے دے فوج کو

شہ نے کہا انھیں بھی تو ہے شوق جنگ کا
غازی نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ کربلا
اچھا جہاد کی علی اکبرؑ کو دی رضا
انصاف کیجئے مجھے خلقت کہے گی کیا
کس منھ سے پاس جاؤں گا خیر الانام کے
جب شاہزادہ قتل ہو آگے غلام کے

بانو کی روح جسم شہِ بے وطن کی جاں
دُنیا کی زیب آلِ رسولِ زمن کی جاں
چھوٹے بڑوں کی آنکھوں کا تارا بہن کی جاں
پامال ہو وہ گل جو ہے سارے چمن کی جاں
اُس زندگی پہ خاک اگر ایک دم جئیں
ہم شکلِ مصطفےٰ تو نہ ہو اور ہم جئیں

شہ نے کہا کہ پھر مجھے کھانے دو تیغ و تیر
تم سا جوان قتل ہو جیتا رہے یہ پیر
تم یادگارِ شیرِ خدا شاہِ قلعہ گیر
ہم صورتِ رسولِ خدا یہ مہِ منیر
سمجھے ہو سہل تم مجھے مشکل ہے کیا کروں
دو داغ اور ایک میرا دل ہے کیا کروں

تم ہوگے تو تباہ نہ ہوگا ہمارا گھر
عابدؑ کو بیڑیاں نہ پنھائیں گے اہلِ شر
عریاں نہ ہوں گے بلوے میں سیدانیوں کے سر
زینبؑ کو شام میں نہ پھرائیں گے در بدر
بچ جائیں گے سبھوں کے گلے ریسمان سے
بُندے نہ پھر چھنیں گے سکینہؑ کے کان سے

کہنے لگے یہ رو کے علمدارِ ذی حشم
میرا ہے افتخار نگہبانیِ حرم
کرتے ہیں گر سپرد یہ عہدہ شہِ اُمم
بہتر ہے پھر کسی کو عنایت ہو یہ عَلم
نام و نشاں سے کام نہ دُنیا سے کام ہے
مجھ کو رضائے سیدِ والا سے کام ہے

سمعًا وطاعۃً ہمیں کیا آبرو سے کام
بہتر ہے بیڑیاں بھی پہن لے گا یہ غلام
آقا کریں عتاب نہ گر جاں نثار پر
رونے لگے یہ سُن کے شہنشاہِ بحر و بر
سیدانیاں یہ کہنے لگیں تھام کر جگر
اکبرؑ کی خیر ہو شہِ والا کی خیر ہو

سب بی بیاں تھیں گردِ علمدارِ نامدار
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسِ ذی وقار
آنکھوں سے اشک بہتے ہیں چہرہ بھی لال ہے
لیکر بلائیں کہتی تھی بانوے شاہِ دیں
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسِ مہ جبیں
کرتا نہیں مدد کوئی لاکھ التجا کریں

بنتِ علی کے پاس جو پہونچا وہ سیم بر
گھبرا کے بولی زینبِ ناشاد و نوحہ گر
اب تو کوئی لڑے گا نہ بیکس امام سے
رونے کی وجہ کیا ہے اُلجھتا ہے میرا دم
بہتے ہیں اشک نرگسی آنکھوں سے دم بدم
آخر کھُلے گا سب پہ کوئی واردات ہو

کہنے لگی یہ زوجۂ عباسِ خوش خصال
قسمیں جناب دیتی ہیں تم کو نہیں خیال
صدقہ انھیں کا سب ہے کہ پھولے پھلے ہو تم
قدموں پہ سر جھکا کے یہ عباسؑ نے کہا
میرا کفیل کوئی نہیں آپ کے سوا
میرا نہیں خیال شہِ خاص و عام کو

کچھ عرض کی مجال نہ تکرار کا مقام
کھولوں سلاحِ جنگ اجازت جو دیں امام
جا بیٹھوں مُنھ چھپا کے علیؑ کے مزار پر
عباسؑ آئے خیمہ کے اندر جھکائے سر
کیا ہے جو روتے آئے ہیں عباسؑ نامور
یا رب وطن میں فاطمہِ صغراؑ کی خیر ہو

جو پوچھتا تھا اور یہ روتے تھے زار زار
صاحب کہو تو کچھ کہ میرا دل ہے بے قرار
مقتل میں کیا ہوا جو تمہارا یہ حال ہے
بھیا بتاؤ خیر سے ہیں اکبرِؑ حزیں
ہے خیریت حضور نہ گھبرائیں کچھ نہیں
جو بدنصیب ہوں وہ نہ روئیں تو کیا کریں

ماتم کی صف پہ رکھ دیے ہتھیار کھول کر
عباسؑ کیا ہے کھولتے ہو کس لئے کمر
کیوں بھائی صلح ہو گئی کیا فوجِ شام سے
قاسم کے غم میں کیا ہوا کچھ اور تازہ غم
بولو تو کچھ حسینؑ کے سر کی تمہیں قسم
مجھ سے الگ کہو جو چھپانے کی بات ہو

وہ کونسی ہے بات کہ جس کا ہے یہ ملال
صاحب بڑی بہن سے کہو اپنے دل کا حال
بیٹوں کی طرح گود میں ان کی پلے ہو تم
کیونکر نہ روؤں قتل ہوئے خویش و اقربا
مجھ کو حسینؑ مرنے کی دیتے نہیں رضا
دیجیے نجف میں جانے کی رخصت غلام کو

فرماتے ہیں کہ اکبرِ مہرو وغا کو جائیں
بچے ہوں کامیاب شہادت ہمیں نہ پائیں
دیکھیں انھیں شہید دل ہم کہاں سے لائیں
پردہ اسی میں اب ہے کہ عالم سے منھ چھپائیں
کب اُٹھ گئے جہاں سے کسی کو خبر نہ ہو
اُس بن میں جا رہیں کہ بشر کا گزر نہ ہو

زینبؑ نے تب کہا کہ یہ آزردگی ہے۔ لو
معلوم اب ہوا مجھے مطلب ہے ان کا جو
کیوں کر کہوں کہ بھائی کو مرنے کا اذن دو
اچھا بلا کے کہتی ہوں آگے جو ہو سو ہو
رونا ادھر۔ اُدھر کو غریبی و یاس ہے
ان کا بھی درد ہے مجھے اُن کا بھی پاس ہے

مشکل مجھے ہے کس سے کہوں اپنا حالِ زار
وہ ماں کی جان و روح یہ بابا کی یادگار
بیکس بہن سے پوچھے کوئی بھائیوں کا پیار
کیونکر جئیں گے ہائے شہنشاہِ نامدار
کہتے ہیں موت خلق میں سب اس جُدائی کو
یارب مفارقت نہ ہو بھائی سے بھائی کو

زاری ادھر تھی اور پریشاں تھا سب کا حال
آیا اُدھر حسینؑ کو عباسؑ کا خیال
ہمشکلِ مصطفےؐ سے یہ بولا علیؑ کا لال
آزردہ ہو گئے ہیں علمدارِ خوش خصال
بے تاب دل ہے چھاتی سے لپٹائیں بھائی کو
آؤ حرم میں چل کے منا لائیں بھائی کو

اکبرؑ کا ہاتھ تھام کے گھر میں حسینؑ آئے
دیکھا کھڑے ہیں حضرتِ عباسؑ سر جھکائے
پھیلا کے ہاتھ لب پہ شہِ دیں سخن یہ لائے
آؤ گلے لگو کہ دلِ زار چین پائے
تم تو عزیز ہو مجھے اس نورِ عین سے
کس بات پر خفا ہوئے بیکس حسینؑ سے

عباسؑ ہاتھ جوڑ کے بولے کہ کیا مجال؟
ہیں شیرِ کبریا کی جگہ شاہِ خوش خصال
کیا ذکر ہے ملال کا اے فاطمہؑ کے لال
عاجز ہوں شکر میں جو زباں سب ہوں تن کے بال
حضرت غلام کہہ کے پکاریں تو شاد ہوں
مادر مری کنیز ہے میں خانہ زاد ہوں

حضرت کے منھ کو دیکھ کے زینبؑ نے یہ کہا
آپ ان پہ شیفتہ ہیں یہ ہیں آپ پر فدا
صدقے بہن ہو بھائی انھیں دیجئے رضا
دُنیا میں اور بھی ہے کوئی ایسا باوفا
مثلِ علی جہاں کے شجاعوں کے تاج ہیں
ظاہر ہے آپ پر کہ یہ نازک مزاج ہیں

واں ہے وہ غا طلب سیہ خانماں خراب
ان کو کسی کی بات کے سُننے کی کب ہے تاب
حضرت کے ڈر سے دے نہیں سکتے ہیں کچھ جواب
غصہ بھی ہے اور یہی ان کو پیچ و تاب
بگڑیں تو پھر بپا ہو قیامت جہان میں
رونا یہ ہے کہ آتا ہے فرق آن بان میں

اکبرؑ کو آپ بھیج دیں گر سوئے فوجِ شام
ہو جائیں دشمن ان کے تڑپ کر ابھی تمام
مطلب یہ ہے کہ فوج پہ چمکے مری حسام
دنیا میں مجھ سے بڑھ کے نہ ہوگا کسی کا نام
پہلے ہمیں حسینؑ پہ سر کو فدا کریں
پالا ہے دکھ سے اب انھیں کیونکر جدا کریں

نیّت سفر پہ باندھی ہے ہتھیار کھول کر
بہنوں کی بیکسی پہ بھی اب تو نہیں نظر
کیا آپ نے کہا تھا کہ اکبرؑ کٹائے سر
مجھ کو کبھی یقین نہیں یا شاہِ بحر و بر
میرے حواس ان کے تڑپنے نے کھوئے ہیں
روئی ہوں میں بھی ساتھ یہ اس طرح روئے ہیں

کیونکر زباں سے اپنی کہوں میں جگر فگار
ضد ہے یہی کہ جلد ملے اذنِ کارزار
حضرت یہ ان کے دل کا تو مطلب ہے آشکار
خیر اب خوشی انھیں کی کریں شاہِ نامدار
صفدر ہیں جان دینے کو کچھ جانتے نہیں
غصّے میں یہ تو بات کوئی مانتے نہیں

شہ نے کہا کہ بس ہے اسی بات کا ملال
لیں اذنِ جنگ خیر سدھاریں پئے جدال
قسمت میں ہے کہ یہ بھی نہ ہوں وقتِ انتقال
تنہا مسافرت میں مرے فاطمہؑ کا لال
قاتل ہو زخمی چھاتی پہ خنجر ہو پیاس ہو
کٹنے لگے جو حلق تو کوئی نہ پاس ہو

ہم چاہتے ہیں ساتھ جئیں ساتھ ہی مریں
مرنے لگیں جو ہم تو یہ زانو پہ سر دھریں
تلواریں کھا کے ایک جگہ خون میں بھریں
خیر ان کی جو خوشی یہی پہلے سفر کریں
مشتاق ہیں بہشت کے حوروں کے قصر کے
یہ قبلِ ظہر پہونچیں گے ہم بعدِ عصر کے

سب اہلِ بیت رونے لگے سُن کے یہ کلام
قدموں پہ شہ کے جھک کے یہ بولا وہ نیک نام
تقصیر بخشئے مری اے شاہِ تشنہ کام
چھاتی سے سر لگا کے یہ کہنے لگے امام
بھائی سے دل بُرا کہیں ہوتا ہے بھائی کا
یہ روٹھنا فقط تھا بہانہ جدائی کا

لائیں سلاح سامنے زینبؑ بہ چشمِ تر
پٹکا اُٹھا کے شہ نے کہا باندھیے کمر
تسلیم کی ادب سے جری نے جُھکا کے سر
ہتھیار سج کے خیمے سے نکلا وہ نامور
غم چھا گیا اُمید چلی یاس رہ گئی
بس سر جُھکا کے زوجۂ عباسؑ رہ گئی

لے کر علم اُدھر سے بڑھا وہ فلک جناب
خادم ادھر سے لائے فرس کو بصد شتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر جو ہوئے مثلِ آفتاب
نورِ قدم سے چاند بنے حلقۂ رکاب
اسوار بے نظیر فرس بے مثال تھا
جو نعل کا نشاں تھا زمیں پر ہلال تھا

آمد علیؑ کے شیر کی ہے رزم گاہ میں
دہشت سے تہلکہ ہے عدو کی سپاہ میں
ہر چند ابھی سواریِ صفدر ہے راہ میں
بجلی چمک رہی ہے عدو کی نگاہ میں
غل ہے وہ شیر قصد کئے ہے ترائی کا
پھر معرکہ ہے آج علیؑ کی لڑائی کا

یوں چھیڑتے فرس کو اسد آفت کے بن میں آئے
جیسے نسیم فصلِ بہاری چمن میں آئے
اس دبدبے سے لشکرِ پیماں شکن میں آئے
اک شور پڑ گیا اسد اللہ رن میں آئے
جنگل کے شیر صورتِ آہو دبک گئے
جتنے بڑھے ہوئے تھے پرے سب سرک گئے

اللہ رے رعبِ حضرتِ عباسؑ عرش جاہ
صف پر گریں صفیں تہ و بالا ہوئی سپاہ
دیکھا جدھر شکار پہ کی شیر نے نگاہ
ہٹ ہٹ گئے جو نہر کو روکے تھے روسیاہ
کھایا نگہ کا تیر اگر آنکھ چار کی
دکھلا دی ابروؤں نے برش ذوالفقار کی

کاندھے پہ ساتھ مشک و علم پشت پر سپر
وہ تیغِ تیز دم میں جو کر دے مہم کو سر
وہ تیر الحفیظ کماں وہ کہ الحذر
وہ ضرب گرز توڑ دے جو کوہ کی کمر
وہ ڈھال روک لے جو تہمتن کے وار کو
نیزہ وہ جو فرس سے اُٹھا لے سوار کو

سر پر وہ خود گرد پھرے جس کے آفتاب
نورِ جبیں سے بدرِ فلک قدر کو حجاب
بیت ابروؤں کی حُسن کے دیواں میں لاجواب
جو خالِ مشکبیز کا نقطہ وہ انتخاب
مر جائے شیر پر جو پڑے اس ولی کی آنکھ
آنکھوں کو دیکھئے تو بعینہٖ علیؑ کی آنکھ

قرآن و رحلِ روئے مبیں و خطِ سیاہ
ظلمت میں آفتاب ہے یا جوفِ شب میں ماہ
سوکھے لبوں پہ برگِ گلِ تر کا اشتباہ
مدحِ دہن میں اب نہیں ملتی سخن کو راہ
ایسا دقیق اور معمّا کہیں نہیں
موجود اسم ہے پہ مسمّا کہیں نہیں

کیونکر کہیں کہ غنچۂ تصویر وَرد ہے
یاں یاسمن بھی فرطِ خجالت سے زرد ہے
کس طرح منقسم ہو وہ جوہر جو فرد ہے
حیراں خیالِ فلسفیِ ہرزہ گرد ہے
میزانِ عقل میں حکما کے تلا نہیں
یہ وہ طلسم ہے جو کسی سے کھلا نہیں

دانتوں میں وہ چمک کہ نظر کو نہیں ہے تاب
خود جس کی برق و شرق سے آکاش کو حجاب
کیا ان کے سامنے گہرِ بے بہا کی آب
دعویٰ ہو کچھ تو دُر ابھی دنداں شکن جواب
گر منہ سے دُر کہوں تو فصاحت سے دور ہے
دانا کو آبرو کی حفاظت ضرور ہے

شانوں کو آفتاب اگر کیجئے رقم
ذرّے سے آفتاب جہاں تاب یاں ہے کم
لو کاٹتا ہے غیظ سے اپنی زباں قلم
یہ وہ ہے جس پہ فوجِ خدا کا رہا عَلَم
کون ایسا نوجواں تھا خدا کے ولی کے بعد
بے شک عَلَم انھیں کے لئے تھا علیؑ کے بعد

شانے وہ گول گول وہ بازو بھرے بھرے
فرقت میں جن کی حورِ تہ تکیہ پہ سر دھرے
پہنچوں کے زور سے تہ و بالا ہوئے پرے
پنجہ وہ جس کو دیکھ کے شیرِ ژیاں ڈرے
ضو اُن ہتھیلیوں کی کہاں آفتاب میں
وہ انگلیاں در آئیں جو خیبر کے باب میں

سینہ وہ آئینہ ہے کہ صدق و صفا کا گھر
مسکن ادب کا علم کا ماخذ حیا کا گھر
سینے میں اس طرح ہے دلِ باوفا کا گھر
جس طرح سب گھروں میں مقدس خدا کا گھر
کعبہ ہے گو زمیں پہ مگر عرش قدر ہے
دل صدر میں ہے صدرِ جہاں ہے وہ صدر ہے

قرباں ہیں ثباتِ قدم پر ہزار سر
رکھتا ہے فخر جس پہ بصد افتخار سر
اعدا جو لاکھ ہوں تو کریں ایک بار سر
سرکش نہ اور کٹ کے گریں بے شمار سر
نقش اس قدم کا خاک پہ رہتا ہے اس طرح
مٹتا نہیں کبھی خطِ تقدیر جس طرح

ناگہ صدا بلند ہوئی طبلِ جنگ کی
جو تھے بہادر اُن کے دلوں نے اُمنگ کی
نکلے نقیب اور یہ صدا بے درنگ کی
باگیں اُٹھاؤ اسپِ کمیت و سرنگ کی
نامی جواں وہ ہے جو لڑے اس دلیر سے
اب سامنا ہے شیرِ الٰہی کے شیر سے

جب یوں بڑھائے دل تو سواروں کے دل بڑھے
گُرز اپنے تول تول کے لشکر کے یل بڑھے
ہر صف سے یوں اُولے ہوئے تیغوں کے پھل بڑھے
جس طرح قبضِ روح کو دستِ اجل بڑھے
تنہا تھا وہ صفیں تھیں بہم جس کے واسطے
یہ معرکہ تھا اک متنفس کے واسطے

اُلٹی علیؑ کے شیر نے بھی آستیں ادھر
قبضے پہ ہاتھ اُدھر گیا کانپی زمیں ادھر
ظاہر ہوا جلالِ جہاں آفریں ادھر
آیا جلال میں اسدِ خشمگیں ادھر
صف پر جو صف گری تو پیادے سوار پر
گویا علیؑ نے ہاتھ رکھا ذوالفقار پر

یوں تیغِ شعلہ زا نکل آئی نیام سے
نکلی بیاضِ صبح شبِ تیرہ فام سے
جس طرح برق ابر سے معنی کلام سے
چہرہ دکھایا حور نے دارالسّلام سے
آئینہ ظفر تھا کہ نکلا غلاف سے
کھینچا پری کو فخرِ سلیماں نے قاف سے

چمکی جو تیغ برقِ جہندہ بنا سمند
خود آگ تھا وہ رخش تو سیماب جوڑ بند
ہر نعل و سم کو فوق تھا بدر و ہلال پر
گھوڑا کہیں پرند کسی جا پری کہیں
تیروں نے اُس سے رو میں نہ کی ہمسری کہیں
رکھتا تھا معرکے میں قدم اس وقار سے

کلک اُس کے ہاتھ پاؤں کو لکھے تو کیا لکھے
خود بے سعادتی ہے جو بالِ ہما لکھے
ناقص کہیں جو طالبِ تشبیہ تام ہیں
پریاں نثار ہوتی ہیں چال اُس کی دیکھیے
سرعت دمِ جدال و قتال اُس کی دیکھیے
روشن ہیں پتلیاں کہ قدم اُس جری کے ہیں

آغازِ جنگ میں وہ تگ و دو وہ آؤ جاؤ
جاتا تھا یوں اُتار ہو رستے میں یا چڑھاؤ
تھا صاحبِ عَلَم بھی جدل پر تلا ہوا
ڈھالوں کو روکتے تھے جوانانِ پُرجگر
وہ اُڑ گئیں کلائیاں دھڑ سے گرا وہ سر
وہ آتشِ فساد و غضب خاک ہو گئی

جب سَن سے وہ چلی تو گرے سر زمین پر
وہ تیغ دم نہ لے کہیں دم بھر زمین پر
فتح و ظفر حسامِ دو دستی کے ساتھ ہے
وہ برق جب ادھر سے اُدھر جا کے پھر گئی
بے جاں اسے کیا اُسے تڑپا کے پھر گئی
چڑھتے ہی رن پہ نشۂ جرات اُتر گئے

آہو جو خاک پر تو ہوا کی طرف پرند
اسوار کو چھپالے وغا میں وہ سربلند
طاؤس و کبک وجد میں تھے اُس کی چال پر
آہو کہیں ہما کہیں کبک دری کہیں
نرمی کہیں شتاب کہیں صفدری کہیں
جیسے چمن میں پھول گرے شاخسار سے

مردم ہوا پرست کہیں گر ہوا لکھے
مشہور نارسا ہو جو ذہنِ رسا لکھے
یہ سب اُسی کے غاشیہ داروں کے نام ہیں
حوروں کے بال دیکھ کے بال اُس کی دیکھیے
کیا حسن ہے رکاب و دوال اس کی دیکھیے
آنکھیں یہ حور کی ہیں وہ گیسو پری کے ہیں

گھونگھٹ نیا تھا چال نئی تھی نیا بناؤ
جیسے ہوا میں جاتی ہے آبِ رواں پہ ناؤ
کشتی کا بادباں تھا پھریرا کھلا ہوا
بجلی گرہی پڑے گی تو پھر کیا کرے بشر
بازو ہوا وہ قطع وہ دو ہو گئی کمر
سینہ وہ کٹ گیا وہ زرہ چاک ہو گئی

سر تھے کسی جگہ کہیں پیکر زمین پر
جبرئیل بھی بچھائیں اگر پر زمین پر
دستِ خدا کے جوشنِ بازو کا ہاتھ ہے
خوں پی کے سر گرا کے صفیں کھا کے پھر گئی
تھی اک چھری کہ حلق پہ اعدا کے پھر گئی
دیکھا نہ صاف منہ اسی حسرت میں مر گئے

یوں تھیں صفیں کہ موج کے پیچھے ہو جیسے موج
تھا دم بدم شناورِ دریائے خوں کو اوج
چکر میں تھی بصورتِ گرداب ساری فوج
تلوار فرد فرد کو کرتی تھی زوج زوج
بیدم ہیں وہ جو تیغِ دو دم سے دوچار ہیں
گر چار ہیں تو آٹھ جو دو ہیں تو چار ہیں

غصہ ستم تھا قہر غضب تھا جفا نئی
اُڑتے تھے سر تنوں سے چلی تھی ہوا نئی
مضموں نئے ہیں بندشِ مہر و وفا نئی
تیزی نئی ہے چال نئی ہے ادا نئی
جیسے ورق ہوا سے پرے یوں اُلٹتے ہیں
سو سو گلے اشارۂ ابرو میں کٹتے ہیں

فوجوں میں ابتری تھی علیؑ کے طفیل سے
سیفی سے صاف تیز دعائے کمیل سے
جوہر کہیں فزوں تھے ضیا میں سہیل سے
ہاتھوں بڑھی ہوئی تھی روانی میں سیل سے
نازل تھا قہر منزلِ ہستی خراب تھی
گھر گر رہے تھے کفر کے بستی خراب تھی

اعدا کے حق میں ہو گیا آب حسام سم
کرتے تھے آہوؤں کی طرح خوش خرام رم
نیزے تھے خوف سے صفتِ چوبِ خام خم
ایسا لڑا جہاں میں کوئی تشنہ کام کم
دشمن بھی معترف تھے وہ پیکار کر گئے
مقتل سے اُڑ کے تا سرِ کہسار سر گئے

اک آگ تھے کہ خاک میں سب کو ملا گئے
سم ہو گیا اُسے جسے پانی پلا گئے
آئے جدھر زمین کے طبقے ہلا گئے
زخموں کے پھول نخلِ بدن پر کھلا گئے
تیروں کو بلبلوں کا نشیمن بنا دیا
رن کی زمینِ شور کو گلشن بنا دیا

رہوار بھر رہا تھا طرارے اِدھر اُدھر
سب بھاگتے تھے خوف کے مارے اِدھر اُدھر
اُڑتے تھے اُس کے دم سے شرارے اِدھر اُدھر
دُنبالہ دار گرتے تھے تارے اِدھر اُدھر
دریا پہ ہاتھ دھوئے تھے سب اپنی جان سے
تلوار کیا برستی تھی آگ آسمان سے

شمشیر زن کے ہاتھ میں دستِ خدا کا زور
پہونچا تھا ہاتھوں ہاتھ جسے مرتضیٰؑ کا زور
کس بل غضب کا قہر کی ضربت بلا کا زور
نعرہ یہ تھا کہ مجھ میں ہے مشکل کشا کا زور
مرحب سا اتنی فوج میں اک نامور نہیں
کیونکر کھلے یہ زور کہ خیبر کا در نہیں

حسرت رہی وغا کی دلِ حق پسند کو
کھولا نہ ایک نے مرے نیزے کے بند کو
پستی میں لاؤں اوج سے کس سربلند کو
خندق میں عمر ہو تو اُڑاؤں سمند کو
دو ٹکڑے کر دوں رستمِ دستاں سے گیو کے
ٹکے سے باندھوں مثلِ علیؑ ہاتھ دیو کے

جم کر لڑو صفوں کی صفائی تو دیکھ لو
گردن کی اور سروں کی جدائی تو دیکھ لو
ابن علی کی قلعہ کشائی تو دیکھ لو
پیاسے مسافروں کی لڑائی تو دیکھ لو
سر سبز ہوں میں تیغ دو دم سرخرو رہے
تم کو ہوس رہے نہ مجھے آرزو رہے

ہر بار رن پہ رن پڑے ایسی نبرد ہو
ہنگامہ گرم ہو کے نہ بازار سرد ہو
تھرائے آسمان رخِ خورشید زرد ہو
بڑھنے نہ دو مجھے تو یہ جانوں کہ مرد ہو
بالائے دوش مشک ہے تلوار ہاتھ میں
دریا کا گھاٹ لیتا ہوں دو چار ہاتھ میں

یہ سُن کے واں کی فوج سے اک پہلواں بڑھا
گویا کہ جھومتا ہوا پیلِ دماں بڑھا
نیزہ بڑھا اُدھر سے اِدھر سے نشاں بڑھا
پنجہ اُٹھا کے صید پہ شیرِ ژیاں بڑھا
دیکھا جو نعرہ مار کے اُس بدخصال کو
سمجھے یہ سب اسد نے دبوچا غزال کو

نیزہ اِدھر اُدھر سے بصد کر و فر تلا
باندھا اُدھر جو بند شقی نے اِدھر کھلا
ہوتا ہے کیا ہزار کرے فوج غلغلہ
یہ موجِ بحرِ قہر وہ پانی کا بلبلہ
تھی چوٹ پر جو چوٹ تکاں پر تکان تھی
نیزے میں نوک تھی نہ کلائی میں جان تھی

جوڑا بچا کے سر کو ستمگر نے زہ سے تیر
تھرا رہا تھا شورِ بگیر و بدہ سے تیر
زخمی ہوا نہ صدر نہ گزرا زرہ سے تیر
گوشے کماں کے کٹ گئے ٹوٹا گرہ سے تیر
سرزد خطا یہ کیا ہوئی ششدر شریر تھا
اوچھے سے وار میں نہ کماں تھی نہ تیر تھا

ظالم پکارا تول کے پھر گرزِ گاؤ سر
اس کی ہوا لگے تو سلامت نہ پاؤ سر
ممکن نہیں کہ خاک پہ گر کر اُٹھاؤ سر
ہاں نورِ چشمِ حیدرِ صفدر بچاؤ سر
رستم سا پہلواں ہو تو جی اس کا چھوٹ جائے
ایک اس کی ضرب میں کمر کوہ ٹوٹ جائے

عباسؑ نے کہا کہ خموش اے زباں دراز
گو میں ضعیف ہوں پہ توانا ہے کارساز
اللہ خاکسار کو کرتا ہے سرفراز
کیا گرزِ گاؤ سر کی حقیقت ہے او گراز
برہم اگر ہوں لال شہِ قلعہ گیر کے
پھینکیں زمیں پہ کلۂ اژدر کو چیر کے

بے شرم راست بازوں سے یہ کج ادائیاں
کیا تجھ سے گاؤ زور سے زور آزمائیاں
نیکوں سے یہ بدی یہ بھلوں سے برائیاں
ہم توڑ ڈالتے ہیں اسد کی کلائیاں
ضیغم دبک کے بیشۂ حیدر میں آتے ہیں
یاں کے غزال شیر کو آنکھیں دکھاتے ہیں

مارا جھپٹ کے گرزِ گراں روسیاہ نے
روکا سپر پہ ضرب کو اُس دیں پناہ نے
پکڑی کلائی ہاتھ سے بازوئے شاہؑ نے
چھوٹی نہ لاکھ زور کیا روسیاہ نے
نقصانِ جاں بھی دست درازی کے ساتھ ہو
چھوڑے نہ گرز کو تو نہ بازو نہ ہاتھ ہو
جب چھٹکے انگلیوں سے ٹپکنے لگا لہو
پہونچا سزا کو میں یہ پکارا وہ کینہ جو
بولے یہ ہاتھ چھوڑ کے عباسؑ نیک خو
پھر کیجیو نہ لاف زنی میرے روبرو
تو ہاتھ جوڑتا ہے تو مُنھ موڑتا ہوں میں
صیدِ زبوں سمجھ کے تجھے چھوڑتا ہوں میں

یہ گھاٹ چھین کر ہمیں بھرنی ہے مشکِ آب
تڑپا رہا ہے قلب کو بچوں کا اضطراب
تلوار جلد کھینچ لے او خانماں خراب
رکتا ہے کیوں لڑائی کا ہو فیصلہ شتاب
مشکلکشا کی تیغ کا یہ فیض عام ہے
جب چار ہاتھ چل گئے قصہ تمام ہے

جب اس طرح سے چل گئے تیغ زباں کے وار
تیغِ دو دم کو تول کے آیا وہ نابکار
رد کر کے چند وار صدا دی کہ ہوشیار
شمشیر سر پہ آئی کہ مرحب پہ ذوالفقار
سب غول چار آئنہ والوں کا دنگ تھا
سر تھا نہ صدر تھا نہ کمر تھی نہ تنگ تھا

دو ہو کے مُنھ کے بھل جو گرا وہ ستم شعار
عباسؑ سوئے نہر بڑھے بہر کارزار
بس سرنگوں گیا سوئے دوزخ وہ نابکار
نیزے اُٹھا اُٹھا کے یہ کہنے لگے سوار
گو آپ کی بھی تیغ میں آفت کی کاٹ ہے
بڑھیے ذرا سنبھل کے یہ تیغوں کا گھاٹ ہے

غازی پکارا بڑھ کے ہمارے قدم ہٹیں
تیغیں ہٹیں نشاں ہوں سلامی علم ہٹیں
ممکن نہیں کہ صاحبِ سیف و قلم ہٹیں
دریا سے تم ہٹو یہ نہ ہوگا کہ ہم ہٹیں
سرکے نہیں قدم کبھی آگے بڑھے ہوئے
اُترے ہیں شیر پیر کے دریا چڑھے ہوئے

دریا یہ کیا ہے اور تمہاری بساط کیا
ثابت قدم کو تیغوں کا ڈر کیا صراط کیا
یہ گھاٹ کیا ہے قصر ہو تو کیا رباط کیا
جب جان دی تو جسم کی پھر احتیاط کیا
اُڑنے کو پر ملیں گے اگر تیر کھائیں گے
کوثر پہ اب تو ہم اسی دریا سے جائیں گے

رکھیں گے تیغ تیز کے قبضے پہ ہاتھ جب
کھل جائے گا اشارے میں یہ بندوبست سب
دریا ہے جن کے جد کا وہ بچے ہیں تشنہ لب
سر لوٹتے پھریں گے جو ٹوکا کسی نے اب
ہتھیار کیا ہیں فوج کے جی چھوٹ جائیں گے
یہ مورچے بندھے ہوئے سب ٹوٹ جائیں گے

اعدا نے جب سنبھال کے ہتھیار گھاٹ پر
آئی چمک کے برق شرر بار گھاٹ پر
اعدا ہزار ڈھالوں میں مُنھ کو چھپاتے تھے
جھپٹے مثالِ شیر جدھر صف اُلٹ گئی
جو فوج مثلِ موج بڑھی تھی وہ ہٹ گئی
اللہ کا غضب تھا کہ تلوار ہاتھ میں
بجلی تھی یا کہ تیغ کا پر تو ادھر اُدھر
چلتے تھے تھم کے وقت تگ و دو اِدھر اُدھر
عنصر بھی تھے شریک دمِ تیغ لاگ میں
ہر بار اُڑ کے جاتا تھا چاروں طرف سمند
گھوڑوں سے گر کے پست ہوئے کتنے سربلند
صف پر گری تھی صف تو پرے بھی پروں پہ تھے
اللہ ری سمند کی چھل بل لڑائی میں
بجلی تھی یا چمکتی تھی ہیکل لڑائی میں
بھاگڑ میں شہسواروں کی رہوار چھٹ گئے
جب سن سے تیغ تیز چلی سر پہ سر گرا
بھائی پہ بھائی باپ پہ مر کر پسر گرا
کشتوں کے پشتے ہو گئے ضربِ دلیر سے
بجلی تھی سر پہ یا چمک اُس شعلہ ریز کی
زہرے تھے آب۔ تاب کسے تھی ستیز کی
ہٹ کر نہ شکلِ امن نہ بڑھ کر نجات تھی
ساحل پہ تیغ تول کے گونجا وہ شیرِ نر
توڑا ہے ایک ہاتھ سے خیبر کا ہم نے در
ہم سے مقابلہ تھا اسی کائنات پر

ڈھالیں نہ تھیں گھٹا تھی دھواں دھار گھاٹ پر
چلنے لگی دلیر سے تلوار گھاٹ پر
کیا وار تھا کہ نار میں سر اُڑ کے جاتے تھے
یہ ہاتھ تن سے اُڑ گیا وہ ڈھال کٹ گئی
دیکھا جو گھاٹ تیغ کا جرات بھی گھٹ گئی
دریا کا گھاٹ لے لیا دُو چار ہاتھ میں
مر کر سوار گرتے تھے سو سو اِدھر اُدھر
ہل چل تھی بیچ میں تو رَوارَو اِدھر اُدھر
پھینکا ہوا نے خاک میں پانی نے آگ میں
تلوار نے گریز کے کوچے کیے تھے بند
دریا میں گر کے مر گئے کتنے جفا پسند
دُو پاؤں تھے زمین پہ اور دُو سروں پہ تھے
تلوار چل رہی تھی مسلسل لڑائی میں
پھٹ پھٹ گئے تھے ڈھالوں کے بادل لڑائی میں
جی چھوٹے گھاٹ چھٹ گیا ہتھیار چھٹ گئے
خوں ناریوں کا اُڑ کے مثالِ شرر گرا
چمکی جو دُو طرف یہ ادھر وہ اُدھر گرا
عرصہ فرس پہ تنگ تھا لاشوں کے ڈھیر سے
یارا نہ جنگ کا تھا نہ طاقت گریز کی
گھاٹ اُس طرف تھا باڑھ اُدھر تیغِ تیز کی
آگے لہو کی نہر تھی پیچھے فرات تھی
جو ہم کو روکتی تھیں وہ فوجیں گئیں کدھر
کرتے ہیں مرتضیٰ کے پسر یوں مہم کو سر
یہ مورچے تھے چیونٹیاں تھیں یا فرات پر

جن کو نہ دو دو دن ہو بہم قوتِ لایموت
اُن کے جواب میں یہ تحیر ہے یہ سکوت
زرہیں تھیں یا کہ موم کچھ اب تک نہیں ثبوت
حلقے یہ تھے کمند کے یا تارِ عنکبوت
ثابت نہیں خیار تھے یہ یا عمود تھے
پانی پہ یہ حباب تھے یا سر پہ خود تھے

تیغوں نے کچھ نہ کاٹ دکھایا نہ کس بل
نیزے وہ کیا ہوئے جو تلے تھے دمِ جدل
پُرزے کہاں اُن کے جو ڈھالیں تھیں بے بدل
کیا برچھیوں نے غیرِ مذلت دکھائے پھل
سر اُن کے کس طرف کو سنانیں کدھر گئیں
وہ تیر کیا ہوئے وہ کمانیں کدھر گئیں

تر تھے عرق میں ہاتھ میں تھی تیغ خوں چکاں
ٹھنڈی ہوا کچھار سے آئی جو ناگہاں
بولے یہ کانپ کے عباسؑ نوجواں
وا حسرتا کہ دھوپ میں ہیں شاہِ انس و جاں
بس اے صبا جہاں کی فضا ہے قفس ہمیں
پانی کی آرزو نہ ہوا کی ہوس ہمیں

ساحل سے نہر میں جو گیا وہ فلک حشم
دوڑے حبابِ بحر کہ آنکھوں پہ یہ قدم
پانی میں جلوہ گر تھا جو عکسِ رُخ و علم
تھے مہر و ماہ آئینۂ آب میں بہم
آئی صدا ورود کی ہر نخل و سنگ سے
دریا زبرجدی تھا پھریرے کے رنگ سے

عباسِؑ نامور جو گئے تھے لبوں کو بند
پانی پہ ڈالتا تھا نہ منھ اسپِ سربلند
گردن پہ ہاتھ پھیر کے بولا وہ ارجمند
احسنت! اے سمندِ رضا جو وفا پسند
با آبرو مزا ہے سوئے خلد جانے میں
تیری وفا کا شور رہے گا زمانے میں

چھینٹیں جو مُنھ پہ دینے لگا وہ فلک وقار
گردن ہلائی اُس نے کہ یہ بھی ہے ناگوار
پانی گیا جو مُنھ میں تو میں ہوں گا شرمسار
پیاسا ہے ابنِ فاطمہؑ کا طفلِ شیرخوار
آقا لہو جگر ہے سکینہؑ کے حال پر
فاقہ یہ تیسرا ہے محمدؐ کی آل پر

مشکیزہ بھر کے رخش کو آواز دی کہ چل
یاں منتظر تھی راہ کو روکے ہوئے اجل
آئے تھے گھاٹ تک کہ بڑھے برچھیوں کے پھل
تیغوں پہ تیغیں فوج پہ تھی فوج دل پہ دل
گھیرے تھے لوگ امن کی راہیں بھی بند تھیں
نیزے تلے ہوئے تھے کمانیں بلند تھیں

اک شور تھا کہ شیرِ دلاور نہ جانے پائے
سقائے اہلبیتِ پیمبرؐ نہ جانے پائے
فرزندِ فاطمہؑ کا برادر نہ جانے پائے
ہاں نورِ عینِ ساقیِ کوثر نہ جانے پائے
پھر ہے ظفر یزید کی گر یہ شہید ہو
عباسؑ کے گلے کو جو کاٹیں تو عید ہو

نعرہ کیا جری نے کہ ہم رُکنے والے ہیں
یہ دیکھے بھالے سب ہیں جو بھالے سنبھالے ہیں
ابتر کیا تھا جن کو وہی یہ رسالے ہیں
ثابت ہوا کہ دن ابھی ڈھالوں کے کالے ہیں
پستی کو ڈھونڈھتی ہے بلندی نشانوں کی
شاید ابھی کجی پہ ہے قسمت کمانوں کی

اس وقت سب جہاں مجھے مل کر تو روک لے
فوجیں تو آئیں سامنے لشکر تو روک لے
دیوارِ تیغ و نیزہ و خنجر تو روک لے
تم کیا ہو مجھ کو سدِّ سکندر تو روک لے
آیا ہوں جاں بلب کئی بچّوں کو چھوڑ کر
حائل پہاڑ ہو تو نکل جاؤں توڑ کر

فرما کے یہ فرس کو بڑھایا دلیر نے
دریا لہو کا دم میں بہایا دلیر نے
شیرِ خدا کا زور دکھایا دلیر نے
ٹپکا زمیں پر جسے پایا دلیر نے
یوں توڑ ڈالیں نیزوں کی ڈانڈیں مروڑ کے
جس طرح پھینک دے کوئی تنکے کو توڑ کے

ہتھیار پھینک پھینک کے بھاگے شریر سب
چوٹیں پڑیں کہ بھول گئے دار و گیر سب
کٹ کٹ گئے ملے ہوئے چلّوں سے تیر سب
چھپتے تھے سہم سہم کے برناؤ پیر سب
تھیں دھجیاں پھریروں کی ٹکڑے اُڑی ہوئی
ڈھالوں میں مُنھ چھپاتی تھیں تیغیں مڑی ہوئی

جس دوش پر تھی مشک اُسی ہاتھ میں عَلَم
سینہ سپر تھی کوندتی تھی تیغِ برق دم
برسا رہے تھے تیروں کا مینہ بانیِ ستم
رُکتے نہ تھے مگر کہیں عباسؑ ذی حشم
کیا شیر دل سوار تھا کیا راہوار تھا
جب باگ اُٹھائی فوج کے حلقوں سے پار تھا

لشکر یزید کا تھا کہ دریائے بے کنار
پیدل جو گر پڑے تو بڑھے جنگ کو سوار
بھاگے جو وہ تو آئے کنارے پہ نیزہ وار
نیزے قلم کئے تو چلے برچھیوں کے وار
کیونکر مہم یہ سر ہو کہ آفت نصیب سے
پلّے سے تیر چلتے تھے نیزے قریب سے

فوجوں سے اُس ترائی میں لڑتے ہوئے جو آئے
مجبور ہے بشر جو نہ مہلت اجل سے پائے
تلواریں سر پہ لگ گئیں پہلو پہ تیر کھائے
غازی کے ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہائے ہائے
پانی بہا تو جان چلی زور گھٹ گیا
دانتوں سے مشک چھوٹ گئی دم اُلٹ گیا

غش سے فرس پہ جھک کے جو سنبھلا وہ دیں پناہ
مارا کسی نے دیدۂ حق بیں پہ تیر آہ
سر پہ لگا جو گُرز تو حالت ہوئی تباہ
رہوار سے گرا پسرِ ضیغمِ الٰہ
اُٹھ بیٹھتے ہیں لوٹ کے یوں ارضِ پاک پر
جس طرح زخمی شیر تڑپتا ہے خاک پر

اک شور تہنیت کا ہوا فوج میں اُدھر
تلوار ٹیکتے ہوئے دوڑے جو ننگے سر
بے ہاتھ تھامے پاؤں بڑھانا محال تھا
بھائیؑ کا داغ دردِ جگر تین دن کی پیاس
فرماتے تھے پسر سے ٹھہر کر بدرد و یاس
تبلاؤ اب کہ حال ہمارا تباہ ہے

دم چڑھ گیا ہے سانس اُکھڑتی ہے دم بدم
دُنیا سے کھو گئے ہیں عباسؑ ذی حشم
سب گھٹ گیا ہے خوں جو مرا رنگ زرد ہے
دم توڑتا ہے نہر پہ شاید وہ مہ لقا
کس وقت میں بچھڑ گیا ہم سے وہ باوفا
ڈھونڈھے گی اُن کو روح اگر مر بھی جاؤں گا

پہونچے ترائی میں جو شہِ دیں بصد تعب
بازو کٹے تھے خون میں ڈوبا تھا جسم سب
آنکھوں سے نزع میں بھی رواں جوئے اشک تھی
سینے پہ مُنھ کو رکھ کے پکارے شہِ زمن
اے میرے شیر لے مرے جرّار وصف شکن
مرتے ہیں ہم جلا دو ہمیں مُنھ سے بول کے

غازی نے آنکھیں کھول کے دیکھا رُخِ امام
کروٹ جو لی کراہ کے کانپا بدن تمام
مانند بوئے گُل دمِ آخر گزر گیا
بھائی جواں جو مر گیا بھائیؑ کے سامنے
حضرت سے عرض کی پسر تشنہ کام نے
ماتم بپا نہ ہو جسدِ پاش پاش پر

یاں بارِ غم سے ٹوٹ گئی شاہؑ کی کمر
تھاما پسر نے بازوے شبیرؑ نوحہ گر
جس طرح بے قرار ہو بسمل یہ حال تھا
ضعفِ بصر شکستہ کمر منتشر حواس
اکبرؑ کدھر ہے لاشۂ عباسؑ حق شناس
رستہ پہاڑ ہو گیا کیا سخت راہ ہے

صدمے سے بیٹھا جاتا ہے دل کیا اُٹھیں قدم
سیدھا ہوں کس طرح یہ برادر کا ہے الم
دل میں، کمر میں، سینے میں، پہلو میں درد ہے
یہ تھی کراہنے کی اُسی شیر کی صدا
دو بھائیوں کو موت بھی آئی نہ ایک جا
پیدا نہ باپ ہو گا نہ بھائی کو پاؤں گا

سقائے اہلِ بیت نظر آئے جاں بلب
دم توڑتے تھے ہچکیاں لے لیکے ہے غضب
پُرخوں عَلم پہ ہاتھ تھا چھاتی پہ مشک تھی
حاضر ہوا برادرِ مظلوم و بے وطن
آزردہ ہو کہ دیر میں پہونچا یہ خستہ تن
دیکھو تو حال بھائیؑ کا آنکھوں کو کھول کے

اینٹھی تھی یہ زباں کہ نہ کچھ ہو سکے کلام
آنا تھا ہچکیوں کا کہ تھا موت کا پیام
منزل پہ بوجھ رکھ کے مسافر گزر گیا
ٹپکا زمیں پہ سر سے عمامہ امامؑ نے
چلیے اب اہلِ بیتِ محمدؐ کو تھامنے
نکلی سکینہؑ گر تو سب آئیں گی لاش پر

فرمایا شاہ نے کہ برادر کو رو تو لوں
مظلوم کو شہید کو صفدر کو رو تو لوں
سقائے اہلِ بیتِ پیمبرؐ کو رو تو لوں
عاشق کو بے وطن کو دلاور کو رو تو لوں
صبر آئے کس طرح ابھی تازہ جدائی ہے
اولاد باپ کی ہے برابر کا بھائی ہے

مر جائے بھائی اور نہ بھائی بکا کرے
غربت میں ہو یہ جس پہ مصیبت وہ کیا کرے
چھاتی پھٹے اگر نہ گریباں قبا کرے
میری بھی موت اب کہیں جلدی خدا کرے
مرتے ہی اُس کے رشتۂ اُلفت کو توڑ دوں
گودی میں جو پلے اسے جنگل میں چھوڑ دوں

ناگاہ در سے خیمے کے فضّہ نے دی صدا
دریا سے کس طرف گئے عباسؑ باوفا
کیسا یہ غل ہے نہر پہ اے شاہِ کربلا!
گھر سے نکل پڑی ہے سکینہؑ برہنہ پا
تن کانپتا ہے ضعف سے ہاتھوں میں ہاتھ ہے
عباسؑ کا پسر بھی سکینہؑ کے ساتھ ہے

یہ شور سُن کے لاش سے اُٹھے امامِ دیں
مشک و عَلَم کو لے کے چلے اکبرؑ حزیں
چلّائی رو کے عاشقِ عباسؑ مہ جبیں
ہے ہے عَلَم تو آتا ہے میرے چچا نہیں
چھائی ہوئی ہے کیسی اُداسی نشان پر
کیا بن گئی ارے مرے عمّو کی جان پر

لائے عَلَم جو خیمے میں سلطان بحر و بر
رایت کے ساتھ ساتھ تھے بچّے برہنہ سر
دیکھا جو اس عَلَم کا پھریرا لہو میں تر
سیدانیاں زمیں پہ گریں تھام کر جگر
سر پیٹتی تھی کوئی کوئی خاک اُڑاتی تھی
ہے ہے کا شور تھا کہ زمیں تھرتھراتی تھی

چلّاتے تھے حسینؑ کہ غم خوار مر گیا
زینبؑ ہمارا یار وفادار مر گیا
قوت تھی جس سے ہائے وہ جرّار مر گیا
سقّائے آلِ احمدِؐ مختار مر گیا
اب کون آفتوں میں رکھے گا خبر مری
سیدھی نہ ہو گی قبر میں بھی اب کمر مری

غش جس جگہ تھی زوجہ عباسِؑ نوجواں
سب مل کے اس کو زیرِ علم لائیں بی بیاں
بکھرا کے سر کے بال پکاری وہ خستہ جاں
لوگو بتاؤ لاشِ علمدارؑ ہے کہاں!
پوچھو بلائیں لے کے شہِ تشنہ کام کی
کیا وجہ ہے کہ لاش نہ لائے غلام کی

بولی یہ رو کے بانوئے بیکس بہ درد و غم
وہ کر گئے تھے آپ وصیت یہ مرتے دم
چلّائی سر کو پیٹ کے وہ کشتۂ الم
صاحب ترستے رہ گئے دیدار کو بھی ہم
مرتے ہوئے نہ چاند سی صورت دکھا گئے
کس بات پر کنیز سے صاحب خفا گئے

خاموش اب انیسؔ کہ اک حشر ہے بپا
کر حق سے ہاتھ اُٹھا کے بصد عجز یہ دُعا
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیحؑ سے

مجلس میں چار سمت ہے اک شورِ مرحبا
یارب دکھا دے روضۂ سلطانِ کربلا!
حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

رباعی

خوں بھائی کا شہ کے روبرو بہتا تھا
پیاسے کا لہو کنارے جو بہتا تھا
تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ
دریا تو اُدھر اِدھر لہو بہتا تھا

مرثیہ ۳۰

۱۸۴ بند

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج
کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکلکشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے سب پیشوا کی فوج
جنت کا رخ کئے ہے شہِ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جن و انس و ملک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب علم کے نکلنے کی دھوم ہے
حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار
اک سو ٹہل رہے ہیں رفیقانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارتِ علمِ فوجِ شاہؑ ہے
ایک اک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

رخ ہر کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ
کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
جھک جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ
چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ
بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تنتا ہے کوئی تیغ کے قبضے کو چوم کے
ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ایک کے گلے
ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب خلد میں چلے
چہرے وہ سرخ سرخ وہ جرأت کے ولولے
حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے
مر کر بھی دل میں اُلفتِ حیدرؑ کی بو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے آبرو رہے

حاضر ہے ذوالجناحِ شہنشاہِ بحر و بر
کلغی ہے یا کہ خوشۂ پرویں قریبِ سر
خادم چنور لئے ہیں مگس راں ادھر ادھر
پیچھے ہیں بادپائے عزیزانِ نامور
گھوڑے سمندِ سروِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تختِ سلیماں کے ساتھ ہیں
ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہے یہ پکار
آتے ہیں اب حضور خبردار! ہوشیار!
خلعت پہن رہے ہیں علمدارِ نامدار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

یہ سن کے شاد ہو گئی فوجِ حسینؑ سب
آئے رفیق سب درِ دولت پہ با ادب
بولے حبیب ابنِ مظاہر کہ شکرِ رب
ہاں سرفروشو جنگ و جدل کا مزا ہے اب!
سر دے کے لے بہشت کی جس کو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں
قابل اسی کے دوشِ مبارک کے ہے نشاں
بازوئے شاہِ دیں جسدِ مرتضےٰ کے جاں
پیروں کا سرپرست جوانوں کا قدرداں
باتیں ہمیروں کی خدا کے ولی میں ہیں
سب اس میں جمع ہیں صفتیں جو علیؑ میں ہیں

الفت وہی حیا وہی مہر و فا وہی
طاعت وہی وقار وہی اتقا وہی
بخشش وہی کرم وہی جود و سخا وہی
جرأت وہی جدال وہی دبدبا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے
خود تھا علیؑ کا قول کہ عباسؑ شیر ہے

بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتہ دار
لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
جیسے نبیؐ کی فوج میں تھے شیر کردگار
ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اسی کا ہے
شیرِ خدا کے بعد یہ حصہ اسی کا ہے

باہر تو اشتیاقِ علم میں ہے سب سپاہ
خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہِ دیں پناہ
سب خویش و اقربا ہیں مسلّح قریبِ شاہ
ہیں سامنے علم لئے عباسؑ عرش جاہ
رتبے کو اوج۔ نخلِ ترقی مراد پر
گویا علیؑ کھڑے ہیں مہیّا جہاد پر

شیرِ خدا کا خودِ مبارک ہے زیبِ سر
کلغی ہمائے اوجِ سعادت کے جس میں پر
مہتاب ہے کہ ابر سے نکلا ہوا قمر
ابرو ہیں ذوالفقارِ یداللہ نامور
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسولؐ
رخسار تھے کھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول
قد سروِ باغِ حسن نہ پستی فزوں نہ طول
وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
یہ شور تھا فلک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ پُرجگر
عباسؑ مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر
رخ کی ضیا ادھر تھی علم کی ضیا ادھر
وہ آسماں حشم تو یہ کیواں جناب ہیں
غل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

زینبؑ بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار
منصب مبارک لے شہِ مرداں کے یادگار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عباسؑ ذی وقار
مجھ کو سمجھئے عونؑ و محمدؑ کا جاں نثار
ان کی طرف سے مہتمِ بند و بست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں میں پیش دست ہوں

فرماتی تھیں یہ دخترِ خاتونِ کائنات
تم دونوں کے بزرگ ہو یہ کون سی ہے بات
اُس وقت ہے خوشی جو اس آفت سے ہو نجات
سمجھوں کہ بیکسوں کو دوبارہ ملی حیات
گھیرا ہے بے گناہ شہِ مشرقین کو
تم سب شریک ہو کے بچا لو حسینؑ کو

سب خوش تھے خیمۂ شہِ ذی جاہ میں مگر
چیں بر جبیں تھے زینبؑ ناشاد کے پسر
نے جانبِ عَلَم تھی نہ ماں کی طرف نظر
آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو جھکے تھے سر
اس طرح تھا عرق رُخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

پھر کر اُدھر سے ماں نے جو بیٹوں پہ کی نظر
سمجھیں عَلَم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا اِدھر
آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش نہ مجھ میں حواس تھے
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس تھے

ہتھیار سج چکے ہیں شہنشاہِ حق شناس
تم نے نہ زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس
دولھا سے بن کے جاؤ امامِ اُمم کے پاس
کچھ ملگجے ہیں آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سرمہ لگا دوں گیسوئے مشکیں سنوار دوں

شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل
تیغوں میں پہلے ہم کو کرے سرخرو اجل
اب کیا ہوا یہ کون سا غصّے کا ہے محل
آنکھوں میں اشک رُخ پہ عرق ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

ماں پر یہ آفتیں ہیں یہ ماموں پہ ظلم و جور
پیارو ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور
اب مشورے ہیں اور تصوّر ہیں اور اور
وہ دل نہیں وہ آنکھ نہیں وہ نظر نہیں
اوروں کا ذکر کیا تمھیں میری خبر نہیں

اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں
ہوتا ہے آفتوں میں محبّت کا امتحاں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں
مجھ سے سوا ہے کون تمھارا مزاج داں
جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصّے کی آنکھ کاہے کو پہچانتی ہوں میں

پردا ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال
دونوں نے عرض کی کہ نہیں کچھ نہیں ملال
ہاں ہم کو آج بھول گئے شاہِ خوش خصال
اَوروں کی پرورش ہے ہمارا نہیں خیال
کیا ورثہ دارِ جعفرِ طیار ہم نہ تھے
اِس عہدۂ جلیل کے حق دار ہم نہ تھے

انگشت رکھ کے دانتوں میں ماں نے کہا کہ ہا!
دیکھو سنیں نہ زوجۂ عباسِ باوفا
غبطہ نہ اس میں چاہیئے جو امرِ خیر ہو
اک دو پہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال
اس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال
پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے

لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم
سنتے تھے تم جو کہتے تھے عباسِ ذی حشم
صدقے گئی خلافِ ادب کچھ سخن نہ ہو
کنبے میں ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال
دیجیے ہمیں سزا جو بل ابرو پہ پھر پڑیں

زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
دے ایسے بیٹے سب کو زمانے میں کردگار
لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو
پہنائے پیار سے انھیں پھر فاخرہ لباس
جب ان کو لے کے آئیں امامِ امم کے پاس
دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں

نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گل بدن
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن
لشکر سے تیر کیں مری جانب جو آئیں گے
بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر
اک جان ہے بس اور یہ دو پارۂ جگر
پالا ہو جس نے اس کا نہ کچھ حق ادا کروں

اب اس کا ذکر کیا ہے جو ہونا تھا ہو چکا
اچھا یہ ہے خوشی کی جگہ یا گلے کی جا
واری وہ کون غیر ہیں تم کون غیر ہو
تم ہوگے تابہ عصر نہ عباسؑ خوش خصال
مجھ کو نہیں یقین کہ بچے فاطمہؑ کا لال
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

اب کچھ کہو گے منھ سے تو ہوگا مجھے بھی غم
دو جا کے ان کو تہنیتِ عہدۂ علم
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو
کہتی ہوں صاف میں مجھے ہوگا بہت ملال
ہم باوفا غلام ہیں کیا تاب کیا مجال
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

دونو ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم ذی وقار
چھوٹوں کے تم بزرگ بزرگوں کے خرد ہو
ہتھیار جب لگائے تو روئیں بدردِ یاس
بولے گلے لگا کے انھیں شاہِ حق شناس
زینبؑ انھیں بھی بھیجو گی کیا قتل گاہ میں؟

تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر!
مایا مری یہی، یہی دولت، یہی ہے زر
ان کو بچاؤں گر تو کسے پھر فدا کروں

پھر عرض کی کہ اے خلفِ شاہِ قلعہ گیر
دونوں نے بنتِ شیرِ خدا کا پیا ہے شیر
تلواریں چمکیں خون کے دریا چڑھے رہیں
حضرت کے آگے بات کی ان کو نہیں مجال
دادا کا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
کیجیے نظر سنوں پہ تو بے شک صغیر ہیں
روتی بھی میں جو آج کی شب کو بہ دردِ یاس
آکر کہا کہ آپ کو اتنا ہے کیوں ہراس
کل شیر سب ہیں اور یہ دشتِ مصاف ہے
حضرت کے ساتھ فضلِ خدا سے ہیں وہ دلیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں زخمیوں کے ڈھیر
بچے ہیں شیر کے جنھیں بچہ سمجھتی ہیں
بیکا ہو دشمنوں کا شہِ دیں کے بال اگر
حضرت تک آسکے کوئی کیا جان کیا جگر
نانے شجاع کے ہیں نواسے دلیر کے
لاکھوں میں دشمن جواں نہیں اس آن بان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے
سَو سَو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا
خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے
ہم بھی ہیں بنتِ فاطمہؑ کے شیر کے پلے
چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
دونوں نے اس طرح فصاحت کیا بیاں
گویا دوبارہ آ گئی میرے بدن میں جاں
محسن ہو آج جو میرے بھائی کی تیج کرے

اس کا نہ کیجیے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر
سینہ سپر کریں گے یہ جس دم چلیں گے تیر
امید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں
مخفی حضور پر ہے ارادوں کا ان کے حال
تیغ و سپر میں ہے شہِ مرداں کی چال ڈھال
ہمت میں نوجواں ہیں متانت میں پیر ہیں
دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
آسان کچھ ہے قتلِ شہنشاہِ حق شناس؟
سن لیجیے گا آپ کہ میدان صاف ہے
تھرّا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جب کہ شیر
کر دیں گے رستموں کو زبردستیوں سے زیر
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں
پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
ساعد ہیں یہ علیؑ کے یہ بازو ہیں شیر کے
حافظ ہیں سب یہ مصحفِ ناطق کی جان کے
ہل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا
رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
مرتے ہیں شوق میں کہیں تلوار تو چلے
لاشے زمیں پہ ہوں گے لہو آسمان پر
مجھ کو یقینِ فتح ہوا یا شہِ زماں
خوش ہو کے بولی میں کہ تصدق ہو تم پہ ماں
اس منھ کے میں نثار خدا اس کو سیج کرے

ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بغور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور
سکّہ پڑے حسین علیہ السّلام کا
نو دس برس کے ہیں ابھی بچوں کے کیا ہیں سِن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مُسن
گھوڑے اُڑا اُڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
پہروں ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں سُنیں حضور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
ہر بار اُلٹ گئے کُرتے کی ننھی سی آستیں
ہیں مرتضیٰ علیؑ کے پسر شیرِ خشمگیں
کل نیمچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی بیاں
میں نے کہا قوی ہوئے کچھ دستِ ناتواں
اب تو غلام قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
فرمایا شہ نے ان کی شجاعت میں فرق کیا
اچھا ہمارے ساتھ چلے ایک دل رُبا
تم کس طرح جیوگی جو دونوں سے یاس ہو
زینبؑ نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جُدا
چرچا ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے

دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
جب چین ہو مٹے جو یزیدِ لعیں کا دور
خطبہ ہو منبروں پہ شہیدوں کے نام کا
راتیں یہ غفلتوں کی ہیں اور کھیلنے کے دن
لیکن کنیز ان کی طرف سے ہے مطمئن
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے
کہتا ہے نیمچے کو ہلا کر وہ ذی شعور
اس کو نہ قصرِ خلد ملے اور نہ وصلِ حور
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں
کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیرانِ اہلِ کیں
جانیں ہزار ہوں تو نثارِ امامِ دیں
روتی ہیں والدہ ہمیں دُنیا سیاہ ہے
ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
بولے کہ خیر آئے تو ہنگامِ امتحاں
کوفے کا ڈر ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں
ہیں ورثہ دارِ شیرِ الٰہی یہ با وفا
زینبؑ تمہارے پاس رہے ایک مہ لقا
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو
دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
میں طالبِ ثواب یہ خواہانِ آبرو
میں بھی جنابِ فاطمہؑ کی ورثہ دار ہوں
کھیلے تو ایک گھر میں پلے ہیں تو ایک جا
بیشک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
وہ کس طرح جیے گا جُدا ہو کے بھائی سے

دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں   روتے ہیں اس طرح کہ مجھے بھی رلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانے کو کھاتے ہیں   مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخم نیزہ و شمشیر کھائے گا   انصاف آپ کیجئے یہ مر نہ جائے گا

چھوٹا تنک مزاج ہے یا شاہِ بحر و بر   سُن لے تو جان دیدے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں ہوئے جس طرح بسر   باہم یوہیں جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو   میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

باپ ان کا آج ہوتا جو یا شاہِ نامدار   کرتا قدم پہ سر کو تصدق بہ افتخار
ایک اُن کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار   میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جانِ زار
ان پہ ہمارا حق ہے تو ہم پر حق آپ کا   یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا

کرتے تھے مجھ سے وقتِ سفر رو کے یہ بیاں   محروم اس شرف سے ہوں میں زار و ناتواں
بچّوں کا ساتھ اور سفرِ خوف الاماں   مجبور دشمنوں میں چلے ہیں شہِ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو   بیٹوں کو تم حسینؑ سے پیارا نہ کیجیو

گردن جھکا کے کہنے لگے شاہِ خاص و عام   تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ تشنہ کام
مٹتی ہے نسلِ جعفرِ طیّارِ نیک نام   چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
للہ ان کے باب میں اب کد نہ کیجئے   ہدیہ فقیر کا ہے اسے رد نہ کیجئے

چُپ ہو گئے بہن سے بہت خوب کہہ کے شاہ   قاسمؑ نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ دیں پناہ
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ   فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے اِلٰہ
حملوں سے فوجِ شام کے جی چھوٹ جائیں گے   جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائیں گے

زینبؑ کے نورِ عین بڑھے جب بصد حشم   کھولا سروں پہ حضرتِ عباسؑ نے علَم
ماں کا اشارا تھا کہ زہے شفقت و کرم   ہاتھوں کو جوڑ جلد جھکو چومنے قدم
کچھ حد ہے اس بزرگی و جاہ و جلال کی   دیکھیں نوازشیں شہِ مرداں کے لال کی؟

لے کر بلائیں بھائی کی بولی وہ سوگوار   اپنے غلام سمجھو انھیں تم پہ میں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گلعذار   ان کی مدد ضرور ہے ہنگامِ کارزار
صدمے سے جان اب نہیں زہراؑ کی جائی میں   دھڑکا یہ ہے کہ دیکھئے کیا ہو لڑائی میں

سیراب اُدھر ہیں سب انھیں سولہ پہر کی پیاس
بستی یہ جب ہو شیر تو بیجا ہے پھر ہراس
بچے کہاں یہ اور وہ دَل فوج شام کا
زندوں میں آؤں میں جو یہ مقتل سے مر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں نام کر کے آئیں
بھیا مجھے قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
عباسؑ نے کہا یہ نہ فرمائیے حضور
بچے کسی نے دیکھے ہیں اس طرح کے غیور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
ہے سب عرب میں لیث سے غالب انھیں کا جد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر بلند و مد
یہ پارۂ جگر ہیں علیؑ سے دلیر کے
کچھ فکر کی جگہ نہ تردد کا ہے مقام
ان سے کبھی جدا نہیں رہنے کا یہ غلام
بندے کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
یہ سُن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ ذی وقار
جو حالِ دل ہے کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر
چھاتی سے سر لگائے ہوئے تھی وہ نوحہ گر
غم سے جگر لہو تھا شہِ مشرقین کا
بنتِ علیؑ کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف
لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے

کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
رہنا نہ دور ان سے اگر ہے بہن کا پاس
بھیا مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا
کنبے میں سرخرو ہوں اگر خوں میں بھر کے آئیں
خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں گی شیر کی
ایسے یہ شیر ہیں کہ کریں جنگ میں قصور
کوفے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دور
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے
مثلِ علیؑ وغا میں کریں گے یہ جدّ و کد
غل ہو گا گو بچے ہیں ترائی میں دو اسد
سب خصلتیں ہیں شیر کی بچے ہیں شیر کے
سُن لیجئے گا آج یہ جیسے کریں گے کام
ہیں عبدِ سرفروش ہوں اے خواہرِ امام
روتی ہیں آپ کیوں مری جاں ان کے ساتھ ہے
دیکھا بڑھے ہیں جانبِ در شاہِ نامدار
زینبؑ گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
چھٹتی نہیں تم آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں
بہ جائے آب ہو کے جو پتھر کا ہو جگر
رکھے ہوئے تھے دوش پہ سر شاہِ بحر و بر
سیدانیوں میں شور تھا ہے ہے حسینؑ کا
غل تھا مدد کو آئیے اب یا شہِ نجف!
شہ کہتے تھے بہن نہ کرو جان کو تلف
تم مر گئیں تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

فرما کے یہ بڑھا پسرِ ختمِ مرسلیں
مشکل تھا ضبط غش ہوئی وہ بیکسِ حزیں
دامن علم کا کھول کے عباسؑ رک گئے
دیکھا جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام
سر کو جھکا جھکا کے جھکے جب پئے سلام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں

سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب
روح امیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب
نورِ محمدی رُخ انور کی ضو میں ہے
اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے
بہرِ جہادِ راہِ خدا مطمئن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں

بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دم بہ دم
ہر نوجواں سے تھا یہ اشارا بصد حشم
بر میں زرہ کمانِ کیانی تھی دوش پر
ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار
آنکھوں سے شیرِ نر کے جلالت تھی آشکار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے

اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے
ریشِ سفید رُخ پہ سیہ کی خضاب نے
لبریز نورِ سینۂ بے کینہ ہو گیا
کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نامدار
میں بھی اُتر پڑوں گا نہ ہو گے اگر سوار
ہر چند پیرِ خستہ دل و ناتواں شدم

ماتم کی صف پہ بیبیاں زینبؑ کو لے گئیں
خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
صف باندھ کر سلام کو مجرائی جھک گئے
پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
جو سر تھا سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
اس پائے عرش قدر پہ یہ سر نثار ہیں

بس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
بسم اللہ اے خدیوِ زماں مالکِ رقاب
شوکت تری رکاب میں نصرت جلو میں ہے
جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مسن چڑھے
پیدل مگر تھے ابنِ مظاہر رکاب میں

گردن میں کچھ کجی تھی نہ مطلق کمر میں خم
یعنی جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا اک زین پوش پر
رومال پھاڑ کر اُکھیں باندھا تھا استوار
گویا کہ تھی غلاف میں حیدرؑ کی ذوالفقار
رعشہ وداع ہو گیا ہاتھوں کو چوم کے

پائی دعا حبیبؑ کے حق میں جناب نے
پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
یوں جھریاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا
یہ کس لئے پیادہ روی اے نحیف و زار
کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر گہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم
پہونچو جناں میں بحرِ مصیبت کو جھیل کے
وہ لوٹنا بھی خاک کا اب تک ہے یادگار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبیؐ کا پیار
شبیرؑ کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
رو کر کہا حبیب نے آخر ہوا وہ دَور
یہ وقت اور کچھ ہے وہ ہنگام تھا کچھ اور
گردش نئی فلک کی نئے انقلاب ہیں
یہ عرض کر کے روئے حبیبِ وفا شعار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوا سوار
ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
بس چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیر ژیاں بڑھے
یوں طے کیا دلیروں نے اُس راہِ خیر کو
بشاش قتل گاہ میں پہونچے جو وہ دلیر
دعویٰ یہ تھا کہ کیجیو ان سرکشوں کو زیر
تیغوں سے روم و شام کی بستی اُجاڑ دیں
حد سے سوا تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار
پیدل تھے بے حساب تو تھے لاتعد سوار
پیکِ خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے
اکناف بحر و بر میں جو لشکر کا تھا مقام
ناکوں پہ چوکیاں تھیں جزیروں میں اہتمام
آیا کبوتر اُڑ کے جدھر صید ہو گیا

جو بعدِ عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
اچھا تمہارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے
تم پر بھی گرد تھی مری زلفوں پہ بھی غبار
فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوستدار
لوٹے گا یہ لہو میں یوہیں جانتا ہوں میں
اب ان کا دَور ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جَور
مولا کبھی رہا نہیں دُنیا کا ایک طور
کوثر ہے جن کا آج وہ محتاجِ آب ہیں
جُھک کر کہا یہ پیرِ غلام آپ پر نثار
رو کے رہے لجامِ فرسِ شاہِ نامدار
کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے
آگے جو تھے رُکے ہوئے وہ سب جواں بڑھے
مشتاقِ تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن میں سیر کو
نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثالِ شیر
عرصہ نہ جنگ میں ہو نہ فتح و ظفر میں دیر
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دیں
لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
فوجوں کا دستِ چپ کی بھی ممکن نہیں شمار
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے
شہر و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام
قاصد جہاں ملا وہ وہیں قید ہو گیا

ظاہر ہوئی سیاہیِ لشکر سے دن کو رات
وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دنیا پرست دشمنِ ساداتِ نیک ذات
مقتل سے کوفے تک ہر قشونِ زبوں صفات
دریا کے صرفِ آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنوئیں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

دنیا میں نیک کم ہیں بہت اور بد ہزار
لکھا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس [۴۰] کل پیادے تھے تینتیس [۳۲] سب سوار
طفل اُن میں تھے کئی سمن اندام و گلعذار
بوٹے سے قد تھے ایک بھی اُن میں جواں نہ تھا
سبزہ بھی جن کے گورے رُخوں پر عیاں نہ تھا

بچوں میں سبزہ رنگ کوئی تھا کوئی صبیح
شیریں سخن لبوں میں نمک رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو اُن کے جو باتیں سُنیں فصیح
مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح
جدّ و پدر کی طرح جری تھے دلیر تھے
بچّے تھے یوں پہ غیظ جو آئے تو شیر تھے

وہ نیمچے ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق
جرأت کا جوش تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں زبانوں کو اس کا ذوق
گیسو رخوں پہ کانوں میں بُندے گلوں میں طوق
آنکھیں جو نرگسی ہیں تو رُخ بھولے بھالے ہیں
نذروں کے منّتوں کے مرادوں کے پالے ہیں

ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہے
کچھ پیاس کا نہ غم ہے نہ فاقوں کا رنج ہے
لشکر وہ ہے کہ حُسن کے دریا کا گنج ہے
چہرہ ہر اک کا ماہِ چہار و دو پنج ہے
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حسن خود کہ نثار ان کی شان کے

کم گو کوئی حسین کوئی شیریں سخن کوئی
بچپن میں سرو قد کوئی رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی تو گل پیرہن کوئی
تصویرِ جد کوئی تو شبیہِ حسنؑ کوئی
دولت یہی حسینؑ کے حصے میں آئی تھی
مایہ تھی فاطمہؑ کا علیؑ کی کمائی تھی

شیرانِ دشت کو جگرا ایسے نہیں ملے
غوّاص کو کبھی گہر ایسے نہیں ملے
حمزہ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے
جعفر نے پائے بال۔ پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبیؐ کے بعد خدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصہ علیؑ کا تھا

پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گلعذار
تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عباسؑ نامدار
شیرو ابھی نہیں ہے تمہیں حکمِ کارزار
حجت تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کرنا۔ منع کیا ہے حضور نے

عجلت کو جانتے ہیں سبک جو ہیں بردبار
دیکھو تماشہ فوج کی کثرت ہے بے شمار
جلدی نہ کیجو گہ کہ لڑائی میں دیر ہو
دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ تشنہ کام
بیٹے سے مُسکرا کے یہ کہنے لگے امام
بیٹا یہ سن میں چھوٹے ہیں سب میں بڑے ہو تم
بپھرے ہوئے ہیں شیر خبردار ہوشیار
عجلت ہر ایک امر میں بچّوں کا ہے شعار
جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کے نام پر
تسلیم کرکے شہ کو مرتب جو کی وہ صف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف
اُن سے کسی جہان میں عشق و لی نہیں
شرمندہ جس سے چاند ہو چہرے وہ تابناک
خود وادی السلام جو چھانے نجف کی خاک
تسبیح ہاتھ آئے یہ کِس نیک نام کو
شیرِ خدا کے ساتھ جگر بندِ نامدار
پوتے بھتیجوں وحیدِ زماں فخرِ روزگار
خود جس کی فرع و اصل علیؑ و بتولؑ تھے
یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گلعذار
یاں منزلت بھی قدر بھی قیمت بھی فوت تھی
تیغ و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب
گر دیکھ لیں وہ حسنِ ملیح اور وہ شباب
پریاں تو اُن کے سایے کا پیچھا نہ چھوڑتیں

بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر ذی وقار
باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو
کر دیجیے ہیں علی اکبرؑ کے پانیام
عاشق تمہارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
اچھا صف ان کے باندھ کے آگے کھڑے ہو تم
کوئی بڑھانے پائے نہ اس صف سے راہوار
بہلا کے روکے رہنا انھیں تم پہ میں نثار
گھوڑے اُڑا کے جا نہ پڑیں فوجِ شام پر
سب اُس پرے میں تھے گہرِ قلزمِ شرف
زہراؑ کے رشتہ دار یداللہ کے خلف
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں
دلِ بُلبلوں کے خوں تو گریباں گلوں کے چاک
ایسے کبھی ملیں نہ گہر ہائے صاف و پاک
دُرِّ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو
دونوں نواسے حضرتِ زہراؑ کے یادگار
یکتائے دہر پانچ بھتیجے فلک وقار
یہ سب اُسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے
کیف و کمِ ثمن ہے کتابوں سے آشکار
عالم کی جان فخرِ حسینانِ روزگار
زہراؑ کے یوسفوں کی خریدار موت تھی
سرکائے چہرۂ علی اکبرؑ سے پھر نقاب
حوریں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں رہے نہ تاب
دامن کبھی جنابِ زلیخا نہ چھوڑتیں

لاریب فیہ حسن میں یوسف تھے بے مثال
گستاخیاں معاف ادب کا بھی ہے خیال
مثلِ بنی ملیح تھے یہ سب نکو خصال
وہ چاشنی سخن کی وہ شیرینیِ مقال
شور آج تک ہے خوبیِ یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حسن کہ جس میں نمک نہیں

ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے
کھولا ادھر علم کو علمدارِ شاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیر خواہ نے
طوبیٰ لکم کہا شہِ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمینِ سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

رایت وہ سبز لشکرِ سادات کا نشاں
دامانِ پاکِ کشتیِ اُمّت کا بادباں
پنجہ مثالِ پنجۂ خورشید زرفشاں
پرچم تھا بال کھولے تھی یا حوری جناں
مشک و عبیر و عود کا بازار سرد تھا
مٹّی کا عطر خاک کی خوشبو سے گرد تھا

نقارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں
گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شیپور کے غریو سے ہلتا تھا آسماں
قرنا کی وہ مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے ادھر بھی شیر کہ رن بولنے لگا

شہنا کا شور سن کے لرزتا تھا بند بند
برچھی ہلی رسالوں میں نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند
ڈر کر کنوتیوں کو بدلنے لگے سمند
سن کر دہل کا شور کلیجے دہل گئے
صحرا سے دب کے شیرِ نیستاں نکل گئے

پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بے شمار
مولا نے غازیوں کو دیا حکمِ کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار
جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار
ہوں گی نہ ہیں نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جاں نثارِ حقِ نمک سے ادا ہوئے

حُر و بریر و وہبِ عمیرِ فلک مقام
وہ مسلم ابن عوسجۂ عرش احتشام
سعد و زہیرِ قین و حبیبِ خجستہ کام
وہ شیر جس کا بو عمرِ نہشلی تھا نام
جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
اک ایک مرتے مرتے پروں کو اُلٹ گیا

نکلے وغا کو ایلچیِ شاہ کے پسر
ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیرِ نر
دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر
رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اُتار کے
مارے گئے وہ شیر ہزاروں کو مار کے

لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسینؑ ۔۔۔ نکلے پرے سے حضرتِ زینبؑ کے نورِ عین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین ۔۔۔ رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین
پھر وقت کون سا ہے جو اب ہم فدا نہ ہوں ۔۔۔ دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس ۔۔۔ دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبرؑ سے آپ پوچھ لیں یا شاہِ حق شناس ۔۔۔ فرما رہی ہیں والدۂ آسماں اساس
اب گھر میں آئیو تو وغا کر کے آئیو ۔۔۔ سر لے کے ابنِ سعد کا یا مر کے آئیو

فرمایا خیر فوج سے جنگ و جدل کرو ۔۔۔ جو ماں نے کہہ دیا ہے اُسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو ۔۔۔ بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو
راحت نے اس طرف نہ کیا رُخ نہ چین نے ۔۔۔ دیکھے نہ ماں نے بیاہ نہ سہرے حسینؑ نے

تسلیم کر کے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے ۔۔۔ غل پڑ گیا جہاد کو دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبرِ ضرغامِ دیں چڑھے ۔۔۔ نظروں سے سب اُتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں ۔۔۔ دو بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

پہونچے جو رن میں برجِ شرف کے وہ آفتاب ۔۔۔ نیزے زمیں پہ گاڑ دیے مثلِ بوتراب
نعرہ کیا کہ او پسرِ سعد بے حجاب ۔۔۔ ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار ہزاروں پیادے ہیں ۔۔۔ تلوار پہلے تجھ سے چلے یہ ارادے ہیں

ہم نے سنا ہے یہ کہ قریشی نسب ہے تو ۔۔۔ نیکوں میں بد ہوئے ہیں بدوں میں خجستہ خو
ہم ٹوکتے ہیں او سگِ ناپاک و کینہ جو ۔۔۔ شیروں سے آ وغا کو جو ہے پاسِ آبرو
فاقوں میں زور دیکھ جدال و قتال دیکھ ۔۔۔ دعویٰ ہے کچھ تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ

ماں بنتِ فاطمہؑ ہیں بنی فاطمہؑ ہیں ہم ۔۔۔ دادا ہیں ابنِ عمِّ رسولِ فلک حشم
ہیں اس طرح حسب میں نبیؐ و علیؑ ہم ۔۔۔ دو نام کو ہیں ایک ہیں یہ کعبہ و حرم
بھائی جُدا ہے خویش جُدا ہے وصی جُدا ۔۔۔ اُن سے علیؑ جدا نہ خدا سے نبیؐ جدا

بے فصل ہو وصی نبی مالک الرقاب ۔۔۔ ضرغامِ دیں مدینۂ علمِ نبیؐ کا باب
دریائے فیضِ رحمتِ معبود کا سحاب ۔۔۔ نورِ خدا سپہرِ جلالت کا آفتاب
جو اُن سے منحرف ہوا وہ دوزخی ہوا ۔۔۔ ایسا کوئی شجاع نہ ایسا سخی ہوا

کہف الوریٰ سراجِ ہدیٰ حجتِ خدا
جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
خاکی بنا وہ آئینۂ قدرتِ خدا
حق ساتھ ہے حسینؑ کے ہم اُن کے ساتھ ہیں
پہنچا علیؑ کا زور جنھیں یہ وہ ہاتھ ہیں

چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور
مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا وفور
مرنا ہے ہر طرح یہ تامل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دو اس پہ طنابوں کو کاٹ کے

کھنچے یہ کہہ کے نیمچے دونوں نے یک بہ یک
پہونچی زمیں سے آئینۂ مہر تک چمک
گاوِ زمیں ادھر تھی ہراساں اُدھر سمک
ڈر کر پروں پہ نادِ علیؑ پڑھتے تھے مَلک
غل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
اک جا ہیں دو یہ نیمچے یا ذوالفقار ہے

دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں فرس بڑھے
جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون روکے شیر بڑھے جب تو بس بڑھے
مقتل میں مثنیٰ ہو کے گرے جو کہ دس بڑھے
بچوں نے زورِ حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علیؑ کا دکھا دیا

وہ دونوں اشہبوں کی روا رو ادھر اُدھر
کاووں میں پس کے مر گئے سَو سَو ادھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ مہِ نو ادھر اُدھر
پھیلی ہوئی زمیں پہ تھی ضَو ادھر اُدھر
کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

آئے جدھر خدا کا غضب آگیا اُدھر
پلٹے جدھر یہ رعبِ علیؑ چھا گیا اُدھر
جھپٹے جدھر شکست عدو کھا گیا اُدھر
ٹھہرے جہاں کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر
انساں تو کیا کہ شیروں کے زہرے بھی آب تھے
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب تھے

کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں
کیوں کر روا روی میں خوش اندازیاں لکھوں
کس طرح نیمچوں کی سرافرازیاں لکھوں
کیا دونوں شاہزادوں کی جاں بازیاں لکھوں
پوتے ہیں کس جری کے خلف کس ولی کے ہیں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علیؑ کے ہیں

جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت انھیں میں ہے
جعفر کی شان و شوکت و صولت انھیں میں ہے
شبیرؑ سے کریم کی ہمت انھیں میں ہے
کونین بخش دیں یہ سخاوت انھیں میں ہے
گو ان کے مدح خوانوں کے لب بے سوال ہیں
مُنھ بھر دیں موتیوں سے کہ زینبؑ کے لال ہیں

وہ چھوٹے چھوٹے خود وہ پیشانیوں کی شان
وہ دبدبہ وہ رعب وہ عمرانیوں کی شان
دیں داریوں کا نور خدا دانیوں کی شان
وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
باہم چلے نہ زور گیا کچھ نہ کس گیا
جب چمکے مینہ سروں کا سراسر برس گیا

جس صف پہ دور سے وہ جلالت قرین بڑھے
غل پڑ گیا کہ دلبرِ ضرغامِ دیں بڑھے
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشمگیں بڑھے
شیروں کا وہ شکار ہوئے جو لعیں بڑھے
زندہ بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
دو حصے ہو کے موت کے تقسیم ہو گئے

چلّے سے جس کا تیر ملا تن پہ سر نہ تھا
جز گوشۂ فرار کسی جا مفر نہ تھا
زندہ جو بھاگے چین اُدھر تھا ادھر نہ تھا
کشتوں کے پشتے تھے کہ نظر کا گذر نہ تھا
دریا تھا یا سپاہ صفیں تھیں کہ موج تھی
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوج تھی

نیزوں میں جس طرف وہ گئے بے دھڑک گئے
شیروں کی بو جو آگئی گھوڑے بھڑک گئے
زندوں کے خوفِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے
زخموں سے کیا مزا تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے دریا سے اُٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دنیا سے اُٹھ گئے

وہ گورے گورے ہاتھ وہ نازک کلائیاں
وہ بازوؤں کا زور وہ تیغ آزمائیاں
وہ نیمچوں میں تیغِ علیؑ کی صفائیاں
وہ ولولے وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پہ دو شیر آ پڑے

جس پہلواں پہ عون کی تلوار پڑ گئی
چہرہ تو کیا ہے زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی
سر تیز اک سناں تھی کہ پتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو روکے صف سے وہ مردک نکل گیا
گویا قفا کو توڑ کے ناوک نکل گیا

اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے
آفت کا معرکہ ہے لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہر کا یہ ترائی غضب کی ہے
چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لئے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لئے

جس پر اُڑا کے رخش وہ جانباز جا پڑا
ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز جا پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز جا پڑا
خود منہ کے بل سمندِ سبکتاز جا پڑا
دونوں ہیں نورِ عینِ علیؑ سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں کوئی دیکھے جو گھور کے

اللہ کا غضب اُدھر آیا جدھر بڑھے
پہونچا سروں پہ تیغ کا سایہ جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا جدھر بڑھے
گھونگٹ سپاہِ شام نے کھایا جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابنِ زیاد پر
گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر

ماتھے وہ اور وہ پیچ عمامے کے لٹ پٹے
گیسو جو بنتِ فاطمہؑ نے ہاتھ سے بٹے
وہ ابروؤں کے بل کہ ہلالِ فلک کٹے
آنکھیں وہ نرگسی تھیں کہ جس سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے
رخسار چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

وہ برگِ گل سے لب وہ دہن ان کے تنگ تنگ
وہ بھینی بھینی بو کسی غنچے میں وہ نہ رنگ
لعل و گہر ہیں ان درِ دنداں کے آگے دنگ
اک منجمد وہ قطرۂ نیساں ہو اور یہ سنگ
تشبیہ بھی جو اُن سے نہ دی نا اُمید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

گورے گلے کہ جن سے نمایاں ہو نورِ حق
سُرخی نہیں یہ مہرِ منوّر پہ ہے شفق
وہ نیچے وہ ہاتھ دلِ کفر جس سے شق
سینے میں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق
خالی ہیں گو شکم پہ یہ جرّار سیر ہیں
فاقہ تو وارث ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

اُن دونوں اشہبوں کی وہ چھل بل وہ تنگ جائے
جو اُن کی چال دیکھنے آئے وہ دنگ جائے
صورت کا نہ پتا نہ وہ سرعت کا ڈھنگ جائے
اُڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جائے
پریاں تھیں دو وہ اسپِ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہما کی تیز پری اور پر نہ تھے

اسوار آفتاب تو گھوڑے تھے ماہ رو
سرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاں دار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو
صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بو
ڈھالا تھا جوڑ بند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہونچے بلور کے

دونوں کنوتیاں کہ دو پیکانِ تیر ہیں
چاروں سم اُن کے غیرتِ ماہِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجئے جو نظر بے نظیر ہیں
یال ایسی جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سرعت میں اُن سے طیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

آئے اُدھر سے گر تو ادھر سے نکل گئے
پہونچے کنارِ بحر تو بر سے نکل گئے
مانندِ برق لشکرِ شر سے نکل گئے
دو تیر آگے تیز نظر سے نکل گئے
یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش
سرعت کو دیکھ لیں تو اُڑیں طائروں کے ہوش
برگستواں میں جسم کہ رستم تھا درع پوش
گرتا تھا منھ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش
پریاں اُڑا سکیں نہ روش اُن کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا آنکھیں غزال کی

وہ سم وہ نعل اور وہ سینے وہ ترک تاز
زیور تھا ایک شب کی دُلھن کا کہ اُن کے ساز
بدر و ہلال و آئینہ و کبک و شاہباز
وہ کلغیاں کہ طرۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گہر پسینے کے قطرے ٹپکتے ہیں
ہیکل کی تختیاں کہ ستارے چمکتے ہیں

گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر وہ فلک جناب
پر ایڑیاں جمی ہوئی تھیں مثل بوتراب
بے جا قدم رکھیں یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
حیدر سے شہسوار کی یہ ران باگ ہے

گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی
فاقہ تھا پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی
کن سرکشوں کے جسم سے گردن جدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلّالِ مشکلات کے بچّوں کے ہاتھ تھے

بچوں کے نیچے بھی غضب آب دار تھے
سیلِ فنا تھے صاعقۂ شعلہ بار تھے
دونوں بہم جو ہو کے اُٹھے ذوالفقار تھے
سائے کو بھی شریک جو کیجے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو زین کو
دو ہاتھ کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

قبضے وہ تکیہ گاہ ظفر جن کا نام ہے
پھل وہ کہ جس کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر الیتام ہے
کاٹ ایسا سنگِ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ دم نکلتے ہیں جس کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے
گوشوں میں سر جھکا کے کماں دار چھپ گئے
چار آٹھ میں جو قتل ہوئے چار چھپ گئے
زخموں کے گل بہت جو کھلے خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیز بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

جن کے جبے تھے رنگ وہ بے رنگ ہو گئے
لڑنے کا حوصلہ نہ رہا تنگ ہو گئے
چار آئینہ جو پہنے تھے جو زنگ ہو گئے
بچّوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
دھومیں وغا کی قاف سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف صفیں صاف ہو گئیں

کوئی بچے نہ رومی و رازی جدھر پھرے   جھک جھک گئیں صفیں وہ نمازی جدھر پھرے
غازہ لگایا فتح نے غازی جدھر پھرے   پسپا تھے یکہ تاز وہ تازی جدھر پھرے
مہلت نہ سر اُٹھانے کی تھی فوجِ شام کو   دونا بلند کر گئے جعفر کے نام کو

جا پہونچے تھے مقامِ بن سعد کے قریں   بھاگا عقب سے جیبر کے خیمے کو وہ لعیں
کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں   ہاں ہاں کا شور کر کے بڑھے سب عدوئے دیں
بھاگا اُدھر تو جوش میں وہ اضطراب کے   یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

چھوٹے نے عرض کی یہ سراپا ہیں مکر و کید   دیکھا حضور جھپٹ گیا پنجے میں آکے صید
چھپنے کی شرم ہے نہ انھیں بھاگنے کی قید   فرمایا عون نے یہ ہے استادِ زرق و شید
بھاگا طنابیں کٹتے ہی کیا حیلہ ساز ہے   ہیچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

بڑھ کر پکارے حضرتِ عباسؑ عرش جاہ   کس سمت ابن سعد ہے او شمر روسیاہ
ذلت اُٹھا کے بھاگ گیا افسرِ سپاہ   رو کے گئے نہ ایک سے دو طفل واہ واہ
سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں   یوں لشکروں سے شیر کے فرزند لڑتے ہیں

ہاں مرد اگر ہے سامنے بچوں کے آ تو جائے   بھاگے گا پھر تو خیر کوئی زخم کھا تو جائے
مخفی کدھر ہے شیروں کو صورت دکھا تو جائے   بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
بپھرے ہیں شیر ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے   گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ خبر تو لے

بھاگا رئیس خود یہ خبر چار سو گئی   عزت سبھوں کی آج گئی آبرو گئی
آخر شغال تھا نہ دبکنے کی خو گئی   خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی
جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جو نکل گیا   ضیغم جلال میں ہیں کہ آہو نکل گیا

مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پر   اک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
آنکھیں چرائیں شیر جب آئے جلال پر   سردار ہو کے چھپ گیا تف اس جدال پر
پائے نہ گر شکار تو جانباز کیا کرے   کنجشک جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ   خیمے کو لے کے پشت پہ سب جم گئی سپاہ
دریا کی فوج اُدھر سے ہوئی بڑھ کے سدِ راہ   چاروں طرف سے گھر گئے زینبؑ کے رشکِ ماہ
پتھر بھی تیرِ ظلم بھی نیزے بھی چل گئے   سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر
غصے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر
انبار ادھر سروں کے اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف زرد ہو گیا
تلوار جس پہ سن سے چلی سرد ہو گیا

تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر
اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عباسؑ بڑھ کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر
کیا کیا لڑے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعد شوم کے

پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں
تیغیں ہیں برچھیاں ہیں سنانیں ہیں تیر ہیں
رو کر امامِ دیں نے کہا اب اخیر ہیں
کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں صغیر ہیں
نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن نہ تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی لڑنے کے دن نہ تھے

زینبؑ کھڑی تھی پردے کے پیچھے جو بے قرار
فضہؑ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
کیا کیا لڑے ہیں حیدر و جعفر کے یادگار
حضرت سے مدح کرتے ہیں عباسِؑ نامدار
جس وقت ذکرِ معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام
میں اُن کی اک کنیز یہ دونوں پسر غلام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لالہ فام
اُس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوجِ شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر با حواس ہیں
بی بی وہ ابنِ سعد کے خیمے کے پاس ہیں

تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشکِ ماہ
کثرت ہے اس قدر کہ پہونچتی نہیں نگاہ
گہ بھاگتی ہے گاہ پلٹتی ہے سب سپاہ
آوازِ دار و گیر تو گردوں پہ جاتی ہے
دونوں کے نیمچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک اُدھر
ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینبؑ جھکائے سر
عباسؑ نے کہا شہِ والا سے دوڑ کر
چلیے حضور لٹ گیا بنتِ علیؑ کا گھر
گھبرا کے کشمکش میں دم اُن کے نکل نہ جائیں
لاکھوں سوار ہیں کہیں بچے کچل نہ جائیں

تلوار لے کے قاسمِ شیریں سخن بڑھے
عباسؑ کیا بڑھے شہِ خیبر شکن بڑھے
مانندِ شیر اکبرؑ گل پیرہن بڑھے
فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے
پردے میں اہلِ بیتِ نبیؐ کے خلل نہ آئے
ڈیوڑھی پہ تم رہو کہیں زینبؑ نکل نہ آئے

پہونچے یہ تین شیر جو مقتل میں ایک بار
ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گلعذار
دُنیا سے وقتِ کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے
بچّوں کو جاں کنی میں جو پایا حسینؑ نے
آنکھوں سے خوں جگر کا بہایا حسینؑ نے
آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے

پہونچے قریبِ خیمہ جو شاہِ فلک سریر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا باحالتِ تغیر
دوڑو حسینؑ خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں
دوڑے اُدھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم
رایت کے نیچے بچّوں کے تھیں میّتیں بہم
لاشوں کے آگے اکبر یوسف جمال تھے

ماتم کی صف سے اُٹھ گئیں زینبؑ یہ کہہ کے بات
لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سلطانِ کائنات
لڑکے بھی چھاتیوں کو ہم پیٹنے لگے
بیٹھی میں ایک گوشے میں زینبؑ جو ننگے سر
پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیئے ذرا اُدھر
آنچ آمنہ کی دل کو جلائے تو کیا کروں

بس سُن چکی کہ نام کیا خوب لڑ چکے
کنبہ تمام ہو چکا دو گھر اُجڑ چکے
اب اُن کا غم نہ فکر مرے گھر کی چاہیئے
بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں میں بین
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبرؑ بھی روئیں گے

کیا پیدلوں کا ذکر فراری ہوئے سوار
بند آنکھیں مُنھ کھُلے ہوئے ہونٹوں پہ جانِ زار
گردن میں ایک بھائی کے بھائی کا ہاتھ ہے
بوسے لئے گلے سے لگایا حسینؑ نے
ہاتھوں سے نیمچوں کو چھڑایا حسینؑ نے
چھوٹے کی لاش قاسمؑ نوشاہ لے چلے

تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر
فضّہ پکاری اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر
دولہا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں
ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا عَلَم
آپہونچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم
کپڑے ہر اک کے خون سے بچّوں کے لال تھے

لوگو بتاؤ کون سے دولہا کی ہے برات
دوڑیں لُٹے کے بچّے کو بانوئے خوش صفات
لاشوں کے گرد آ کے حرم پیٹنے لگے
واں جا کے بولیں بانوئے ناشاد و نوحہ گر
فرمایا میں نہ جاؤں گی بچّوں کی لاش پر
گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں کھیت پڑ چکے
گودی میں جو پلے تھے وہ بچّے بچھڑ چکے
بی بی سلامتی علی اکبرؑ کی چاہیئے
بے صبر ہے یہ دل میں کہیں گے مجھے حسینؑ
کیوں کر چلوں کھڑے ہیں شہنشاہِ مشرقین
صدمہ مجھے یہ ہے کہ برادر بھی روئیں گے

بھائی کا حق ادا ہوا احسانِ کردگار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہوگا بے قرار
چلیئے نہ ضبط کیجئے فریاد و آہ کو

لاشوں پہ لائیں بی بیاں زینبؑ کو تھام کر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک ادھر اُدھر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ کیوں بین ہوتے ہیں

ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہِ خوش خصال پر

کیسی یہ نیند آج ہے پیارو اُٹھو اُٹھو
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو اُٹھو اُٹھو
ان پیاری پیاری آنکھوں پہ اماں نثار ہو

سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اُتار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے نہ برگ ہے

لاکھوں سے معرکے میں وغا کرکے آئے ہو
دولھا بنے ہو خون میں سب بھر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے

کیونکر ملے گا ماں کو تمہارا سراغ ہائے
یوں بجھ گئے ہماری لحد کے چراغ ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے

کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے
سینے فگار چاند سے بازو کٹے ہوئے
نہ کچھ تزک نہ تخت شہیدوں کو چاہیئے

رونا ہے واں بھی میں یہیں روؤں گی زار زار
کی عرض آپ صاحبِ ماتم ہیں میں نثار
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

ماتم کی صف پہ گر پڑیں وہ سوختہ جگر
بچّے کدھر ہیں کچھ مجھے آتا نہیں نظر
لوگو نہ غل مچاؤ مرے لال سوتے ہیں

اس بیکسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہراؑ کے لال پر

ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو اُٹھو اُٹھو
اُلجھے ہیں گیسوؤں کو سنوارو اُٹھو اُٹھو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
چونکو اُٹھو کلام کرو ماں سے پیار کے
اب سمجھی میں یہ نیند نہیں خوابِ مرگ ہے

بچپن کی غفلتیں یہ نہیں مر کے آئے ہو
صدقے گئی رُلانے کو مادر کے آئے ہو
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

لوٹا اجل نے حیدرؑ و جعفرؑ کا باغ ہائے
میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ہائے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

اُلجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
ہے ہے کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
مرنا یونہیں جہاں میں سعیدوں کو چاہیئے

تابوت اُٹھاتی دھوم سے مرتے وطن میں گر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے ادھر اُدھر
ام البنین پٹیتی روضے پہ جائیں گی
بچو تمھیں بتاؤ میں غربت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو نہ کسی دل کو صبر ہے
مجبور تم بھی ماں بھی ہے ناچار میں نثار
رستہ بُرا ہے باندھ لو ہتھیار میں نثار
اللہ اس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
سُنتی ہوں اس سفر میں خطر بے شمار ہیں
پُرسش ہے روک ٹوک ہے جنگل ہے خار ہیں
منزل کا شب کی ماں کو پتہ دے کے جائیو
دن ڈھل گیا قریب ہے شام اے مسافرو
کچھ تو کرو زباں سے کلام اے مسافرو
پیٹوں گی جنگلوں میں جو تم کو نہ پاؤں گی
کہتا تھا باپ شب کو نہ بچے نکلنے پائیں
دربار میں بھی ہوں تو سویرے سے گھر میں آئیں
پہونچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے روؤ گے
شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار
ان بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار
اب واری سُرخرو ہوئے تم رب کے سامنے
یہ بین کر کے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر
اک حشر تھا کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گزر نہ جائے

ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے نوحہ گر
کیا حشر ہوگا پہونچے گی یثرب میں جب خبر
صغراؑ کے پاس بی بیاں پُرسے کو آئیں گی
گھر ہے نہ یہ وطن ہے مصیبت میں کیا کروں
فاقوں میں تشنگی میں صعوبت میں کیا کروں
پانی نہ غسل کو نہ کفن ہے نہ قبر ہے
تنہائی میں خدا ہے مددگار میں نثار
چھوٹے مرے پسر سے خبردار میں نثار
کھٹکا جہاں ہو بھائی کی بھائی مدد کرے
جانیں وہی اسے جو میانِ مزار ہیں
وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گزار ہیں
قربان جاؤں ساتھ مجھے لے کے جائیو
کس بن میں شب کو ہوگا مقام اے مسافرو
بھیجو گے کب پیام و سلام اے مسافرو
میں شب کو ڈھونڈتی ہوئی مقتل میں آؤں گی
بھولے ہیں راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
ہے ہے یہ دشتِ ظلم جو کرتا ہے سائیں سائیں
واری اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے
تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
باتیں وہ رات کی مجھے بھولیں گی نہ وہ پیار
لو دودھ میں نے بخش دیا سب کے سامنے
غش آیا سانس اُلٹ گئی ٹکڑے ہوا جگر
بانوؑ پکاری سوئے علم دار دیکھ کر
لاشے اُٹھاؤ شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

بس اے انیسؔ طول سے بہتر ہے اختصار
خالق سے ہاتھ اٹھا کے دعا کر بہ انکسار
ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو

ہاں ختم کر کے مرثیۂ شاہِ نام دار
قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ فلک وقار
حامی جناب فاطمہ زہرؑا کا ماہ ہو

تمام شد

رباعی

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سُن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے بوستاں یکرنگ
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

رباعی

چل جلد اگر قصدِ سفر رکھتا ہے
تو کچھ بھی مآل کی خبر رکھتا ہے
راحت دُنیا میں کس نے پائی ہے
جو سر رکھتا ہے دردِ سر رکھتا ہے